کلماتُ الصّادقین

تالیف

محمد صادق دہلوی کشمیری ہمدانی

ترجمہ

لطیف اللہ

از متن فارسی مرتبہ

ڈاکٹر محمد سلیم اختر

کلمات الصادقین

(۱۰۲۳ھ تک دہلی میں مدفون بزرگانِ دین کا تذکرہ)

تالیف

محمد صادق دہلوی کشمیری ہمدانی

ترجمہ

لطیف اللہ

از متن فارسی مرتبہ

ڈاکٹر محمد سلیم اختر

ادارہ نشر المعارف

کراچی

بار اول	اگست ۱۹۹۵ء
تعداد	ایک ہزار
قیمت	دو سو روپے
طابع	فضلی سنز۔ کراچی
ناشر	ادارہ نشر المعارف
	شیرستان بلڈنگ۔ مولانا دین محمد وفائی روڈ کراچی

حسن علا سجزی، صاحبِ "فوایدالفواد" نوّراللہ مرقدہ کی روح پاک کی نذر
جن کے قلم کی نور افشانی نے
حضرت سلطان المشایخ شیخ نظام الدین محبوبِ الٰہی قدس سرّہ کے
جمالِ علم، عقل اور عشق کی دید سے بہرہ ور فرمایا

ہیچ کارہ
لطیف اللہ

فہرست

عکسِ خیال

ایک روز حسب معمول مکرمی و محترمی مشفق خواجہ صاحب کی خدمت میں حاضر ہوا ۔ خواجہ صاحب نے " کلمات الصادقین " کا فارسی نسخہ احقر کو عنایت کرتے ہوئے فرمایا ، اس کا ترجمہ کر دو ۔ خواجہ صاحب کے ارشاد کی تعمیل میں اردو ترجمہ پیش خدمت ہے ۔ راقم السطور بغیر کسی ریا و انکسار کے عرض کرتا ہے کہ کلمات الصادقین کا ترجمہ احقر کے محدود علم اور استعداد سے بہت بعید تھا ۔ یہ محض حق تعالی کا کرم اور میرے شیخ محترم و معظم مرشدی و مولائی مولانا ڈاکٹر غلام محمد صاحب دامت فیوضہم کے فیض صحبت اور بے پایاں عنایت و شفقت کا اثر ہے کہ یہ مشکل کام احقر سے سرانجام پا گیا ۔ اس ایک ترجمے پر کیا موقوف ہے ، احقر نے اب تک جو تصنیفی کام کیے ہیں وہ حضرت والا ہی کے باران فیض کے ترشحات ہیں ۔

صد منت خیالِ تو بر خسرو است از آنک
گہ گہ بخواب با تو قریں می کند مرا

اس ترجمے میں احقر کی یہی کوشش رہی ہے کہ ترجمے کی عبارت رواں ، سلیس اور عام فہم رہے لیکن کلمات الصادقین جس عہد میں تصنیف ہوئی (اکبر تا شاہجہاں) اس دور کی فارسی نثر پر صنائع اور بدائع کا اثر اپنے عروج پر تھا ، کلمات الصادقین اس خصوصیت سے کس طرح مبرا ہو سکتی تھی ۔ اس تصنیف میں یہ موج بار بار اٹھتی ہے چنانچہ یہ قطعی ممکن ہے کہ ایسے مقامات پر ترجمے میں ابہام پیدا ہوا ہو ۔ یہ ابہام احقر کی نارسائی کے سبب سے ہے ، جس کا کھلے دل سے اعتراف ہے ۔ علاوہ ازیں اس تصنیف میں بزرگوں کے کلمات ، اقوال اور ملفوظات درج ہیں جن کا تعلق ان کے خاص احوال و مقامات سے ہے ۔ مترجم حال و مقام سے ناآشنا بے حال شخص ہے ، یہاں بھی حضرت والا کے فیض صحبت نے دست گیری فرمائی ہے ۔ جیسا بن سکا ترجمہ کر دیا ہے ۔ اس ضمن میں اپنی ہر ممکنہ غلطی پر تمام بزرگوں کی ارواح پاک سے معذرت خواہ ہوں ۔ اللہ تعالی احقر کو معاف فرمائیں ۔

یہ احقر فارسی کی تو شدبد رکھتا ہے لیکن عربی سے بیگانۂ محض ہے ۔ عربی عبارات میں نے محترم مولانا عمر احمد عثمانی صاحب اور محترم حکیم محمود احمد برکاتی صاحب سے جو مجھ پر بہت شفقت فرماتے ہیں ، حل کرائی ہیں دونوں حضرات کا بے حد ممنون ہوں ۔

مکرمی و محترمی ڈاکٹر محمد سلیم اختر زاد مجدہ نے اس ترجمے کے بعض مقامات کی تصحیح فرمائی ۔ ڈاکٹر صاحب کا بے حد سپاس گزار ہوں کہ انھوں نے احقر کو اپنی توجہ کے لائق تصور فرمایا ۔ ڈاکٹر صاحب نے اپنے انگریزی مقدمے میں کتاب اور صاحب کتاب سے متعلق جو معلومات فراہم کی ہیں انھیں مختصر طور پر آیندہ

صفحات میں بیان کر دیا گیا ہے۔

اس ترجمے کا تمام تر بہرۂ تحسین محترم مشفق خواجہ صاحب کو ملنا چاہیے کہ ان کی ایما اور کوشش سے دہلی میں مدفون صوفیہ کے اس تذکرے سے اردو داں حضرات کو بھی استفادے کا موقع مل گیا۔

وصلی اللہ تعالی علی خیر خلقه سیدنا و مولانا و شفیعنا محمد و علی آله و صاحبه اجمعین

چشتیوں کی خاک پا

لطیف اللہ

۳۱ مارچ ۱۹۸۹ء

۱/۱۹۔ ڈی۔ ۳۔ ناظم آباد

کراچی

کلمات الصادقین اور اس کا مصنف

کلمات الصادقین کے مصنف محمد صادق دہلوی کشمیری ہمدانی اپنے عہد کے ایک قابل ذکر مصنف اور تذکرہ نگار ہیں۔ اس کے باوجود ان کے حالات زندگی مکمل طور پر کسی تصنیف یا تالیف سے دستیاب نہیں۔ ان کی ولادت کس سال ہوئی؟ وفات کس سنہ میں ہوئی؟ ان کا معاشی مشغلہ کیا تھا؟ انھوں نے زندگی کس طرح بسر کی؟ یہ سب تفصیلات پردۂ خفا میں ہیں۔ البتہ ان کی زندگی کے وہ پہلو ضرور سامنے آئے ہیں جن کے بارے میں انھوں نے کلمات الصادقین میں جستہ جستہ اشارے کیے ہیں یا ان کی دیگر تصنیفات سے مستنبط ہوتے ہیں۔

مصنف کا خاندان:

محمد صادق دہلوی کے آبا و اجداد ہمدان کے رہنے والے تھے۔ ان کے جد اعلی آٹھویں صدی ہجری میں میر سید علی ہمدانی کے ساتھ ہجرت کر کے کشمیر آئے۔ میر سید علی ہمدانی کچھ عرصے کشمیر میں قیام کر کے واپس چلے گئے لیکن محمد صادق دہلوی کا خاندان کشمیر ہی میں آباد ہو گیا۔ اس خاندان کا ذریعہ معاش تجارت تھا۔ جس کا دایرہ گرد و پیش کے علاقوں سے نکل کر دہلی تک پھیلا ہوا تھا۔

محمد صادق دہلوی کے جد مادری مولانا حاجی محمد ہمدانی نے کشمیر سے نکل کر ہندوستان کا رخ کیا اور دہلی میں مستقل سکونت اختیار کر لی۔ مصنف کلمات الصادقین نے بیان کیا ہے کہ مولانا حاجی محمد ہمدانی اور مولانا کمال کشمیری سیالکوٹی اور ایک دوسرے طالب علم کشمیر میں ایک ممتاز استاذ سے استدلالی علوم کی تعلیم حاصل کر رہے تھے کہ ان استاذ کا انتقال ہو گیا۔ ان کے انتقال کے بعد مولانا حاجی محمد ہمدانی اور مولانا کمال کشمیری نے ہندوستان کا رخ کیا لیکن مولانا کمال کشمیری سیالکوٹ سے آگے سفر جاری نہ رکھ سکے۔ تاہم مولانا حاجی محمد ہمدانی نے اپنا سفر جاری رکھا اور غالباً ۹۲۳ھ میں دہلی آئے۔ یہاں انھوں نے اپنی تعلیم مکمل کی اور پھر خود مدرسہ دہلی میں طالب علموں کو درس دینے لگے۔ ان کی وفات ۱۹ صفر بروز جمعرات ۱۰۰۶ھ میں ہوئی۔

محمد صادق دہلوی کے ماموں مولانا حسن کشمیری اپنے زمانے کی دہلی کی معروف ہستیوں میں سے تھے۔

اخبار الاخیار میں مولانا بحشی کے ترجمے میں ان کا ذکر توصیف کے ساتھ کیا گیا ہے۔ مولانا حسن کشمیری نے مولانا محمد یزدی کی نگرانی میں اپنی تعلیم مکمل کی جو اپنے زمانے کے فاضل علما میں شمار کیے جاتے تھے۔ وہ عہد اکبری میں شہر دہلی کے قاضی بھی مقرر کیے گئے تھے۔

مولانا حسن کشمیری نے باطنی تعلیم شیخ چاین لڈا المعروف بہ نجم الحق سے حاصل کی۔ شیخ نجم الحق شیخ عبدالعزیز جون پوری کے خلیفہ اور جانشین تھے اور قصبہ سنہ تحصیل گوڑ گاؤں پنجاب میں رہایش پذیر تھے۔ ان کی وفات ۹۹۸ھ میں ہوئی۔ مولانا حسن نے تاریخ وفات کا قطعہ تحریر کیا۔ شیخ نجم الحق کی وفات کے بعد مولانا حسن کشمیری حضرت مجدد الف ثانی رحمتہ اللہ علیہ کے ایما پر جن سے مولانا حسن کے دوستانہ مراسم تھے، حضرت خواجہ باقی باللہ قدس سرہ سے رجوع کیا اور ان کے مخلصین و معتقدین میں شامل ہو گئے۔

مولانا حسن کشمیری کے علاوہ مولانا حاجی محمد کشمیری ہمدانی کے ایک اور فرزند ملا الہ داد دہلوی، کشمیری، ہمدانی تھے۔ ان کی دلچسپیاں علم ریاضی اور نجوم تک محدود تھیں۔ انھیں سلوک و طریقت سے کوئی تعلق نہ تھا۔

مولانا حسن کشمیری کے ایک فرزند تھے جن کا نام ابوالحسن دانا تھا۔ انھوں نے شعر و سخن کی دنیا میں نام پیدا کیا۔ ستائیس سال کی عمر میں ۱۰۳۸ھ میں ان کا انتقال ہوا۔

مولانا حاجی محمد کشمیری ہمدانی کی صاحبزادیوں کے تین بیٹوں کا بھی ذکر کیا گیا ہے۔ وہ یہ ہیں حافظ محمد خیالی، ملا حیدر دہلوی اور ملا محمد یوسف کشمیری۔ حافظ محمد خیالی اعلیٰ پائے کے شاعر تھے۔ انھیں نجوم، ریاضی اور جفر میں دستگاہ حاصل تھی۔ خیالی ایک خوددار شخص تھے، انھوں نے کسی در کی جبہ سائی کو کبھی پسند نہیں کیا۔ ملا حیدر دہلوی حیرت انگیز صلاحیتوں کے شخص تھے۔ حافظ قرآن تھے اور خاصی کم عمری میں تعلیم حاصل کر چکے تھے۔ ملا محمد یوسف کشمیری محمد صادق دہلوی کے بھائی تھے۔ وہ شاعری اور علم ادب میں مہارت رکھتے تھے۔ خاص طور پر ان کی قصیدہ گوئی اس فن کے جملہ محاسن کی حامل تھی وہ لشکر شاہی میں ملازم تھے۔ ۱۰۳۲ھ میں ان کی وفات ہوئی۔

محمد صادق دہلوی کے اساتذہ:

محمد صادق دہلوی کے سب سے اول اور نمایاں استاذ شیخ عبدالحق محدث دہلوی تھے۔ برصغیر پاک و ہند کی تاریخ میں شیخ عبدالحق محدث دہلوی کا مقام ہر حیثیت سے نمایاں اور ممتاز ہے۔ محمد صادق دہلوی کے دوسرے استاذ شیخ چاند دہلوی تھے۔ انھوں نے ۱۰۲۹ھ میں وفات پائی اور مقبرہ بخاریاں میں مدفون ہوئے۔

محمد صادق دہلوی کے شیخ طریقت :

محمد صادق دہلوی نے سلوک و طریقت میں حضرت محمد باقی باللہ قدس سرہ کے ہاتھ پر بیعت کی اور سلسلہ نقشبندیہ کے اذکار حضرت خواجہ سے حاصل کیے ۔ اس اعتبار سے وہ حضرت مجدد الف ثانی کے خواجہ تاش (پیر بھائی) تھے ۔

کلمات الصادقین کا نمونہ اور ترتیب :

اپنی ترتیب اور نمونے میں کلمات الصادقین ، فخر الدین علی صفی ابن ملا حسین واعظ کاشفی کی تصنیف رشحات عین الحیات کے طرز پر ہے ۔ رشحات خواجہ عبیداللہ احرار کے ملفوظات پر مبنی ہے اور نفحات کے بعد نقشبندیہ سلسلے کی اہم تصنیف خیال کی جاتی ہے ۔ بعینہ محمد صادق دہلوی نے اکثر بزرگوں کے حالات بیان کرنے کے بعد ان کے کلمات قلمبند کیے ہیں ۔ اسی خصوصیت کے پیشِ نظر انھوں نے اس تصنیف کا نام "کلمات الصادقین" رکھا ۔

کلمات الصادقین کے مآخذ :

محمد صادق دہلوی نے جن مستند اور معتبر تذکروں اور ملفوظات سے استفادہ کیا ہے ان کی تفصیل یہ ہے ۔

(۱) فواید الفواد مصنفہ امیر حسن سجزی علا ۔ مصنف نے اپنی اس تصنیف میں حضرت سلطان المشایخ شیخ نظام الدین محبوب الٰہی قدس سرہ کے ملفوظات جمع کیے ہیں ۔ یہ فارسی نثر میں روایت باللفظ کا اعلی ترین نمونہ ہے اور اس میں حضرت محبوب الٰہی کی سیرت و اخلاق نیز ان کی تعلیمات و ہدایت کے تمام پہلو سمیٹ دیے گئے ہیں ۔ یہ مجموعہ ملفوظات تمام و کمال حضرت محبوب الٰہی کی نظر مبارک سے گزرا ہے ۔ یہی ایک خصوصیت اس کے مستند ہونے کے لیے کافی ہے ۔

(۲) خیرالمجالس مصنفہ حمید قلندر ۔ یہ حضرت نصیر الدین چراغ دہلوی کی ملفوظات ہیں جو سلطان المشایخ شیخ نظام الدین محبوب الٰہی قدس سرہ کے خلیفہ اور جانشین تھے ۔ حمید قلندر نے خیرالمجالس میں حضرت چراغ دہلوی کی ایک سو مجالس کے ملفوظات قلمبند کیے ہیں ۔ خیرالمجالس میں فواید الفواد کی اکثر حکایات و تعلیمات کا اعادہ ہے ۔ فواید الفواد کی مانند خیرالمجالس بھی صاحب ملفوظات کی نظر سے گزری ہے اور جہاں ضرورت تھی حضرت چراغ دہلوی نے اس کی تصحیح بھی حمید قلندر سے کرائی ہے ۔

(۳) سیرالاولیافی محبت حق جلا و علا ۔ مصنفہ سید محمد بن مبارک کرمانی المعروف بہ امیر خورد ۔ یہ تصنیف سلسلہ چشتیہ کی تاریخ ، بزرگانِ چشت کے حالات اور حضرت سلطان المشائخ قدس سرہ کے مکمل سوانحی حالات پر مشتمل ہے ۔ اس اعتبار سے فواید الفواد اور خیرالمجالس میں حضرت سلطان المشائخ کے سوانحی حالات میں جو کمی رہ گئی ہے سیرالاولیا سے وہ کمی پوری ہو گئی ہے ۔ سلطان المشائخ کے قابل ذکر مریدوں کے حالات بھی سیرالاولیا میں بیان کیے گئے ہیں جن سے محمد صادق دہلوی نے پورا پورا استفادہ کیا ہے ۔

(۴) اخبار الاخیار مصنفہ شیخ عبدالحق محدث دہلوی رحمتہ اللہ علیہ ۔ اس تصنیف میں برصغیر پاک و ہند کے تمام سلاسل کے بزرگوں کا ذکر ہے ۔ اخبار الاخیار کو تین طبقات میں تقسیم کیا گیا ہے ۔ طبقہ اول میں خواجہ معین الدین چشتی ، آپ کے معاصرین کے حالات ہیں ۔ طبقہ دوم میں شیخ فرید الدین گنج شکر ، آپ کے معاصرین اور خلفا کے حالات ہیں ۔ طبقہ سوم میں حضرت نصیر الدین چراغ دہلوی سے اپنے عہد تک تمام بزرگوں کا ذکر ہے ۔

(۵) گلزار ابرار مصنفہ محمد غوثی شطاری ۔ گلزار ابرار میں پانچ چمن ہیں ۔ پہلے کے تین چمن میں ان ہی بزرگوں کے حالات کا اعادہ ہے جن کے بارے میں محمد غوثی سے قبل لکھا جا چکا تھا ۔ آخر کے دو چمنوں میں بالخصوص آخری چمن میں شطاری سلسلے کے بزرگوں کے حالات ہیں ۔

(۶) ضیاء الدین برنی کی تاریخ فیروز شاہی سے بھی محمد صادق دہلوی نے استفادہ کیا ہے ۔

محمد صادق دہلوی کی دیگر تصانیف :

کلمات الصادقین کے علاوہ محمد صادق دہلوی کی دو اور تصانیف ہیں ۔ ایک طبقاتِ شاہجہانی اور دوسری آثار شاہجہانی ۔

(۱) طبقاتِ شاہجہانی میں امیر تیمور کے عہد سے شاہجہاں کے عہد حکومت تک نو ابواب میں مختلف ادوار کے سادات ، صوفیہ ، علما ، اطبا اور شعرا کا تذکرہ ہے ۔ اس کا ایک خطی نسخہ برٹش میوزیم اور دوسرا انڈیا آفس لائبریری میں ہے ۔

(۲) آثار شاہجہانی جسے اخبارِ جہانگیری بھی کہتے ہیں محمد صادق دہلوی کی تیسری تصنیف ہے ۔ اس کا غالباً واحد اور کسی حد تک ناقص قلمی نسخہ خدا بخش پبلک لائبریری پٹنہ میں موجود ہے ۔ آثارِ شاہجہانی کے مقدمے میں علاوہ دوسری باتوں کے لفظ " بادشاہ " کے معنی بیان کیے گئے ہیں اور بادشاہ پر حق تعالی اور مخلوق کے جو فرایض ہیں ان کی صراحت کی گئی ہے ۔ مطلعے میں حضرت آدم سے شاہجہاں تک خاندانی نسب نامہ بیان کیا گیا ہے ۔ باب مقصد میں مختلف انبیا علیہم السلام ،

خلفائے راشدین اور صاحب تقویٰ بادشاہوں کے قصص بیان کیے گئے ہیں۔

کلمات الصادقین کے خطی نسخے:

ڈاکٹر محمد سلیم اختر نے اپنے مرتب کیے ہوئے فارسی متن کے مقدمے میں تحریر کیا ہے کہ انھوں نے کلمات الصادقین کی تدوین چار خطی نسخوں کو سامنے رکھ کر کی، جن کی تفصیل یہ ہے۔

(۱) کتب خانہ آستانہ قدس رضوی مشہد۔ یہ رمضان ۱۱۲۳ھ / اکتوبر ۱۷۱۱ء کا مکتوبہ ہے۔ اسے عبداللہ کاتب نے نستعلیق میں نقل کیا ہے۔

(۲) مخطوطہ خدا بخش اورینٹل پبلک لائبریری پٹنہ۔ اس نسخے کو نستعلیق میں کسی غیر معروف کاتب نے جس کا نام سید غلام علی بن سید سعد الدین تھا، نقل کیا ہے۔

(۳) تیسرا خطی نسخہ جناب عارف نوشاہی کا مملوکہ ہے۔ یہ خطی نسخہ دیگر خطی نسخوں کے مقابلے میں سب سے بہتر اور قدیم نسخہ ہے۔ یہ نسخہ بھی خط نستعلیق میں نقل ہوا ہے۔ اس نسخے کی ایک خصوصیت اور انفرادیت یہ ہے کہ اس میں میر نظام الدین احمد المعروف بہ قاضی خاں بدخشی کے حالات بھی تحریر کیے گئے ہیں جو دوسرے نسخوں میں نہیں پائے جاتے۔ کلمات الصادقین کے آخر میں میر نظام الدین احمد کے حالات بطور ضمیمہ شامل کر دیے گئے ہیں۔

(۴) چوتھا خطی نسخہ ڈاکٹر قریشی احمد حسن احمد قلعہ داری گجرات کا مملوکہ ہے۔ اس کے شروع کے چند صفحے غایب ہیں۔

ڈاکٹر محمد سلیم اختر نے چاروں نسخوں کے اختلافات کتاب کے آخر میں درج کر دیے ہیں۔ ڈاکٹر صاحب نے جناب عارف نوشاہی کے مملوکہ نسخے کو اپنے مرتبہ مطبوعہ نسخے کی بنیاد بنایا ہے۔

احقر مترجم کی گزارشات:

جناب ڈاکٹر محمد سلیم اختر کے مقدمے سے استفادہ کرنے اور خود فارسی متن کا ترجمہ کرنے کے بعد کلمات الصادقین کی چند خصوصیات واضح طور پر سامنے آتی ہیں۔

کلمات الصادقین کی اولین خصوصیت یہ ہے کہ اس تصنیف میں پہلی مرتبہ صرف ان بزرگان دین اور صوفیہ کرام کے حالات زندگی بیان کیے گئے ہیں جن کے مقابر و مزارات شہر دہلی میں واقع ہیں، خواہ ان کا تعلق برصغیر پاک و ہند کے کسی علاقے یا مقام سے ہو۔ اس اعتبار سے تصوف و سلوک کی اشاعت اور

مقبولیت کے حوالے سے دہلی مرحوم کی دینی اور روحانی عظمتوں کا مکمل نقش ہمارے ذہنوں اور دلوں پر مرتسم ہوتا ہے۔ بعض بزرگوں کے کلمات (ملفوظات) اس نوعیت کے ہیں کہ وہ ایک مستقل تصنیف کا عنوان بن سکتے ہیں۔ اس کے علاوہ مختلف ادوار کے سلاطین اور ملوک کے عہدِ حکومت کے واقعات اس تذکرے کو تاریخ کے مختلف رنگوں کی میناکاری کا مرقع بھی بنا دیا ہے۔

اس تصنیف کی دوسری خصوصیت یہ ہے کہ اس سے قبل کے تذکروں میں بزرگوں کے مقابر و مزارات کی بہت کم نشاندہی کی گئی ہے۔ مثال کے طور پر امیر خورد کرمانی کی سیرالاولیا جس میں صرف حضرت محبوب الٰہی قدس سرہ کے مریدین کے مزارات کی جو اندرون درگاہ واقع ہیں نشان دہی کی گئی ہے لیکن کلمات الصادقین میں اکثر بزرگوں کی قبروں کے مقام کی تفصیل ملتی ہے۔

اس تصنیف کی تیسری خصوصیت اس کا دلکش و دل آویز اسلوب اور طرز بیان ہے۔ محمد صادق دہلوی کی نثر محض نثر عاری نہیں ہے نہ مقفیٰ مسجع اور مرجز ہے بلکہ ایک آراستہ پیراستہ ادبی نثر ہے۔ اس اسلوب کی انفرادیت سے محمد صادق دہلوی کے ایک صاحب ذوق ادیب اور لفظ شناس مصنف ہونے کا اظہار ہوتا ہے۔

مقدمے کی اس تلخیص کے بعد آپ کتاب کے فارسی متن اور جناب ڈاکٹر محمد سلیم اختر کے انگریزی حواشی کا اردو ترجمہ ملاحظہ فرمائیں۔ حواشی کے حصے میں کہیں کہیں احقر مترجم نے اپنی گزارشات بھی پیش کی ہیں۔

بسم اللہ الرحمن الرحیم

تمام تعریفیں اور ثنا اس خدائے بزرگ و برتر کے لئے ہیں جس کی عنایات قدیم نے اپنے نیک بندوں کی جانوں کو اوصاف حمیدہ سے مزین فرمایا اور ابرار و اصفیاء کے باغ دل کو پسندیدہ اسرار کے ثمرات سے مالا مال کیا۔ وہ ایسا مربی ہے کہ اس نے بمقتضائے اولیائی تحت قبائی لا یعرفہم غیری[1] اپنے دوستوں کو قربت خاص کے پردہ میں رکھ کر اغیار کی نگاہوں سے چھپا لیا اور ان اولیاء اللہ لاخوف علیہم و لاہم یحزنون[2] کے مطابق اس کے مقبولین میں سے کسی ایک نے بھی طبیعی خوف اور بشری غم کو محسوس نہ کیا۔ وہ ایسا مختار و مالک ہے کہ جو چاہتا ہے کرتا ہے، کسی کو علم و عمل کے نور سے شاد کام رکھتا ہے اور کسی کو جہالت و نادانی کی تاریکی میں رکھ کر مغرور بنا دیتا ہے۔ از مصنف

مثنوی

گواہست بر بودِ گیتی فروز	سیاہیِ شب روشنائیِ روز
چراغِ فلک روشن از نورِ اوست	دماغِ ملک گلشن از سورِ اوست
فرازندۂ چرخ فیروزہ فام	فروزندۂ مہر و مہ صبح و شام
گشایندۂ عقدۂ کفر و دین	نمایندۂ راہِ شک و یقین
برآرندۂ آرزو ہای دل	نگارندۂ صورت از مشتِ گل
حلی بندِ گلشن ببادِ بہار	جگر خوں کنِ غنچۂ لالہ زار

ترجمہ:

رات کی تاریکی اور دن کا اجالا جہان کو روشن کرنے والے کے وجود پر گواہ ہے۔

آسمان کا چراغ، آفتاب اسی کے نور سے روشن ہے۔ اسی کے فضل و شرف کے باعث فرشتے کو تروتازگی کا دوام ہے۔

وہی فیروزی رنگ آسمان کو بلندی عطا کرنے والا ہے۔ وہی سورج اور چاند کو صبح و شام روشنی بخشتا ہے۔

وہی کفر و اسلام کی نہ کھلنے والی گرہ کو کھولتا ہے۔ وہی بے یقینی اور یقین کی راہ دکھانے والا ہے۔

وہی دل کی آرزوؤں کو بر لانے والا ہے۔ وہی مٹھی بھر خاک سے انسان کو پیدا کرتا ہے۔

وہی نسیم بہار کے ذریعے گلشن کو آراستہ کرتا ہے اور وہی کلی کو پھول بناتا ہے۔

اور درود و سلام اللہ کے اس رسول صلی اللہ علیہ وسلم پر، جو نبیوں اور رسولوں میں سب سے افضل ہیں۔ آپ برگزیدہ لوگوں کو ہدایت کرنے والے اور سیدھے راستوں کی نشاندہی کرنے والے ہیں۔ آپ ایسے نبی ہیں جن کے کلام معجز نظام کے پرچم تلے آدم بھی ہیں اور ان کے علاوہ جمیع مخلوق بھی۔ آپ سب کے رسول ہیں اور آپ کی حدیث معتبر ہے کہ میری امت کے علماء بنی اسرائیل کے انبیا کی مثل ہیں۔ آپ ایسے نبی ہیں کہ آپ کی ملت تمام ادیان و ملل کی ناسخ ہے اور آپ کی شریعت تمام شریعتوں اور ان کے اصولوں سے بلند تر ہے۔

مثنوی

رسولِ خدا احمدِ مجتبیٰ	نبی الوریٰ ہادیِ رہنما
نمایاں گُلِ بوستانِ امید	فروزاں چراغ دکانِ امید
امام بحق پیشوایِ رسل	رسولِ امین خواجۂ جزو و کل
شفیعِ خلایق بروزِ جزا	انیسِ غریباں بروزِ عزا
دنی پایۂ قدرِ معراج او	فادنیٰ بیانی ز منہاجِ او
ہزاراں دعا و ہزاراں سلام	بر اولاد و اصحاب و آلش تمام

ترجمہ:

آپ اللہ کے رسول اور بہت زیادہ تعریف کیے گئے برگزیدہ انسان ہیں۔ آپ تمام مخلوق کے نبی، ہادی اور رہنما ہیں۔

آپ گلشن امید کے سب سے زیادہ نمایاں پھول ہیں۔ آپ امید کی دکان کے روشن چراغ ہیں۔

آپ نبیِ برحق ہیں اور رسولوں کے پیشوا ہیں۔ آپ امینِ رسالت اور خواجۂ کائنات ہیں۔

قیامت کے دن آپ ہی مخلوق کی شفاعت فرمائیں گے اور اس مصیبت کی گھڑی میں آپ ہی درماندوں کے ہمدم ہوں گے۔

آپ کی شان معراج یہ ہے کہ آپ اللہ تعالیٰ کے اتنے قریب پہنچے کہ دو کمانوں سے

بھی کم فاصلہ تھا۔ آپ کے منہاج نبوت کا واضح بیان فاوحی الی عبدہ ما اوحی یعنی پھر حکم بھیجا اللہ نے اپنے بندہ پر جو بھیجا میں مضمر ہے۔
آپ پر، آپ کے اصحاب اور آپ کی آل پر ہزار ہا درود و سلام۔
حمد و نعت کے بعد بندۂ گنہگار و شرمسار محمد صادق دہلوی کشمیری ہمدانی، اللہ تعالیٰ اسے راہ صدق میں ثابت قدم رکھے، عرض کرتا ہے کہ یہ رسالہ ان نیکوں، نیک نہادوں، برگزیدہ بندوں اور ولیوں کے احوال پر مشتمل ہے۔ جو شہر دہلی میں مدفون ہیں۔ اس کمترین کی عرصۂ دراز سے یہ تمنا تھی کہ ان بزرگوں کے حالات جمع کر کے لکھے لیکن بعض موانع کے سبب اس آرزو کی تکمیل میں تاخیر ہوتی گئی۔ تاآنکہ ۱۰۲۳ھ میں توفیق حاصل ہوئی چنانچہ متعلقہ کتابوں کی تلاش میں تگ و دو کرتا رہا اور بطور اختصار ان بزرگوں کے حقائق احوال کو اسی گروہ کی تصانیف، خاص طور پر اخبار الاخیار، فواید الفواد، سیر الاولیاء، سیر العارفین، طبقات ناصری اور دوسرے رسائل سے تحریر کئے اور بعض اکابر کے حالات جو اس عظیم شہر میں آسودۂ خاک ہیں علاحدہ کئے اور جہاں کہیں ان حضرات کے حقائق و معارف کی باتوں کو بیان کیا گیا ہے ان کے لئے لفظ "کلمہ" استعمال کر کے ان کے حالات زندگی سے علاحدہ کر کے قلمبند کیا اور اس رسالہ کا نام "کلمات الصادقین" رکھا اور یہ عجیب بات ہے کہ اگر بہ قاعدۂ جمل کلمات الصادقین کی اکائیوں اور دہائیوں سے زبر و بینات اور بینات کے سیکڑے سے نتیجہ حاصل کریں اور مزید دس کا عدد اس میں جمع کریں تو رسالۂ ہذا کے آغاز اور اتمام کی تاریخ معلوم ہو جائے گی[۴] اور یہ بھی حسن اتفاق ہے کہ ان تمام مسلمان سلاطین کے مختصر حالات جنھوں نے اس عظیم شہر میں فرمانروائی کی ہے، ان اکابرین کے ذکر کے ساتھ مذکور ہو گئے ہیں لیکن بادشاہوں کے واقعات میں جس تاریخی تسلسل کی ضرورت ہوتی ہے اس کا اہتمام نہ ہو سکا، جس کا اصل سبب یہ ہے کہ مجھ سے پہلے حضرات نے جس ترتیب سے مشائخ رحمہم اللہ علیہم کا ذکر کیا ہے میں نے بھی لکھتے وقت وہی ترتیب باقی رکھی۔ ناچار ذی شوکت بادشاہوں کے حالات ایک دوسرے سے آگے پیچھے ہو گئے۔ اہل انصاف ناظرین سے یہی توقع ہے کہ اگر وہ تحریر و تقریر کی کوئی غلطی پائیں تو از راہ مرحمت عیب پوشی فرمائیں اور مولف ہذا کو تیر ملامت کا نشانہ نہ بنائیں کہ اس سے زیادہ وقت کی گنجائش نہیں اور زیادہ قیل و قال بھی بلاضرورت ہے۔ میں باطن کی پاکیزگی اور قلب کی صفا سے عاری ہوں اس لئے میرا کلام کب کسی کے دل میں گھر سکتا ہے البتہ اہل دل حضرات کے کلام کی تاثیر اور گرمی دوسری بات ہے۔

بیت

فرق است میان سوز کز جاں خیزد   تاآنکہ بریسمانش باہم بندی

ترجمہ:

وہ سوز دروں جو روح کی اتھاہ گہرائیوں سے اٹھتا ہے اس میں اور رسی کے جلنے میں بہت بڑا فرق ہے۔

یاالٰہی ان منتشر اوراق کی سیاہی کو معانی و بیان کے نکتہ شناسوں کی نظر قبول میں وقعت و قبولیت عطا فرما دیجیے اور ان بے نام و نشان کلمات کی تحریر کو اہلِ بصیرت کی چشمِ اعتبار میں جگہ عنایت فرما دیجیے اور اس کمترین (کے نامۂ اعمال سے) اس کی خطاؤں، پراگندگیوں، غفلتوں اور لغزشوں کو اپنے دستِ الفت و کرم سے مٹا دیجیے۔ یاارحم الراحمین!

مقدمہ

شہر دہلی کے اوصاف کے بارے میں ۔ اللہ تعالیٰ اسے حادثات سے محفوظ رکھے

اللہ تعالیٰ آپ کو نور معرفت کی نعمت سے سرفراز فرمائے ۔ جان لیں کہ دہلی بہت ہی عظیم اور مرتبے والا شہر ہے ۔ اگرچہ اکثر خاصان خدا نے اس کی توصیف کی ہے لیکن حقیقت یہ ہے کہ ہزار کی نسبت سے صرف ایک اور بہت زیادہ کی نسبت سے بہت کم اس شہر کی عظمت ظاہر ہو سکی ۔ بعض اولیاء کی مناجات میں ہے کہ الٰہی دہلی کے عامیوں کی خاک پاک کی حرمت کے طفیل ہم پر رحمت فرما ۔ پس جس کسی کو تھوڑی سی معرفت اور ادنیٰ فہم حاصل ہے اسے پورا پورا یقین ہے کہ حرمین شریفین کے بعد اگر کسی جگہ کو شرف اور کسی شہر کو عظمت حاصل ہے تو یہ بلد شریف سب شہروں میں امتیاز رکھتا ہے اور دوسرے شہروں سے اسے استثنا حاصل ہے اور اسی لئے یہاں کے عوام کا روزمرہ ہے ۔ دہلی چھوٹا مکہ اور خواص بھی اس کی بڑائی میں کسی قسم کا شبہ نہیں رکھتے ۔ سب ہی اس کی عظمت کے قائل ہیں ۔ خواہ اس اعتبار سے کہ اس شہر میں بزرگانِ دین ، مشائخِ عظام ، اہلِ یقین علما ، نامور حکماء ، ذی شوکت سلاطین اور باعظمت امراء ابدی نیند سو رہے ہیں اور دفن ہیں یا خواہ اس لحاظ سے کہ یہ شہر بلند و بالا عمارات ، دلکش باغات ، دل پسند مقامات اور آرام دہ مکانات سے معمور ہے اور اقلیم ہندوستان کا دارالخلافہ ہے اور اکثر شاہان سابق اس شہر میں متمکن تھے ۔ یہیں کارِ جہاں بانی انجام دیتے تھے اور ملکوں کو فتح کرتے تھے اور چونکہ یہ شہر ہمیشہ ہی سے اللہ کے پیارے اور برگزیدہ بندوں اور بادشاہوں کے مقربوں اور مقبولوں کا مسکن رہا ہے اس لئے یہاں کی ہر ہر جگہ ایک خاص تاثیر کی حامل ہے اور نمایاں برکت رکھتی ہے ۔ خاص طور پر حضرت رسالت پناہ صلی اللہ علیہ وسلم کے قدم شریف کی عمارت ، حوض شمسی ، عید گاہ مسجد خواجہ معین الدین ، حضرت سلطان المشائخ کی خانقاہ اور فیروز آباد دہلی ، بہ نسبت شہر کی دیگر جملہ عمارات و مکانات کے بہت زیادہ حامل برکت ہیں اور اسی باعث مشہور بھی ہیں ۔ ہر مقام کی عظمت کا تفصیلی ذکر طوالت کا باعث ہو گا ۔ مختصر یہ کہ بعض عزیزوں کے نزدیک اور جیسا کہ ایک صاحب فہم و فراست نے ایک مقام پر اس کا اظہار بھی کیا ہے کہ تمام شہر دہلی مسجد کے حکم میں داخل ہے اور اپنی ذاتی رفعت و عظمت کے اعتبار سے یہ شہر دیگر تمام شہروں سے امتیازی حیثیت رکھتا ہے اور خواجہ خسرو دہلویؒ کے یہ چند اشعار اجمالاً اس شہر اور اس کے بعض مقامات کے تقدس کی نشاندہی کرتے ہیں ۔

مثنوی

حضرتِ دہلی کنفِ دین و داد — جنتِ عدنست کہ آباد باد
ہست چو ذاتِ ارم اندر صفات — حرسہا اللہ عن الحادثات
گر شنود قصۂ ایں بوستان — مکہ شود زایرِ ہندوستان
قبۂ اسلام شدہ در جہان — بستۂ او قبۂ ہفت آسمان
ساکن او جملہ بزرگان دین — گوشہ بگوشہ ہمہ ارکان دین
مسجدِ او جامعِ فیض الہ — زمزمۂ خطبۂ او تا بماہ
منبرش از خطبۂ بیت اللہی — برسر نہ تخت گرفتہ شہی
درتہِ سقفش ز سماتا زمین — نصب شدہ جملہ ستونہایِ دین
شکل منارہ چو ستونی ز سنگ — از پیِ سقفِ فلکِ شیشہ رنگ
سقف سماکز کہنی شد نگوں — درتہِ آن ساختہ سنگیں ستون
تاج سرش زاوج بگردوں شتافت — گنبدِ بی سنگ فلک سنگ یافت
سنگِ وی از بسکہ بخورشید سود — زو زر خورشید عیاری نمود
ماہ نخسپد ہمہ شب تا سحر — کز سرِ میخش خلہ دارد بر
زاں خلہ ہر بار کہ در ابر داد — برق زجا جست و دگر جافتاد
از پیِ بر رفتن ہفت آسمان — کردہ زمین تا بفلک نردبان
مسجدِ جامع زدروں چون بہشت — حوض زبیرون شدہ کوثر سرشت
در کمرِ سنگ میانِ دو کوہ — آبِ گہر صفوت و دریا شکوہ
در تہِ آبش ز صفاریگ خرد — کور تواند بدل شب شمرد
موجِ بلندش کہ رسد تا بماہ — باز دہد آب بہ ابر سیاہ
سیلِ وی آہنگ بکہسار کرد — کوہ بہ تر دامنی اقرار کرد

ترجمہ:

شہر دہلی دین اور انصاف کا محافظ ہے۔ یہ جنت عدن ہے اللہ تعالی اسے شاد و آباد رکھے۔

یہ شہر اپنی صفات کے اعتبار سے حقیقت جنت کا عکس ہے۔ اللہ تعالی حادثات دنیاوی سے اس کی حفاظت فرمائے۔

اگر مکہ اس باغ کی خوبیوں کا ذکر سنے تو اس کے دل میں ہندوستان دیکھنے کا شوق پیدا ہو جائے۔
یہ شہر دنیا میں اسلام کا منارہ ہے۔ سات آسمان کا گنبد اس کی رفعتوں کا معترف ہے۔
یہ شہر تمام بزرگان دین کا مسکن رہا ہے۔ گویا اس کے گوشے گوشے میں دین کے ستون نصب ہیں۔
اس کی مسجد فیض الٰہی کی جامع ہے۔ یہاں کے خطبے کا زمزمہ چاند تک پہنچتا ہے۔
چونکہ اس مسجد کا خطبہ بیت اللہ سے نسبت رکھتا ہے۔ اس کے منبر کو تمام افلاک پر برتری حاصل ہے۔
اس کی چھت کے نیچے آسمان سے زمین تک دین کے جملہ ارکان نصب ہیں۔ (یہاں سے اشاعت دین کا کام جاری ہے)
مسجد کا منارہ گویا پتھر سے تراشا ہوا ستون ہے۔ جو شیشے کی مانند نازک آسمان تک بلند ہے۔
یا یوں کہو کہ آسمان کی چھت کہنہ ہونے کے باعث جھک گئی ہے۔ جس کے سہارے کے لئے یہ مضبوط ستون بنایا گیا ہے۔
اس منارہ کا کلس آسمان کی بلندی سے بڑھ گیا ہے۔ یوں بے وزن آسمان کو وزن و وقار حاصل ہو گیا۔
اس کے پتھر کو جب آفتاب پر گھسا تو یکایک آفتاب سونے کی مانند چمکنے لگا۔
چاند تمام رات تا صبح سو نہیں سکتا کیونکہ منارے کا سرا اس کے پہلو میں چبھتا رہتا ہے۔
جب تیز تیغ کی مانند بادل میں چبھتا ہے تو بجلی زخمی ہونے کے خوف سے ادھر ادھر جست کرتی ہے۔
سات آسمانوں تک پہنچنے کے لیے زمین نے اس کو نردبان بنا لیا ہے۔
جامع مسجد کا کیا کہنا، اندر سے فردوس مثال ہے۔ اس کے باہر جو حوض ہے وہ گویا کوثر صفت ہے
حوض دو بلندیوں کے درمیان فرش کے وسط میں ہے۔ اس کا پانی موتی کی مانند صاف چمکدار اور دریا کی طرح پر شکوہ ہے۔
پانی کی تہ میں ریت کے چھوٹے چھوٹے ذرے صاف طور پر نظر آتے ہیں حتیٰ کہ اندھا

بھی رات کی تاریکی میں انھیں گن سکتا ہے۔
اس کی بلند موجیں چاند تک پہنچ کر دوبارہ سیاہ بادلوں کو پانی سے بھر دیتی ہیں۔
جب اس کا سیلاب پہاڑ کی جانب رخ کرتا ہے تو پہاڑ خوف زدہ ہو کر اپنی تر دامنی کا اقرار کر لیتا ہے۔
اس پر عظمت اور بابرکت شہر اور اس علاقے کے رہنے والوں اور باشندوں کی توصیف و تعریف حلقہ تصور و خیال سے باہر ہے۔ اس لیے مقصود کی طرف رجوع کرنا بہتر ہے۔ وصلی اللہ علی خیر خلقہ محمد و اصحابہ و ذریاتہ اجمعین۔

خواجہ قطب الدین بختیار اوشی قدس سرہ

آپ اکابر اولیاء اللہ اور برگزیدہ بزرگوں میں سے تھے۔ آپ کو مخلوق میں بڑی مقبولیت حاصل تھی اور آپ نے دنیاوی علائق سے کامل بے تعلقی اختیار کر لی تھی۔ ساری زندگی فقر و فاقہ میں اور اللہ تعالیٰ کی یاد میں استغراق کے ساتھ بسر کی۔ آپ حضرت خواجہ معین الدین سجزیؒ کے جلیل القدر اصحاب میں تھے اور ان کے عظیم خلفاء کے رشتے میں منسلک تھے نیز بہت سے اولیاء اور اصفیا کی خدمت میں رہنے کا شرف بھی آپ کو حاصل تھا۔ جب آپ اڑھائی[6] سال کے تھے تو والد کا انتقال ہو گیا۔ پانچ سال کی عمر میں آپ کی والدہ نے آپ کو ایک مہربان ہمسائے کے سپرد کیا کہ کسی استاد کی خدمت میں لے جائے۔ وہ عزیز آپ کو شہر کے مشہور اساتذہ میں سے ایک استاد ابو حفص کے سپرد کرنے کے خیال سے گھر سے نکلے کہ اثناء راہ ایک نورانی چہرے والے بزرگ بھی ہمراہ ہو گئے۔ دونوں نے آپ کو ابو حفص کے سپرد کیا ان بزرگ نے جو حقیقت میں خضر علیہ السلام تھے استاد سے کہا کہ یہ لڑکا اولیائے کبار میں سے ہو گا۔ اس کی تعلیم پر بہت زیادہ توجہ دیں اور تساہل و غفلت سے کام نہ لیں۔ لیکن قطب الاولیاؒ کے دل میں ابتدائے عمر ہی سے عشق الٰہی کی طلب اور تڑپ جاگزیں تھی اس لئے پیر کامل کی تلاش و جستجو میں لگ گئے۔ اتفاق سے اسی دوران معین الاولیاء (خواجہ معین الدین چشتیؒ) اوش میں تشریف فرما ہوئے اور قطب الاولیاؒ پہلی ہی حاضری میں حضرت سے بیعت ہو گئے۔ حکمت الٰہی کے بموجب خواجہ بزرگ ہندوستان تشریف لے آئے اور اجمیر میں جہاں آپ کا مزار مبارک ہے قیام کیا۔ جب قطب الاولیاؒ کو اس بات کا علم ہوا تو وہ بھی شیخ جلال الدین تبریزیؒ[7] کے ہمراہ ہندوستان کے سفر پر روانہ ہوئے۔ کچھ عرصے ملتان اور لاہور میں قیام کر کے وارد دہلی ہوئے۔ معین الاولیاء نے آپ کو دہلی میں سکونت اختیار کرنے کا حکم دیا۔ اپنی رحلت سے قریب ایام میں خواجہ بزرگ نے آپ کو خلافت عطا کی اور خواجہ عثمان ہارونی[8] کا عصائے خاص آپ کو مرحمت کیا اور خواجگان چشت کی امانت آپ کے سپرد فرمائی۔ چنانچہ یہ تمام واقعہ دلیل العارفین[9] میں تفصیل کے ساتھ مذکور ہے۔ صاحب سیرالاولیاء[10] کا بیان ہے کہ خواجہ قطب الدین شہر بغداد میں امام ابواللیث[11] سمرقندی کی مسجد میں، شیخ شہاب الدین سہروردی، شیخ اوحد کرمانی[12]، شیخ برہان الدین چشتی اور شیخ محمد اصفہانی کی موجودگی میں شیخ الاسلام معین الدین سجزی کی ارادت کے شرف سے مشرف ہوئے۔ ابتدائے سلوک میں اوش ہی میں مشغول بحق رہے۔ وہیں خضر سے ملاقات ہوئی اور رجال غیب[13] سے محبت رہی۔ آپ کی ارادت کا سلسلہ پندرہ اولیائے کبار کے واسطے سے حضرت حسن بصری[14] تک یوں پہنچتا ہے۔

آپ نے خواجہ معین الدین سے خلافت پائی۔ خواجہ بزرگ نے خواجہ عثمان ہارونی[15] سے،

خواجہ عثمان نے خواجہ حاجی شریف زندنی سے، خواجہ حاجی نے خواجہ مودود چشتی سے، خواجہ مودود نے خواجہ ابو یوسف چشتی سے، خواجہ ابو یوسف نے خواجہ ابو محمد سے، خواجہ ابو محمد نے خواجہ ابو اسحق[16] سے، خواجہ ابو اسحق نے ابو ممشاد دینوری سے، ابو ممشاد دینوری نے خواجہ ہبیرہ بصری سے، خواجہ ہبیرہ نے خواجہ حذیفتہ المرعشی[17] سے، خواجہ حذیفہ نے شیخ ابراہیم ادہم[18] سے، ابراہیم ادہم نے فضیل عیاض[19] سے، فضیل عیاض نے شیخ عبدالواحد زید سے خواجہ عبدالواحد نے حسن بصری سے اور انھیں یہ دولت و نعمت علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہم سے پہنچی۔

اخبار الاخیار[20] کا بیان ہے کہ "سلسلتہ الذہب" میں شیخ محمد نور بخش قدس سرہ نے خواجہ قطب الدین کا ذکر ان الفاظ میں کیا ہے۔

> "بختیار الاوشی راہ شریعت پر چلنے والے، نفس کو زیر کرنے والے اور خلوت و تنہائی میں مجاہدہ کرنے والے اولیاء میں سے تھے۔ جب چلّے میں جاتے تو کم کھانا، کم سونا اور دوام ذکر کرنا آپ کا معمول ہوتا اور اہلِ کشف میں آپ کے باطنی احوال کی شان بہت اعلیٰ تھی"۔

اخبار الاخیار[21] میں یہ بھی مذکور ہے کہ خواجہ (قطب الدین) اللہ تعالی کی یاد میں اس درجہ مستغرق رہتے تھے کہ اگر کوئی شخص[22] آپ کی زیارت کو آتا اسے خاصہ انتظار کرنا پڑتا کہ کب یہ کیفیت ختم ہو اور خواجہ اپنے آپ میں آئیں۔ اگر اپنی کوئی بات یا ملاقاتی کے بارے میں کچھ عرض کیا جاتا تو آپ فرماتے مجھے اس وقت معذور رکھو اور پھر یاد الہی میں مشغول ہو جاتے۔ اگر آپ کی اولاد میں سے کوئی فوت ہو جاتا تو آپ کو اس کی خبر بھی نہ ہوتی اور اگر ہوتی تو انتقال کے بعد۔ بیان کیا گیا[23] ہے کہ ایک دفعہ آپ کے ایک صاحبزادے کا انتقال ہو گیا۔ جب لوگ انھیں دفن کرنے کے بعد لوٹے تو گھر سے نالہ و بکا کی آواز آپ کے کان میں آئی تو اٹھ کھڑے ہوئے اور فرمایا کہ اب یہ بات خیال میں آئی کہ اگر میں حق تعالی سے اس کی زندگی کی درخواست کرتا تو حق تعالی دعا قبول فرما لیتے۔ افسوس اس وقت یہ خیال نہ آیا۔

آپ اس حد تک ریاضت[24] اور مجاہدے میں مشغول رہتے تھے کہ ابتدائے زمانہ میں جب نیند کا بہت غلبہ ہوتا تو کچھ دیر آرام فرما لیتے لیکن آخر عمر میں نیند کا غلبہ جاتا رہا اور آپ تمام شب بیدار رہتے۔ علاوہ دوسری مشغولیتوں کے آپ ہر شب تین ہزار مرتبہ درود شریف پڑھتے ماسوا ان دنوں کے جب آپ نے ایک خاتون سے عقد کیا تھا تو درود شریف کا یہ ورد فوت ہو گیا تھا۔ ان ہی دنوں ایک عزیز کو خواب میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت ہوئی۔ فرمایا کہ بختیار کاکی کو میرا سلام پہنچا کر کہنا کہ تین راتوں سے وہ تحفہ جو ہر شب تم پیش کرتے تھے، پیش نہیں ہوا۔ جب خواجہ کو عرض کیا گیا تو اسی وقت اس خاتون کا مہر ادا کر کے رخصت کر دیا۔[25]

آپ کے پاک انفاس کے برکات نو کلمات کے ضمن میں فوائد السالکین سے جو شیخ اجل و اعظم

فرید الحق والدین سے منسوب ہے نقل کئے جاتے ہیں۔

کلمہ ۱۔ صاحب سجادہ کے لئے اس قدر قوت باطن ضروری ہے کہ جب کوئی شخص مرید ہونے کی نیت سے اس کے پاس آئے تو ایک ہی نظر میں اس کے سینے کے زنگ کو صاف کر دے تاکہ دنیا کی خواہش اور آلائش کی کدورت خواہ کسی نوعیت کی ہو اس میں باقی نہ رہے اور اگر شیخ میں اس درجہ قدرت نہیں ہے تو اچھی طرح سمجھ لیں کہ شیخ اور مرید دونوں ہی راہ راست پر نہیں اور دشت ضلالت میں ہیں۔

کلمہ ۲۔ درویش ایسی جماعت ہیں جنھوں نے نیند کو اپنے اوپر حرام کر لیا ہے (راتوں کو اٹھ کر عبادت میں مصروف ہو جاتے ہیں) زبان کو (فضول) باتیں کرنے سے روک لیا ہے اور خس و خاشاک سے پیٹ بھر لیتے ہیں (کسی سے سوال نہیں کرتے) ارباب حکومت کی محبت کو اپنے حق میں زہریلا سانپ خیال کرتے ہیں، تب قرب الٰہی کے مرتبے تک پہنچتے ہیں۔ وہ درویش جو نمود و نمائش کے لئے عمدہ لباس پہنتا ہے، سمجھ لو کہ وہ درویش نہیں ہے بلکہ رہزن ہے اور وہ درویش جو خواہش نفس کی بنا پر بے تحاشا کھاتا ہے یقین کر لو کہ وہ نفس پرست ہے اور جو اہل دولت کے ساتھ نشست و برخاست رکھتا ہے، جان لو کہ وہ مسلک طریقت کا مرتد ہے اور جو نیند کا عادی ہے تو یقین کر لو کہ وہ درویشی کی نعمت سے محروم ہے۔

کلمہ ۳۔ بعضے اولیاء جو اسرار کو ظاہر کر دیتے ہیں وہ یا تو غلبہ شوق سے بے اختیار ہو کر یا بوجہ سُکر (بے خودی و مدہوشی) کچھ باتیں کہہ جاتے ہیں لیکن بعض دوسرے جو کامل الاحوال ہوتے ہیں کسی نوع کے اسرار کا انکشاف نہیں کرتے۔ پس اس طریق میں سالک کو بہت زیادہ حوصلہ مند ہونا چاہیے تاکہ اس کے دل میں محبوب کے اسرار پوشیدہ رہیں۔

کلمہ ۴۔ جب وقت آتا ہے اور اللہ تعالیٰ کی نسیم لطف چلنے لگتی ہے تو ہزاروں شراب خور شیخ کامل بن جاتے ہیں اور خدا نہ کرے جب اللہ تعالیٰ کی شان قہاری کا ظہور ہوتا ہے تو ہزاروں سجادہ نشین اپنے مرتبے سے گر جاتے ہیں اور میخانوں میں جا پڑتے ہیں[۲۶]۔ پس راہ طریقت میں کبھی بے ذکر نہیں رہنا چاہیے (نجانے نفس کب اپنے جال میں پھانس لے) اس لئے کامل حضرات بھی اللہ تعالیٰ سے دور ہو جانے کے خوف سے حیران و سرگشتہ رہتے ہیں کیونکہ کسی کو معلوم نہیں اس کی موت کس حال میں ہو گی۔

کلمہ ۵۔ عارف وہی شخص ہے جس پر عالم اسرار سے ہر آن ہزار در ہزار احوال وارد ہوں اور وہ عالم بے خودی و مدہوشی میں ڈوبا ہوا ہو۔ اگر اٹھارہ[۲۶الف] ہزار عالم بھی اس کے سینے میں در آئیں تو اسے ان کے آنے اور جانے کی خبر تک نہ ہو۔

کلمہ ۶۔ جو[۲۰] شخص اللہ تعالیٰ سے محبت کا دعویٰ کرتا ہے اور آزمائش کے وقت مصیبت میں چیخنے چلانے لگتا ہے وہ اللہ تعالیٰ کا محب صادق نہیں ہے بلکہ جھوٹا دروغ گو ہے۔ دوست تو وہ ہے جو دوست کے

سلوک پر (خواہ کسی قدر تکلیف دہ ہو) خاموش رہے اور سر تسلیم خم کر دے بلکہ ہزار ہزار شکر ادا کرے کہ اسی بہانے اس کے دوست نے یاد تو کیا۔ رابعہ بصری کا دستور تھا کہ جس دن کوئی تکلیف پہنچتی اس دن بہت خوش رہتیں اور فرماتیں (زہے نصیب) آج دوست نے یاد کیا ہے اور جس دن کوئی پریشانی نہ ہوتی تو رونے لگتیں کہ آج مجھ سے ضرور کوئی خطا سرزد ہوئی ہے کہ دوست نے یاد نہیں کیا۔

کلمہ ۷۔ درویش وہ ہے کہ جس رات اسے فاقہ ہوتا ہے وہ رات اس کی شب معراج ہوتی ہے کیونکہ صوفیہ کا قول ہے کہ درویشوں کی معراج، شبِ فاقہ میں ہے۔

کلمہ ۸۔ مرید پر لازم ہے کہ اپنے مشائخ کی سنت پر قائم رہے اور ایک شمہ ادھر سے ادھر نہ ہو تاکہ کل (قیامت کے دن) ان کے سامنے شرمندہ نہ ہونا پڑے۔

کلمہ ۹۔ خوف دراصل بے ادب بندوں کے لئے اللہ تعالیٰ کا تازیانہ ہے۔ (یہ اس لئے کہ) جب کوئی بندہ بے ادبی کرے وہ تازیانہ اسے ادب کرنا سکھائے تاکہ بندہ راست چلتا رہے اور راست کھڑا رہے۔

آپ کی چند کرامات

معتبر[28] کتابوں میں شیخ نظام الدین اولیا سے منقول ہے کہ خواجہ بزرگ معین الدین حسن سجزی نے خواجہ قطب الدین کو خورد و نوش کی ضرورت کے لئے پانچ سو درم تک قرض لینے کی اجازت دی تھی۔ ابتدا میں صرف ایک دن کی ضرورت کے لئے آپ ایک مسلمان بنیے سے جو آپ کا ہمسایہ تھا قرض لے لیا کرتے تھے لیکن اسے کہہ رکھا تھا کہ تین سو درم سے زیادہ قرض نہ دے۔ جب تحفے اور ہدایہ آتے تو آپ وہ قرض ادا کر دیتے۔ آخر میں جب آپ مرتبہ کمال پر فائز ہو گئے تو قرض لینا چھوڑ دیا اور ارادہ فرما لیا کہ اب قرض نہیں لوں گا۔ اللہ تعالیٰ کی عنایت سے ہر روز ایک نان آپ کے مصلے کے نیچے رکھی ہوئی مل جاتی جو تمام اہل خانہ کے لئے کافی ہو جاتی۔ بنیے نے گمان کیا کہ شاید خواجہ مجھ سے ناراض ہیں (جو قرض لینا بند کر دیا ہے) اپنی بیوی کو حرم شیخ کے پاس بھیجا تاکہ حال معلوم کرے۔ حرمِ شیخ نے جو حقیقت حال تھی بیان کر دی اس انکشاف کے بعد کاک[29] (نان) ملنے کا سلسلہ ختم ہو گیا۔

سیر[30] الاولیاء میں شیخ نظام الدین اولیاء سے منقول ہے کہ جس زمانے میں خواجہ اور شیخ بہاء الدین زکریا[31] اور شیخ جلال الدین تبریزی ملتان میں تھے لشکر کفار شہر کے نواح تک پہنچ گیا۔ والی شہر تینوں بزرگوں کی خدمت میں حاضر ہوا کہ ان ملعونوں کو شہر سے دفع کرنے میں مدد فرمائیں۔ خواجہ قدس سرہ نے حاکم شہر کو ایک تیر عنایت فرمایا کہ اسے کافروں کے لشکر کی سمت پھینک دو۔ حکم کی تعمیل کی گئی۔ لوگوں نے دوسرے روز دیکھا کہ تمام لشکر کفار قلعے کے دامن سے بھاگ چکا ہے اور ایک شخص بھی موجود نہیں ہے۔[32]

حضرت سلطان المشائخ نے یہ بھی فرمایا کہ ایک روز میں حضرت خواجہ کی زیارت کے لیے گیا۔ میرے دل میں خیال پیدا ہوا کہ آیا بزرگوں کی زیارت کے لئے حاضر ہونے والے اہل ضرورت کی ان حضرات کو کچھ خبر بھی ہوتی ہے؟ اس خیال کے بعد اس کی حقیقت معلوم کرنے کے لئے میں مراقبے میں بیٹھ گیا۔ مراقبہ ہی کے دوران میں نے مزار مبارک سے یہ شعر سنا

بیت

مرا زندہ پندار چوں خویشتن　　من آیم بجان گر تو آئی بہ تن[۳۳]

(ترجمہ) مجھے خود اپنی طرح زندہ یقین کر۔ اگر تو میرے پاس جسم کے ساتھ آتا ہے تو میں روح کے ساتھ آتا ہوں۔

حضرت سلطان المشائخ[۳۴] سے یہ بھی روایت ہے کہ ایک شخص حضرت خواجہ کی خدمت میں حاضر ہوا اور اپنی بے سروسامانی کا رونا رویا۔ خواجہ نے فرمایا کہ چاندی کے ایک ہزار تنکے جو تیرے گھر میں ہیں پہلے انھیں خرچ کر پھر اپنی مفلسی کی شکایت کرنا۔ وہ شخص بہت نادم ہوا اور واپس لوٹ گیا۔

سیرالاولیاء[۳۵] میں بیان کیا گیا ہے کہ امرائے سلطنت میں سے ایک امیر نے ہدیتہً بہت سی نقدی قطب الاولیا کی خدمت میں پیش کی۔ حضرت نے قبول نہیں فرمائی اور جس بوریے پر تشریف فرما تھے اسے اٹھا کر اس امیر کو دکھایا۔ اس نے دیکھا کہ بوریے کے نیچے سونے کا دریا بہہ رہا ہے، امیر یہ دیکھ کر چلا گیا۔ آپ کی دیگر کرامات اور خوارق عادات جو ظہور میں آئی ہیں، تحریر کرنے کی چنداں ضرورت نہیں ہے۔ اس علاقے کے تمام باشندے آج تک اسی خوان نعمت کے ریزہ چیں ہیں اور اہل دہلی میں سے کسی کو بھی مشکل پیش آتی ہے تو آپ ہی کی مبارک برکت سے آسان ہو جاتی ہے۔

دین و دنیا کے بزرگوار کے واقعہ وفات کا بیان:

سیرالاولیاء[۳۶] کے بیان سے معلوم ہوتا ہے کہ جب خواجہ قطب الدین دہلی آئے اور یہاں قیام پذیر ہوئے تو آپ کی بزرگی کی شہرت پھیلنے لگی اور آپ کو بڑی شہرت حاصل ہوئی۔ شہر کے تمام لوگ آپ کی خدمت میں حاضر ہونے لگے۔ اس بنا پر شہر کے مشائخ آپ سے رشک کرنے لگے۔ چونکہ اس مقبولیت کا سبب بہت قوی تھا اس لیے قطب الاولیا کے دل میں مشائخ کے رشک و حسد کا ذرا سا بھی اندیشہ پیدا نہ ہوا۔ اسی دوران اچانک خواجہ بزرگ خواجہ معین الحق والدین کسی کام سے دہلی تشریف لائے۔ دہلی کے شیخ الاسلام شیخ نجم الدین صغریٰ[۳۷] نے جو خواجہ بزرگ سے بہت محبت و اخلاص رکھتے تھے، قطب الاولیا سے متعلق اپنی رنجش کا ذکر کیا کہ آپ نے بختیار کو ہم پر مقرر کر دیا ہے اور آپ اسے منع نہیں فرماتے۔ خواجہ بزرگ نے فرمایا اچھا میں اسے منع کر دوں گا۔ جب معین الاولیا کی تشریف آوری سے قطب الاولیا کی قیام گاہ رشک فردوس ہوئی تو

خواجہ بزرگ نے ارشاد فرمایا کہ بختیار تم نے ایک دم اتنی شہرت و مقبولیت حاصل کر لی کہ لوگوں کو تم سے شکایت پیدا ہو گئی ہے ۔ یہ تم نے کیا کیا ؟ سب سے علحدہ ہو کر خلوت میں بیٹھنا زیادہ مناسب ہے ۔ یہاں سے اٹھ چلو اور میرے ساتھ چل کر اجمیر رہو ۔ میں وہاں تمھاری خدمت کے لیے حاضر رہوں گا ۔ خواجہ قطب الاولیا نے جواباً عرض کیا کہ غلام کی کیا مجال جو حضرت کے روبرو کھڑے ہونے کی بھی جسارت کرے چہ جائے کہ آپ مجھے اپنے حضور میں بیٹھنے کا حکم فرما رہے ہیں ۔ اس شہرت میں غلام کا ہرگز کوئی دخل نہیں ہے ۔ قصہ مختصر جب خواجہ بزرگ اجمیر روانہ ہوئے ، قطب الاولیاء بھی ہمراہ ہو گئے لیکن خواجہ قطب الدین سے اہل دہلی کی بے اندازہ محبت کے باعث نیز ان کے چلے جانے کے بعد لوگوں جو تکلیف و پریشانی لاحق ہوتی اس کو مدنظر رکھتے ہوئے خواجہ بزرگ نے قطب الاولیا کو اپنے ساتھ لے جانا مناسب نہ سمجھا اور دہلی ہی میں رہنے دیا اور خود تنہا اجمیر تشریف لے گئے۔[۳۸] ابھی خواجہ بزرگ راستے ہی میں تھے کہ خواجہ قطب الدین دہلی میں دار دنیا سے عالم بقا کی جانب کوچ فرما گئے ۔

سلطان المشائخ قدس[۳۹] سرہ کا بیان ہے کہ عید کا دن تھا ۔ خواجہ قطب الدین نماز عید ادا فرما کر عید گاہ سے واپس ہوئے اور اس مقام سے گزرے جہاں آپ کا روضہ متبرکہ ہے ۔ پہلے یہ مقام ایک سنسان جنگل تھا اور آس پاس کوئی آبادی نہ تھی ۔ خواجہ اس جگہ رک گئے اور ارشاد فرمایا کہ اس زمین سے اہل کمال کے دلوں کی خوشبو آتی ہے اس کے بعد آپ نے زمین کے مالک کو طلب فرمایا اور اس سے زمین خرید لی ۔ اس واقعہ کے کچھ عرصے بعد آپ وہیں دفن ہوئے ۔

آپ کی موت کا یہ سبب بیان کیا گیا ہے کہ شیخ علی سگزی کی خانقاہ میں جو آپ کے پیر بھائی تھے سماع کی محفل منعقد تھی اور بہت سے اکابر بھی اس مجلس میں شریک تھے ۔ قوال نے شیخ احمد[۴۰] جام کا یہ شعر پڑھا

بیت

کشتگانِ خنجر تسلیم را ہر زمان از غیب جانی دیگرست[۴۰الف]

(ترجمہ) خنجر تسلیم و رضا کے مقتولوں کو غیب سے ہر آن حیات تازہ ملتی ہے

اس شعر نے خواجہ پر اتنا زبردست اثر کیا کہ آپ چار شبانہ روز مدہوش و متحیر رہے ۔ نماز کے وقت ہوش میں آ جاتے اور پھر وہی کیفیت طاری ہو جاتی اور شعر کی تکرار کا حکم دیتے ۔ پانچویں شب آپ نے رحلت فرمائی[۴۱] چودہ ربیع الاول ۶۳۳ میں ۔[۴۲]

اسی سال بروز پیر چودہ شعبان سلطان شمس الدین التتمش جو خواجہ قطب الدین کا ہمعصر اور حضرت کے معتقدوں میں سے تھا فوت ہوا ۔[۴۳] (اللہ تعالی اس کی دلیل کو روشن رکھے) وہ دین پرور ، عدل کرنے والا ، رعایا پر شفقت کرنے والا ، غازی اور مجاہد بادشاہ تھا ۔ اس کے تمام معاملات اور احکامات شریعت حقہ کے مطابق

ہوتے تھے ۔ شجاعت میں اس کا کوئی ثانی نہ تھا اور سخاوت میں بے مثل تھا ۔ اس کی بخشش سادات کرام ہوں ۔ یا علما و مشائخ و امراء سب کے لیے تھی ۔ ہر سال ایک ہزار لاکھ سے زیادہ بخشش کرتا تھا ۔ اس کا آبائی وطن ترکستان اور والد کا نام ایلم خان تھا ۔ تمام فرزندوں میں، صورت و سیرت کے لحاظ سے یہی بہتر و برتر تھا اس لئے باپ کی نظر میں ممتاز تھا ۔ چونکہ مشیت ایزدی میں تھا کہ ہندوستان کی سلطنت اس کے حصے میں آئے (غیب سے کچھ اسباب پیدا ہوگئے) ۔ اس کے بھائی اس کی خوبیوں کی وجہ سے اس سے حسد کرنے لگے ایک دن گھوڑوں کا میلہ دکھانے کے بہانے سے اسے گھر سے لے آئے اور حضرت یوسف علیہ السلام کی طرح ایک سوداگر کے ہاتھ فروخت کر دیا ۔ وہ سوداگر اسے بخارا لے کر آیا اور بخارا کے صدر جہاں کے ایک رشتے دار کو بیچ دیا ۔ التتمش نے اس عالی مرتبہ خاندان میں اولاد کی طرح پرورش پائی ۔ وہیں ایک درویش کی نگاہ کرم اس پر پڑی اور جیسا کہ اس کی تقدیر میں تھا دوسری بار سلطان قطب الدین ایبک کے ہاتھ فروخت ہوا ۔ چونکہ بیشتر پسندیدہ اوصاف سے آراستہ تھا ۔ ہر مرتبہ درجہ بدرجہ ترقی کرتا گیا ۔ حتیٰ کہ سلطان قطب الدین کی وفات کے بعد ۶۰۷ھ میں تخت دہلی پر بیٹھا اور ہندوستان کے بہت سے شہروں کو فتح کیا ۔

شیخ علی سگزی قدس سرہٗ

آپ بھی سلطان شمس الدین کے ہمعصر ہیں ۔ بڑے عالی مرتبہ درویش تھے ۔ آپ خواجہ بزرگ معین الحق والدین سجزی کے قریبی رشتہ داروں میں سے تھے اور دلیل العارفین میں جو خواجہ بزرگ کے ملفوظات کا مجموعہ ہے اور جسے خواجہ قطب الدین کاکی قدس سرہ نے تحریر کیا ہے، آپ کا ذکر آیا ہے ۔

حضرت خواجہ بزرگ جس کسی کو خلافت عطا فرماتے اور بیعت کرنے کی اجازت مرحمت فرماتے شیخ علی کو حکم دیتے ۔ چنانچہ آپ ہی اجازت نامہ تحریر کرتے ۔ دلیل العارفین میں مذکور ہے کہ

> ۔ بروز جمعرات جامع مسجد اجمیر میں پائے بوسی کی نعمت حاصل ہوئی ۔ دالان میں مقیم درویش اور عزیز بھی حاضر تھے ۔ گفتگو کے دوران ملک الموت کا ذکر آ گیا، ارشاد فرمایا کہ وہ دنیا جہاں موت واقع نہ ہو اس کی کوئی اہمیت نہیں کیونکہ **الموت جسر یوصل الحبیب الی الحبیب** [۳۳] (موت دوست کو دوست سے ملانے والا پل ہے) پھر فرمایا اے درویشو! ہمیں (عالم ارواح سے) یہاں لایا گیا ہے اور یہی جگہ ہمارا مدفن ہے کچھ دنوں بعد ہم تم سے رخصت ہو

جائیں گے ۔ بعدازاں شیخ علی کو حکم فرمایا کہ خلافت نامہ لکھو تاکہ قطب الدین دہلی روانہ ہو ۔ ہم نے اپنی خلافت و جانشینی اسے عطا کی اور دہلی اس کا مقام ارشاد تجویز کیا ۔ جب اجازت نامہ تحریر ہو چکا تو اسے دعاگو کے حوالے فرمایا ۔ اس فقیر نے (اظہار تشکر کے لئے) اپنا منہ زمین پر رکھا ۔ خواجہ نے حکم دیا کہ قریب آؤ۔ بندہ قریب گیا ، دستار اور ٹوپی میرے سر پر رکھی اور خواجہ عثمان کا عصائے مبارک عنایت فرمایا اور مجھ دعاگو کو اپنے دست مبارک سے خرقہ پہنایا اور قرآن شریف ، مصلی اور نعلین (جوتیاں) بھی عطا فرمائے اور ارشاد فرمایا کہ یہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی امانت ہے۔ جو عہد بہ عہد ہمارے خواجگان کو پہنچی ہے اور یہ سلسلہ آگے جاری رہنا چاہیے تاکہ کل قیامت کی دن میں اپنے مشائخ کے روبرو شرمندہ نہ ہوں ۔ اس کے بعد بندے کو رخصت فرمایا ۔ میں نے واپسی کے بعد دہلی میں مستقل سکونت اختیار کر لی ۔ سلطنت کے تمام منصب دار اور لشکروں کے امیر دعاگو سے ارادت رکھنے لگے ۔ ابھی چالیس دن نہ گزرے تھے کہ ایک اجنبی آنے والے نے مطلع کیا کہ اے درویش تمہارے آنے کے بعد خواجہ بیس دن تک حیات رہے بعد ازاں حق تعالی کی رحمت سے جا ملے " ۔

یہ سانحہ ۶ رجب المرجب ۶۳۳ ھ کو ہوا ۔ شیخ علی کا مزار حضرت قطب الدین کے روضہ متبرکہ کے احاطے میں ہے ۔ زندگی میں بھی آپ ان حضرت کے قریب تھے ۔ کاتب حروف (محمد صادق دہلوی) عرض کرتا ہے کہ خواجہ بزرگ قدس سرہ کے واقعہ وفات کی روایت جو دلیل العارفین کے حوالے سے بیان ہوئی ، سیرلاولیاء کی اس روایت سے جو خواجہ قطب الدین قدس سرہ کے انتقال کے بیان میں مذکور ہو چکی ہے قطعی مختلف ہے ۔ دلیل العارفین کی روایت سے مفہوم ہوتا ہے کہ خواجہ بزرگ کی وفات کا واقعہ خواجہ قطب الدین کی وفات سے پہلے ظہور میں آیا اور سیر الاولیا[۴۵] کی روایت اس کے برعکس ہے (یعنی خواجہ قطب الدین کی وفات پہلے ہوئی) ان دونوں روایتوں کو جمع کرنا اور اس کے تناقض کو دور کرنا قطعی طور پر محال ہے لیکن بندہ کا خیال ہے کہ دلیل العارفین کی روایت حقیقت سے زیادہ قریب ہے ۔ اس روایت کے موافق ایک عزیز سے یہ بیان سنا گیا اس نے کہا تھا کہ خواجہ معین الدین کی وفات کا واقعہ ۶۲۰ ھ میں وقوع پذیر ہوا ۔ اب اللہ ہی بہتر جانتا ہے ۔

خواجہ تمتاجی قدس سرہٗ

آپ قطب الاولیا بختیار اوشی کے فرزند بزرگوار ہیں۔ آپ پر بہت زیادہ جذب کی کیفیت طاری رہتی تھی اور دل پر بلا کوشش حقائق وارد ہوتے تھے۔ آپ کی قبر والد بزرگوار کے مرقد منور کے پہلو میں ہے۔ حضرت قطب الاولیا کے ایک اور صاحبزادے بھی تھے جن کا نام محمد تھا لیکن وہ بچپن ہی میں اس تاریک خاکداں سے عالم نورانی کی جانب سدھار گئے تھے۔ آپ کے معنوی فرزند بے شمار ہیں جن میں سب سے زیادہ شرف اور عظمت شیخ فرید الدین گنج شکر کو حاصل ہے۔ خواجہ تمتاجی علیہ الرحمہ کا انتقال سلطان رضیہ بنت سلطان شمس الدین کے عہد حکومت میں ہوا۔ جو ۶۳۴ھ میں تخت نشین ہوئی۔ سلطان رضیہ ان تمام صفات سے جو بادشاہوں کے لیے درکار ہوتے ہیں موصوف تھی اگر کوئی کمی تھی تو یہ کہ اس کے چہرے پر مردی کے آثار نہ تھے۔ التتمش کے زمانہ حکومت میں بھی اس کی رائے پر اعتماد کیا جاتا اور امور سلطنت میں بھی اس کا بہت کچھ عمل دخل تھا۔ یہی وجہ تھی کہ سلطان نے بیٹوں کے ہونے کے باوجود اس لائق بیٹی کو اپنا جانشین مقرر کیا۔ سلطان اکثر کہتا تھا کہ مجھے معلوم ہے کہ میرے بعد میرے بیٹے امور سلطنت سے عہدہ برآ نہیں ہو سکیں گے اور عیش و نشاط میں مشغول ہو جائیں گے، چنانچہ سلطان کے درست اندازے کے مطابق کسی بیٹے نے اس لیاقت کا ثبوت نہ دیا کہ وہ سلطنت کے معاملات کما حقہ انجام دے سکتا ہے۔ جب سلطان رضیہ تخت پر بیٹھی تو تمام معاملات قانون کے مطابق طے ہونے لگے اور جس کسی نے خلاف ورزی کی اسے سخت تنبیہ کی گئی۔ جب اس کی حکومت کے ساڑھے تین سال گزر گئے تو ملک التونیہ کی مخالفت کے باعث ۶۳۸ھ میں ترک امراء نے اس کے خلاف بغاوت کر دی اور سلطان رضیہ کو گرفتار کر کے ملک کی خدمت میں پیش کر دیا۔ ملک آلتونیہ نے اس سے نکاح کر لیا اور دہلی کو فتح کرنے کی طرف متوجہ ہوا اس اثناء میں ترک امیروں نے سلطان معز الدین بہرام کو تخت شاہی پر بٹھایا اور سلطان رضیہ اور ملک آلتونیہ کے خلاف میدان جنگ میں صف آرا ہو گئے۔ رضیہ کو اس جنگ میں شکست کا سامنا کرنا پڑا۔ جب شکست خوردہ فوج کیتھل کے مقام پر پہنچی تو تمام لشکر نے بغاوت کر دی اور رضیہ اور آلتونیہ کو گرفتار کر لیا اور دونوں سن مذکور میں باغیوں کے ہاتھوں شہید ہوئے۔[۳۶]

سید نور الدین مبارک غزنوی قدس سرہٗ

دہلی کے مقتدا اور شیخ الاسلام تھے۔ سلطان شمس الدین کے عہد میں آپ کو امیر دہلی کے لقب سے یاد کیا جاتا تھا۔ اخبار الاخیار[۳۷] میں تحریر ہے کہ آپ شیخ شہاب الدین سہروردی کے خلفاء میں سے تھے۔ بعض

دوسرے تذکروں سے[48]، جن میں مشائخ کے حالات قلمبند ہیں، معلوم ہوتا ہے کہ آپ شیخ عبدالواحد بن شیخ شہاب الدین غزنوی قدس سرہ کے مرید تھے۔ پس اس بات کا امکان ہے کہ آپ کو دونوں بزرگوں سے نعمت خلافت ملی ہو۔ آپ نے شیخ محمد اجل شرزی[49] سے بھی فیض حاصل کیا ہے۔ شیخ نصیر الدین[50] محمود قدس سرہ سے منقول ہے کہ شیخ محمد اجل سے، جو بہت ہی عجیب تصرفات اور نادر کرامات کے حامل بزرگ تھے، ایک سوداگر کامل اخلاص رکھتا تھا۔ اس نے ایک دن شیخ کی خدمت میں عرض کیا کہ میرے ہاں بیٹا پیدا ہوا ہے، حضرت کا غلام زادہ ہے، اسے کچھ نعمت عطا ہو جائے۔ شیخ نے فرمایا ٹھیک ہے، کل صبح اپنے بیٹے کو لے آنا اور دائیں جانب سے میرے آگے رکھنا۔ سید مبارک کے والد بھی اس مجلس میں تھے۔ جب وہ گھر پہنچے تو اسی روز آپ پردہ عدم سے عالم وجود میں آئے۔ آپ کے والد نے اپنی جی میں سوچا کہ میں بھی اپنے فرزند کو لے جاؤں اور شیخ کی نظر میں پیش کروں، شاید شیخ کی نظر اثر کر جائے۔ جب صبح ہوئی تو سوداگر تذبذب میں رہا۔ آپ کے والد صبح جلد بیدار ہوئے۔ جوں ہی شیخ نماز فجر کی ادائیگی سے فارغ ہوئے آپ کے والد نے آپ کو شیخ کی خدمت میں پیش کیا۔ شیخ نے آپ پر ایک نگاہ ڈالی۔ کہتے ہیں کہ یہ تمام نعمت اس ایک نظر کی وجہ سے تھی۔ بعد ازاں جب سوداگر اپنے بچے کو لے کر آیا، شیخ نے فرمایا کہ وہ نعمت تو سید مبارک کے نصیب میں تھی اسے مل گئی۔ جب آپ برے بھلے میں تمیز کرنے کی عمر کو پہنچے تو شیخ شہاب الدین کی ارادت سے مشرف ہوئے اور خلافت سے سرفراز ہوئے۔ اس کے بعد آپ نے دہلی کی مستقل سکونت اختیار کر لی اور شیخ الاسلام کے مرتبہ پر فائز ہوئے۔ آپ کا مزار حوض شمسی[51] کے جانبِ شرق مقبول خلائق ہے۔

شیخ حمید الدین دہلوی قدس سرہٗ

آپ اپنے زمانے کے مشہور بزرگوں میں سے[52] تھے۔ کہتے ہیں کہ جس سال سلطان معز الدین محمد سام کے حملے سے رائے پتھورہ نے جہنم کے ارادے سے عنان عزیمت چمکائی اور سلطان کو دہلی کی فتح و نصرت حاصل ہوئی، اسی سال حضرت معین الاولیا غزنین سے لاہور کا قصد کر کے یہاں تشریف فرما ہوئے۔ پھر لاہور سے دہلی روانہ ہوئے۔ ایک دن راستے میں آپ نے ایک مندر کے آگے سات پجاریوں کو دیکھا۔ وہ تمام وقت بت کی پوجا میں مشغول نظر آئے۔ حتی کہ انھوں نے اپنے آپ پر ظاہری راحت و آرام بھی روا نہ رکھا تھا اور پتھر کی طرح بے حس و حرکت ہو گئے تھے۔ حضرت خواجہ کی ہدایت بخش باتوں نے ان کے دل میں گھر کر لیا۔ وہ ساتوں پجاری اسلام کے رشتے میں منسلک ہو گئے اور حضرت کے طفیل بت پرستی کے بندھن سے آزاد ہو کر اپنے پیدا کرنے والے کے پرستار ہو گئے۔ حضرت خواجہ نے آپ کا نام حمید الدین رکھا اور آپ کے دوسرے

ساتھیوں کے نام بھی رکھنے کا خیال دل میں آیا۔ سب نے یک زبان ہو کر عرض کیا چونکہ ہم کفر اور اسلام میں ایک دوسرے سے علاحدہ نہیں ہوئے، ہماری خواہش ہے کہ نام میں بھی ایک دوسرے کے شریک رہیں۔ اس وجہ سے سب کو حمید الدین کا لقب عطا ہوا۔ سب دین کے نامور بزرگوں میں سے تھے اور معین الاولیا کے حلقہ بگوش تھے۔ ان ہی میں شیخ حمید الدین دہلوی بھی تھے۔ آپ نے شہر دہلی میں اقامت و سکونت اختیار کی اور آخر عمر تک اسی عظیم شہر میں گزران کی اور اسی نسبت سے دہلوی مشہور ہوئے۔

قاضی حمید الدین ناگوری قدس سرہٗ

آپ ہندوستان کے قدیم مشائخ اور شیخ شہاب الدین سہروردی کے خلفاء میں سے ہیں۔ شیخ نے خود اپنے بعض رسائل میں اس کی جانب اشارہ کیا ہے۔ خلفائی فی الہند کثیرہ منھم حمید الدین الناگوری[53] (ہندوستان میں میرے خلیفہ کثرت سے ہیں ان ہی میں حمید الدین ناگوری بھی ہیں) ۔ بعض تذکرہ نگاروں کا خیال ہے کہ آپ شیخ شمس الدین سمرقندی قدس سرہ کے مرید ہیں۔ چنانچہ اس امر کا امکان ہے کہ آپ دونوں بزرگوں کی خدمت میں حاضر ہوئے ہوں اور باطنی علوم کا اکتساب کیا ہو کیونکہ یہ طریقہ بزرگان سلف میں عام تھا کہ وہ کئی مشائخ سے انوار باطنی اخذ کرتے تھے۔

آپ کا اسم گرامی محمد ابن عطا تھا۔ اخبار الاخیار[54] کے بیان کے مطابق شیخ الشیوخ سے آپ کی ارادت کا قصہ یوں ہے کہ بچپن کے زمانے میں آپ اپنے والد بزرگوار کی رفاقت میں بخارا سے دہلی تشریف لائے۔ کچھ عرصے بعد آپ کے والد کا انتقال ہو گیا۔ چونکہ آپ ظاہری علوم میں اعلیٰ مقام رکھتے تھے اس لیے حکام نے بے حد اصرار کر کے آپ کو ناگور کا قاضی مقرر کر دیا۔ آپ تین سال تک شرعی امور کو جاری رکھنے اور دینی علوم کو عام کرنے میں کامل طور پر مشغول رہے اور دونوں شعبوں میں اجتہاد کے درجے تک پہنچے۔ امانت، دیانت اور تقویٰ کو مرتبہ کمال تک پہنچایا۔

ایک شب آپ نے سید کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کو خواب میں دیکھا کہ اپنے حضور میں بلا رہے ہیں۔ اسی رات کی صبح کو آپ دنیاوی علائق سے کنارہ کش ہو گئے اور اسباب ظاہری سے بے نیاز ہو کر صرف اللہ تعالیٰ کے توکل پر حرمین شریفین کی زیارت کے لئے چل دیے۔ پہلے بغداد پہنچے اور شیخ الشیوخ شہاب الدین سہروردی کی خدمت میں حاضر ہو کر بیعت کی اور خلافت کے مرتبے سے مشرف ہوئے۔ یہیں خواجہ قطب الدین سے آپ کی ملاقات[55] ہوئی۔ بعد ازاں شیخ الشیوخ سے اجازت لے کر حرمین کی زیارت کے لیے روانہ ہوئے۔ ایک

سال سات ماہ اور کچھ دن مدینہ طیبہ میں حاضر رہے۔ وہاں کے بزرگوں کی زیارت کرنے کے بعد مکہ مکرمہ آئے۔ تین سال تک بیت اللہ شریف کی مجاوری کی اور بعض اولیاء سے ملاقات کی۔ ایک[56] دن خانہ کعبہ کا طواف کر رہے تھے کہ ایک بزرگ پر نظر پڑی۔ آپ ان کے قدم بہ قدم طواف کرنے لگے۔ وہ بزرگ پیچھے کی طرف مڑے اور فرمایا! اے حمید الدین ظاہری پیروی کرنا بہت آسان ہے، پیروی کرنا ہے تو باطنی پیروی کر۔ آپ نے عرض کیا وہ کس طرح ہو سکتی ہے۔ ان بزرگ نے جواب دیا کہ میں ہر قدم پر ایک قرآن ختم کرتا ہوں۔ آپ کے دل میں خیال آیا، شاید قرآن کے معانی دل میں آتے ہونگے۔ جونہی آپ کے دل میں یہ خیال گزرا، بزرگ نے معاً فرمایا۔ واہمہ کے طور پر نہیں بلکہ لفظاً لفظاً۔ آپ نے ان بزرگ کی اس بات پر بے حد حیران ہوئے۔ بہرحال آپ حرمین سے دہلی واپس آ گئے۔

دہلی میں آپ خواجہ قطب الدین کی صحبت کے اس قدر گرویدہ ہوئے کہ مستقل طور پر ان کی خدمت میں رہنے لگے۔ آپ نے حضرت کے فیض صحبت سے مختلف قسم کے کمالات حاصل کئے اور ان کے مصاحبین میں شمار ہونے لگے۔ اگرچہ سہروردیہ سلسلے میں سماع کی اجازت نہیں ہے لیکن آپ کے دل پر وجد و سماع کا اثر بے حد غالب تھا۔ اس زمانے میں کوئی شخص آپ سے زیادہ سماع کا حریص نہ تھا اور آپ سماع میں اس قدر غلو کرتے تھے کہ شاید ہی دہلی میں کوئی اور شخص اس قدر غلو کرتا ہو۔ سیر الاولیا[57] میں بیان کیا گیا ہے کہ قاضی حمید الدین کے زمانے میں علمائے شہر، سماع کے مسئلے میں آپ کے مخالف ہو گئے اور حرمت سماع اور اس کے سننے والوں کے کفر کا محضر[58] تیار کیا لیکن آپ کو حق سبحانہ، نے جو کمالِ عشق، وفورِ علم اور کرامت کا ظہور عطا فرمایا[59] تھا اس کی بدولت مخالفین کچھ نہ کر سکے۔ آپ کے ساتھ قاضی شہر منہاج الدین جوزجانی اور دوسرے بزرگ جو اہل عشق و محبت تھے، سماع سنتے تھے اور مخالفین کی ممانعت کے باوجود باز نہ آتے تھے۔

قاضی حمید الدین ظاہری اور باطنی علوم میں کامل دستگاہ رکھتے تھے۔ عشق و محبت کی زبان اور انداز میں آپ کی متعدد تصانیف ہیں جن میں سے "طوالع شموس[60]" زیادہ مشہور ہے۔ آپ کی قبر خواجہ قطب الدین کی پائینتی میں بلند چبوترے پر ہے۔ آپ نے رحلت کے وقت وصیت فرمائی تھی کہ مجھے خواجہ کی پائینتی میں دفن کریں۔ آپ کے بیٹوں کو یہ بات پسند نہ تھی لیکن وصیت پر بہرحال عمل کرنا تھا، چنانچہ خواجہ کے روضہ متبرکہ سے بلند ایک چبوترہ تعمیر کر[61] کے وہاں دفن کیا گیا۔ سیر الاولیا[62] میں یہ بھی روایت ہے کہ چبوترے کی تعمیر کے بعد آپ نے خواب میں اپنے فرزندوں پر عتاب کیا اور کہا کہ تم نے مجھے اس بلندی پر دفن کر کے خواجہ کے سامنے شرمسار کیا۔ آپ کی وفات، حضرت خواجہ کے وصال کے دس سال بعد سلطان علاء الدین مسعود شاہ کے عہد حکومت میں، جو سلطان رکن الدین فیروز شاہ کا فرزند اور سلطان شمس الدین کا پوتا تھا ۹، رمضان المبارک ۶۴۳ھ میں ہوئی۔

سلطان علاء الدین مسعود شاہ خاندان شمسی میں پانچواں فرمانروا تھا۔ اس نے سلطان معز الدین بہرام

شاہ کے بعد تختِ سلطنت پر جلوس فرمایا۔ وہ ایسا پادشاہ زادہ تھا جس میں اعلیٰ اخلاق اور نیک عادات صاف طور پر نمایاں تھے اور وہ بہت سی پسندیدہ خوبیوں سے موصوف تھا لیکن اپنی حکومت کے آخریں ایام میں وہ نااہل لوگوں کے ہتھے چڑھ گیا، جس کے باعث وہ ناپسندیدہ عادات و اطوار میں مبتلا ہو گیا اور اس کی طبیعت اچھے کاموں سے برگشتہ ہو گئی، اسی سبب سے امور مملکت میں خرابی کے آثار پیدا ہونے لگے اور امرائے سلطنت کلی طور پر اس سے بددل ہو گئے اور سب نے بلاتفاق سلطان ناصر الدین کو جو اس کا چچا تھا ۶۴۴ھ میں تخت پر بٹھا دیا اور علاء الدین مسعود شاہ کو قید خانے میں ڈال دیا۔ اسی سال قید خانے میں اس کی وفات ہوئی۔ اس کی مدت حکومت چار سال ایک ماہ اور ایک دن ہے۔

اخبار الاخیار[۶۳] میں مذکور ہے کہ قاضی حمید الدین ناگوری باوجود علوم شریعت و طریقت کے جامع ہونے کے ظرافت و مزاح کا بھی ذوق رکھتے تھے، چنانچہ ایک روز شیخ برہان الدین بلخی اور قاضی کبیر الدین خوارزمی جو اپنے زمانے کے مشہور لوگوں میں سے تھے، گھوڑوں پر سوار ہو کر جا رہے تھے۔ قاضی صاحب بھی ایک پستہ قد گھوڑے پر سوار تھے۔ قاضی کبیر الدین نے مزاحاً آپ سے کہا "حمید الدین آپ کا مرکب بہت صغیر ہے"، آپ نے ظریفانہ جواب دیا "بے شک صغیر ہے لیکن کبیر سے بہتر ہے"۔ اسی[۶۴] کتاب پاکیزہ القاب میں فوائد الفواد[۶۵] کے حوالے سے منقول ہے کہ آپ کو شیخ فرید گنج شکر سے بے حد تعلق خاطر تھا۔ ایک دن، ایک کیفیت خاص میں شیخ کو سماع سننے کی طلب ہوئی۔ اتفاق سے کوئی قوال اس وقت حاضر نہ تھا۔ شیخ نے بدر[۶۶] الدین اسحق کو جو آپ کے حلقہ بگوش تھے، حکم دیا کہ وہ مکتوب جو قاضی حمید الدین نے ارسال کیا ہے لے آؤ۔ بدر الدین خطوط کا تھیلا لے آئے اور سامنے رکھ کر اس میں ہاتھ ڈالا، وہی مطلوبہ مکتوب ہاتھ میں آیا۔ شیخ نے حکم دیا کہ کھڑے ہو کر پڑھو۔ مکتوب کا عنوان یہ تھا۔

فقیر حقیر، ضعیف نحیف محمد عطا جو درویشوں کا غلام ہے اور اپنے سر اور آنکھ سے ان کی قدموں کی خاک ....

بس یہیں تک سنا تھا کہ حال و ذوق کے آثار پیدا ہو گئے اور بہت دیر تک سماع کی کیفیت طاری رہی۔ بعد ازاں یہ رباعی جو اس مکتوب میں تھی آپ نے دہرائی

رباعی

آں عقل کجا کہ در کمالِ تو رسد   آں روح کجا کہ در جلالِ تو رسد
گیرم کہ تو پردہ برگرفتی ز جمال   آں دیدہ کجا کہ در جمالِ تو رسد[۶۷]

(ترجمہ) کسی انسان میں وہ عقل نہیں جو تیرے کمال کو سمجھ سکے، نہ روح میں یہ استعداد ہے کہ تیرے جلال تک رسائی پا سکے۔

یہ مان لیا کہ تو نے اپنے جمال سے پردہ اٹھا لیا ہے لیکن وہ آنکھیں کہاں ہیں تو تیرے جمال کو دیکھ سکیں۔

آپ کے انفاس شریفہ کے فوائد دس کلمات کی صورت میں تحریر کئے جاتے ہیں۔

کلمہ ۱۔ اسم ہو ایک حرف ہے۔ اس میں حرف واو پیش کی آواز نکالنے سے پیدا ہوا ہے۔ پس یہ مقدس اسم اپنے مسمی کی توحید پر دلیل ہے۔ (اسمائے الٰہی میں سے اس اسم کے علاوہ) کوئی اور اسم ذاتِ الٰہیہ کی اس طرح شناخت نہیں کراتا۔ بخدا بے مثل پادشاہ کا اسم اعظم بھی یکتا ہونا چاہیے تاکہ اس سے بے حد و حساب معانی پیدا ہوں۔[68]

کلمہ ۲۔ اسم ہو موجود حقیقی کی جانب، جو ہمیشہ سے ہے اور ہمیشہ رہے گا، ایک اشارہ ہے یہ اسم حق تعالیٰ کے اوصاف کمال سے موصوف ہے یعنی وہ نقص و زوال سے پاک ہے، نہ اس کی ازلیت کی ابتدا ہے اور نہ اس کی ہمیشگی کی انتہا۔ یہ حق تعالیٰ کا وہ اسم ہے جو غیب کے پردوں سے سب سے پہلے عالم میں نمودار ہوا، جیسا کہ سورہ قل ھواللہ احد سے ظاہر ہے۔[69]

کلمہ ۳۔ اسرار الٰہیہ کا افشا افراد کی کم ظرفی کے باعث ہوتا ہے، ورنہ حقیقت یہ ہے کہ انبیا علیہم السلام بھی مشاہدہ حق میں استغراق اور بقا باللہ کے مقام پر فائز تھے۔ وہ اپنی ہستی کے تانبے کو محبت الٰہی کے کیمیا کے اثر سے زر خالص دیکھتے اور خود کو عزت محبت کی کان نمک میں ڈال کر، اسی کی قوت سے عین نمک ہو جاتے ہیں، لیکن چونکہ انبیا علیہم السلام میں سے ہر ایک عرفان و معرفت کا بے پایاں سمندر تھا، اس لیے ان میں سے کسی ایک نے بھی اپنے ایک قطرے کی نمائش نہیں کی۔ جس طرح بہتے وقت کوئی چھوٹی ندی پرشور ہوتی ہے لیکن جب سمندر میں جا ملتی ہے تو اس کا سارا زور و شور ٹھنڈا پڑ جاتا ہے، اسی طرح انبیا علیہم السلام کی معرفت حق کا معاملہ ہے۔

رباعی

زاں بحرِ قوی کہ نام او قلزم شد — یک قطرہ برون فتاد و در خود گم شد

ناگاہ ندا برآمد از عالمِ غیب — کان قطرۂ گم شدہ بما مردم شد

(ترجمہ) اس پرقوت سمندر سے جسے قلزمِ ہستی کہا گیا ہے، ایک قطرہ جدا ہو گیا اور اپنے آپ میں کھو گیا۔ ناگاہ عالم غیب سے آواز آئی کہ وہ گم شدہ قطرہ ہمارے فضل سے انسان ہو گیا۔

کلمہ ۴۔ سرِ توحید تک رسائی حاصل کرنا بہت عظیم کام ہے، اور توحید کے مرتبے کا ادراک ہونا بہت بڑا انعام ہے۔ جو سالک سرِ توحید تک پہنچ گیا اور اس پر توحید کے اسرار کھل گئے، وہ ہر اعتبار سے خود کو (واجب الوجود کا) غیر خیال کرتا ہے۔ پھر اسی غیریت کی قوت و صولت سے خود کو توحید کی راہ میں اس طرح ختم کر لیتا ہے کہ اس کی حقیقت کھل کر سامنے آ جاتی ہے کہ " بجز اس کے کسی نے اس کو نہیں جانا " (اللہ تعالیٰ اپنی ذات کی حقیقت خود ہی جانتے ہیں اور کوئی نہیں جانتا)

بیت

بتوحیدار گشاید چشمِ جانت   برآرد بانگِ سبحانی زبانت

(ترجمہ) اگر تیری روح کی آنکھ ایک نظر جمال توحید کو دیکھ لے تو (بے اختیار) تیری زبان سے نعرہ سبحانی نکل پڑے۔

کلمہ ۵۔ یحییٰ معاذ رازی جو بادشاہ ولایت تھے، اپنی مناجات میں عرض کرتے تھے۔ "الٰہی کفی لی فخراً ان اکون لک عبداً و کفی لی شرفاً ان تکون لی رباً" بارالہا مجھ کو یہی فخر کافی ہے کہ باوصف اپنی مفلسی کے عیب اور بے سروسامانی کی ذلت کے تیرا بندہ و غلام ہوں اور میرے لیے یہی شرف بہت ہے کہ تو باوجود اپنے جلالِ کبریائی اور کمالِ پادشاہی کے میرا رب ہے۔ یحییٰ قدس سرہ کی اس مناجات سے واضح ہے کہ وہ مقام تفرقہ کی نشاندہی کر رہے ہیں کیونکہ ان کلمات میں انھوں نے اپنی عبودیت اور اللہ پاک کی الوہیت کا صاف طور سے ذکر کیا ہے۔ جب کہ واصل بحق حضرات مقام جمع میں اپنے آپ سے بے گانہ ہوتے ہیں۔ ان حضرات کو استغراق کی حالت میں عبدیت یاد ہی کب رہتی ہے جو اپنے بندہ ہونے پر فخر کریں۔ عَبدِی و ربکم (میرا بندہ اور تمھارا رب) اضافات کا جملہ ہے۔ درآں حالیکہ مطلق توحید اضافات کو ساقط کرنے والی ہے۔

بیت

نکوگوئی نکو گفتہ است در ذات   کہ التوحید اسقاط الاضافات

(ترجمہ) کسی خوش گو نے ذات الٰہیہ کے بارے میں کیا اچھی بات کہی ہے کہ توحید اضافات کو ساقط کر دینے کا نام ہے۔

کلمہ ۶۔ راہ عشق کے رہرو کی ذات میں ظلم اور نادانی کا ہونا ناگزیر ہے۔ (اس کے برعکس) علم و عدل کا ظہور اسی وقت تک ہوتا ہے، جب تک سالک کو اپنے ہونے کا احساس ہے اور وہ اپنی ہی ذات میں سرگرداں و حیراں رہتا ہے۔ جب طالب پر نشۂ محبت کی مدہوشی کا غلبہ ہوتا ہے اور اس کی ہستی محبوب کی ہستی میں سما جاتی ہے اور وہ محبوب کی ذات میں حیران و سرگرداں رہتا ہے۔ اس وقت اس کی ذات میں ہر صفت کا ظہور لازمی ہے۔ یہی نہیں بلکہ ہر صفت اس کی ذات میں محو ہو جاتی ہے۔

کلمہ ۷۔ من لم یتجرد عن الخلق لم یتفرد بالحق۔ یعنی جو کوئی مخلوق سے ترک کلی اختیار نہیں کرتا، اسے حق تعالیٰ کی معیت کاملہ حاصل نہیں ہوتی۔ راہ عشق اختیار کرنے والوں کے ساتھ حق جل شانہ کا یہی معاملہ ہے کہ پہلے اہل محبت کو مخلوق اور خود ان کی اپنی ہستی سے بیگانہ کرتے ہیں اور پھر انھیں اپنے لئے مخصوص فرمالیتے ہیں۔

کلمہ ۸۔ محبوب (حق تعالیٰ) اپنے جمال اور اپنے عاشقوں کے حال پر غیرت فرماتے ہیں، یہی وجہ ہے کہ انھوں نے اپنے عاشقوں کو اپنے حجاب غیرت میں چھپا رکھا ہے۔ اولیائی تحت قبائی لا یعرفھم غیری[1] یعنی میرے دوست میرے قربت خاص کے پردے میں ہیں، میرے غیر انھیں نہیں پہچانتے۔ جب اللہ تعالیٰ کے غیر انھیں نہیں پہچانتے وہ بھی اللہ تعالیٰ کے غیر کو نہیں پہچانتے (ماسوی اللہ سے بے تعلق ہو جاتے ہیں) حق تعالیٰ اس پر راضی ہیں کہ ان کے دوستوں کے انوار ان کے پردہ غیرت میں نہاں ہیں اور عاشقان الٰہی اس پر خوش ہیں کہ حق تعالیٰ کی کبریائی کے انوار اپنے کمال اشراق کے باعث نامحرموں کی نگاہوں سے اوجھل ہیں۔

کلمہ ۹۔ اپنے آپ کو خلق کی نظروں سے گرا دینا زیادہ سہل ہے لیکن خود کو اپنی ہی نظر سے گرانا دشوار ہے۔ الملامۃ روضۃ العاشقین[2] یعنی ملامت عاشقوں کا باغ ہے۔ جب زلیخا اپنی بلند مرتبگی کی پوٹ باندھ کر باغ ملامت میں لے گئی اور اسی نے برسر مجلس اپنے کئے کو تسلیم کر لیا تو دوبارہ اسے وہی جوانی و عزت نصیب ہوئی اور وہ کامل مسرتوں کے ساتھ جانب محبوب رواں ہوئی۔

کلمہ ۱۰۔ ایک گروہ کا خیال ہے کہ آئینہ میں جو نقش ظاہر ہوتا ہے وہ خود آئینہ کا نقش ہوتا ہے لیکن یہ خیال صحیح نہیں ہے۔ آئینہ میں چمک ہوتی ہے اور آفتاب میں روشنی۔ اور چمک روشنی سے موافقت رکھتی ہے۔ چنانچہ جب آفتاب کی روشنی آئینہ کی چمک پر پڑتی ہے، اس وقت اگر کوئی آئینہ دیکھے تو اسے کچھ نظر نہیں آتا، کیونکہ دونوں ایک دوسرے میں سما کر ایک ہو جاتے ہیں اور کوئی عقل مند شخص اس خاص حالت میں آئینہ کی چمک اور آفتاب کی روشنی کی علحدہ علحدہ نشان دہی نہیں کر سکتا کیونکہ اتحاد کی صورت میں کوئی اور شے داخل نہیں ہو سکتی۔

شیخ ناصح الدین قدس سرہٗ[3]

آپ قاضی حمید الدین ناگوری کے فرزند بزرگوار اور ان کے جانشین تھے۔ حضرت سلطان المشائخ سے روایت ہے کہ بداؤں سے ایک بزرگ بشیر نام شیخ ناصح الدین کی خدمت میں خلافت اور خرقہ حاصل کرنے کی غرض سے حاضر ہوئے اور حوض شمسی کے کنارے اس نیت سے ایک مجلس منعقد ہوئی۔ بعض اور بزرگ بھی اس مجلس میں تشریف فرما ہوئے۔ حوض شمسی کی خوبیوں کا ذکر چل نکلا۔ عزیز بشیر نے بداؤں کے حوض کو اس پر فوقیت دی۔ بزرگوں کو اس کی یہ بات ناگوار گزری۔ محمد کبیر نے جو اپنے عہد کے مشائخ میں سے تھے، مولانا ناصح الدین سے کہا کہ آپ اس شخص کو ہرگز خرقہ نہ دیں۔ یہ کذاب ہے۔

مولانا ناصح الدین کی رہائش دہلی میں تھی اور اسی شہر میں آپ کا انتقال ہوا۔

قاضی سعدؒ و قاضی عماد قدس سرہما

دونوں حضرات قطب الاولیا خواجہ قطب الدین کی بارگاہ کے غلام تھے۔ ابتدائے زمانہ میں اہل وجد و حال سے انتہائی دشمنی اور شریعت کی سخت پابندی کے سبب، سماع کے رواج کو مٹا دینے اور ممانعت کرنے میں سعی و کوشش کرتے تھے۔ اپنے اسی سخت رویہ کے باعث حضرت خواجہ سے بھی اعتقاد نہ رکھتے تھے بلکہ ان کا انکار کرتے تھے۔ ایک دن انھیں خبر ملی کہ قطب الاولیا کی خانقاہ میں مجلس سماع منعقد ہے، چنانچہ مجلس کو درہم برہم کرنے اور لوگوں کو منع کرنے کے خیال سے چل پڑے۔ جوں ہی سماع کی مجلس میں داخل ہوئے تو ان پر وجد طاری ہو گیا اور آپے میں نہ رہے، حتی کہ دونوں عالم سے بے خبر ہو گئے۔ بعد ازاں قطب الاولیا کی ارادت و بیعت کے حلقے میں داخل ہو گئے۔ ان کی آخری آرام گاہ ان قبروں کے درمیان ہے جو قطب الاولیا کے روضۂ متبرکہ کے پہلو میں بنی ہوئی ہیں۔

شیخ معز الدّین دہلوی قدس سرہٗ

آپ اپنی زندگی کے ابتدائی دور میں کسی سلطان کے ہاں نیابت کے عہدے پر ملازم تھے۔ لیکن آخری ایام میں آپ کو فقر و درویشی کی توفیق حاصل ہونے پر آپ قطب الاولیا کے مریدوں کے حلقے میں شامل ہو گئے اور حضرت کی بزرگی اور کرامت کے اثر نے آپ کو علائق دنیا سے بے تعلق کر دیا اور آپ نے اہل دولت کے زرق برق لباس کو ترک کر کے درویشی کے خرقے کو زیب تن کیا۔ مرشد کامل کی خدمت میں رہ کر مجاہدات و ریاضات میں منہمک رہے یہاں تک کہ مقصود حقیقی حاصل کرنے میں کامیاب ہو گئے۔ انتقال کے بعد قطب الاولیا کے قریب میں ابدی نیند سو رہے ہیں۔

شیخ وجیہہ الدین قدس سرہٗ[6]

آپ قطب الاولیا کے معاصرین میں سے تھے۔ ظاہر و باطن کی پاکیزگی میں مرتبہ کمال پر فائز تھے۔ اپ کے کردار اور آپ کی گفتار سے حق تعالیٰ کی معرفت کا نور عیاں ہوتا تھا۔ اپنے اوقات شریف سوز و گداز میں بسر کرتے رہے۔ سوز دروں سے اکثر آپ کی آنکھیں گریہ آمیز رہتی تھیں۔ ہمیشہ غمگین و محزوں نظر آتے اور اہل دنیا سے الگ تھلگ رہتے تھے۔ اپنی زندگی کے تمام اوقات لوگوں سے بے تعلق ہو کر یاد دوست میں بسر کئے اور انتقال کے بعد دہلی میں دفن ہوئے۔

شیخ نظام الدین ابوالموید قدس سرہٗ

آپ شمس العارفین کے پوتے اور سلطان شمس الدین التمش کے عہد حکومت کے مشاہیر میں سے تھے۔ اپنے والد بزرگوار اور مبارک حال ماموں سے ظاہری اوصاف اور باطنی کمالات حاصل کرنے کے بعد طریقت کی تعلیم بھی ان ہی سے حاصل کی۔ اس کے بعد آپ شیخ عبدالواحد بن شیخ احمد غزنوی کی خدمت میں حاضر ہوئے اور ان سے بھی بہت فیض پایا۔ خواجہ قطب الدین اوشی آپ کے دیدار کو تجلیات الٰہی کا آئینہ مبارک قرار دیتے تھے اور آپ کی صحبت میں رہنے کو بے حد پسند فرماتے تھے۔

شیخ نظام الدین اولیا نے بھی آپ کو دیکھا تھا اور آپ کے پاکیزہ اطوار کی بے حد تعریف کرتے تھے۔ اکثر و بیشتر آپ کی مجلس وعظ میں شریک ہوتے تھے۔ حضرت نے اپنی ایک مجلس میں ارشاد فرمایا کہ ایک دن" میں آپ کے وعظ میں حاضر تھا۔ آپ نے مسجد کے دروازے پر اپنی جوتیاں اتاریں اور ہاتھ میں لیے ہوئے مسجد میں داخل ہوئے۔ پہلے دو رکعت نماز ادا کی۔ میں نے کسی شخص کو اس کیفیت کے ساتھ نماز پڑھتے ہوئے نہیں دیکھا جس کیفیت میں آپ نے وہ دو رکعت نماز ادا کی۔ بعد ازاں آپ منبر پر تشریف لے گئے۔ قاری نے چند آیات تلاوت کیں۔ شیخ نے وعظ شروع کیا اور فرمایا۔

"میں نے اپنے والد کی تحریر میں لکھا ہوا دیکھا ہے"

صرف اتنا ہی فرمایا تھا کہ اہل مجلس پر ایک خاص اثر پیدا ہوا اور سب پر گریہ طاری ہو گیا۔ اسی کیفیت میں آپ نے یہ دو مصرعے پڑھے۔

بیت

برعشقِ تو دبر تو نظر خواہم کرد　　　جاں در غمِ تو زیر و زبر خواہم کرد

(ترجمہ) مجھے تیرے عشق اور تجھ ہی سے سروکار ہے اور اسی حالت غم میں، میں اپنی جان درہم برہم کر دوں گا۔

اس شعر کا پڑھنا تھا کہ خلقت سے صدائے گریہ بلند ہوئی۔ پھر دو تین بار یہی شعر پڑھا اور فرمایا

"اے مسلمانو! اس رباعی کے باقی دو مصرعے یاد نہیں آرہے، اب میں کیا کروں ؟"

یہ جملہ آپ نے اس عاجزی کے ساتھ کہا کہ تمام مجمع پر اوداسی چھا گئی۔ اس موقع پر قاسم مقری نے وہ شعر یاد دلایا۔

پر دردِ دلی بخاک در خواہم کرد　　　پر عشق سری زگور بر خواہم کرد

(ترجمہ) اپنے درد بھرے دل کے ساتھ قبر میں جاؤں گا اور (قیامت میں) عشق سے لبریز سر کو قبر سے نکالوں گا۔

بیانؔ کیا گیا ہے کہ ایک دفعہ دہلی میں بارش نہیں ہوئی اور غلہ کم یاب ہو گیا۔ مخلوق نے بارگاہ رب العزت میں دعائیں کیں، گریہ و زاری کی لیکن بارش نہیں ہوئی۔ لوگوں کا ایک ہجوم آپ کی خدمت میں حاضر ہوا اور بارش کے لئے دعا کی درخواست کی۔ آپ نے ان کی بات مان لی اور منبر پر چڑھے۔ اپنی آستین سے چادر کا ایک ٹکڑا نکالا، اور اس میں سے ایک دھاگا نکال کر بارگاہ رب العزت میں عرض کی:

"یاالٰہی اس چادر کے دھاگے کی حرمت کے طفیل جو اس ضعیفہ کی مانند ہے جس پر کسی نامحرم کی نگاہ نہیں پڑی اور اس چادر کے مالک کے اس تعلق کے وسیلے سے جو اسے آپ کی ذات پاک سے رہا ہے باران رحمت بھیج دیجیے ورنہ میں صحرا میں نکل جاؤں گا اور کبھی آبادی کا رخ نہ کروں گا۔"

دعا کے ساتھ ہی بادل گھر آئے اور اتنی بارش ہوئی کہ ہر طرف ندی نالے بہہ نکلے

شیخ نظام الدین ابوالموید کی والدہ کی قبر جن کا نام بی بی سارہ تھا، نماز گاہ کہنہ کے پہلو میں ہے اور اس بات کا قوی امکان ہے کہ آپؒ کی قبر بھی وہیں کہیں ہو۔ واللہ اعلم

شیخ برہان الدین محمود ابن ابی الخیر اسعد البلخی قدس سرہٗ

آپ مروجہ علوم کے بلند پایہ عالم اور ماہر تھے ۔ علوم شریعت و طریقت کے جامع اور وجد و سماع کا اعلیٰ ذوق رکھتے تھے ۔ سلطان غیاث الدین بلبن کے عہد حکومت میں آپ کا شمار بلند پایہ عالموں ، عظیم دانشوروں اور عارفوں میں ہوتا تھا ۔ آپ شعر بھی کہتے تھے ۔ یہ شعر آپ ہی سے منسوب ہے :

گر کرم عام شد رفت زبرہاں عذاب　　　　دربعمل کار شد وہ کہ چہا دیدنی است[۸۱]

(ترجمہ) اگر قیامت میں عام بخشش کا حکم ہوا تو برہان سے عذاب ٹل جائے گا اور عمل پر فیصلہ ہوا تو افسوس بڑی پریشانی کا سامنا ہو گا ۔

آپ نے " مشارق[۸۲] " براہ راست اس کے مصنف سے پڑھی اور اگرچہ بظاہر یہ معلوم نہیں ہے کہ آپ نے اولیاء اللہ میں سے کس بزرگ سے نسبت ارادت قائم کی لیکن یہ بات تحقیق سے کہی جا سکتی ہے کہ آپ صاحب[۸۳] ہدایہ مولانا برہان الدین مرغینانی کی نظر میں مقبول تھے اور مولانا ہی کی بدولت آپ کے علم میں اتنی وسعت پیدا ہوئی ۔ خود آپ ہی سے منقول ہے :[۸۴]

" غالبا میری عمر چھ سات سال کی ہوگی ، میں اپنے والد کے ساتھ کسی جگہ جا رہا تھا ۔ اثنائے راہ میں مولانا مرغینانی کی سواری نمودار ہوئی ۔ میرے والد ادب کے خیال سے ایک گوشے میں چلے گئے اور میں وہیں کھڑا رہا اور سلام عرض کیا ۔ مولانا نے میری جانب تیز نگاہوں سے دیکھا اور فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے میرے دل میں یہ بات ڈالی ہے کہ یہ لڑکا اپنے زمانے کا بہت بڑا عالم ہو گا ۔[۸۵] میں اور لوگوں کی طرح ان کے ساتھ ساتھ چلا ۔ دوسری بار مولانا نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے مجھ پر ظاہر فرمایا ہے کہ یہ لڑکا اتنا خوش قسمت ہو گا کہ بڑے بڑے ذی شوکت بادشاہ اس کے نیاز مند ہوں گے اور آستاں بوسی کریں گے " ۔

آپ کا ایک قول یہ بھی ہے :

" قیامت کے دن مجھے کسی گناہ کبیرہ میں نہیں پکڑیں گے ، بجز ایک کبیرہ کے اور وہ یہ ہے چنگ دنے پر راگ سننا ۔ یہ سب کچھ جاننے کے باوجود میں سنتا ہوں اور آئندہ سننے کا شوق رکھتا ہوں " ۔

سیرالاولیا کی روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ مولانا کمال الدین جوفن حدیث میں سلطان المشائخ کے

اساتذہ میں سے تھے اور علم و عمل، دین و دیانت اور قال و حال میں یکتائے روزگار تھے۔ شیخ برہان الدین بلخی کے شاگردوں میں تھے۔ مولانا کمال الدین نے اپنے ہاتھ سے لکھے ہوئے بعض مسودات میں اپنے استاد کی شان میں یہ تحریر کیا ہے

"برہان الملت والدین محمود ابن ابی الخیر اللہ تعالی کی ان پر رحمت ہو، آپ ایک باعمل شیخ، علم میں کامل استاد، امانت میں عظیم فرد ہیں۔ نظم و نثر اس شان سے لکھتے ہیں گویا وہ کنیزیں ہیں اور شیخ ان کے آقا ہیں"۔[۸۶]

آپ کی قبر حوض شمسی کے مشرق میں واقع ہے اور لوگ اسے تختۂ نور کہتے ہیں۔ اس کی زیارت کرتے اور برکت حاصل کرتے تھے۔ اس شہر کے لوگ آپ کی قبر کی مٹی کو برکت اور کشادگی علم کے خیال سے مکتب جانے والے بچوں کو چٹاتے ہیں، اس وجہ سے آپ کی قبر کئی مرتبہ پائینتی سے شکستہ ہوئی اور اسے از سر نو تعمیر کیا گیا۔

شیخ ترک بیابانی قدس سرہٗ

آپ شیخ شہاب الدین سہروردی کے مرید اور ان کے اصحاب میں شامل تھے۔ آپ کے روضۂ متبرکہ سے لطافت و پاکیزگی کے آثار عیاں ہیں۔ جو شخص آپ کے مزار مبارک پر حاضر ہوتا ہے اور زیارت کرتا ہے۔ اس کے باطن کی کدورت مٹ جاتی ہے اور کلی طور پر صفائے باطن حاصل ہو جاتی ہے۔ یہ مشاہدہ اور کیفیت آپ کی عظمت و بزرگی کی سب سے قوی دلیل ہے۔ آپ کی قبر قلعہ فیروز آباد کے باہر قدم گاہ کے راستے میں ہے۔ آج کل دہلی میں آپ کی قبر[۸۷] ان مزارات میں سے ہے جن پر عام لوگوں کا بے پناہ ہجوم زیارت کے لیے حاضر ہوتا ہے۔ ہر جمعہ کو لوگ زیارت کے لیے یہاں آتے ہیں۔ آپ کا عرس ہر سال ۲۴ رجب کو منعقد ہوتا ہے۔

اس خاکدان تاریک سے آپ کا انتقال، سلطان معز الدین بہرام شاہ کے عہد حکومت میں ہوا۔ بہرام شاہ سلطان رضیہ کی گرفتاری کے بعد ۲۸ رمضان، ۶۳۷ھ میں تخت نشین ہوا۔ یہ بہت ہی قاہر، متشدد اور خوں ریز بادشاہ تھا۔ ان عادتوں کے باوصف وہ کچھ پسندیدہ اوصاف مثلاً شرم و حیا اور سادگی سے بھی آراستہ تھا۔ اپنی حکومت کی ابتدا میں اس نے امرائے سلطنت اور ملوک سے اچھا برتاؤ کیا لیکن آخری ایام میں بعض امیروں کو قید کر کے قتل کرا دیا، اس باعث امراء اس کے خلاف ہو گئے۔ ارکینِ سلطنت اور اہلِ علم حضرات نے صلح

صفائی کی کوشش کی لیکن فخر الدین مبارک شاہ جو مہتمم دربار تھا اور بادشاہ کے قریب اور اس کے مزاج میں بہت دخل رکھتا تھا مفاہمت پر راضی نہ ہوا ۔ آخرکار امرائے سلطنت اس معاملے میں غالب آئے انھوں نے بادشاہ کے محل کا محاصرہ کر کے اسے گرفتار کر لیا ۔ مبارک شاہ فراش کو جو فتنہ برپا کرنے میں پیش پیش تھا قتل کر دیا اور اس کی لاش کو بری طرح مسخ کر دیا ۔ ۱۳ ذیقعدہ ۶۳۹ ھ میں بادشاہ کو بھی شہید کر دیا[۸۸] اور علاء الدین مسعود شاہ کو جو سلطان شمس الدین کا پوتا تھا، تخت پر بٹھایا ۔ بہرام شاہ کی مدت بادشاہت دو سال ایک ماہ تھی ۔

شیخ نور الدین دہلوی قدس سرّہٗ[۸۹]

آپ مروجہ علوم اور خاص طور پر ظاہری علوم سے پوری طرح بہرہ مند تھے ۔ مسائل بیان کرنے میں خاصی شہرت رکھتے تھے ۔ سلطان ناصر الدین بن شمس الدین التتمش کے ہمعصر تھے ۔ " جامع الحکایات[۹۰] " آپ ہی کی تصنیف ہے ۔ یہ ایسی کتاب ہے جس میں ہر طرح کی خوبیاں ہیں اور جو مصنف کے ذاتی فضائل و کمالات کا نمونہ ہے ۔

آپ اپنے زمانے کے مشائخ کے فیض نظر اور اولیائے کاملین کی صحبت کی برکات سے بہرہ مند تھے۔ اس جماعت میں رہ کر آپ نے بڑی نیاز مندی اور انکسار کے ساتھ زندگی بسر کی ۔ سلطان ناصرالدین بلبن، جلال الدین اور علاء الدین خلجی کے عہد حکومت میں، آپ کے مانند بہت سے درویش دہلی اور اس کے مضافات میں قیام پذیر تھے ۔ جن کے وجود سے ہندوستان مانند بوستان تھا ۔ ان عزیزوں میں کچھ ایسے تھے جو شیخ الاسلام فریدالاولیا سے شرف بیعت رکھتے تھے اور کچھ ایسے تھے جو ان کے خلفائے نامدار کے ارادت مند تھے ۔ ان ہی میں سید تاج الدین شامل تھے جو علم، عبادت، تقویٰ، دیانت، حسن خلق اور خوش باشی میں ممتاز تھے ۔ سید مغیث الدین مفتی اور سید منتجب سیہ دستار تھے جو فضل و دانش، زہد و تقویٰ، خلوت نشینی اور نذر و نیاز سے بے نیاز ہونے میں بڑی منفرد شان کے حامل تھے ۔ اسی طرح سید علاء الدین اور سید قطب الدین ترک و تجرید اور تصوف و توحید میں اپنی مثال آپ تھے ۔ منقول ہے کہ نظام الاولیا نے سید الانبیاء صلی اللہ علیہ وسلم کو خواب میں کئی مرتبہ سید علاء الدین کی صورت میں دیکھا ۔ مولانا حمید الدین تھے، جو اپنے زمانے کے اہل دانش میں شمار ہوتے تھے ۔ انھوں نے ہدایہ[۹۱] پر سلیس انداز میں مفصل شرح تحریر کی ہے ۔ ان میں سے اکثر عزیز خاکِ دہلی میں آسودہ ہیں لیکن اب ان کے مدفن اور مزارات کا کہیں نام و نشاں نہیں ملتا ۔

مولانا معین الدین عمرانی قدس سرہٗ

آپ نے کنز[92]، مصباح[93] اور حسامی[94] پر حواشی تحریر کیے ہیں ۔ مشائخ چشت کے ملفوظات خاص طور پر سیرالاولیا اور فوائد الفواد میں بہت سے مقامات پر آپ کا ذکر کیا گیا ہے ۔ آپ سلطان محمد تغلق کے عہد کے معروف اساتذہ میں تھے اور عقل و بصیرت کے درجۂ کمال پر فائز تھے ۔ اس عہد کے بہت سے بزرگوں نے آپ سے علمی فوائد حاصل کیے ۔ مولانا شمس الدین یحییٰ اور ان کی مثل بہت سے بزرگ آپ کے شاگرد تھے ۔ بادشاہ وقت (محمد تغلق) نے آپ کو خاص طور پر قاضی[95] عضد کو ہمراہ لانے کے لیے شیراز روانہ کیا کیونکہ اس کی خواہش تھی کہ قاضی صاحب اپنی کتاب اس کے نام معنون کریں ۔ جب حاکم شیراز کو اس کی اطلاع ہوئی تو اس نے قاضی عضد کا منصب بڑھا دیا ، اس باعث قاضی صاحب دہلی نہ آ سکے ۔[96]

خواجہ محمود[97] موئینہ دوز قدس سرہٗ

آپ قاضی حمید الدین ناگوری کے مرید تھے اور ان حضرات میں سے تھے جو قطب الاولیا کے معتقد اور صحبت یافتہ تھے ۔ آپ دین کے راستے میں بڑے باہمت تھے اور آپ کی ذات بے شمار کمالات سے مزین تھی ۔ آپ کا ذکر خواجہ قطب الدین کے ملفوظات اور چشتی بزرگوں کی تصانیف میں موجود ہے ۔ آپ کی قبر حضرت خواجہ کے مزار کے احاطے میں ہے ۔

بیان[98] کیا گیا ہے کہ جس کسی کا غلام بھاگ جاتا ، وہ آپ سے اس کی بازیافت کی درخواست کرتا اگر آپ فرماتے کہ مل جائے گا تو ایسا ہی ہوتا ۔ ایک دفعہ ایک شخص کا غلام کہیں بھاگ گیا ، اس نے آپ سے دعا کی درخواست کی ۔ آپ نے فرمایا کہ جب غلام واپس آ جائے تو مجھے مطلع کر دینا ۔ کچھ عرصے بعد اس شخص کا بھاگا ہوا غلام مل گیا لیکن اس نے اس واقعہ کی کوئی اطلاع آپ کو نہ دی ۔ غلام کچھ عرصے کے بعد پھر بھاگ گیا ۔ مالک پھر آپ کی خدمت میں حاضر ہوا اور اپنا دکھڑا بیان کیا ۔ شیخ نے فرمایا جب پہلی بار غلام مل گیا تھا تو تم نے مجھے اس کی اطلاع کیوں نہیں دی ؟ اس سے میرا مقصد صرف یہ تھا کہ میں اس اہم کام کے بوجھ سے ہلکا ہو جاؤں نہ کہ تم سے کسی طرح کی نذر و نیاز وصول کروں ۔ چونکہ تم نے اپنا پہلا وعدہ وفا نہیں کیا اس لیے اس مرتبہ

غلام نہیں ملے گا۔ اس شخص نے ہر چند جستجو میں سر کھپایا لیکن گم شدہ غلام کا کہیں پتہ نہ چلا۔

خواجہ محمود موئینہ دوز نے سلطان شمس الدین التتمش کے اقتدار کا آخری زمانہ، رکن الدین فیروز شاہ، رضیہ سلطان، معزالدین بہرام شاہ، علاء الدین مسعود شاہ کا تمام دور حکومت اور ناصرالدین محمود کا ابتدائی عہد دیکھا تھا چونکہ خاندان التتمش کے سب سلاطین کا ذکر اپنے اپنے مقام پر کر دیا گیا ہے، یہاں سلطان رکن الدین فیروز شاہ کے حالات کا بیان مناسب معلوم ہوتا ہے۔

سلطان رکن الدین ایسا بادشاہ گزرا ہے جس کا سخاوت و بخشش میں کوئی ثانی نہ تھا۔ جس قدر مال و دولت اس نے لٹایا کسی دور میں کسی بادشاہ نے صرف نہ کیا ہو گا۔ وہ سلطان شمس الدین کی وفات کے بعد ۶۳۳ھ میں ۲۱ شعبان کو تخت سلطنت پر بیٹھا اور تخت نشیں ہوتے ہی کھیل تماشے اور عیش و عشرت میں غرق ہو گیا۔ ظاہر ہے کہ اس غفلت شعاری کے سبب رعایا کی فلاح و بہبود اور سلطنت کے انتظامی معاملات پر برا اثر پڑا، چنانچہ سلطنت کے عہدہ داروں کے دل میں اس کی طرف سے میل آگیا اور ہر طرف سے اس کی مخالفت شروع ہو گئی۔ ترک سرداروں نے اس کے خلاف بغاوت کر دی اور سلطان رضیہ سے جا ملے۔ اسے قید کر دیا اور قید خانے ہی میں اس کا انتقال ہوا[99]۔ اس کا عہد حکومت سات ماہ کے لگ بھگ ہے۔

مولانا مجد الدین حاجی جاجرمی قدس سرّہٗ

آپ کو رسمی[100] اور ظاہری علوم میں بڑا مرتبہ حاصل تھا۔ صوفیوں اور درویشوں کا انکار کرتے تھے۔ قطب الاولیا اور قاضی حمید الدین ناگوری کے سماع سننے پر بھی آپ کو سخت اعتراض تھا۔ بالآخر اپنی اعلیٰ صلاحیت اور نیک فطرت ہونے کی بنا پر اعتراض و انکار کی دلدل سے نکل آئے اور صوفیہ سے عقیدت کا نشہ طاری ہو گیا حتیٰ کہ خود صاحب حال صوفی ہو گئے اور لوگوں کی عقیدت کا مرکز بن گئے۔

اخبار الاخیار[101] میں بیان کیا گیا ہے کہ آپ شیخ شہاب[102] الدین کے خلفا اور مریدوں میں تھے اور سہروردیہ سلسلے میں منسلک تھے۔ بارہ حج ادا فرما کر دہلی تشریف لائے۔ سلطان شمس الدین التتمش نے قاضی ممالک کا عہدہ پیش کیا، اگرچہ آپ کی مرضی اس عہدے کو قبول کرنے کی نہ تھی، لیکن بادشاہ کے حکم کو مانتے ہوئے تقریباً دو سال تک آپ نے اس منصب کے اہم معاملات کو خوش اسلوبی سے انجام دیا۔ اسی کے ساتھ ساتھ قضات کے متعلق قوانین میں وسعت پیدا کر کے اس شعبہ کو مستحکم کیا۔ بعد ازاں آپ نے سلطان سے

رخصت کی درخواست کی ۔ سلطان نے درخواست منظور کر لی اور آپ کو ملازمت سے سبکدوش کر دیا ۔

آپ نے دہلی میں مستقل سکونت اختیار کر لی ۔ ۱۲ ذی الحجہ کو انتقال ہوا ۔ آپ کا مزار[۱۰۳] شہر کے اہم مزارات میں شمار ہوتا ہے ۔ دور و نزدیک کے لوگ ہر سال ذی الحجہ کی گیارہ، بارہ اور تیرہ تاریخ کو آپ کے مزار کی زیارت کے لیے آتے ہیں اور اس تقریب کو " ختم مولانا مجد حاجی " کہتے ہیں ۔ آپ کے کلام سے جس میں حقائق بیان کئے گئے ہیں ایک کلمہ یہاں تحریر کیا جاتا ہے ۔

کلمہ ۔ محبت کے سات سو ہزار مقام ہیں ۔ پہلا درجہ یہ ہے کہ محبوب سے کلی طور پر موافقت پیدا ہو جائے اور سب سے بلند مقام یہ ہے کہ اپنے آپ کو کلی طور پر محبوب کے سپرد کر دے اور اس کا مطیع و فرماں بردار بن جائے جس کسی کو یہ نعمت حاصل نہیں ہے وہ راہ محبت میں قدم رکھنے کا ارادہ نہ کرے کہ یہ مرحلہ بہت دشوار ہے ۔ البتہ جب محبوب کی محبت غالب آ جائے اور صبر و قرار رخصت ہو جائیں تو ایسی اضطراری حالت میں عاشق جو بھی کرے قابل عذر ہے ۔

شیخ بدر الدین غزنوی قدس سرّہٗ

آپ[۱۰۴] حضرت خواجہ قطب الدین بختیار اوشی کے خلفا میں سے تھے ۔ اصل وطن غزنین تھا، وہاں سے لاہور تشریف لائے ۔ جب حضرت خواجہ کی عظمت و بزرگی کا شہرہ سنا تو ان کی خدمت میں حاضر ہونے کے ارادے سے دہلی آئے اور حضرت کے مریدوں میں شامل ہو گئے، بعد ازاں نعمت خلافت سے سرفراز ہوئے ۔

ایک دوسرے گروہ کی روایت یہ ہے کہ غزنین میں آپ نے خواب میں دیکھا کہ آپ قطب الاولیا کے مرید ہو گئے ہیں ۔ اس خواب کے بعد آپ غزنین سے سراسیمگی کی حالت میں نکلے اور خواجہ کو تلاش کرتے رہے ۔ اس دوران بہت سے بزرگوں کی خدمت میں حاضر ہونے کا موقع ملا، جب لاہور پہنچے تو معلوم ہوا کہ قطب الاولیا کا قیام دہلی میں ہے ۔ اس خبر کو سن کر حضرت کی زیارت کا شوق اور بڑھ گیا ۔ گرتے پڑتے دہلی پہنچے اور اپنا سر ارادت قطب الاولیا کے پاؤں میں رکھ دیا ۔ " ہٰذا تاویل رءیای من قبل " یعنی یہ ہے میرے خواب کی تعبیر جو پہلے زمانے میں دیکھا تھا ۔ فی الفور بیعت کی رسم بجا لائے ۔

ہر عہد کے بزرگوں نے آپ کی عظمت کا اعتراف کیا ہے ۔ آپ کی خضر سے بھی ملاقات تھی ۔ لوگوں کو بہت زیادہ وعظ و نصیحت فرماتے تھے اور آپ کا کلام لوگوں کے دلوں پر اثر بھی بے حد کرتا تھا ۔ قاضی

حمید الدین ناگوری، سید مبارک غزنوی، مولانا مجد الدین جرجامی، شیخ ضیاء الدین دہلوی اور شیخ فرید شکر گنج[105] قدس سرہم آپ کی مجلس میں حاضر ہوتے تھے۔ آپ کی باتیں زیادہ تر محبت و عشق کے بارے میں ہوتیں۔

اس حقیقت کے باوجود کہ آپ شریعت کے بے حد پابند تھے۔ وجد و سماع میں بہت زیادہ غلو فرماتے تھے۔ سلطان المشائخ[106] سے روایت ہے کہ شیخ بدر الدین بہت بوڑھے ہو گئے تھے اور ضعف کے سبب ہل جل بھی نہیں سکتے تھے لیکن جب سماع طاری ہوتا تو اس جوش سے رقص کرتے گویا دس برس کا لڑکا رقص کر رہا ہے۔ جب آپ سے دریافت کیا گیا کہ شیخ آپ اس قدر ضعیف ہونے کے باوجود کس طرح رقص کرتے ہیں تو آپ نے فرمایا کہ شیخ کہاں رقص کرتا ہے، عشق رقص کرتا ہے۔

من اگر پیر شدم عشق جوان ست ہنوز

(ترجمہ) میں اگر بوڑھا ہو گیا تو کیا ہوا عشق تو بہر حال جوان ہے۔

آپ[107] سے منقول ہے کہ میں اس رات جس میں حضرت قطب الاولیا کا انتقال ہوا، خدمت میں حاضر تھا۔ جب انتقال کا وقت قریب آیا تو مجھے اونگھ آ گئی۔ میں نے خواب میں دیکھا کہ خواجہ اپنے حجرے سے نکل کر بلندی کی جانب جا رہے ہیں اور مجھ سے فرما رہے ہیں کہ اے بدر الدین اللہ کے دوستوں کو موت نہیں آتی۔ میری آنکھ کھل گئی۔ حجرے میں آکر دیکھا تو آپ رحلت فرما چکے تھے۔ آپ کی قبر قطب الاولیا کے مزار مبارک کے پائنتی ہے۔ انتقال کے وقت آپ کی عمر سو برس تھی۔ آپ نے سلطان علاء الدین کے عہد حکومت میں وفات پائی۔

سلطان علاء الدین بہت ہی قاہر و جابر بادشاہ تھا، جس نے اپنے آقا جلال الدین خلجی کو فریب سے قتل کر کے ہندوستان پر غلبہ حاصل کیا۔ کچھ امور اس کی خواہش کے مطابق ایسے ظہور میں آتے رہے کہ جس کسی نے اس کے خلاف بغاوت کی آخر کار منہ کی کھائی۔ اشیائے صرف کی ارزانی، نئے علاقوں کی فتوحات، سرکشوں کی اطاعت، راستوں کا امن و امان، مسجدوں، حوضوں، قلعوں اور مناروں کی کثرت سے تعمیر، عام لوگوں میں راست بازی اور دیانت داری کا چلن اور علماء و مشائخ کا اجتماع یہ برکتیں اور سعادتیں جتنی عہد علائی میں ظہور پذیر ہوئیں کسی اور بادشاہ کے دور حکومت میں ظاہر نہیں ہوئیں۔ یہ بات بھی عجیب سی ہے کہ سلطان نے نہ کبھی ان باتوں کو سوچا تھا اور نہ خاص بندوبست کیا تھا، بس اللہ تعالی کی مشیت تھی کہ اس کے دور حکومت میں غیب سے لوگوں کی فلاح و بہبود کے اسباب مہیا ہوتے گئے۔ اس بادشاہ نے خود پسندی، بدمزاجی اور تکبر کی بنا پر بڑے عجیب و غریب دعوے بھی کئے۔ بالاخر ۷۱۰ھ میں اس عالم فانی سے ملک جاودانی میں انتقال کر گیا۔[108]

چو در راہِ رحیل آمد روا رو

چہ جمشید و چہ پرویز و چہ خسرو

(ترجمہ) جب موت کی راہ میں چل چلاؤ کی گھڑی آن پہنچی تو کیا جمشید کیا پرویز و خسرو سب ہی کو جانا پڑا۔

خواجہ بست قدس سرّہٗ

آپ نے دہلی کی فتح کے ابتدائی دور میں، جب سلطان غازی معز الدین محمد سام اس عظیم شہر میں رونق افروز تھا، سکونت اختیار کی اور اس شہر کے بزرگوں کے سلسلہ بیعت میں شامل ہوگئے۔ آپ کی قبر شریف حضرت خواجہ کے مزار مبارک سے ذرا بلندی پر شمال کی جانب ہے۔ اخبار الاخیار[109] میں بیان کیا گیا ہے کہ حضرت خواجہ کے مزار مبارک کی تعمیر سے قبل آپ کو وہاں دفن کیا گیا تھا۔

سلطان غازی بہت انصاف پسند اور دین کی حمایت کرنے والا بادشاہ تھا۔ اس کی فتوحات کی برکت سے ہندوستان میں اسلام کی اشاعت ہوئی۔ اس کے زمانے میں دین پر عمل کرنے کا رجحان از سر نو بیدار ہوا۔ ہندوستان میں فتوحات سے جس قدر مال غنیمت اس کے خزانے میں داخل ہوا اتنا کسی بادشاہ کے دور حکومت میں حاصل نہیں ہوا۔ بیان کیا گیا ہے کہ غزنین کے خزانے میں الماس کے ٹکڑے جو جواہرات میں نفیس ترین ہوتا ہے، ڈیڑھ ہزار من تھے۔ اسی سے دوسرے جواہرات کا اندازہ لگایا جا سکتا ہے کہ کس قدر اس کے خزانے میں ہوں گے۔ ۶۰۲ھ میں ماہ شعبان کی چاند رات کو ایک ملحد فدائی کے ہاتھوں سلطان نے جام شہادت نوش کیا۔

اس کی شہادت کے بعد اس کے ترک غلاموں نے بہت عرصے تک فرماں روائی کی اور مفتوحہ ممالک میں اس کے نام کا خطبہ جاری رہا۔

بابا حاجی روزبہ قدس سرّہٗ

آپ کا شمار اولیائے دہلی کے پیشرؤوں میں ہوتا ہے۔ مشرب کے اعتبار سے اویسی تھے اور تصوف و سلوک میں اعلیٰ مقام کے حامل تھے۔ راجہ پتھورا کے زمانے میں قلعہ کی خندق میں ایک خانقاہ بنا لی تھی

اسی میں قیام تھا۔ آپ کی خاص توجہ سے بہت ہندو برہمن کفر و کافری کی ہلاکت سے بچ گئے اور اسلام قبول کر کے دین کے حامی بن گئے۔ آپ کی قبر "نماز گاہ کہنہ کے قریب ہے جو دہلی کے فیض رساں مقامات میں سے ہے اور پرانے قلعے کی خندق کے قریب واقع ہے۔ ممکن ہے کہ جس مقام پر آپ تمام زندگی رہے، اسی کو ابدی آرام گاہ کے لئے پسند فرمایا ہو۔ بہرحال اللہ ہی بہتر جانتا ہے۔

راجہ پتھورا ہندوستان کے عظیم راجاؤں میں سے تھا اور اس ملک کے اکثر راجہ اس کے ماتحت تھے اس نے سلطان معز الدین محمد سام سے کئی مرتبہ جنگ کی اور ایک دفعہ اسے شکست بھی دی لیکن دوسری بار سلطان کے بہادر لشکریوں کے ہاتھوں جہنم رسید ہوا۔ اس کے قتل کے بعد سلطان قطب الدین ایبک نے جو سلطان معز الدین محمد سام کا غلام تھا، دہلی اور ہندوستان کے اکثر علاقے فتح کیے۔

قطب الدین ایبک اپنے آقا کی وفات کے بعد ۶۰۲ ھ میں سلطنت کے وارثوں کے فرمان کے مطابق تخت نشیں ہوا۔ مسلمان بادشاہوں میں وہ پہلا بادشاہ تھا جو تخت دہلی پر بیٹھا۔ وہ بہترین اخلاق اور پسندیدہ کردار کا حامل بادشاہ تھا۔ اس کی چھنگلی انگلی ٹوٹی ہوئی تھی اس وجہ سے لوگ اسے ایبک کہتے تھے۔ ہندوستان میں جس قدر فتوحات، سلطان غازی کے عہد میں ہوئیں یا اس کے بعد ہوئیں، ان میں سے زیادہ تر فتوحات اس کی رہنمائی میں ہوئیں۔ بخشش و فیاضی میں کوئی اس کا ثانی نہیں تھا۔ اس کے زمانے میں کوئی بادشاہ اس کی مانند داد و دہش کا حوصلہ نہ رکھتا تھا۔ ہمیشہ ایک ایک لاکھ سکہ انعام میں دیتا تھا۔ اس کی وفات ۶۰۷ ھ میں ہوئی وہ اس طرح کہ ایک دن چوگان کھیلتے ہوئے وزن برقرار نہ رکھ سکا اور گھوڑے سے گر کر انتقال کر گیا۔ دہلی کی فتح سے انتقال کے وقت اس کے اقتدار کا زمانہ بیس سال تھا اور باقاعدہ سکہ، چتر اور خطبے کے ساتھ اس کا عہدِ حکومت چار سال کچھ مہینے تھا۔

شیخ امام الدین ابدال قدس سرہٗ

آپ شیخ ضیاء الدین کے بھانجے اور مرد غیب تھے۔ آپ کو شیخ بدر الدین غزنوی سے خرقۂ خلافت حاصل ہوا لیکن اپنے مجاہدوں کی تکمیل قطب الاولیا کی خدمت میں رہ کر کی اور قبولیت سے سرفراز ہوئے۔ اپنے سلوک کے آغاز سے تکمیل تک سب سے علحدہ اور تنہائی میں زندگی بسر کی۔ بلند ہمت بزرگ تھے اور عمر بھی طویل پائی۔ حضرت نظام الاولیا آپ کے بغیر سماع نہیں سنتے تھے۔ ۶۸۰ ھ میں آپ کا وصال ہوا۔

شیخ راجی دہلوی قدس سرّہٗ

آپ بدیع الدین شاہ مدار کے خلفا[۱۱۲] میں تھے ۔ آپ کی ذات گرامی صوفیوں کے اعلی اخلاق اور درویشوں کے پسندیدہ اوصاف سے آراستہ تھی ۔ سلوک کے مشکل مقامات کو طے کر کے بلند درجات حاصل کیے۔ عام لوگوں کو آپ سے بے حد عقیدت تھی ۔ آپ کی قبر جس سے لوگ فیض حاصل کرتے ہیں دہلی میں ہے ۔

شاہ مدار کے خلفا کی تعداد حد شمار سے باہر ہے ۔ سب سے پہلے جن کامل بزرگ نے سند خلافت کو زینت بخشی وہ سید جمن بہاری قدس سرہ تھے ۔ سید جمن علائق دنیا سے کنارہ کش ہونے اور یاد الٰہی میں استغراق حاصل کرنے میں اپنی نظیر آپ تھے ۔ ان کی ذات سے بہت سی کرامات ظہور میں آئیں ۔ ان کا مزار بہار کے قصبوں میں سے کسی قصبے میں ہے ۔

قاضی محمود قدس سرہ بھی شاہ مدار کے خلیفہ تھے ۔ وہ ہمعصر علما میں سب سے زیادہ فضل و کمال کے حامل تھے ۔ ان کا مزار لکھنو کے قریب واقع ہے اور وہاں کے رہنے والوں کی زیارت گاہ ہے ۔

قاضی شہاب الدین پرکالہ آتش قدس سرہ شاہ مدار کے خلفا میں سے تھے ۔ ان کا جذب بہت قوی تھا اور باطنی احوال بھی بہت عجیب تھے ۔ ان کی ذات میں عظمت و جلال نمایاں تھا ۔ ان کی قبر بھی لکھنو کے قریب ہے ۔

ان کے علاوہ قاضی مظہر قدس سرہ تھے جو دشت توحید کے شیر تھے ۔ ان کا مزار کالپی کے مضافات میں ہے ۔ قاضی عبدالملک قدس سرہ بھی شاہ مدار کے خلیفہ تھے جن کی دعاؤں کے محتاج بادشاہ بھی تھے اور فقیر بھی ۔ سب کا یہی عقیدہ تھا کہ قاضی صاحب کے وجود کی برکت سے انھیں اپنے اپنے مقاصد میں کامیابی حاصل ہوتی ہے ۔ ان کا مزار بہرائچ میں ہے ۔

شاہ مدار کے ایک اور خلیفہ سید خاصہ قدس سرہ تھے جن کے حال پر شاہ بدیع الدین بہت زیادہ توجہ دیتے تھے اور فرماتے تھے کہ سید خاصہ کا ظاہر و باطن سب سے بہتر ہے ۔

ان کے علاوہ شیخ الاقدس سرّہ تھے جنھیں عوام الناس شیخ اعلیٰ کہتے تھے وہ اس سلسلے کے مشہور مجاذیب میں سے تھے اور ان کے جذب کی کیفیت عجیب و غریب تھی ۔ ان کی قبر " گور " میں ہے ۔

شیخ محمد جندہ قدس سرہ شاہ مدار کے خلفا میں سے تھے ۔ آپ کی ذات سے اللہ تعالی کے اسرار ظاہر ہوتے تھے ۔ وہ بداؤں میں پیدا ہوئے اور ان کا مدفن بھی وہیں ہے ۔

ایک اور خلیفہ شیخ محمد بایاں پاؤں قدس سرہ تھے جن کے بارے میں یہ بات مشہور ہے کہ وہ بڑے صاحب ریاضت و مجاہدہ بزرگ تھے۔ حتیٰ کہ بارہ سال تک بائیں پاؤں پر کھڑے رہے اور اس عرصے میں اپنا دایاں پاؤں زمین پر نہ رکھا۔ اس وجہ سے ان کا لقب بایاں پاؤں ہو گیا۔ ان کی قبر کلھوا بن میں ہے۔

ان بزرگوں کے علاوہ بھی شاہ بدیع الدین مدار کے بہت سے خلفا تھے جن کی عظمت و جلال سے اہل زمانہ واقف ہیں لیکن آج کل اس سلسلے کے پیروؤں میں جو انتشار اور ابتری پھیلی ہوئی ہے اس سے پیش نظر اس سلسلے کے بزرگوں کے حالات کی تحقیق ضروری ہے جو یہاں پیش کی جاتی ہے۔

کہا جاتا ہے کہ اس سلسلے کے سرخیل امام عبداللہ علمدار تھے جو حضرت صدیق اکبر کے واسطے سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے جا ملتے ہیں۔ ایک دوسرا قول یہ بھی ہے کہ حضرت علی کے واسطے سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم تک پہنچتے ہیں لیکن زیادہ صحیح تحقیق یہ ہے کہ شاہ بدیع الدین شیخ محمد طیفور شامی کے مرید تھے اور وہ شیخ یمین الدین کے مرید تھے جو امام علمدار کے خاص خلیفہ تھے۔ یہ سلسلہ بہت ہی کم واسطوں کے باعث تمام سلاسل کی بہ نسبت حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے قریب ہے۔ اس خانوادے کے بزرگ، کشف کے ذریعے توحید کا جو مشاہدہ ہوتا ہے، اس کے بیان میں بہت زیادہ مبالغہ کرتے ہیں اور ایک خاص انداز سے وحدت الوجود کے عقیدے کا اظہار کرتے ہیں۔

شاہ بدیع الدین مدار نے اپنی زندگی میں شریعت حقہ پر عمل کیا اور طریقت میں مودب سالکوں کی مانند منازل سلوک طے کیں لیکن گیارہویں صدی کے نصف آخر میں اس گروہ کے طور طریقوں میں عریانی اور بے حجابی نے زور پکڑا۔ ظاہر شریعت نے جن باتوں کو منع کیا ہے ان سے اپنے آپ کو بچائے رکھنے کا خیال اس گروہ کے دل سے رخصت ہو گیا۔ اس خرابی کا اصل سبب یہ ہے کہ اس سلسلے میں دنیا سے ظاہری بے تعلقی کو اللہ تعالیٰ سے تعلق کی شرط قرار دی گئی ہے۔ چنانچہ اس سلسلے کے اکثر بزرگوں نے صرف اتنا ہی لباس جس سے ستر چھپ جائے اور کھانا جو ایک دن کے لئے کافی ہو اپنا اصول بنا لیا اور جملہ اقسام کے لباس اور طرح طرح کے کھانوں سے بے نیاز ہو گئے۔ "نیا دن نیا رزق" ان کا نعرہ بن گیا۔ اگر اتفاق سے کچھ مال و زر حاصل ہو جاتا تو یہ حضرات اسے صرف کر کے بے سروسامان زندگی بسر کرتے تھے۔ یہی سبب ہے کہ ان میں کے بعض عقیدت مندوں نے یہ بات اپنے دل میں بٹھا لی کہ بغیر نکاح اور بے اہل و عیال زندگی بسر کرنا حاصل سلوک ہے بلکہ اس خیال میں ایسے مست ہوئے کہ صوفیہ کے طور طریق سے ہٹ گئے۔ یہاں تک کہ شرعی پاجامے کو خیرباد کہہ دیا اور اس کی جگہ چارگرہ تہمد نے لے لی جس سے صرف پوشیدہ اعضا کو ڈھانپا جا سکتا ہے۔ اسی طرح روز بروز خلاف شرع باتوں کا اضافہ ہوتا گیا۔ ان لوگوں نے شاہ بدیع الدین مدار سے منسوب بیہودہ اقوال بیان کرنے شروع کر دیے جو شاہ مدار کی روح کے لیے باعث تکلیف اور ان کی ذات سے فروتر ہیں۔ مختصر یہ کہ ان لوگوں نے سلسلہ کی رسوائی میں کوئی کسر اٹھا نہ رکھی۔

حقیقت یہ ہے کہ شاہ بدیع الدین اس نوع کے افعال سے بری تھے ۔ آپ کا قلب پاک و صاف تھا۔ آپ پر باطنی اسرار منکشف ہوتے تھے اور آپ لوگوں کے دلوں میں پیدا ہونے والے اندیشوں سے آگاہ ہو جاتے تھے ۔ آپ کی پیشانی پر ہر وقت ایک نور چمکتا رہتا جسے دیکھ کر لوگ از خود سجدے میں گر جاتے ، اسی وجہ سے آپ اپنے چہرے پر نقاب ڈالے رکھتے البتہ مخلوق کے فائدے کی غرض سے مقررہ وقت پر چہرے سے نقاب ہٹاتے تھے ۔ علاوہ ازیں اگر کسی کو علمی یا شرعی مسئلے میں کوئی دشواری ہوتی تو اس شخص کے دریافت کیے بغیر اس مسئلے پر سیر حاصل گفتگو فرما کر حل کر دیتے اور وہ مطمئن ہو کر چلا جاتا ۔ ۸۰۰ھ میں اس تاریک جہان خاکی سے ان کا انتقال عالم روحانی میں ہوا ۔ ان سے بے شمار کرامت اور خوارق نقل کیے گئے ہیں ۔

شیخ شمس اتاولہ قدس سرّہٗ

آپ سلطان الاولیا کے ہم زمانہ تھے ۔ فقر و درویشی میں کمال حاصل تھا ۔ لوگوں کو ہدایت کرنا اور دین کی باتیں بتانا آپ کا شغل تھا ۔ ابتدا میں محض اس وجہ سے کہ ایک خلقت سلطان الاولیا کے آستانے پر ہجوم کرتی ہے آپ ان کی عظمت سے انکار کرتے تھے اور اکثر یہ کہتے تھے کہ ظاہری زیبائی اور کشش باطن کے خراب ہونے کی علامت ہے ۔ حضرت نظام الاولیا نے ان کی اس بات پر کبھی کچھ نہ فرمایا اور خاموش رہے ۔

ایک رات شیخ اتاولہ نے خواب میں دیکھا کہ نظام الدین الاولیا ، خاتم الانبیا علیہ افضل الصلوٰت و اکمل التحیات کے زانوئے مبارک پر سر رکھے سو رہے ہیں ۔ اس وقت سے آپ کو سلطان الاولیا سے عقیدت ہو گئی اور بے حد احترام کرنے لگے ۔

بیان کیا جاتا ہے کہ جو ضرورت مند آپ کی خدمت میں حاضر ہوتا بہت جلد اپنا مقصود پا لیتا ، اسی باعث آپ کا لقب اتاولہ ہو گیا جس کا مطلب ہندی زبان میں "جلدی کرنے والا" ہے ۔ یہ بات تو خود سلطان الاولیا نے بارہا فرمائی کہ جس کسی کو بہت جلد اپنی دینی و دنیوی مراد پانے کی آرزو ہے ، وہ ہمارے عہد کے شمس زماں کی خدمت میں عرض کرے ۔ آپ کی ابدی خواب[۱۳] گاہ دلی میں ہے ۔ ، رجب المرجب کو آپ کا عرس ہوتا ہے ۔

شیخ شہاب الدین عاشق قدس سرہٗ

آپ شیخ امام الدین ابدال کے خلفا[14] میں سے تھے اور ان ہی سے نعمت فقر پائی، علاوہ ازیں آپ نے شیخ بدر الدین غزنوی سے بھی فیض روحانی حاصل کیا تھا۔ ہر وہ شے جس سے حسن و جمال کا اظہار ہو آپ کے لئے بے حد باعث کشش ہوتی۔ آپ عظیم روحانی صلاحیت کے حامل تھے۔ حقیقی اور مجازی عشق میں بلند درجات پر فائز تھے۔ آپ دہلی میں پیدا ہوئے اور وہیں آپ کا مدفن ہے۔[15]

شیخ عماد الدین دہلوی قدس سرہٗ

آپ نے بیعت[16] تو شیخ امام الدین ابدال سے کی تھی لیکن خرقہ خلافت شیخ شہاب الدین عاشق سے حاصل کیا۔ آپ چشتیہ سلسلے کے بزرگوں میں تھے۔ آپ بہت سے بزرگوں کی خدمت میں حاضر رہے اور ان سے بھی نعمت باطنی حاصل کی۔ شیخ تاج الدین امام جو اس زمانے کے مشہور بزرگوں میں تھے، آپ کے خاص مرید تھے۔ آپ کا مزار دہلی میں ہے۔

شیخ نظام الحق والدین قدس سرہٗ

آپ کا اسم گرامی محمد بن احمد علی البخاری ہے۔ سلطان المشائخ اور نظام الدین اولیا آپ کے القاب ہیں۔ آپ اللہ تعالی کے محبوبوں اور مقربوں میں ہیں۔ ہر زمانے کے اولیا آپ کی عظمت و شان کے معترف رہے ہیں۔ آپ کے روحانی فیوض و برکات کی بدولت ملک ہندوستان باغ و بوستان کی مانند مہک اٹھا اور آج تک آپ کا مرقد منور لوگوں کی زیارت گاہ اور ان کا مرکز عقیدت ہے۔

آپ کی محبوبیت کا ظہور سلطان علاء الدین کے عہد حکومت میں ہوا۔ عوام کی خوشحالی، امن و امان اور ملکی فتوحات جو عہد علائی کی امتیازی خصوصیات ہیں اور جن میں سے بعض کا ذکر اس سے قبل ہو چکا ہے، یہ سب آپ کے وجود مبارک کی برکات تھیں۔ اہل بصیرت کو پورا یقین ہے کہ اس فیض عام کا سرچشمہ خود

سلطان علاء الدین نہ تھا (بلکہ محبوب الٰہی قدس سرہ تھے) ۔ مختصر یہ کہ حضرت والا شیخ فرید گنج شکر کے عظیم خلفا میں تھے اور بابا فرید کے واسطے سے آپ کی روحانی نسبت خواجہ قطب الدین بختیار کاکی سے قائم ہوتی ہے ۔

اصل کے اعتبار سے آپ بخاری[117] تھے ۔ آپ کے دادا خواجہ علی اور نانا خواجہ عرب ایک دوسرے کی رفاقت میں ہندوستان آئے ۔ کچھ عرصے لاہور میں رہے ، وہاں سے دونوں بداؤں آگئے جو ان دنوں اسلام اور مسلمانوں کا بہت بڑا مرکز تھا ۔ یہاں مستقل رہائش اختیار کر لی ۔ وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ دونوں حضرات میں قربت بڑھ گئی ۔ ان کے بیٹے اور بیٹی کے نکاح کے بعد ، حق سبحانہ تعالیٰ نے سلطان المشائخ کو پیدا فرمایا اور دنیا کو آپ کے وجود کے نور سے منور کیا ۔ ابھی آپ بچے تھے کہ والد کا انتقال ہو گیا ۔ جب آپ میں کچھ سمجھ پیدا ہوئی تو والدہ محترمہ نے آپ کو مکتب میں بٹھا دیا ۔ مکتب ہی میں رشد و ہدایت کے آثار ظاہر ہونے لگے ۔ جب آپ کی عمر بارہ سال کی ہوئی تو آپ نے علم لغت پڑھنا شروع کیا پھر مزید تعلیم کی غرض سے دہلی تشریف لے آئے اور تحصیل علم میں مصروف ہوگئے ۔ اسی زمانے میں آپ نے "مقامات حریری[118]" کو (استاد سے) پڑھا ۔ تحصیل علم میں اس قدر محنت اور توجہ صرف کی کہ آپ کے ساتھی طالب علم آپ کو نظام الدین بحاث کہنے لگے ۔ آپ نے ہر علم میں کامل دسترس پیدا کی اور اس سے پوری طرح بہرہ مند ہوئے ۔ آپ فقہ ، اصول ، حدیث ، تفسیر اور علم و فضل میں اپنے زمانے کے عالموں اور فاضلوں میں ممتاز تھے ۔

نفحات[119] میں بیان کیا گیا ہے کہ دینی علوم کی تحصیل و تکمیل کے بعد آپ نے وہ رات جامع مسجد دہلی میں گزاری ۔ فجر کے وقت موذن اذان دینے مینار پر آیا ۔ اس نے یہ آیت تلاوت کی ۔

الم یان للذین آمنوا ان تخشع قلوبھم لذکر اللّٰہ[120]

(کیا ایمان والوں کے لئے اس بات کا وقت نہیں آیا کہ ان کے دل اللہ کی نصیحت کے سامنے جھک جائیں ۔)

جب آپ نے یہ آیت سنی تو حالت متغیر ہو گئی ۔ ہر جانب سے انوار ظاہر ہونے لگے ۔ جب سویرا ہو گیا تو بے سروسامان اور قافلے کے بغیر چل کھڑے ہوئے اور شیخ فرید الدین گنج شکر کی خدمت میں حاضر ہوئے ۔ بیعت کی اور مرتبہ کمال کو پہنچے ۔ شیخ نے آپ کو دوسروں کی تکمیل کا اجازت نامہ عطا فرما کر دہلی جانے کا حکم دیا ۔ یہاں آکر آپ طالب علموں کی تعلیم اور مریدوں کی تربیت میں مشغول ہوگئے ۔

اخبار الاخیار[121] میں بیان کیا گیا ہے کہ جس وقت شیخ فرید الحق والدین نے سلطان المشائخ کو خلافت عطا فرمائی تو یہ بھی فرمایا کہ باری تعالیٰ نے تم کو علم ، عقل اور عشق سے نوازا ہے ۔ جس شخص میں یہ تینوں صفتیں ہوں ، وہی مشائخ کی خلافت کے لائق ہے اور اس سے یہ کام خوش اسلوبی سے انجام پاتا ہے ۔

سیر الاولیا[122] میں حضرت سلطان المشائخ سے منقول ہے کہ میرے دل میں شیخ فرید کی محبت اس طرح پیدا ہوئی کہ جب میں بارہ سال کا تھا یا کم یا زیادہ کا ہوں گا اس وقت لغت پڑھتا تھا ۔ اسی زمانے میں ایک

شخص جسے ابوبکر قوال کہتے تھے، ملتان سے آیا۔ میرے استاد سے ملا۔ اس نے شیخ بہاء الدین زکریا[۱۲۳] کے حالات سنائے اور ان کے اوصاف، ان کی عبادتوں اور ان کے مریدوں کا ذکر بہت مبالغے سے کیا لیکن میرے دل میں ان باتوں کا کچھ اثر نہ ہوا۔ اس کے بعد اس نے بیان کیا کہ ملتان سے وہ اجودھن پہنچا، وہاں اس نے ایک بادشاہ دیکھا جو ایسا ہے اور یوں ہے۔ جب میں نے شیخ العالم فرید الحق والدین کے اوصاف سنے تو پورے صدق کے ساتھ ان کی محبت میرے دل میں گھر کر گئی۔ میرا یہ حال ہو گیا کہ ہر نماز کے بعد دس بار شیخ فرید اور دس بار مولانا فرید کہتا۔ یہ محبت اس حد تک بڑھ گئی کہ میرے تمام دوست میرے حال سے واقف ہو گئے۔ اگر وہ کوئی بات مجھ سے دریافت کرتے اور قسم دینا چاہتے تو مجھ سے کہتے کہ شیخ فرید کی قسم کھاؤ۔

اخبار الاخیار میں یہ بھی لکھا ہے کہ جس زمانے میں سلطان المشائخ شیخ فرید سے بیعت کرنے اجودھن حاضر ہوئے تو آپ کی عمر بیس سال تھی۔ بیعت کے بعد آپ نے شیخ سے قرآن کے چھ پارے[۱۲۴] تجوید[۱۲۵] کے ساتھ پڑھے اور عوارف[۱۲۶] کے چھ ابواب[۱۲۷] کی سند حاصل کی۔ اس کے علاوہ ابوبکر سلمی کی تمہید[۱۲۸] اور کچھ دوسری کتابیں بھی شیخ سے پڑھیں۔

سلطان المشائخ سے منقول[۱۲۹] ہے کہ جب میں بیعت کے لئے شیخ کی خدمت میں حاضر ہوا تو پہلی بات جو میں نے شیخ کی زبان مبارک سے سنی یہ تھی۔

بیت

اے آتشِ فراقت دلہا کباب کردہ — سیلابِ اشتیاقت جانہا خراب کردہ

(ترجمہ) تیرے فراق کی آگ نے کتنے ہی دلوں کو جلا ڈالا اور تیرے شوق کے سیلاب نے کتنی ہی جانوں کو ویران کر دیا۔

آپ کی عظمت و شان کی کیفیت اور آپ کے مجاہدات و مشاہدات کی حقیقت اس سے کہیں زیادہ ہے کہ انھیں احاطہ تحریر میں لایا جائے، البتہ اخبار الاخیار[۱۳۰]، فوائد الفواد اور سیر الاولیا میں کہیں مختصر طور پر اور کہیں تفصیل کے ساتھ بیان کیا گیا ہے۔ اہل ذوق چاہیں تو ان کتابوں کا مطالعہ کریں۔ خاص خاص باطنی کیفیتوں میں جو باتیں آپ نے بیان فرمائیں ان میں سے پینتیس یہاں نقل کی جاتی ہیں۔

کلمہ ۱۔ آپ نے فرمایا[۱۳۱] کہ سماع نہ بالکل حلال ہے نہ بالکل حرام، جیسے سننے والوں ہوں (ان کی نسبت سے حلال و حرام کا حکم ہو گا) سماع موزوں آواز کو کہتے ہیں اسے کس طرح حرام کہہ سکتے ہیں البتہ چنگ اور سازوں کے ساتھ جو سماع ہوتا ہے اس کا سننا حرام ہے۔ شیخ فرید الحق والدین قدس سرہ کی خدمت میں سماع کے جائز ناجائز ہونے سے متعلق علما کے اختلاف کا ذکر ہوا تو آپ نے فرمایا۔ سبحان اللہ! ایک شخص جل کر راکھ کا ڈھیر ہو گیا اور لوگ ہیں کہ اختلاف میں پڑے ہوئے ہیں۔

بیت

آتش اندر پختگاں افتاد و سوخت　　　خام طبعان ہمچنان افسردہ اند

(ترجمہ) کاملوں کے دل میں آگ لگی تو وہ جل اٹھے، ناقصوں میں خامی تھی وہ اسی طرح بجھے ہوئے ہیں۔

کلمہ ۲۔　بعضے[۱۳۲] درویش ایک پیر سے بیعت کرتے ہیں اور اسے چھوڑ کر دوسرے پیر کے پاس چلے جاتے ہیں اور بیعت کر کے خرقہ حاصل کرتے ہیں۔ میرے نزدیک ایسا کرنا درست نہیں ہے۔ اصل بیعت تو وہی ہے جو اس نے پہلے پیر سے کی تھی خواہ وہ عامی ہی کیوں نہ ہو۔

کلمہ ۳۔　اگر[۱۳۳] کوئی مرید پیر سے کہے کہ میں آپ کا مرید ہوں اور پیر کہے کہ تم میرے مرید نہیں ہو تو وہ مرید تسلیم کیا جائے گا۔ اگر معاملہ برعکس ہو (یعنی پیر کہے کہ تم میرے مرید ہو اور مرید کہے کہ میں مرید نہیں ہوں) تو وہ مرید تسلیم نہیں کیا جائے گا کیونکہ ارادت مرید کا فعل ہے نہ کہ شیخ کا

کلمہ ۴۔　سعادت[۱۳۴] کے قفل کی بہت سی کنجیاں ہیں۔ تمام کنجیوں سے کام لینا چاہیے۔ اگر ایک کنجی سے قفل نہ کھلے تو دوسری سے کھل سکتا ہے۔

کلمہ ۵۔　آپ[۱۳۵] نے فرمایا کہ کل قیامت کے دن اس گروہ میں سے بعضوں پر چوری کا الزام ہو گا۔ وہ کہیں گے بارالہا ہم نے کبھی چوری نہیں کی۔ جواب ملے گا کہ تم نے اہل ہمت کا لباس پہنا لیکن ان کے سے عمل نہیں کیے۔ بالآخر پیروں کی سفارش پر بخشے جائیں گے۔

کلمہ ۶۔　آپ[۱۳۶] نے فرمایا کہ تصوف کی کتابوں میں بیان کیا گیا ہے کہ سلوک کے سو درجے ہیں۔ ان میں سترہواں درجہ کشف و کرامت کا ہے۔ اگر درویش سالک اسی درجہ پر رک جائے آگے نہ بڑھے تو باقی تراسی[۱۳۷] درجے کس طرح طے کر سکتا ہے، پس لازم ہے کہ کرامت کے درجہ کو نظر انداز کر کے آگے بڑھے۔ **فرض اللہ کستمان الکرامہ علی اولیائہ کما فرض اظہار المعجزہ علی انبیائہ** یعنی اللہ تعالیٰ نے اپنے دوستوں پر کرامت کو پوشیدہ رکھنا اسی طرح فرض کیا ہے جس طرح اپنے نبیوں پر معجزہ کو ظاہر کرنا فرض کیا ہے۔

کلمہ ۷۔　مرید[۱۳۸] دو طرح کے ہوتے ہیں، ایک رسمی اور دوسرے حقیقی۔ رسمی مرید وہ ہے جس کو پیر ہدایت کرے کہ وہ دیکھے کو ان دیکھا اور سنے کو ان سنا کر دے اور اہل سنت و الجماعت کے مسلک پر رہے اور حقیقی مرید وہ ہے جس کو اس ہدایت کے بعد شیخ حکم دے کہ وہ اس کی صحبت میں رہے اور ناجنسوں کی صحبت میں نہ بیٹھے۔

کلمہ ۸۔　انسانوں کی طبیعتیں مختلف ہوتی ہیں۔ ایک شخص ایسا ہوتا ہے کہ اگر اس کے پاس دس درم ہوں تو جب تک انھیں خرچ نہ کر دے بے چین رہتا ہے۔ دوسرا پیدائشی حریص ہوتا ہے کہ جتنا اس کے پاس ہے اس سے زیادہ کا طلب گار رہتا ہے۔ یہ باتیں کسی کے اختیار میں نہیں ہیں بلکہ معاملہ ازلی قسمت کا

ہے۔

کلمہ ۹۔ مال[۱۲۹] و دولت کو جمع نہیں کرنا چاہیے بلکہ جو کچھ اللہ تعالی عطا فرمائے (اس کی راہ میں) خرچ کریں اور جمع نہ کریں۔

زراز بہرِ خوردن بود اے پسر زبہرِ نہادن چہ سنگ و چہ زر

(ترجمہ) اے بیٹے مال و دولت خرچ کرنے کے لیے ہے اگر اٹھا کر رکھ دیا تو پھر سونا اور پتھر دونوں برابر ہیں۔

کلمہ ۱۰۔ جب[۱۳۰] دنیا موافقت کر لے تو چاہیے کہ اللہ کی راہ میں خرچ کرتا رہے اس سے کوئی کمی نہ ہوگی اور جب دنیا ناموافق ہو جائے تب بھی خرچ کرتا رہے کیونکہ دنیا کو بہر صورت تمہارے پاس سے چلے جانا ہے اس لئے کیوں نہ اپنے اختیار سے دوسرے کے حوالے کر دیا جائے۔

کلمہ ۱۱۔ صدقہ[۱۳۱] قبول ہونے کی پانچ شرطیں ہیں۔ دو صدقہ دینے سے پہلے ہیں۔ پہلی شرط یہ ہے کہ جو کچھ صدقہ کرے وہ حلال کمائی سے ہو، دوسری یہ کہ صالح شخص کو صدقہ دے۔ دو شرطیں صدقہ دیتے وقت پوری کرنی ہیں۔ پہلی شرط یہ ہے کہ انکسار اور خوشدلی سے دے، دوسری یہ کہ پوشیدہ طور پر دے۔ پانچویں شرط یہ ہے کہ صدقہ دینے کے بعد کسی کے سامنے ذکر نہ کرے اور احسان نہ جتائے۔ اگر یہ پانچ شرطیں پوری ہو گئیں تو بے شک و شبہ وہ صدقہ بارگاہ الہی میں قبول ہو گا۔

کلمہ ۱۲۔ آپ[۱۳۲] نے فرمایا کہ شیخ ابو سعید[۱۳۳] ابوالخیر بہت زیادہ صدقہ خیرات کرتے تھے۔ کسی شخص نے ان کی خدمت میں یہ حدیث پڑھی لاخیر فی الاسراف یعنی اسراف میں کوئی بھلائی نہیں ہوتی۔ انھوں نے جواب میں فرمایا لااسراف فی الخیر۔ خیر کے لیے جو خرچ کیا جاے اسے اسراف نہیں کہتے۔

کلمہ ۱۳۔ آپ[۱۳۴] نے یہ بھی فرمایا کہ ایک شخص شیخ محمد اجل[۱۳۵] شیرزی کی خدمت میں حاضر ہوا اور ان سے بیعت کی اور منتظر رہا کہ شیخ کیا ہدایت فرماتے ہیں۔ (اس اثنا میں) شیخ نے فرمایا کہ جو بات تمھیں اپنے لیے پسند نہیں دوسرے کے لیے بھی پسند نہ کرو۔ کچھ مدت کے بعد وہ مرید پھر شیخ کی خدمت میں حاضر ہوا اور عرض کی کہ میں اس دن سے جس دن سے میں نے بیعت کی ہے، منتظر ہوں کہ شیخ مجھے کوئی ورد پڑھنے کے لئے فرمائیں گے۔ شیخ نے فرمایا کہ اس دن تمھیں کون سا سبق دیا تھا۔ مرید حیران ہوا (اور کوئی جواب نہ دے سکا) شیخ مسکرائے اور فرمایا کہ اس دن میں نے تم سے کہا تھا کہ جو بات تمھیں اپنے لیے پسند نہیں دوسرے کے لیے بھی پسند نہ کرو۔ جب تم نے پہلا سبق یاد نہیں کیا تو میں دوسرا سبق کیسے دوں ؟

کلمہ ۱۴۔ آپ[۱۳۶] شیخ شہاب الدین سہروردی قدس سرہ العزیز سے یہ قول نقل فرماتے کہ انھوں نے بارہا یہ کہا کہ ہردری ہرسری نہ بنو (ہر پیر کے پاس دوڑتے نہ جاؤ) ایک دروازہ پکڑو اور مضبوطی سے پکڑو۔

کلمہ ۱۵۔ توبہ[۱۳۷] دو قسم کی ہوتی ہے۔ ایک عوام کی اور دوسری خواص کی۔ عوام کی توبہ گناہ سے بچنا

ہے اور خواص کی توبہ ہے اللہ کے سوا سب سے بے تعلق ہو جانا۔

کلمہ ۱۶۔ توبہ[۱۴۸] طلب کرنا اور اللہ تعالی کی طرف رجوع کرنا جوانی میں بہتر ہے، بڑھاپے میں آدمی توبہ نہ کرے گا تو کیا کرے گا۔

چوں پیر شوی و بی سر انجام آئی سرِ کارِ خود بناکام

سازی حق را زتیرہ رائی معشوقۂ روزِ بی نوائی

(ترجمہ) جب تو بوڑھا ہوا اور غلط روی کے قابل نہ رہا تو ناچار اپنے کام کی طرف متوجہ ہونا پڑا۔ تو اپنی تاریک خیالی کے باعث حق تعالی کی جانب اس وقت راغب ہوتا ہے جب بے بسی اور بیچارگی کے باعث تیرے پاس سوائے اس کے اور کوئی چارہ کار نہ رہے۔

اللہ تعالی اپنے بندوں سے جوانی کے بارے میں سوال کرے گا۔ **یسال المرء من شبابہ** اس پر دلیل ہے یعنی مرد سے اس کی جوانی سے متعلق سوال کیا جائے گا۔

کلمہ ۱۷۔ جو[۱۴۹] شخص اللہ تعالی کی عبادت جس غرض سے کرتا ہے وہ غرض اس کا رب ہوتی ہے۔ پس یہ لازم ہے کہ چند روزہ زندگی کو ہلاکت اور ایمان کی بربادی کے خوف میں بسر نہ کرے (عبادت اللہ تعالی کے لیے کرے)

کلمہ ۱۸۔ طہارت[۱۵۰] چار طرح کی ہوتی ہے۔ اول جسم اور لباس کو گندگی اور ناپاکی سے بچائے، دوم ہاتھ، پیر، آنکھ اور کان کو گناہ کے کاموں سے محفوظ رکھے، سوم یہ کہ دل کو برے اخلاق سے خالی کر دے، چہارم یہ کہ سر کو خدائے مطلق کے سوا کسی کے سامنے نہ جھکائے۔

کلمہ ۱۹۔ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے[۱۵۱] **للصایم فرحتان۔ فرحتہ عندالافطار و فرحتہ عند لقاء الجبار**[۱۵۲] یعنی روزہ دار کے لئے دو خوشیاں ہیں۔ ایک خوشی افطار کے وقت حاصل ہوتی ہے دوسری خوشی خدائے جبار سے ملاقات کے وقت ہوگی۔ یہ خوشی کھانے پینے کی نہیں ہے بلکہ روزے کے تمام آداب پورے کرنے کی خوشی ہے۔

کلمہ ۲۰۔ ہر طاعت[۱۵۳] کی جزا مقرر و معین ہے۔ روزہ کی جزا اللہ تعالی کے دیدار کی نعمت ہے۔

کلمہ ۲۱۔ آپ[۱۵۴] نے فرمایا کہ احیاء[۱۵۵] علوم میں لکھا ہے "**الصوم نصف الصبر و الصبر نصف الایمان**[۱۵۶]" روزہ آدھے صبر کے برابر ہے اور صبر آدھے ایمان کے برابر ہے۔ صبر کی حقیقت یہ ہے کہ نفسانی خواہشات پر اللہ تعالی کی رضا کا غلبہ ہو جائے اور نفسانی خواہشات کی بنیاد دو باتوں پر ہے۔ غصہ اور شہوت۔ روزہ شہوت کو مٹا دیتا ہے۔ چنانچہ روزے کو نصف ایمان کہنا درست ہے۔

کلمہ ۲۲۔ فرمایا[157] کہ سیدی احمد کبیر قدس سرہ نے فرمایا ہے کہ ایک مرتبہ میں اپنے نفس سے مخالفت کر رہا تھا میری ہر بات کو اس نے مان لیا۔ جب میں نے لوگوں کو کھانا کھلانے اور ایثار کرنے کا عمل پیش کیا تو اس نے سخت ناپسندیدگی ظاہر کی اور بہت سے عذر پیش کیے۔ میں سمجھ گیا کہ حق تعالی کی رضا اس کام میں مضمر ہے۔ چنانچہ میں نے یہی اختیار کیا، یہی وجہ ہے کہ ان کے سلسلے میں زیادہ زور لوگوں کو کھانا کھلانے اور مہمان کی مدارات کرنے پر ہے اور اوراد و اعمال کم ہیں۔

کلمہ ۲۳۔ آپ[158] نے یہ بھی فرمایا ہے کہ ایک طاعت لازمی ہے اور ایک طاعت متعدی ہے۔ لازمی طاعت وہ ہے جس کا فائدہ صرف طاعت کرنے والے شخص کو ملتا ہے اور وہ روزہ، نماز، حج اور ذکر اشغال ہیں۔ متعدی طاعت وہ ہے کہ کسی شخص سے دوسرے لوگوں کو کوئی فائدہ اور راحت حاصل ہو۔ لازمی طاعت میں اخلاص کا ہونا شرط ہے تاکہ وہ اللہ تعالی کے ہاں قبول ہو سکے۔ متعدی طاعت میں اخلاص شرط نہیں جیسی بھی ہو اس کا ثواب ملے گا۔

کلمہ ۲۴۔ فرمایا[159]، امیر المومنین علی کرم اللہ وجہہ کا قول ہے کہ اگر کوئی شخص اپنے رفیقوں میں (اللہ کے لیے) ایک درم خرچ کرتا ہے، یہ بات اس سے بہتر ہے کہ وہ شخص دس درم محتاجوں میں تقسیم کرے۔

کلمہ ۲۵۔ فرمایا[160] شیخ ابو سعید[161] ابوالخیر سے لوگوں نے دریافت کیا کہ اللہ تعالی تک پہنچنے کے کتنے راستے ہیں۔ جواب دیا کائنات میں جتنے ذرے ہیں اتنے ہی راستے ہیں لیکن کوئی راستہ اتنا قریب تر نہیں جتنا دلوں کو راحت پہنچانا ہے۔ ہمیں جتنی بھی نعمتیں ملی ہیں اسی راہ سے ملی ہیں اور ہم اسی کو اختیار کرنے کی نصیحت کرتے ہیں۔

کلمہ ۲۶۔ قرآن[162] حکیم کو ترتیل اور تردید سے پڑھنا چاہیے (آہستہ آہستہ اور بار بار) تردید یہ ہے کہ تلاوت کرنے والے کو جس آیت کے پڑھنے میں ذوق و شوق حاصل ہو اور گریہ طاری ہو جائے اسے بار بار پڑھے۔ ایک مرتبہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے قرآن کی تلاوت فرمانی چاہی۔ بسم اللہ الرحمن الرحیم پڑھی۔ بسم اللہ پڑھتے ہی رقت پیدا ہوئی، چنانچہ اسی کو بار بار پڑھا۔

کلمہ ۲۷۔ امام[163] احمد حنبل نے اللہ جل شانہ، کو ہزار مرتبہ خواب میں دیکھا، عرض کیا، بار الہا! وہ اعمال جو مقربوں کو تیری بارگاہ عالی میں تجھ سے قریب کرتے ہیں ان میں کونسا عمل سب سے بہتر ہے۔ فرمان ہوا، میرے کلام کا پڑھنا۔ پھر عرض کیا، سمجھ کر یا بغیر سمجھے؟ فرمان ہوا، جس طرح بھی پڑھا جائے۔

کلمہ ۲۸۔ جو[164] سانس باطن سے باہر نکلتا ہے وہ ایسا صاف و شفاف گوہر ہے کہ قیامت تک اس کا بدل نہیں مل سکتا۔ دن رات، ماہ و سال یونہی گزرتے رہتے ہیں (اور ہمیں اس کا احساس نہیں ہوتا) چنانچہ اس بات کا جائزہ لینا چاہیے کہ ہم شب و روز کے دوران کیا کیا کچھ کر سکتے ہیں۔

کلمہ ۲۹ ۔ اللہ تعالیٰ[165] نے ہر عضو کو ایک خاص کام کے لیے بنایا ہے ۔ دل اللہ تعالیٰ کی محبت کا مقام ہے ۔ جس دل میں اللہ تعالیٰ کی محبت نہیں ہوتی سمجھ لو کہ وہ دل بیمار ہے ۔

کلمہ ۳۰ ۔ کل قیامت[166] کے دن حکم ہو گا کہ ان لوگوں کو پیش کیا جائے جو دنیا میں ہماری محبت کے دعویدار تھے ۔ سب کو حاضر کر دیا جائے گا ۔ اس وقت حکم ہو گا ، جس نے ہماری محبت کو لیلیٰ مجنوں کی محبت سے کم تر جانا ہے ، اس کو میدان قیامت میں سزا دی جائے ۔

کلمہ ۳۱ ۔ آپ نے فرمایا کہ شیخ نظام الدین ابوالموید جو سلطان شمس الدین التتمش کے عہد حکومت کے مشہور بزرگوں میں سے اور خواجہ قطب الدین قدس سرہ کے معاصرین میں سے تھے ، وعظ کہتے تھے اور ان کے کلام میں بلا کا اثر تھا ۔ ایک دن میں ان کے وعظ میں گیا ۔ انھوں نے مسجد کے دروازے پر جوتیاں اتاریں اور انھیں ہاتھ میں لیے مسجد میں داخل ہوئے اور دو رکعت نفل ادا کر کے منبر پر چڑھے ۔ قاری نے آیت تلاوت کی ، بعد ازاں شیخ نے وعظ شروع کیا ، فرمایا " میں نے اپنے والد کی تحریر میں دیکھا ہے " صرف اتنا ہی کہا ، حاضرین پر اس جملے کا بے حد اثر ہوا اور سارے مجمع پر گریہ طاری ہو گیا ۔ اس حالت میں انھوں نے یہ شعر پڑھا

بر عشقِ تو و برتو نظر خواہم کرد جان در غمِ تو زیر و زبر خواہم کرد

(ترجمہ) تجھ پر اور تیرے عشق ہی پر نظر رکھوں گا ، تیرے غم میں اپنی جان کو تہ و بالا کر دوں گا ۔

یہ شعر پڑھنا تھا کہ حاضرین میں ایک شور برپا ہو گیا ۔ دو تین مرتبہ اس شعر کی تکرار کی اور کہا "مسلمانو ! میں کیا کروں اس رباعی کا دوسرا شعر مجھے یاد نہیں آ رہا " ۔ یہ بات انھوں نے اس قدر عاجزی اور بے بسی کے لہجے میں کہی کہ سب بے حد متاثر ہوئے ۔ تب قاری نے دوسرا شعر یاد دلایا ، یہ پڑھ کر منبر سے نیچے اتر آئے ۔

پُر درد دلی بگور در خواہم شد پر عشق سری ز گور بر خواہم کرد

(ترجمہ) میں درد بھرے دل کے ساتھ قبر میں جاؤں گا اور قیامت میں عشق سے لبریز سر کو قبر سے نکالوں گا ۔

کلمہ ۳۲ ۔ آپ[167] نے فرمایا ، شیخ سیف الدین باخرزی رحمتہ اللہ علیہ نے بارہا فرمایا کہ مجھے سنائی[168] کے ایک شعر نے مسلمان کیا ۔

برسر طورِ ہوا طنبورِ شہوت می زنی عشقِ مردِ لن ترانی رابدیں خواری مجوی

(ترجمہ) اے شخص تو خواہش نفس کے طور پر شہوت کا طنبور بجا رہا ہے ۔ مرد لن ترانی (حضرت موسیٰ) کے عشق کا اس رسوائی کے ساتھ طالب نہ بن ۔

شیخ یہ بھی فرماتے تھے کہ کاش مجھے کوئی سنائی کی قبر پر لیجائے کہ اس مٹی کو اپنی آنکھوں میں سرمہ

کروں۔

کلمہ ۳۳۔ ایک بزرگ کی حکایت بیان فرمائی۔ وہ بزرگ اکثر فرماتے تھے کہ نماز، روزہ، اوراد اور تسبیح دیگ کی ضرورت ہیں۔ اصل چیز یہ ہے کہ دیگ میں گوشت ہونا چاہیے۔ جب دیگ میں گوشت ہی نہیں تو ان لوازمات سے کیا ہو سکتا ہے۔ ایک دفعہ لوگوں نے ان بزرگ سے پوچھا کہ آپ نے بارہا یہ مثال بیان فرمائی ہے، اس کی کچھ تشریح تو کیجیے۔ انھوں نے فرمایا کہ گوشت ترک دنیا ہے اور نماز روزہ اور تسبیح دیگ کی ضروریات ہیں۔ چنانچہ پہلے تو دنیا کو ترک کرے اور اس سے کسی طرح کا تعلق نہ رکھے، اس صورت میں نماز، روزہ اور وظائف سے فائدہ ہو گا، اگر دنیا کی محبت دل میں ہے تو اوراد و وظائف سے کام نہیں بنے گا۔

کلمہ ۳۴۔ یہ بھی[169] بطور حکایت فرمایا، ایک سردار تھا جس کے پاس بہت سی دولت اور غلام تھے۔ اس نے عین القضاۃ کی خدمت میں ہدیہ بھیجا۔ اس سے پہلے عین القضاۃ کسی صاحب خیر سے کچھ قبول کر چکے تھے (سردار کا ہدیہ واپس کر دیا) سردار کو جب یہ بات معلوم ہوئی تو اس نے بہت برا مانا۔ عین القضاۃ نے اسے تحریر کیا کہ اے خواجہ اگر دوسرے شخص کو کچھ بھلائی حاصل ہو گئی تو اس کا برا نہ ماننا چاہیے۔ آپ اس شخص کی مانند نہ ہوں جس نے دعا کی تھی۔ **اللھم ارحمنی و محمداً ولا ترحم معنا احداً** (اے اللہ مجھ پر اور محمد صلی اللہ علیہ وسلم پر رحم کر اور ہمارے ساتھ کسی پر رحم نہ فرما) اور ان لوگوں میں شامل نہ ہوں جو کہتے ہیں

ای باغباں بیا و درِ باغ باز کن چوں من در آیم و بتِ من در فراز کن[170]

(ترجمہ) اے باغبان جلد آ کر باغ کا دروازہ کھولدے، جب میں اور میرا محبوب اندر آ جائیں تو دروازہ بند کر دے۔

کلمہ ۳۵۔ شیخ ابو سعید[172] ابوالخیر قدس سرہ سے روایت[171] کیا:

"میرے دل میں کوئی خطرہ (خیال) ایسا نہیں گزرا جس کے فعل کی تہمت مجھ پر نہ لگی ہو، جب کہ میں نے وہ فعل نہیں کیا"۔

ایک مرتبہ ایک درویش صادق ان کی خانقاہ میں آیا۔ شیخ ابو سعید نے سلوک و معرفت میں اس درویش کو صاحب کمال پایا۔ افطار کے وقت انھوں نے اپنی بیٹی کو حکم دیا کہ پانی کا کوزہ درویش کو دے آئے۔ اگرچہ بیٹی کم عمر تھی لیکن انتہائی ادب و احترام سے اس نے درویش کو پانی کا کوزہ پیش کیا۔ شیخ ابو سعید کو بیٹی کا ادب اور قرینہ بہت پسند آیا اور دل میں سوچا کہ وہ کون خوش نصیب شخص ہو گا جو اس لڑکی سے نکاح کرے گا، یقیناً وہ شخص اہلِ زمانہ میں بہترین فرد ہو گا۔ کچھ دیر بعد شیخ نے اپنے خادم حسن کو کسی کام سے بازار بھیجا۔ جب حسن بازار سے لوٹا تو شیخ نے اس سے کہا کہ بازار میں جو خبریں گشت کر رہی ہیں مجھے سنا۔ اس نے عرض کیا کہ بازار میں ایک آدمی دوسرے سے کہہ رہا تھا کہ شیخ ابو سعید اپنی بیٹی سے نکاح کرنا چاہتے ہیں۔ شیخ یہ سن

کر مسکرائے اور فرمایا کہ جو خیال میرے دل میں گزرا تھا یہ افواہ اسی کی پاداش میں ہے۔

سلطان المشائخ قدس سرہ کی چند کرامات کا بیان:

عارف کامل جامی قدس سرہ نے نفحات الانس[۱۶۳] میں بیان کیا ہے کہ ایک شخص نے اپنی دستاویز جس میں بہت بڑی رقم تحریر تھی کہیں گم کر دی۔ وہ شخص شیخ نظام الدین کی خدمت میں حاضر ہوا اور دستاویز گم ہونے کا قصہ عرض کیا۔ اس دوران بہت زیادہ پریشانی اور بے چینی کا اظہار کیا۔ حضرت نے اسے ایک درم عنایت فرمایا کہ اس کی شیرینی خرید کر لاؤ اور شیخ فرید الدین کی روح کو ثواب پہنچا کر درویشوں میں تقسیم کر دو۔ وہ شخص حلوائی کی دوکان پر گیا اور اس درم کا حلوہ طلب کیا۔ حلوہ فروش نے ایک کاغذ میں حلوہ ڈال کر اس کے حوالے کیا۔ جب اس نے کاغذ کو غور سے دیکھا تو وہی گم شدہ دستاویز تھی۔

نفحات میں تحریر ہے کہ ایک مرتبہ سلطان المشائخ نے وضو فرمانے کے بعد ڈاڑھی میں کنگھا کرنا چاہا، کنگھا طاق میں رکھا ہوا تھا۔ کوئی دوسرا شخص موجود نہ تھا جس سے کنگھا لانے کو فرماتے۔ کنگھا خود جست کر کے حضرت کے دست مبارک میں آ گیا۔

سیر الاولیا[۱۶۴] میں بیان کیا گیا ہے کہ ایک مرتبہ ایک شخص سلطان المشائخ کی خدمت میں کھانے کے وقت پہنچا۔ راستے میں اس کے دل میں خیال آیا کہ اگر سلطان المشائخ اپنے دست مبارک سے اس کے منہ میں نوالہ دیں تو میں بامراد ہو جاؤں۔ جب حاضر خدمت ہوا تو دسترخوان اٹھ چکا تھا اور حضرت نے پان منہ میں رکھا تھا آپ نے وہ پان اپنے دہن مبارک سے نکال کر اس کے منہ میں رکھ دیا اور فرمایا! لے کھا لے، یہ اس سے بہتر ہے۔

سیر الاولیا[۱۶۵] ہی میں مرقوم ہے، قاضی محی الدین[۱۶۶] کاشانی نے فرمایا کہ عہد علائی میں مجھے قید خانے میں ڈال دیا گیا۔ قید میں پڑے پڑے کافی مدت گزر گئی۔ میں نے ایک شخص کے ذریعے سلطان المشائخ کی خدمت میں عرض کرایا کہ میں بے قصور قید کر دیا گیا ہوں کوئی میرا پرسان حال نہیں۔ خدا جانے میرا انجام کیا ہو گا۔ آپ نے شکر کا ایک ڈلا مجھے بھیجا کہ اس میں سے تین دن تک کھاتے رہو۔ میں ہر روز اس میں سے کھاتا رہا۔ تیسرے دن مجھے رہائی مل گئی۔

سیر الاولیا[۱۶۷] میں یہ بھی مذکور ہے کہ مولانا وجیہہ الدین پائلی نے بیان کیا، مجھے دق کا مرض لاحق ہو گیا۔ ابھی مرض کی ابتدا تھی، طبیبوں نے بالاتفاق مشورہ دیا کہ مجھے کسی باغ یا ایسے مکان میں جو لب دریا ہو، رہنا چاہیے۔ میں نے دل میں سوچا میرے لیے کسی ایسے باغ میں رہنا قطعاً دشوار ہے۔ چنانچہ سلطان المشائخ کی خدمت میں کہ آپ کی خانقاہ بھی لب دریا واقع ہے، رہنے لگا۔ اتفاقاً آپ کے سامنے کچھ ایسے کھانے جو میرے مرض کے

لیے نقصان دہ تھے رکھے ہوئے تھے اور آپ انھیں تناول فرما رہے تھے۔ مجھ سے فرمایا بسم اللہ کرو۔ ناچار میں نے حکم کی تعمیل میں کھانا شروع کر دیا۔ جب کھانے سے فارغ ہوا تو اپنے آپ کو صحت مند محسوس کیا۔ اس کے بعد مجھے علاج کی ضرورت نہ رہی۔

اخبار الاخیار[178] میں ہے کہ ایک دفعہ سلطان علاء الدین نے امتحان کی غرض سے چند فصلیں حکومت کے انتظام سے متعلق تحریر کیں۔ مقصد یہ تھا کہ اگر آپ نے کوئی ذمہ داری قبول کی تو آپ کی گرفت کی جائے کہ درویشوں کو حکومت کے معاملات سے کیا مطلب۔ ایک فصل میں یہ مضمون تھا، چونکہ شیخ اہل عالم کی عقیدت کا مرکز ہیں اور دین و دنیا کی ہر ضرورت آپ کی بارگاہ سے پوری ہو جاتی ہے۔ حق تعالی نے دنیا کی ظاہری حکومت مجھے عطا فرمائی ہے، اس لیے میرا فرض ہے کہ جو اہم معاملات اور بھلائی کے کام حکومت کو درپیش ہوں، میں انھیں آپ کی خدمت میں عرض کروں تاکہ جس بات میں حکومت کی بہتری اور میری ذاتی بھلائی مضمر ہو، آپ اس سے مجھے آگاہ فرمائیں۔ اسی مقصد سے اور اسی سے متعلق چند فصلیں خدمت میں ارسال کر رہا ہوں۔ ہر فصل کے نیچے آپ اپنا مشورہ تحریر فرمائیں تاکہ میں اس کے مطابق عمل کروں۔

علاء الدین نے یہ تحریر اپنے محبوب ترین فرزند خضر خاں کے ہاتھ جو آپ کا مرید تھا بھجوائی۔ جب خضر خاں نے وہ کاغذ آپ کی خدمت میں پیش کیا تو آپ نے اسے دیکھے بغیر اہل مجلس سے فرمایا آؤ فاتحہ پڑھیں۔ اس کے بعد آپ نے فرمایا۔ درویشوں کو بادشاہوں کے کاموں سے کیا تعلق۔ میں درویش ہوں اور ایک گوشے میں پڑا ہوں بادشاہ اور مسلمانوں کے حق میں دعا کرتا رہتا ہوں۔ محض اس وجہ سے اگر بادشاہ دوسری بار کچھ کہے گا تو میں یہاں سے کہیں اور چلا جاؤں گا۔ ارض **اللّٰہ** واسعة (اللہ کی زمین وسیع ہے)۔ جب یہ سارا قصہ سلطان علاء الدین نے سنا تو اس کو اطمینان ہو گیا کہ (آپ سے اس کی سلطنت کو کوئی خطرہ نہیں) اور آپ کا معتقد ہو گیا۔

سلطان المشائخ کی وفات کا بیان :

سیر الاولیا[179] اور اخبار الاخیار[180] میں مذکور ہے کہ اخیر زندگی میں، باوجود اس کے کہ آپ کی عمر شریف اسی سال سے زیادہ ہو گئی تھی، آپ بہت زیادہ مجاہدے کرتے اور ہمیشہ روزہ رکھتے تھے۔ افطار میں بھی بہت کم کھاتے۔ سحری[181] میں جو کھانا پیش کیا جاتا وہ اکثر بغیر کھائے واپس فرما دیتے۔ خادم عرض کرتا کہ مخدوم افطار میں بھی کم کھاتے ہیں اگر سحری میں بھی تناول نہ فرمائیں گے تو کیا حال ہو گا۔ خادم کی بات پر آپ کو رونا آجاتا اور فرماتے کتنے ہی بے سہارا لوگ اور درویش مسجدوں اور دوکانوں کے گوشے میں بھوکے اور فاقہ زدہ پڑے ہیں، یہ کھانا کس طرح میرے حلق سے اتر سکتا ہے۔ غرض کھانا جوں کا توں واپس ہو جاتا۔

جب اس پیشوائے اولیا کی رحلت کا وقت قریب آیا تو آپ نے چالیس دن پہلے سے کھانا پینا ترک کر دیا ۔ آخری ساعتوں میں جب آپ دنیا سے رخصت ہو رہے تھے، دریافت فرماتے ۔ کیا نماز کا وقت ہو گیا اور میں نے نماز ادا کر لی ؟ عرض کیا جاتا کہ آپ نے نماز پڑھ لی ہے تو فرماتے پھر پڑھ لیتے ہیں ۔ اس طرح ہر نماز دو دو بار ادا فرمائی ۔ اس حالت میں یہ بھی فرماتے " اب ہم جا رہے ہیں " ۔[182] پھر اقبال خادم سے فرمایا اگر خانقاہ میں کوئی چیز بچا کے رکھی گئی کل قیامت میں اس کا جواب تم ہی کو دینا ہو گا ۔ خادم نے سب سامان مساکین و فقراء میں تقسیم کر دیا، صرف وہ غلہ جو درویشوں کا پیٹ بھرنے کے لئے چند دن کام آتا، رہنے دیا ۔ آپ نے فرمایا کہ اس مردہ ریت کو کیوں بچا کے رکھا ہے اسے بھی نکال باہر کرو اور گھر میں جھاڑو پھیر دو ۔ اسی وقت خادم نے انبار خانوں کے دروازے کھول دیے ۔ ایک خلقت امنڈ آئی اور لوٹ کر لے گئی ۔ اس کے بعد چند خدمت گاروں اور خانقاہ میں رہنے والوں نے حضور میں عرض کیا ۔ مخدوم کے بعد ہماری زندگی کیسے کٹے گی ؟ فرمایا غم نہ کرو، میرے روضے سے تم لوگوں کو اتنا کچھ ملے گا جو تمہارے لیے کافی ہو گا ۔ لوگوں نے عرض کیا کہ ہم لوگوں کو وظیفہ کون تقسیم کرے گا ؟ فرمایا جو شخص اپنے حصے سے دستبردار ہو گا ۔ آپ کی وفات کے بعد دہلی کی خلافت و ولایت شیخ نصیر الدین محمود قدس سرہ کے سپرد ہوئی ۔ بدھ ۱۸ ربیع الثانی ۷۲۵ھ کو آپ کی روح پر فتوح کا آفتاب، خورشید فلک کے طلوع ہونے کے وقت غروب ہوا۔[183]

شیخ نجیب الدین متوکل قدس سرہٗ[184]

آپ شیخ فرید الدین گنج شکر کے بھائی اور خلیفہ تھے ۔ اخبار الاخیار میں ہے کہ آپ معاملات کے بہت زیادہ پابند تھے ۔ آپ نے عجیب و غریب مجاہدے اور پر مشقت ریاضتیں کی تھیں ۔ آپ کا کوئی ذریعہ معاش نہ تھا صرف اللہ تعالی پر توکل کرتے تھے ۔

سلطان المشائخ سے منقول ہے، شیخ نجیب الدین ستر سال شہر دہلی میں رہے ۔ اگرچہ صاحب اہل و عیال تھے لیکن آپ کے پاس کوئی زمین اور جائداد نہ تھی ۔ اس کے باوجود عیش و راحت کے ساتھ زندگی بسر کرتے تھے ۔ میں نے ان جیسا دوسرا شخص اس شہر میں نہیں دیکھا ۔ اہل زمانہ کی روش سے بے خبر یاد الٰہی میں غرق رہتے ۔ بھولے اتنے تھے کہ آپ کو یہ بھی معلوم نہ تھا کہ آج کون سا دن، کون سا مہینہ اور یہ کتنے درم ہیں ۔

کسی شخص[185] نے آپ سے پوچھا " آپ ہی نجیب الدین متوکل ہیں " ۔ آپ نے جواب میں فرمایا " میں تو متاکل (کھانے والا) ہوں، خدا جانے متوکل (توکل کرنے والا) کون ہے " ۔ اس نے پھر

دریافت کیا "شیخ فرید الدین گنج شکر کے بھائی آپ ہی ہیں " ۔ جواب دیا "بطنی بھائی تو میں ہی ہوں باطنی بھائی کوئی اور ہو گا " ۔

سیر الاولیا[186] میں ہے کہ ایک مرتبہ کچھ مہمان آپ کے ہاں آئے ، اس وقت گھر میں کھانے کی کوئی چیز نہ تھی جو مہمانوں کی پیش کی جاتی ۔ آپ بہت ملول ہوئے اور اوپر کمرے میں جا کر یاد الٰہی میں مشغول ہو گئے اچانک ایک بزرگ ظاہر ہوئے اور یہ شعر پڑھا

با دل گفتم دلا خضر را بینی   دل گفت اگر مرا نماید بینم

(ترجمہ) میں نے دل سے کہا اے دل تو خضر کو دیکھنا چاہتا ہے ، دل نے جواب دیا کہ اگر سامنے آئیں گے تو دیکھ لیں گے۔

ان بزرگ نے کسی قدر کھانا آپ کو دیا اور کہا کہ عرش پر فرشتوں میں تمھارے توکل کا شور برپا ہے کہ تم کھانے پر متوجہ ہوئے ہو ۔ آپ نے کہا " خدا جانتا ہے کہ میں اپنے لیے متوجہ نہیں ہوا ہوں " ۔ ان بزرگ نے فرمایا کہ اس کھانے کو اپنے بیوی بچوں کے پاس لے جاؤ ۔ جونہی آپ نے کھانا لیا اور چلنے کے لیے مڑے تو وہ مرد غیب نگاہوں سے پوشیدہ ہو گئے ۔

بیان کیا گیا ہے کہ آپ کے دو بیٹے تھے ۔ ایک کا نام احمد[187] اور دوسرے کا محمد تھا ۔ آپ کبھی کبھار ان پر غصہ ہوتے یا ڈانٹتے تو ان ناموں کے ادب کا لحاظ رکھتے ہوئے تحقیر سے مخاطب نہ ہوتے ۔ غصے کی حالت میں ڈانٹتے تو فرماتے ، خواجہ احمد تم نے ایسا کیوں کیا اور خواجہ محمد تم نے ایسا کیوں کیا ۔[188]

آپ کو (جو فی الحقیقت متوکلوں کے سردار تھے) حضرت شیخ فرید الدین گنج شکر سے اس قدر محبت اور اخلاص تھا کہ اگرچہ آپ دہلی میں قیام پذیر تھے اور شیخ اجودھن (موجودہ پاک پٹن) میں تشریف فرما تھے ، آپ انیس مرتبہ ان کی خدمت میں حاضر ہوئے ۔ آخری بار جب آپ حاضری دے کر دہلی آئے تو آپ کا انتقال ہو گیا ۔ آپ کا مزار[189] شریف خواجہ قطب الدین کے روضہ متبرک کے راستے میں ہے ۔ آپ کی قبر شریف سے آپ کی عظمت و بزرگی اور دنیا سے بے تعلقی کے آثار اب بھی نمایاں ہیں ۔ آپ کا عرس نو رمضان المبارک کو ہوتا ہے ۔ آپ کی وفات سلطان معز الدین کیقباد کے عہد حکومت میں ہوئی ۔ جو سلطان غیاث الدین بلبن کا پوتا تھا ۔

سلطان معز الدین پسندیدہ اخلاق کا حامل اور حسن صورت و سیرت سے آراستہ تھا ۔ اپنے دادا کی وفات کے بعد ۶۸۰ ھ میں تخت نشیں ہوا ۔ چونکہ نوعمر تھا اور غیر متوقع طور پر اتنی عظیم سلطنت کا مالک بن گیا تھا ، خود پر قابو نہ رکھ سکا اور عیش و عشرت میں مبتلا ہو گیا اور مطابق اس قول کے کہ **الناس علی دین ملوکھم** ، رعایا کے چلن ہوبہو اپنے بادشاہوں کے چلن جیسے ہوتے ہیں ، اس کے زمانے میں خاص و عام ،

بوڑھے جوان، عالم و جاہل، ہندو اور مسلمان شراب خوری اور بدکاری میں مبتلا ہو گئے۔

سونے پر سہاگہ یہ کہ بادشاہ نے حکومت اور انتظام کے معاملات بعض نودولت امیروں کے سپرد کر دیے۔ چنانچہ سلطان کی بدمستی اور عیش و طرب میں مشغولیت کے پیش نظر ان سرداروں کے دل میں فاسد خیالات پیدا ہونے لگے۔ بہی خواہوں کے سمجھانے سے سلطان ان واقعات سے مطلع ہوا۔ سلطان نے بغیر کسی اندیشے کے سلطنت کے دشمن کو برطرف کر دیا۔ چونکہ حکومت و انتظام کا دارومدار اسی پر تھا لہذا سلطنت کی بنیادیں ہلنے لگیں۔ سلطان عورتوں کی صحبت میں رہ کر کمزور و ناتواں ہو گیا، آخرکار فالج کے مرض میں مبتلا ہو گیا اور ہلنے جلنے کے قابل نہ رہا۔ اس کے امیروں میں پھوٹ پڑ گئی اور نوبت جنگ و جدال تک پہنچی۔ ان میں سلطان جلال الدین سب پر غالب آیا۔ وہ ۶۸۸ھ میں تخت سلطنت پر بیٹھا۔ اس نے سلطان معز الدین کو کمبل میں لپٹوا کر دریا میں ڈلوا دیا۔

آپ کی کرامات کا ذکر:

سلطان المشائخ[190] سے روایت ہے کہ شیخ فرید الحق والدین قدس سرہ سے بیعت ہونے سے پہلے میرے سر پر بڑے بڑے گھنگریالے بال تھے اور میں شیخ نجیب الدین کے پڑوس میں رہتا تھا۔ ایک دن میں نے آپ کی مجلس میں کھڑے ہو کر عرض کیا "آپ میرے لیے ایک مرتبہ سورہ فاتحہ اور سورہ اخلاص پڑھیں کہ میں کسی جگہ کا قاضی مقرر کیا جاؤں"۔ آپ نے میری گزارش سنی ان سنی کر دی۔ میں سمجھا کہ شاید آپ نے میری گزارش نہیں سنی، لہذا دوبارہ وہی گزارش پیش کی۔ اس مرتبہ آپ مسکرائے اور فرمایا "تم قاضی نہ بنو کچھ اور بنو" چنانچہ کچھ عرصے بعد حضرت سلطان المشائخ وہی بنے جو حضرت کو بننا تھا۔

سیر الاولیا[191] میں ہے کہ شیخ فرید الدین کے علاوہ آپ کے ایک اور بھائی بھی تھے۔ ایک دن آپ اور وہ بھائی دونوں شیخ علی سے ملاقات کرنے گئے۔ یہ بداؤں کے عظیم بزرگ تھے۔ حجرے میں بوریے کا ٹکڑا بچھا ہوا تھا۔ آپ نے ادب کے خیال سے بوریے سے تین چار قدم پہلے ہی پاؤں سے جوتا اتار لیا۔ اتفاقاً آپ کا ایک قدم پہلے زمین پر اور دوسرا بوریے پر پڑا۔ شیخ علی اس پر بے حد خفا ہوئے اور کہا یہ ٹاٹ کا ٹکڑا نہیں ہے، جائے نماز ہے۔ دونوں بھائی بیٹھ گئے۔ اس وقت شیخ کے سامنے ایک کتاب پڑی تھی۔ آپ نے دریافت کیا "کون سی کتاب ہے" شیخ تو ناراض ہی تھے، کوئی جواب نہ دیا۔ آپ نے کہا اگر اجازت ہو تو یہ کتاب دیکھ لوں۔ شیخ نے اجازت دے دی۔ آپ نے جیسے ہی کتاب کھولی یہ مضمون نظر پڑا۔

"آخری زمانے میں ایسے مشائخ پیدا ہوں گے، جو خلوت میں معصیت کریں گے اور ظاہر میں کسی شخص کا پاؤں ان کے بوریے پر پڑ جائے گا تو قیامت کھڑی کر

دیں گے"۔

آپ نے وہ مضمون شیخ علی کے سامنے رکھا اور کہا کہ آپ کی کتاب میں یہ کچھ لکھا ہے۔ شیخ علی اپنی بے جا خفگی پر نادم ہوئے اور آپ سے معذرت چاہی۔

شیخ صلاح الدین درویش قدس سرہٗ

آپ ایک کامل درویش اور صاحب کشف و کرامات بزرگ تھے۔ لوگوں کی مرادیں بر لانے میں آپ کو بڑا تصرف حاصل تھا۔ آپ کی ہمت عالی کی برکت سے اہل حاجت بہت جلد اپنے مقصد میں کامیاب ہو جاتے۔ فی الحقیقت آپ عالی مرتبہ بزرگ تھے۔ قلب کی پاکیزگی میں کمال حاصل کر چکے تھے۔ صفائے قلب کا یہ عالم تھا کہ معمولی بات آپ پر اثر کر جاتی تھی۔

اخبار الاخیار[192] میں ہے کہ ایک دفعہ کوئی جوان آدمی گھوڑے پر سوار جا رہا تھا۔ گھوڑا بہت خوش شکل اور خوش رفتار تھا۔ جوان نے اچانک گھوڑے کو چابک رسید کیا۔ چابک کی مار سے گھوڑے کے کولھے پر نشان پڑ گیا۔ آپ نے جوان کو ایسی ڈانٹ پلائی کہ وہ گھوڑے سے گر گیا۔ جب لوگوں نے غور سے دیکھا تو چابک کا نشان آپ کے جسم پر ابھر آیا تھا۔

اس کتاب کا مصنف عرض کرتا ہے کہ اولیاء اللہ کے صفائے روحانی کی بہت سی مثالیں کتابوں میں نقل کی گئی ہیں۔ جن سے معلوم ہوتا ہے کہ دوسروں پر جو تکالیف گزرتی ہیں، ان کا اثر ان حضرات میں بھی سرایت کر جاتا ہے۔

رشحات[193] کے مصنف نے حضرت خواجہ احرار کی زبانی ایک واقعہ نقل کیا ہے کہ ایک دن مولانا نظام الدین خاموش کے مکان سے، جو خواجہ علاء الدین کے خلیفہ تھے اور ان ہی کے واسطے سے خواجہ نقشبند[194] قدس سرہ تک ان کا سلسلہ پہنچتا ہے، ایک شخص آیا اور اطلاع دی کہ حضرت مولانا نظام الدین شدید بیمار ہیں۔ میں جلدی سے وہاں پہنچا تو دیکھا کہ آگ جلائی ہوئی تھی اور حضرت نے بہت سے کپڑے پہن رکھے ہیں اس کے باوجود سردی سے ٹھٹھر اور کانپ رہے تھے۔ دانت سے دانت بج رہے تھے۔ بالکل وہی کیفیت تھی جو تپ لرزہ میں ہو جاتی ہے۔ اس بے آرامی میں تسکین کی کوئی صورت نہ تھی۔ آپ کی یہ حالت دیکھ کر مجھے بہت دکھ ہوا۔ اچانک آپ کے مریدوں میں سے ایک صاحب جن سے آپ کا خاصہ ربط و تعلق تھا، دروازے سے اندر داخل ہوئے۔ ان کے تمام کپڑے بھیگے ہوئے تھے۔ اس سرد موسم میں وہ پن چکی کی ندی میں گر پڑے تھے اور

انھیں سخت سردی لگ رہی تھی۔ مولانا نے انھیں اس حال میں دیکھا تو درد بھرے لہجے میں کہا، مجھے چھوڑ دو اور انھیں گرمی پہنچاؤ کہ ان کی سردی مجھے لگ رہی ہے۔ جب ان صاحب کی دیکھ بھال کی اور ان کا بدن گرم ہو گیا تو حضرت کی بے آرامی جاتی رہی اور اصل حالت میں آ گئے۔

شیخ صلاح الدین، شیخ صدر الدین[195] کے مرید اور خلیفہ تھے۔ اس اعتبار سے آپ دو واسطوں سے شیخ شہاب الدین سہروردی[196] تک پہنچتے ہیں۔ شیخ صدر الدین اپنے والد بزرگوار (بہاء الدین زکریا) کی وفات کے بعد مسند ارشاد پر بیٹھے۔ بہت سے اولیا ان کے مرید ہوئے، ان ہی میں ایک شیخ صلاح الدین بھی تھے۔ تقدیر الٰہی آپ کو ملتان سے دہلی لے آئی۔ آپ نے دہلی ہی کو اپنا مسکن بنا لیا۔ آپ شیخ نصیر الدین محمود کے ہمعصر اور ہمسایہ تھے۔

کہا جاتا ہے کہ شیخ نصیر الدین محمود نے اپنے مشائخ کی وصیت کے مطابق ان تمام تکلیفوں اور مصیبتوں کو صبر و تحمل سے برداشت کیا جو سلطان محمد تغلق نے انھیں پہنچائیں۔ اس کے برخلاف، شیخ صلاح الدین کا بادشاہ کے ساتھ رویہ بڑا سخت تھا۔ اپ کی وفات ۲۲ صفر کو ہوئی۔ آپ کا مزار شیخ نصیر الدین محمود کے مقبرے کے قریب ہے۔ ایک عالم اس کی زیارت سے مشرف ہوتا اور برکت حاصل کرتا ہے۔

سلطان محمد تغلق ایسا بادشاہ تھا جس نے اپنی حکومت کے ابتدائی دور میں رعایا کی فلاح و بہبود کے بہت سے کام کیے اور اس کی ذاتی سرپرستی اور قدر شناسی کی بدولت بہت سے لائق اور نامور اشخاص اس کے عہد حکومت میں منظر عام پر آئے۔ اس کی مملکت ہر اعتبار سے شاد و آباد تھی۔ جس کسی نے اس کے خلاف بغاوت کی شکست کھائی۔ جب ملک میں امن و امان ہو گیا اور کوئی اس کا مخالف نہ رہا تو اس نے عام رعایا نیز عالموں، سیدوں اور بزرگوں پر ظلم و زیادتی کرنی شروع کر دی۔ اس بے جا ظلم و زیادتی کے باعث ہر طرف بے برکتی اور ویرانی چھا گئی اور ملک فتنوں کی زد میں آ گیا۔ چنانچہ اس کی حکومت کے دور آخر میں سارے ملک میں بدامنی پھیلی ہوئی تھی اور ہر طرف بغاوت و سرکشی کے آثار نمایاں تھے۔ اسی انتشار میں یکم محرم الحرام ۷۵۲ھ میں اس کا انتقال ہو گیا۔ اس کی حکومت کا زمانہ ستائیس سال ہے۔ اس کے عہد حکومت میں کیسے کیسے مشائخِ دہلی کو سلطان کے جبر و تشدد کی بدولت اپنی جان سے ہاتھ دھونے پڑے۔

شیخ نور الدین ملک یار پرّاں قدس سرّہٗ

آپ شیخ دانیال جمنی کے مرید[197] تھے۔ شیخ دانیال شیخ علی خضری کے اور وہ شیخ ابو اسحٰق[198] گازرونی کے

مرید تھے ۔ اللہ ان سب پر رحمت فرمائے ۔ آپ صاحب کرامات تھے اور آپ کا تعلق لاری قبیلے سے تھا ۔ اپنے شیخ کے فرمانے پر بخارا سے دہلی آئے اور اسی جگہ پر قیام فرمایا جہاں آپ کا روضۂ متبرکہ ہے ۔

ابوبکر طوسی بھی حیدری قلندروں کے ساتھ وہیں رہتے تھے ۔ اتفاق سے قلندروں کی آپ کے ساتھ نزاع کی صورت پیدا ہو گئی ۔ آپ نے ہرچند عاجزی سے کام لیا لیکن وہ کسی طرح سے نہ مانے ۔ آخر مجبور ہو کر آپ نے کہا کہ میں اپنی مرضی سے یہاں نہیں آیا ہوں ، اپنے شیخ کے حکم سے آیا ہوں ۔ حیدریوں نے اس کا ثبوت طلب کیا ۔ باوجود اس کے کہ دہلی سے آپ کے شیخ کی خانقاہ بہت طویل فاصلے پر تھی آپ تھوڑی دیر میں ثبوت لے آئے حالانکہ ازروئے عادت ایسا ہونا محال ہے ۔ حیدری قلندروں نے پھر بہانہ کیا اور کہا کہ ملک بادشاہ کا ہے ۔ بادشاہ حکم دے گا تو جگہ خالی کر دیں گے ۔ اس وقت بادشاہ دہلی سے ایک سو تیس کوس پر تھا ۔ آپ تھوڑی سی دیر میں بادشاہ کا تحریری حکم بھی لے آئے ۔ اسی بنا پر آپ کو " پراں " (اڑنے والا) کے لقب سے یاد کیا جاتا ہے ۔

آپ غیاث الدین بلبن کے عہد حکومت میں شہر کے نامور مشائخ میں تھے اور عظیم بزرگ تھے ۔ سلطان المشائخ آپ کے روضے کی زیارت کے لئے تشریف لے جاتے تھے ۔ اخبار الاخیار[199] میں لکھا ہے ، خیال ہے کہ سلطان المشائخ سے آپ کی ملاقات ہوئی ہو گی لیکن دونوں حضرات کی باہمی ملاقات کا کوئی ثبوت نہیں ملتا ۔ سیر الاولیا[200] کے مصنف نے سلطان المشائخ سے روایت کی ہے ، حضرت نے فرمایا ، اس سے قبل میں کیلوکھری کی مسجد میں نماز جمعہ کے لیے جاتا تھا ۔ ایک دن کا ذکر ہے کہ لو چل رہی تھی اور میں روزے سے تھا ۔ مجھے چکر آنے لگے تو میں ایک دوکان کے سایے میں بیٹھ گیا ۔ بیٹھے بیٹھے میرے دل میں خیال آیا کہ اگر میرے پاس کوئی گھوڑا ہوتا تو اس پر بیٹھ کر چلا جاتا ۔ بعد ازاں شیخ سعدی کا یہ شعر مجھے یاد آیا ۔

ما قدم از سر کنیم در طلب دوستاں   راہ بجائی نبرد ہر کہ بہ اقدام رفت

(ترجمہ) دوستوں کی طلب میں ہم سر کے بل چلتے ہیں ۔ جو شخص اس راہ میں قدم کے ساتھ چلتا ہے منزل مقصود تک نہیں پہنچتا ۔

میرے دل میں جو خیال آیا تھا میں نے اس سے توبہ کی ۔ تین دن کے بعد ملک یار پراں کے ایک خلیفہ میرے پاس ایک گھوڑی لے کر آئے ۔ میں نے ان سے کہا کہ آپ خود بھی درویش ہیں ، میں یہ ہدیہ کیسے قبول کر سکتا ہوں ۔ انھوں نے کہا تین راتوں سے میرے شیخ خواب میں تشریف لاتے ہیں اور حکم دیتے ہیں کہ یہ گھوڑی شیخ نظام الدین کو نذر کر دے ۔ میں نے ان سے کہا ٹھیک ہے آپ اپنے شیخ کا حکم بجا لائے ۔ اب میرے شیخ مجھے فرمائیں گے تو یہ ہدیہ قبول کر لوں گا ۔ وہ دوسری بار تشریف لائے چنانچہ سمجھ گیا کہ یہ ہدیہ اللہ تعالی کی عنایت ہے ۔ میں نے دل سے قبول کر لیا ۔ اس کے بعد ہمارے ہاں گھوڑوں کی کبھی کمی نہ ہوئی ۔

آپ کی وفات اٹھارہ جمادی الثانی کو ہوئی ۔ آپ کی قبر دریائے جمنا کے کنارے ہے اور وہیں آپ کی خانقاہ بھی تھی ۔

اب سلطان غیاث الدین بلبن کے بارے میں کچھ باتیں ۔ اس میں وہ تمام اوصاف موجود تھے جو سلطنت کو آراستہ اور قایم رکھنے کے لیے ضروری ہوتے ہیں ۔ سلطان ناصر الدین کے عہد میں اس کا لقب الغ خاں معظم تھا ۔ ناصر الدین کی وفات کے بعد وہ دار السلطنت دہلی کے تخت پر بیٹھا ۔ اس نے انتظام سلطنت کو چار چاند لگا دیے ۔ جو شان و شوکت سلطان بلبن کے حصے میں آئی ایسی شان و شوکت کسی بادشاہ کو نصیب نہ ہوئی ۔ اس کی ہیبت کا یہ عالم تھا کہ وہ جس طرف نکل جاتا اس طرف کے باغی و سرکش سردار اس کے مطیع ہو جاتے ۔ اس کے عہد میں کوئی کمینہ خصلت شخص کامیاب نہ ہوا اور اس نے کسی کم ظرف کو سرکاری ملازمت میں نہ رکھا ۔ جس طرح بادشاہوں میں متضاد رویے اور اوصاف ہوتے ہیں، اس میں بھی تھے البتہ اس کا قہر اور لطف اپنے اپنے محل و مقام پر ظاہر ہوتے ۔ وہ عادل اور دین پرور بادشاہ تھا ۔ اس کی وفات[۲۰۱] ۶۸۵ ھ میں ہوئی ۔ علاوہ سلطان ناصر الدین کی بیس سالہ نیابت کے اس کی مدت بادشاہی بیس سال تھی ۔

شیخ ضیاء الدین رومی قدس سرہٗ

آپ[۲۰۲] علم و عمل اور زہد تقویٰ کی خوبیوں سے آراستہ تھے ۔ شیخ شہاب الدین سہروردی کے مرید اور خلیفہ تھے ۔ آپ کی عظمت و بزرگی سب کو متاثر کرتی تھی ۔ سلطان قطب الدین جو بہت ہی متکبر بادشاہ تھا، آپ کے مریدوں میں شامل تھا اور آپ کا بے حد معتقد تھا ۔

آپ سے منقول ہے کہ میں نے اپنے ایک دوست کو اس کی وفات کے بعد خواب میں دیکھا کہ بہشت میں اسے بلند مقام و درجہ عنایت فرمایا گیا ہے اس کے باوجود میرا وہ دوست غم زدہ اور بے کیف وہاں بیٹھا تھا ۔ میں نے اسے بہشت کی مبارک باد دی اور پوچھا کہ اس قدر بلند درجات حاصل ہونے کے باوجود غم و ملال کا کیا سبب ہے ۔ اس نے جواب دیا کہ مجھے یہاں ہر طرح کی نعمت و راحت میسر ہے لیکن سماع میں جو لذت حاصل ہوتی تھی وہ یہاں میسر نہیں ہے ۔

آپ[۲۰۳] کا مزار خواجہ قطب الدین کے راستے میں بجے منڈل کے سامنے ہے ۔ آپ نے سلطان قطب الدین کے زمانہ حکومت میں ۹ ذی الحجہ کو وفات پائی ۔

سلطان قطب الدین سلطان علاء الدین کا فرزند تھا ۔ وہ ۷۱۰ ھ میں علاء الدین کے بعد تخت پر بیٹھا ۔

اپنی تخت نشینی کے پہلے ہی دن اس نے حکم دیا کہ تمام قیدیوں کو جن کی تعداد اٹھارہ ہزار تھی رہا کر دیا جائے اور تمام لشکریوں کو چھ ماہ کی تنخواہ بطور انعام دی جائے۔ اس کی اس داد و دہش اور کریمانہ روش کی وجہ سے رعایا اس کا دم بھرنے لگی لیکن ایک جوانی کا نشہ دوسرے بادشاہت کا غرور، اس نے سلطنت کے معاملات میں غفلت اختیار کی اور عیش و عشرت میں مبتلا ہو گیا۔ علاوہ ازیں اپنی ناتجربہ کاری کے باعث کم حیثیت اور ناقابل لوگوں کو بڑے بڑے عہدوں پر مقرر کیا۔ چنانچہ بدانتظامی کی وجہ سے سلطنت میں خلل پیدا ہونے لگا اور امن و امان جاتا رہا۔ بالاخر عہد علائی کے بعض امیروں کی سعی و کوشش سے تمام فتنے ختم ہو گئے اور پھر سے ملک میں امن و امان قایم ہو گیا۔ تھوڑی بہت فتوحات بھی حاصل ہوئیں۔ ان کامیابیوں کے باعث سلطان کو اپنی جوانی، حکومت، شراب اور فتوحات کا نشہ کچھ زیادہ ہی چڑھ گیا۔ وہ پہلے سے زیادہ بے باک ہو کر رعایا پر ظلم و ستم ڈھانے لگا۔ اس کی ذات سے شریفانہ اخلاق رخصت ہو گئے۔ دربار میں کمینہ خصلت اور پست کردار امیروں کا اثر بڑھا گیا۔ سلطنت کے خیر خواہ قتل کیے جانے لگے۔ اس کی مجلس میں بے حیائی کے کام اور خلاف شرع باتیں بے روک ٹوک ہونے لگیں۔ سب سے زیادہ بدبختی یہ کہ وہ نظام الاولیا[۲۰۴] کے ساتھ دشمنی اور گستاخی سے پیش آیا۔ ان کی ذات گرامی پر اس کا ظلم و ستم روز بروز بڑھتا گیا (اس دشمنی کا برا انجام اسے دیکھنا پڑا) خسرو خاں نے جو اسی کا پروردہ تھا اور جس پر اس کی بے حد نوازشیں تھیں چند بے دینوں کے ساتھ سازش کر کے اسے قتل کر دیا اور تخت سلطنت پر قابض ہو گیا۔ یہ واقعہ ۷۲۱ھ کا ہے۔ خسرو خاں کا انجام بھی ایسا ہی ہوا جیسا اس نے کیا تھا۔

سیدی مولہ قدس سرہٗ

آپ سلطان بلبن کے زمانے میں ایران سے دہلی آئے۔ آپ نے بہت ریاضتیں کی تھیں۔ چاول کی روٹی سالن میں نرم کر کے کھاتے تھے۔ نہ بیوی تھی نہ خادم۔ پوری زندگی نکاح نہیں کیا۔ کسی شخص سے کوئی چیز قبول نہیں کرتے تھے۔ آپ نے بہت بڑی خانقاہ تعمیر کرائی اور ہزاروں روپے اس پر صرف کیے۔ مسافروں کو ایسے انواع اقسام کے کھانے کھلاتے تھے جو بادشاہوں کو بھی نصیب نہ تھے۔ محتاجوں اور مسکینوں پر اتنا زیادہ خرچ کرتے تھے کہ لوگ حیران تھے کہ اتنا مال و زر کہاں سے آتا ہے۔ بلند ہمت تھے اور لوگوں کی کثیر تعداد آپ کی مرید و معتقد تھی۔ بہت ہی عجیب و غریب کرامتیں آپ سے ظہور میں آئیں۔ اہل دہلی میں آپ کے بارے میں اختلاف تھا۔ کچھ لوگ کہتے تھے کہ آپ کیمیا گر تھے۔ ایک گروہ کا خیال تھا کہ آپ صاحب تصرف و کرامات بزرگ تھے۔ کچھ کا خیال تھا کہ آپ جادوگر اور شعبدہ باز تھے۔ غرض جتنے منہ اتنی باتیں۔ لیکن اتنا

ضرور کہا جا سکتا ہے کہ آپ مشہور لوگوں میں تھے۔

ابوبکر طوسی کے قلندروں نے آپ کو قتل کیا۔ جس دن آپ کو قتل کیا گیا اس دن آسمان پر اس قدر گرد و غبار چھایا کہ ہر طرف اندھیرا پھیل گیا۔ یہ کیفیت دیکھ کر وہ لوگ جو آپ کی بزرگی کے قایل نہ تھے، آپ کے معتقد ہو گئے۔ آپ کی قبر دہلی میں ہے لیکن اب اس کے آثار و نشان باقی نہیں ہیں۔

آپ کے قتل کا اصل سبب یہ تھا کہ آپ کی خانقاہ میں عام لوگوں کا ہجوم رہتا تھا۔ درباری امیر اعلیٰ عہدے دار اور شہر کے معروف لوگ آپ کے آستانے پر حاضر ہوتے تھے۔ سلطان جلال الدین کے زمانے میں خلقت کا ہجوم پہلے سے زیادہ ہونے لگا۔ اس کے علاوہ سلطان بلبن کے غلاموں اور برطرف امیروں کے فرزند، جو اپنے عروج کے زمانے میں عیش و راحت میں تھے اور اب مفلسی اور محرومی کا شکار ہو چکے تھے، آپ کے ہاں زیادہ آنے جانے لگے بلکہ راتوں کو بھی خانقاہ ہی میں قیام کرتے۔ اس صورت حال کے پیش نظر سلطان جلال الدین کے وفادار امیر وہم میں مبتلا ہو گئے اور انھوں نے سلطان کو ورغلایا کہ اس محروم گروہ کا ارادہ فتنہ و فساد برپا کرنے اور سیدی مولہ کو بادشاہ بنانے کا ہے۔ چنانچہ جن جن لوگوں پر بغاوت کا شبہ تھا انھیں گرفتار کر کے سلطان کے سامنے پیش کیا گیا۔ بہت کچھ تفتیش کی گئی لیکن گرفتار شدہ لوگوں کے خلاف کوئی ثبوت نہیں ملا۔ سلطان نے عالموں سے سزا کا فتویٰ لینا چاہا۔ تمام عالم متفقہ طور پر اس قسم کا فتویٰ دینے پر راضی نہ ہوئے۔ ان کا کہنا تھا کہ بغیر ثبوتِ جرم ہم سزا کا فتوی نہیں دے سکتے۔ ناچار سلطان اپنے ارادے سے باز آیا اور سب کو رہا کر کے ادھر ادھر منتشر کر دیا لیکن سیدی کو رہا نہیں کیا۔ آپ کو زنجیروں میں جکڑ کر سلطان کے حضور میں لائے۔ سلطان نے آپ سے بازپرس کی۔ اس وقت ابوبکر طوسی بھی حیدریوں کی جماعت کے ساتھ وہاں موجود تھے۔ سلطان ان سے مخاطب ہوا اور کہا اے درویشو! مولہ سے میرا انتقام لو۔ اچانک ایک قلندر میدان میں داخل ہوا اور خنجر کے وار کر کے آپ کو زخمی کر دیا۔ اس کے بعد سلطان کے بیٹے نے مہاوتوں کو اشارہ کیا۔ انھوں نے ہاتھیوں کو آپ پر دوڑا دیا اور آپ کچل کر ہلاک ہو گئے۔

سلطان جلال الدین اہلِ ہنر کی قدر اور اہل علم کی سرپرستی کرنے والا بادشاہ تھا۔ عادل اور رحم دل تھا۔ پسندیدہ اخلاق سے آراستہ تھا۔ اس کے فیصلے اور مشورے صحیح اور درست ہوتے تھے۔ اس کی رحم دلی اور مروت کا یہ حال تھا کہ اگر اس کے امیر ناقابل معافی جرم کرتے یا حکم عدولی کرتے تو وہ ان کو سزا نہ دیتا اور معاف کر دیتا تھا۔ قتل و خوں ریزی اس کا مزاج نہ تھا۔ وہ سلطان معز الدین کیقباد کے بعد ۶۸۸ھ میں تخت نشیں ہوا۔ اس نے تخت دہلی پر سات سال حکومت کی لیکن اس عرصے میں سوائے سیدی مولہ کے خون ناحق کے کوئی ظالمانہ فعل اس سے سرزد نہ ہوا۔

سیدی مولہ کا خون ناحق رنگ لایا۔ ملک میں تباہی اور بربادی شروع ہو گئی۔ سلطان علاء الدین جو جلال الدین کا داماد تھا خلاف ہو گیا اور فریب سے کام لیتے ہوئے سلطان کو قتل کر دیا اور اس کے خاندان کو
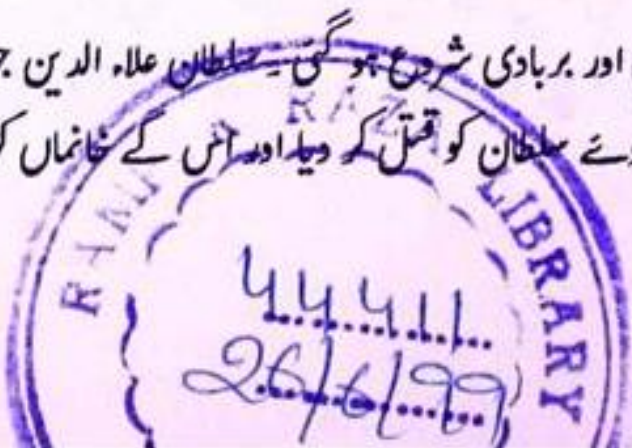
ویران کر دیا۔ یہ پورا واقعہ تاریخ فیروز شاہی میں بیان کیا گیا ہے۔

شیخ ابوبکر طوسی قدس سرّہٗ

آپ قلندر مشرب تھے اور قلندروں کے ایک سلسلے "حیدریہ" سے منسلک تھے۔ حیدری قلندروں کے دستور کے مطابق آپ بھی بہت سا لوہا پہنتے تھے۔ دہلی میں دریائے جمنا کے کنارے ایک قدیم بت خانہ تھا، اسے ڈھا کر اپنے ہاتھوں سے تکیہ اور خانقاہ تعمیر کی۔ وہاں نماز پنجگانہ ادا کرتے تھے۔ آپ کے بہت سے مرید تھے اور ایک بزرگ ہستی کے مالک تھے۔

آپ کی بزرگی کی ایک دلیل وہ محبت اور اخلاص ہے جو آپ کے اور شیخ جمال[205] الدین ہانسوی کے مابین تھا۔ شیخ جمال الدین ہانسوی شیخ فرید کے عظیم خلیفہ اور ان کے محبوبوں میں سے تھے۔ شیخ فرید نے ان کی نسبت بارہا فرمایا کہ جمال ہمارا ہی جمال[206] ہے۔ شیخ جمال نے آپ کو (ابوبکر طوسی کو) "سفید باز" کا لقب عطا فرمایا تھا۔ شیخ جمال جب بھی ہانسی سے خواجہ قطب الدین کی زیارت کے لیے دہلی آتے تو آپ کی خانقاہ میں بھی تشریف لے جاتے۔ وہاں اچھی صحبتیں رہتیں اور درویشانہ سماع کی مجلسیں بھی ہوتیں۔ شیخ نظام الدین اولیا بھی ان مجلسوں میں شریک ہوتے تھے۔

سیر الاولیا[207] میں بیان کیا گیا ہے، شیخ جمال الدین ہانسوی ابوبکر طوسی سے بے حد محبت کرتے تھے۔ شیخ ابوبکر طوسی ایک بزرگ درویش تھے۔ ان کا عمل حیدریوں سے مختلف تھا۔ شیخ جمال الدین اور شیخ ابوبکر طوسی کے تعلق کا واسطہ مولانا حسام الدین اندپتی تھے جو اپنے زمانے کے بڑے صاحب علم، قاضی القضاۃ اور شیخ جمال کے مرید و معتقد تھے۔ ایک دفعہ کا ذکر ہے کہ مولانا حسام الدین کو خبر ملی کہ شیخ جمال الدین ہانسی سے تشریف لا رہے ہیں چنانچہ وہ شیخ کے استقبال کے لیے روانہ ہوئے تو ابوبکر طوسی نے کہا شیخ کی خدمت میں عرض کرنا کہ میں حج کرنے جا رہا ہوں۔ مولانا حسام الدین جب شیخ کی ملاقات سے خوش دل ہوئے تو شیخ نے سب سے پہلے یہی دریافت کیا، کہو ہمارے سفید باز کا کیا حال ہے۔ مولانا حسام الدین نے عرض کیا کہ حج کے لیے جا رہے ہیں۔ شیخ جمال نے اسی وقت مولانا کو اس پیغام کے ساتھ واپس بھیجا کہ ہم ابھی آتے ہیں اور یہ رباعی شیخ ابوبکر طوسی کے لیے لکھ کر دی۔

رباعی

مرپای ترا سرم نثار اولیٰ تر — یک سرچه بود بلکه ہزار اولیٰ تر

درغار وطن ساز چو بوبکر ازانک — بوبکر محمدی بغار اولیٰ تر

(ترجمہ) آپ کے قدموں میں میرے سر کا نثار ہونا خوش نصیبی ہے۔ بلکہ ایک سر کیا اگر ہزار سر ہوں تو صدقے کر دینا یقیناً خوش بختی ہے۔ حضرت ابوبکرؓ کی مانند غار کو مسکن بنا لے کیونکہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے رفیق ابوبکرؓ صدیق کی طرح ہمارے لیے غار بہتر ہے۔

آپ کا مزار[۲۰۸] آپ کی تعمیر کردہ خانقاہ کے اندر ہے۔ یہ مقام دریائے جمنا کے کنارے اور شیخ نور الدین ملک یار پراں[۲۰۹] کے مزار کے قریب ہے۔ لوگ زیارت کرتے ہیں اور برکت حاصل کرتے ہیں۔ آپ کا عرس بائیس رجب کو ہوتا ہے۔ آپ کی عظمت کا ظہور سلطان جلال الدین کے عہد حکومت میں ہوا جس کا مختصر ذکر اس سے پہلے آچکا ہے۔

شیخ فرید الدین ناگوری قدس سرہٗ

آپ سلطان التارکین حمید[۲۱۰] الدین ناگوری کے پوتے[۲۱۱] اور ان کے مرید و خلیفہ تھے۔ سلطان التارکین عظیم اولیاء اللہ میں شمار کیے جاتے ہیں۔ وہ خواجہ بزرگ معین الدین قدس سرہ کے عظیم خلفا میں سے تھے۔ اللہ تعالیٰ کے سوا ہر ایک سے بے تعلق ہو چکے تھے اور اپنے آپ کو اتنا فنا کر چکے تھے کہ اپنے فنا ہونے کا احساس بھی باقی نہ رہا تھا۔

سلطان التارکین کے دو صاحبزادے تھے۔ بڑے صاحبزادے کا نام شیخ عزیز تھا اور چھوٹے صاحبزادے کا نام شیخ مجیب تھا۔ شیخ فرید الدین ناگوری شیخ عزیز کے فرزند تھے ان ہی کے زیر سایہ پرورش و تربیت ہوئی۔ اپنے جد بزرگوار سلطان التارکین شیخ حمید الدین کی عارفانہ بصیرت افروز باتوں کو ایک رسالہ میں تحریر کیا اور اس کا نام "سرور الصدور" رکھا۔ بعض لوگوں کا خیال ہے کہ سرور الصدور شیخ عزیز[۲۱۲] کی تصنیف ہے۔ حقیقت کچھ بھی ہو لیکن اتنی بات ضرور ہے کہ یہ مجموعہ ملفوظات حمید الدین ناگوری کی اولاد (بیٹے یا پوتے) میں سے کسی نے تحریر کیا ہے۔ اس رسالے میں حقیقت و معرفت کے بہت سے مسئلے اور قلب و روح کی اصلاح کے لیے بہت سے نکتے جو آپ نے ستائیس سال کے عرصے میں سلطان التارکین سے سنے جمع کیے ہیں۔ پہلے آپ ناگور میں رہتے تھے لیکن سلطان محمد تغلق کے زمانے میں وہاں سے دہلی چلے آئے اور یہیں آپ نے وفات پائی۔ آپ کی قبر قدیم شہر کے کھنڈرات میں خواجہ قطب الدین کو جاتے ہوئے بجے منڈل کے جنوب میں

واقع ہے ۔ یہیں آپ کی رہائش تھی یہیں دفن ہوئے ۔

بیان کیا جاتا ہے کہ آپ کی عمر سو سال تھی اور آپ کے سات فرزند تھے ۔ سب سے بڑے کا نام شیخ عبدالعزیز تھا ۔ عشق الٰہی کے ذوق سے سرشار اور ظاہری و باطنی خوبیوں سے بہرہ مند تھے ۔ عین عالم جوانی میں سماع سنتے ہوئے انتقال ہوا ۔ کہا جاتا ہے کہ کسی درویش کے ہاں لیلۃ الرغائب (ماہ رجب کے پہلے جمعہ کی رات) میں مجلس سماع تھی ۔ قوال نے یہ شعر پڑھا ۔

جاں بدہ و جاں بدہ و جاں بدہ　　　　فائدۂ گفتنِ بسیار چیست

(ترجمہ) جان قربان کر ، جاں قربان کر ، جان قربان کر زبانی باتوں کا کیا فائدہ ہے ۔

شیخ عبدالعزیز نے ایک چیخ ماری اور کہا دیدی ، دیدی اور جاں بحق ہو گئے ۔ سلسلہ نسب سعید بن زید رضی اللہ عنہ تک ، جو کبار صحابہ اور عشرہ مبشرہ میں سے تھے ، پہنچتا ہے ۔

شیخ نصیر الدین محمود قدس سرّہٗ

آپ شیخ نظام الدین اولیا کے مشہور خلفا میں سے تھے ۔ علم ، عقل اور عشق کی راہ میں ثابت قدم رہے ۔ مخلوق سے بے نیازی ، مصائب میں ثابت قدمی اور ہر حال میں راضی برضا رہنا آپ کا شعار تھا اور اس روش میں آپ کا کوئی ثانی نہیں ۔ آپ کے اخلاق کی بلندیاں اور کردار کی خوبیاں کہنے اور لکھنے سے (تشہیر سے) بے نیاز ہیں (سارا عالم ان سے آشنا ہے) ۔ سلطان المشائخ کے بعد دہلی کی ولایت آپ کے سپرد ہوئی ۔ آپ اپنے مرشد کے باطنی اسرار و احوال کے حقیقی وارث ثابت ہوئے ۔ آپ اپنے شیخ عالی مقام کا حد درجہ اتباع کرتے تھے اور ذات شیخ سے آپ کو بے اندازہ محبت تھی ۔ بادشاہ وقت اور مخلوق کی جانب سے جو کچھ ایذا آپ کو دی گئی اور ظلم و ستم کیا گیا ، آپ نے مرشد کے حکم کے مطابق انھیں برداشت کیا ۔ ہمیشہ بدخواہوں کا بھلا چاہا اور حسن سلوک سے پیش آئے ۔ اپنے مریدوں اور نیاز مندوں کی حاجتوں کو پورا کرتے اور انھیں راحت پہنچاتے تھے ۔

اخبار الاخیار[۲۱۴] میں ہے کہ ایک دفعہ آپ نے امیر خسرو سے جو شیخ نظام الدین کی خلوتوں کے محرم تھے اپنی اس خواہش کا اظہار کیا کہ وہ آپ کی جانب سے شیخ کی خدمت میں عرض کریں کہ مخلوق کی آمدورفت سے میری مشغولیت میں خلل پڑتا ہے ، اگر اجازت ہو تو کسی ویران جگہ پر جا رہوں تاکہ دل کی پوری تسلی کے ساتھ حق تعالیٰ کی عبادت کر سکوں ۔ امیر خسرو نے خاص اور مناسب وقت پر آپ کی گزارش کو شیخ کی خدمت میں

پیش کیا۔ شیخ نے سن کر فرمایا، ان سے کہو تمھیں لوگوں میں رہنا سہنا ہے۔ جو کچھ ان کی جانب سے ناروا برتاؤ اور ایذا دی جائے اسے برداشت کرنا ہے اور بدخواہی کا بدلہ بخشش و احسان سے دینا ہے۔

۲۱۴

اخبار الاخیار ہی میں وہ واقعہ منقول ہے۔ جو سیر الاولیا کے مصنف نے آپ سے روایت کیا ہے۔ فرمایا: "میری بیعت کا ابتدائی زمانہ تھا۔ ایک دن ٹھیک دوپہر کے وقت میں جماعت خانے میں کھڑا تھا۔ اچانک سلطان المشائخ کوٹھے سے اتر کر نیچے تشریف لائے۔ مجھ احقر کو دیکھا تو وہیں دہلیز پر بیٹھ گئے اور خادم کو مجھے بلانے کا حکم دیا۔ میں حاضر ہوا اور قدمبوسی کی۔ ارشاد ہوا بیٹھ جاؤ۔ میں بیٹھ گیا تو مجھ سے دریافت فرمایا کہ تمھارے دل میں کیا ہے؟ تم کیا چاہتے ہو؟ تمھارے والد کیا کرتے ہیں؟ میں نے عرض کیا کہ میرا مقصد دلی مخدوم کی درازی عمر کی دعا کرنا اور حضرت کی جوتیاں سیدھی کرنا ہے۔ میرے والد کے بہت سے کارندے تھے اور وہ پشمینے کی تجارت کرتے تھے۔ سلطان المشائخ نے میرا جواب سن کر بہت شفقت فرمائی اور زبان مبارک سے ارشاد ہوا، لو سنو! جب میں شیخ فرید الدین کی خدمت میں حاضر تھا تو ایک دن میرا ایک عالم دوست جو میرا ہم سبق بھی تھا اجودھن آیا مجھے اس نے میلے کچیلے کپڑوں میں دیکھا تو کہا نظام الدین تمھارا یہ کیا حال ہے؟ اور تم کس افتاد میں پڑ گئے ہو؟ اگر وہیں شہر دلی میں ہوتے اور معلمی کرتے تو تمھارے دن بہت اچھے گزرتے میں نے اسے اس بات کا کوئی جواب نہ دیا۔ وہاں سے شیخ کی خدمت میں حاضر ہوا تو شیخ نے دریافت فرمایا، نظام! اگر تمھارا کوئی دوست تمھیں ملے اور تم سے کہے کہ تم نے یہ کیا حالت بنائی ہوئی ہے اور تم کس پریشانی میں ہو تو تم اسے کیا جواب دو گے؟ میں نے عرض کیا مخدوم جو حکم فرمائیں۔ فرمایا اس سے کہہ دینا

نہ ہمرہی تو مرا راہِ خویش گیر و برو   ترا سلامت بادا، مرا نگونساری

(ترجمہ) اے شخص تو میرا شریک سفر نہیں ہے۔ اپنے رستے چلا چل تجھے سلامتی مبارک ہو میں اپنے اس حال خراب میں خوش ہوں۔

اس کے بعد شیخ نے مختلف قسم کے کھانوں کا خوان لانے کا حکم دیا۔ وہ میرے سر پر رکھا کہ میں اپنے دوست کے پاس لیجاؤں۔ جب میں اپنے دوست کی قیام گاہ پر پہنچا اور اس نے مجھے اس طرح دیکھا تو اس کی آنکھوں میں آنسو بھر آئے۔ میرے نزدیک آیا اور روتے ہوئے کہا کیا بات ہوئی جو اس حال میں آئے ہو۔ میں نے اسے تمام کیفیت سنائی۔ اس نے کہا اللہ تعالی کا شکر ہے اتنے عظیم مرشد تمھیں نصیب ہوئے جو ایسی عجیب و غریب ریاضت کراتے ہیں۔ مجھے بھی اپنے ساتھ لے چلو تاکہ ان کی قدمبوسی کی سعادت حاصل کروں۔ کھانا کھانے کے بعد میرے دوست نے چاہا کہ وہ خوان اپنے ملازم کے سر پر رکھے لیکن میں اس پر راضی نہ ہوا اور میں نے کہا کہ میں اسی طرح خوان سر پر رکھے شیخ کی خدمت میں حاضر ہوں گا۔ جوں ہی اس کی نظر شیخ کے جمال جہاں آرا پر پڑی، عالم ہونے کا پندار اس کے دل سے رخصت ہوا اور عقیدت کے ساتھ شیخ کے قدموں میں سر رکھ دیا اور مریدوں کے سلسلے میں منسلک ہو گیا"۔

اس واقعہ کو بیان کرنے کے دوران آپ نے (شیخ نصیر الدین نے) بہت سے نکتے جو مجاہدے سے متعلق تھے اس مجلس میں بیان فرمائے۔ آپ سے یہ بھی منقول ہے کہ جب سلطان المشائخ نے مجھے مجاہدے کی ہدایت فرمائی اور ریاضت کا حکم دیا تو کبھی کبھی دس دن بغیر کھائے گزر جاتے۔ جب بھوک بہت ستاتی تو تھوڑا سا لیموں کا عرق پی لیتا۔ ترشی کی اتنی مقدار سے میں مرنے کے قریب پہنچ گیا۔ میں نے اپنے دل میں کہا کسی شخص کا مرجانا اس سے بہتر ہے کہ اس کا نفس بار بار پریشان کرے اور اس کے کام میں خلل ڈالے۔

آپ نے یہ بھی فرمایا کہ ایک مرتبہ مجاہدے کے دوران میں نے دس دن تک کچھ نہ کھایا۔ لوگوں نے سلطان المشائخ کو میری حالت کی خبر دی۔ سلطان المشائخ نے مجھے حضور میں طلب فرمایا۔ ایک نان اور اس پر بہت سا حلوہ رکھ کر عطا فرمایا اور حکم دیا کہ پوری نان کھا جاؤ۔ میں سخت حیران تھا کہ پوری کی پوری نان کیسے کھا سکوں گا۔ یہ میرے بوتے سے باہر ہے۔ دو چار دن کھاؤں تو شاید ختم ہو۔

شیخ جمالی نے سیر العارفین میں تحریر کیا ہے کہ وفات کے وقت نظام الدین الاولیا کی عمر شریف چورانوے سال تھی۔[215] حضرت نے اٹھارہ ربیع الثانی ۲۵، ھ بروز بدھ اپنے خلفا کو طلب فرمایا ہر ایک کو خرقہ عنایت کیا اور ان کی رہائش کے علاقوں کی نشاندہی فرمائی لیکن آپ کو علاوہ خرقے کے اپنے شیخ کا مصلی، تسبیح اور پیالہ عطا کیا اور اپنا جانشین مقرر فرمایا۔ اہل دہلی کی ہدایت آپ کے سپرد کی اور اسی دن گلشن روحانی کی سیر کو تشریف لے گئے (انتقال فرمایا) سلطان المشائخ کی وفات کے بعد تمام خلفا نے خوش دلی کے ساتھ آپ کی جانشینی کو قبول کیا۔

بیان کرتے ہیں کہ آپ کی طبیعت میں انتہا درجے کی نرمی اور عجز و انکسار تھا۔ چنانچہ آپ اکثر و بیشتر فرماتے تھے کہ میں کس لائق ہوں کہ شیخ بنوں اور لوگوں کو مرید کروں۔ آپ کے روضہ متبرکہ کے در و بام سے فنا اور نیستی کے آثار مترشح ہوتے رہتے ہیں۔ جس شخص کو عشق الٰہی کی معمولی نسبت حاصل ہے وہ ان عارفوں کے سردار کی قبر پر انوار و تجلیات کو ظاہری حس سے بھی دیکھ سکتا ہے۔

سید محمد گیسو دراز[216] جو آپ کے اکابر خلفا میں سے تھے اور مقام ولایت میں بڑی شان اور اعلیٰ رتبے کے حامل تھے۔ ولایت کی حقیقت کے بارے ان کا کلام بہت بلند ہے۔ آپ مشائخ چشت میں خاص مشرب اور منفرد انداز رکھتے تھے نیز علم اور بزرگی کے جامع تھے فرماتے ہیں۔ "ایک دفعہ ہمارے خواجہ کی حیات میں دہلی میں خشک سالی ہوئی۔ خواجہ نماز استسقا کے لیے شہر سے باہر آئے۔ ہر طرح کی گریہ و زاری، نماز اور دعائیں جو بزرگوں نے بیان فرمائی ہیں اللہ تعالیٰ کے حضور میں کی گئیں لیکن بارش کے کوئی آثار پیدا نہ ہوئے۔ ناچار خواجہ اپنی خانقاہ میں لوٹ آئے۔ اس دن میں خواجہ کی قدمبوسی کے لیے حاضر ہوا فرمایا تم نماز میں نہیں تھے۔ میں نے عرض کیا حاضر تھا۔ پھر فرمایا تم دیکھتے ہو کہ آج لوگ ہمیں کس قدر برا بھلا کہہ رہے ہیں۔ ہم پر چڑھ کر آ رہے ہیں اور پیچھا نہیں چھوڑتے۔ ہم سے جو ہو سکا وہ ہم نے کیا لیکن کچھ حاصل نہ ہوا۔ ہم کیا کر سکتے تھے (سب کچھ

اللہ تعالیٰ کے اختیار میں ہے) نادم و شرمسار ہو کر واپس آ گئے"۔

شیخ نصیر الدین کا وصال سلطان فیروز شاہ مغفور کے عہد حکومت میں اٹھارہ رمضان المبارک ۷۵۰ھ[۲۱۷] میں ہوا۔ آپ سلطان المشائخ کی وفات کے بعد بتیس سال تک دشتِ گمراہی میں بھٹکنے والوں کو راہ ہدایت پر لانے میں مشغول رہے۔

سلطان فیروز شاہ میں حکومت کرنے اور سلطنت چلانے کی تمام خوبیاں موجود تھیں۔ وہ ۷۵۲ھ میں تخت سلطنت پر بیٹھا اس نے اپنے پیشرو سلطان محمد شاہ کے عہد حکومت کی خرابیوں کو دور کیا ملک کو پھر سے شاد و آباد کیا۔ ظلم و جبر کے بجائے عدل و انصاف قائم کیا۔ اس کے دور حکومت میں دین کو رونق ملی اور ملک میں ہر طرف اہل علم، بزرگان دین اور نیک لوگ منظر عام پر آئے۔ رعایا کو خوش حالی نصیب ہوئی، تمام باغی سرداروں نے خوشی سے یا ناخوشی سے اس کی اطاعت قبول کی۔ اس کے عہد حکومت میں لشکر کو عظیم فتوحات اور کامیابیاں حاصل ہوئیں۔ خیرات خانے، سرائیں، مسجدیں اور قلعے تعمیر کیے گئے۔ اس کی بادشاہت کی مدت اڑتیس سال نو ماہ تھی۔ اس عرصے میں اس نے رعایا کی فلاح و بہبود کے ایسے عمدہ اور مفید کام سرانجام دیے جو کسی دوسرے بادشاہ کے عہد حکومت میں نہ ہو سکے۔ مختصر یہ کہ اس کے زمانہ حکومت میں امن و امان قایم ہوا اور رعایا خوش حال ہوئی۔

مورخوں کا بیان ہے کہ سلاطین دہلی میں سلطان ناصر الدین التتمش مرحوم کے بعد کوئی ایسا فرماں روا نہیں گزرا جو سلطان فیروز شاہ کی مثل اپنی رعایا پر شفیق و مہربان ہو اور عام لوگوں کے لیے اپنے دل میں عدل و انصاف کے احساسات رکھتا ہو۔ آخر عمر میں جب سلطان بہت بوڑھا ہو گیا تھا تو اس نے اپنے بیٹے کو ناصر الدین کا لقب دے کر حکومت اس کے سپرد کی اور خود طاعت و عبادت میں مشغول ہو گیا البتہ خطبے میں باپ اور بیٹے کے نام پڑھے جاتے رہے اور شاہی سکوں پر دونوں کے نام کندہ تھے۔

ناصر الدین محمد شاہ جوان اور ناتجربہ کار تھا چنانچہ عیش و عشرت میں پڑ گیا۔ نتیجہ ظاہر ہے ملک میں بدامنی اور سلطنت کے معاملات میں خرابی پیدا ہو گئی۔ ۷۹۰ھ میں وفادار سرداروں نے فیروز شاہ کی خدمت میں ناصر الدین کی خطاؤں اور لغزشوں کی فہرست پیش کی اور اس کی اطاعت سے پھر گئے۔ ناصر الدین محمد شاہ ان سے جنگ کرنے کے لیے نکلا۔ وہ سلطان فیروز کو ہمراہ لے کر میدان میں آ گئے اور محمد شاہ کے لشکر کے مقابل صف آرا ہوئے۔ جوں ہی دوسری طرف کے فوجیوں کی نظر سلطان فیروز شاہ پر پڑی اس کی ہیبت و عظمت سے لرز گئے اس کے علاوہ سلطان کے سابقہ احسانات و انعامات یاد آئے۔ چنانچہ تمام لشکر محمد شاہ سے منحرف ہو کر فیروز شاہ سے آملا محمد شاہ کو شکست کا منہ دیکھنا پڑا۔ اب پھر تخت سلطنت کے لیے سخت خطرات پیدا ہوئے لیکن فیروز شاہ نے اپنے وفادار سرداروں سے مشورہ کر کے فتح خاں کے بیٹے کو جو اس کا پوتا تھا، غیاث الدین تغلق کا خطاب دے کر اپنا جانشیں مقرر کیا اور اسی سال ۷۹۰ھ رمضان المبارک میں وفات پا گیا[۲۱۸]۔ سلطان کی وفات

کے بعد تغلق شاہ فیروز آباد کے محل میں تخت سلطنت پر بیٹھا اور ایک بڑا لشکر محمد شاہ سے جنگ کرنے کے لیے روانہ کیا۔ کئی جنگیں ہوئیں بالاخر محمد شاہ کو شکست فاش ہوئی۔

تغلق شاہ بھی جوش جوانی سے مغلوب ہو کر عیش و طرب کا دلدادہ ہو گیا اور رعایا پر ظلم و ستم ڈھانے لگا۔ ۷۹۱ھ میں ملک رکن الدین نے اسے قتل کر دیا اور فیروز شاہ کی اولاد میں سے ایک شہزادے کو ابوبکر شاہ کا خطاب دے کر فرماں روائی اس کے سپرد کر دی۔ اس نے بھی محمد شاہ سے بڑی جنگیں کیں اور اس پر فتح پائی اور قوت حاصل کی۔ لیکن اچانک تمام لشکر اسے چھوڑ کر محمد شاہ سے جا ملا اور اسے قید ہونا پڑا۔ آخر ۷۹۳ھ میں قید خانے میں ہی اس کا انتقال ہو گیا۔

محمد شاہ نے دوسری بار تخت شاہی حاصل کرنے کے بعد، فیروز کے وفاداروں کو قتل کر کے اپنے لیے راستہ صاف کر لیا اور چھ سال تک بے غل و غش حکومت کرنے کے بعد انتقال کر گیا۔ اسے حوض خاص پر اپنے باپ کے پہلو میں دفن کیا گیا۔

اس کے انتقال کے بعد تمام سردار مل کر بیٹھے اور ۷۹۹ھ میں اس کے بیٹے ہمایوں خاں کو سلطان علاء الدین کے خطاب کے ساتھ تخت نشیں کیا۔ اس نے سینتالیس دن حکومت کی اور انتقال کر گیا۔ اس کے بعد اس کے چھوٹے بھائی جو خواجہ جہاں کہلاتا تھا سلطان ناصر الدین محمد شاہ کا خطاب دے کر مسند حکومت پر بٹھایا۔ وہ اگرچہ کم عمر تھا لیکن اپنی فطری صلاحیت اور شرافت کے باعث اس نے سلطنت میں رونق پیدا کی اور تقریباً ایک سال تک حکومت کی اس کے بعد سازشیں رنگ لائیں اور فتنے برپا ہوئے۔ اس کو برطرف کر کے اس کی بجائے نصرت شاہ کو جو فیروز شاہ کے پوتوں میں سے تھا بادشاہ بنایا گیا لیکن جو فتنے پیدا ہو چکے تھے ختم نہ ہو سکے۔ بالاخر بہت کچھ تباہی کے بعد پھر مرکزیت قایم ہوئی اور چند سال محمود شاہ بادشاہ رہا۔ ۸۱۵ھ میں اس کا بھی انتقال ہو گیا اسی کے ساتھ فیروز شاہ کے خاندان کی حکومت بھی ختم ہو گئی۔

اب پھر شیخ نصیر الدین محمود کا ذکر کیا جاتا ہے اور آپ نے اپنی مجالس شریفہ میں جو فائدہ بخش باتیں بیان فرمائیں ان میں سے چھ یہاں نقل کی جاتی ہیں۔

کلمہ ۱۔ [219] حال صحت اعمال کا نتیجہ ہوتا ہے (صحیح عمل سے قلب پر اچھا اثر ہوتا ہے) عمل دو قسم کا ہوتا ہے۔ ایک عمل جو جسمانی اعضا کے ذریعے ہوتا ہے، یہ سب کے علم میں ہے۔ دوسرا جو قلب کے ذریعے ہوتا ہے۔ اس کو مراقبہ کہتے ہیں۔ **المراقبہ ان تلازم قلبک العلم بان اللّٰہ ناظر الیک** یعنی مراقبہ دل میں اس بات کا یقین ہو جانا ہے کہ اللہ تعالیٰ تجھے دیکھ رہا ہے۔ پہلے عالم علوی سے انوار روح پر نازل ہوتے ہیں پھر اس کا اثر قلب پر ہوتا ہے اور قلب کے بعد اعضائے جسمانی پر۔ چونکہ اعضائے جسمانی قلب کے تابع ہوتے ہیں اس لیے جب قلب متحرک ہوتا ہے تو اعضا میں بھی حرکت پیدا ہوتی ہے۔

کلمہ ۲۔ اپنی نظر دل پر رکھیں اور دل کو حق تعالیٰ کی طرف متوجہ کریں۔ اس کیفیت کے ساتھ مشغول بحق ہوں اور اس مشغولیت میں اللہ تعالیٰ کے سوا سب کو بھلا دیں، پھر دیکھیں کیا کچھ حاصل ہوتا ہے۔[220]

کلمہ ۳۔ فرمایا[221] درویش چھوٹی آستین رکھتے ہیں یہ اس بات کی علامت ہے کہ اس نے اپنا ہاتھ کٹوا لیا ہے تاکہ کسی کے آگے نہ پھیلے اور حرام اشیا کو نہ چھوئے۔ اگر ہاتھ کاٹ دیا جائے تو آدمی بہت سی عبادتوں سے محروم رہے گا۔ مثلاً غسل اور وضو کا ثواب نہ ملے گا اور اپنے مسلمان بھائی سے مصافحہ نہ کر سکے گا۔ اسی لیے آستین جو ہاتھ کے نزدیک ہو چھوٹی رکھی جاتی ہے تاکہ اسے یاد رہے کہ اس کا ہاتھ کٹ چکا ہے۔ اسی طرح سر منڈوانا ہے کیونکہ راہ سلوک میں پہلا قدم سر کو قربان کرنا ہے لیکن سر قلم کرا دیا جائے تو نہ زندگی رہے گی نہ آدمی اعمال صالحہ انجام دے پائے گا اس لیے سر قلم کرانے کی علامت سر منڈانا قرار دی گئی ہے تاکہ سالک کو ہمیشہ خیال رہے کہ جس طرح سر بریدہ لاش ہل جل نہیں سکتی اسی طرح سر منڈوانے والے درویش کو خلاف شرع کام نہ کرنے چاہییں۔

کلمہ ۴۔ بارگاہ الٰہی میں کسی عمل کے مقبول ہونے کا دارومدار جذبے پر ہے[222] یعنی بندہ طاعت کا جو کام بھی کرتا ہے اگر جذبہ شامل نہ ہو تو قبول نہیں ہوتا، جب جذبہ شامل حال ہو جاتا ہے تو بندے کا ہر عمل مقبول ہوتا ہے۔ اس کے ساتھ یہ بات بھی ہے کہ جذبے کی نمود کے لیے کوئی وقت یا ساعت مقرر نہیں ہے۔ اس کا اظہار کبھی لڑکپن، کبھی جوانی اور بڑھاپے میں ہوتا ہے لیکن جذبوں کے درجے ہوتے ہیں۔ عام لوگوں کا جذبہ توفیق کا حاصل ہونا ہے لیکن خواص کا جذبہ حق تعالیٰ کی جانب قلب کی کامل توجہ ہے وہ بھی اس طرح کہ سب سے کٹ کر حق تعالیٰ کا ہو رہے۔

کلمہ ۵۔ لوگوں نے آپ سے پوچھا[223] ان اللہ خلق آدم علی صورتہ[224] یعنی اللہ نے آدم کو ان کی صورت میں پیدا کیا، اس کا کیا مطلب ہے؟ آپ نے فرمایا کہ (صورتہ میں) "ہ" ضمیر ہے اور آدم کے لیے ہے۔ اللہ تعالیٰ نے آدم کو جیسے وہ نظر آتے تھے اسی شکل اور ڈیل ڈول کے ساتھ پیدا کیا۔ برخلاف اس کے دوسرے انسانوں میں تغیر اور تبدیلی رونما ہوتی رہتی ہے کیونکہ سنت الٰہی یہ ہے کہ ہر انسان پہلے بچہ ہوتا ہے، پھر جوان اور پھر بوڑھا ہوتا ہے۔

کلمہ ۶۔ فرمایا[225] سلوک میں اصل کام نفس کی حفاظت ہے۔ صوفی کے لئے لازم ہے کہ مراقبے کی حالت میں نفس پر نگاہ رکھے، اسے منتشر نہ ہونے دے تاکہ اس کے باطن میں یکسوئی پیدا ہو۔ اگر نفس کو ڈھیل دیدی تو باطن منتشر ہو جائے گا۔

آپ کی کرامات :

حضرت مخدوم شیخ عبدالحق محدث دہلوی[۲۲۶] نے جوامع الکلم کے حوالے سے جسے آپ کے ایک مخلص نے جمع کیا ہے نقل فرمایا ہے کہ ایک مرتبہ آپ کو اس شعر سے بہت ذوق حاصل ہوا اور آپ پر وجد کی کیفیت طاری ہو گئی :

جفا بر عاشقان گفتی - نخواہم کرد" ہم کردی   قلم بر بیدلان گفتی - نخواہم راند" ہم راندی

(ترجمہ) تو نے خود ہی کہا تھا کہ عاشقوں پر جفا نہیں کروں گا لیکن جفا کی ۔ یہ بھی کہا تھا کہ بیدلوں کو نہیں مٹاؤں گا لیکن مٹا کے مانا۔

مولانا مغیث نے جو شاعر بھی تھے، ایک رسالہ اس شعر کے مضامین کے رد میں لکھا ۔ اس میں انھوں نے تحریر کیا کہ کسی بھی اعتبار سے اس شعر کو حقیقت پر محمول نہیں کیا جا سکتا ۔ جور و جفا کو اللہ سے منسوب کرنا کفر ہے ۔ یہ اور اسی طرح کی فضول باتیں اس رسالے میں لکھیں، اس کے بعد مولانا معین الدین عمرانی کے پاس گئے اور رسالے کے مندرجات انھیں سنائے ۔ مولانا عمرانی نے یہ رسالہ لے لیا اور آپ کی خدمت میں بھجوا دیا ۔ آپ نے رسالے کو ملاحظہ فرمایا اور مولانا معین الدین عمرانی کو طلب کیا ۔ جب وہ حاضر ہوئے تو رسالہ واپس کر دیا اور زبان مبارک سے کچھ نہ فرمایا ۔ عمامہ باندھ کر اور خرقہ پہنا کر رخصت کر دیا ۔ اگلے ہی دن مجلس سماع میں یہ رباعی سن کر آپ پر بہت زیادہ اثر ہوا ۔

ما طبل مغانہ دوش بی باک زدیم   عالی علمش بر سر افلاک زدیم

از بہر یکی مغبچۂ میخوارہ   صد بار کلاہِ توبہ برخاک زدیم

(ترجمہ) رات ہم نے بے خوف ہو کر عیش و طرب میں گزاری ۔ عیش کی رات کا جھنڈا آسمانوں میں بلند کر دیا اس ایک مست و میخوار محبوب کے لیے ہزار بار کلاہ توبہ کو زمین پر پھینکا ۔

وجد و ذوق کی اس کیفیت کے بعد آپ اوپر حجرے میں تشریف فرما ہوئے ۔ وہاں ارشاد ہوا کہ مغیث کو بلاؤ مولانا مغیث ہوش میں نہ تھے، انھیں آپ کے سامنے کھڑا کیا گیا ۔ آپ نے فرمایا ، جی ہاں مولانا ! اب تحریر کیجیے یہ کیا جہالت تھی " بس یہ فرمایا اور مولانا مغیث کو واپس بھیج دیا ۔ اس واقعہ کے بعد مولانا مغیث دوبارہ خانقاہ میں حاضر نہ ہو سکے ۔ ان ہی دنوں میں انھوں نے وفات پائی ۔

بیان کیا گیا ہے[۲۲۷] کہ آپ کے باطنی کمالات اور درویشانہ اوصاف کے باوجود سلطان محمد تغلق کو شیخ نصیر الدین محمودؒ سے کد ہو گئی تھی اور اس کا رویہ آپ کے ساتھ اچھا نہ تھا ۔ وہ آپ کو تکلیف پہنچانے کا کوئی موقعہ ہاتھ سے جانے نہ دیتا حتیٰ کہ اپنے ساتھ سفر میں لیے پھرتا تھا ۔ آپ اپنے شیخ عالی مقام کی وصیت کے مطابق جس کا ذکر پہلے ہو چکا ہے، ان تمام اذیتوں اور تکلیفوں کو برداشت فرماتے اور اف تک نہ کہتے تھے ۔

ایک دفعہ کا ذکر ہے بادشاہ مذکور نے سونے چاندی کے برتنوں میں آپ کو کھانا بھیجا۔ نیت اس کی یہ تھی کہ اگر آپ ان برتنوں میں کھانا کھائیں گے تو میں آپ پر غیر شرعی عمل کا الزام لگا کر مواخذہ کروں گا اور کھانا واپس کر دیں گے تو بازپرس کروں گا کہ میرا بھیجا ہوا کھانا آپ نے کیوں نہ کھایا۔ دونوں صورتیں پریشان کرنے کے لیے کافی تھیں جب آپ کے سامنے کھانا پیش کیا گیا تو آپ نے مومنانہ فراست سے بادشاہ کی نیت کا اندازہ کر لیا، چنانچہ آپ نے برتن سے کچھ کھانا نکال کر پہلے اپنے ہاتھ پر رکھا پھر تھوڑا تھوڑا کھانا شروع کر دیا، باقی کھانا واپس کر دیا۔ جب بادشاہ کو یہ خبر ملی تو وہ بداندیش تلملا کر رہ گیا اور آپ کا کچھ نہ بگاڑ سکا۔

آپ ہی کے بارے میں یہ بات بھی بیان کی جاتی ہے کہ جب بادشاہ وقت نے آپ کو بہت زیادہ ستایا اور ایذائیں دیں اور آپ نے خاموشی سے برداشت فرمائیں تب بھی اس نے ان گستاخیوں اور اذیتوں کو ناکافی سمجھا اور آپ کی تحقیر کے لیے کپڑے پہنانے کی خدمت سپرد کر دی۔ ایک دن بادشاہ نے کپڑے بدلے اور آپ کو حکم دیا کہ کپڑے کے بند باندھیں۔ آپ نے ہاتھ لمبا کر کے جامے کے بند باندھ دیے اور کہا نصیر الدین نے تو بند باندھ دیے ہیں اب غسال (میت کو غسل دینے والا) ہی کھولے گا۔ اس واقعہ کے بعد اسی دن بادشاہ کا انتقال ہو گیا۔

کچھ لوگوں کا[228] کہنا ہے کہ بادشاہ وقت نے اپنی ناراضگی کے سبب آپ کو بہ جبر ٹھٹھہ کی طرف روانہ کر دیا۔ جب آپ نارنول کے قریب پہنچے تو راستے میں شیخ محمد ترک[229] کا مزار آ گیا۔ وہاں ایک پتھر تھا۔ پہلے آپ اس کی جانب منہ کیے متوجہ کھڑے رہے۔ آپ نے مشاہدہ کیا کہ سید عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی روح اقدس اس پر جلوہ افروز ہے۔ اس کے بعد آپ شیخ محمد کی قبر پر آئے اور مراقبہ کیا۔ تھوڑی دیر بعد آپ نے سر اٹھایا اور فرمایا کہ جس کسی کو کوئی مشکل درپیش ہو وہ نیاز مندی سے اس صاحب مزار کے آستانے پر حاضر ہو اور اپنی مشکل آسان ہونے کی دعا کرے۔ کسی شخص نے پوچھا کیا آپ کو بھی کوئی مشکل آن پڑی ہے؟ فرمایا میں یہی بات کر رہا ہوں۔ تین دن نہ گزرے تھے کہ بادشاہ کے انتقال کی خبر آپ کو ملی۔ آپ واپس دہلی آ گئے اور اہل شہر کو ہدایت کی روشنی بخشی۔ اس طرح کی بہت سی کرامتیں آپ سے جو حقیقت میں اہل معرفت کے سردار ہیں، ظہور میں آئیں۔

مولانا فخر الدین مروزی قدس سرہٗ[230]

آپ شیخ نظام الدین اولیا کے اہلِ صحبت بزرگوں اور مریدوں میں سے تھے اور ان قدیم حضرات میں

شامل تھے جنھوں نے اول اول حضرت سلطان المشائخ سے ارادت کا تعلق قایم کیا ۔ حد درجہ زہد و تقوی ، دنیا سے بے تعلقی ، احساسِ بندگی اور جذبہ فنا سے آراستہ بزرگ تھے ۔ حافظ قرآن تھے ۔ رزق حلال کے حصول میں جو طریقت کی اصل و اساس ہے بہت زیادہ احتیاط فرماتے تھے ۔ آپ کا ذریعہ معاش کتابت تھا ۔ بہت ہی صاحب عظمت و کرامت تھے ۔ مردان غیب سے آپ کی ملاقات تھی ۔ بہت سی کرامتیں آپ سے ظہور میں آئیں لیکن آپ اظہار کرامت کے خواہشمند نہ تھے ۔

سیر الاولیا[۲۳۱] میں مذکور ہے ، آپ نے ایک دن سلطان المشائخ کی خدمت میں عرض کیا کہ ایک دفعہ مجھے سخت پیاس لگی ہوئی تھی ۔ آس پاس بھی کوئی شخص نہ تھا جو مجھے پانی پلاتا ۔ اچانک میرے سامنے پانی سے لبریز مٹی کا کوزہ نمودار ہوا ۔ میں نے وہ کوزہ توڑ دیا اور اپنے دل میں کہا کہ کرامت کے ذریعے پانی نہیں پیوں گا ۔ وہ پانی زمیں میں بہ گیا ۔ سلطان المشائخ نے فرمایا ۔ تم کو پانی پی لینا چاہیے تھا ۔ کرامت کو رد نہیں کیا جاتا ۔ اس قسم کے بہت سے واقعات رونما ہوتے رہتے ہیں ۔ ایک مرتبہ میرے ساتھ بھی ایسا ہی ایک واقعہ پیش آیا ۔ میں سر میں کنگھا کرنا چاہتا تھا اس قوت کوئی آدمی بھی موجود نہ تھا ۔ یکایک کنگھے نے طاق سے جست لگائی اور میرے ہاتھ میں آ گیا ۔"

اخبار الاخیار[۲۳۲] میں شیخ نصیر الدین سے روایت نقل کی گئی ہے کہ جب آپ کسی کتاب کی کتابت کر لیتے تو لوگوں سے معلوم کرتے کہ اس کی اجرت کیا ہوگی ؟ لوگ جتنی اجرت بتاتے آپ ہمیشہ اس سے کم ہی لیتے اور اگر کوئی چاہتا کہ زیادہ اجرت پیش کرے تو ہرگز نہ لیتے ۔ جب بہت بوڑھے ہو گئے تو کتابت کرنے کے قابل نہ رہے (بہت زیادہ تنگ دستی رہنے لگی) تو آپ کے ایک معتقد نے سلطان علاء الدین کی خدمت میں آپ کی گزر بسر کا ذکر کیا ۔ سلطان نے آپ کے مرتبے کی مناسبت سے روزینہ مقرر کرنا چاہا لیکن آپ نے منظور نہ فرمایا بلکہ اسی قدر روزینے پر راضی ہوئے جس سے ضرورت پوری ہو جائے ۔

جب آپ کی وفات ہوئی تو حضرت سلطان المشائخ کے روضۂ متبرکہ کے نزدیک چبوترہ یاراں میں[۲۳۳] آپ کو دفن کیا گیا ۔ آپ کی قبر شیخ شمس الدین یحییٰ کے پہلو میں ہے ۔

حضرت سلطان المشائخ کو آپ سے بہت ہی تعلق خاطر تھا اور آپ پر بہت توجہ اور شفقت فرماتے تھے ۔ حضرت سلطان المشائخ نے محبت کی حقیقت کے بارے میں یہ مکتوب شریف آپ کو تحریر فرمایا :

"کلمہ ۔ اہل طریقت و حقیقت اس امر میں کامل طور پر متفق ہیں کہ انسان کی پیدائش کا سب سے زیادہ اہم اور عظیم مقصد ، اللہ رب العالمین کی محبت ہے ۔ اس کے دو پہلو ہیں محبت ذات اور محبت صفات ۔ محبت ذات عطیۂ خداوندی ہے اور محبت صفات بندے کی کوشش سے حاصل ہو سکتی ہے ۔ جو کچھ عطائے الٰہی ہے اس میں بندے کی کوشش اور عمل کا کوئی دخل نہیں

ہے اور جو چیز کوشش یا ریاضت سے حاصل کی جاتی ہے اس کے حصول کا طریقہ صرف اور صرف اللہ تعالیٰ کا ذکر ہے جسے ہمیشہ جاری رکھا جائے اور وہ بھی اس طرح کہ ذکر کے وقت قلب کو ماسوا اللہ سے خالی کر دیا جائے ۔ اس حالت کے لیے فراغت شرط ہے ۔ فراغت کی حالت پیدا ہونے میں چار چیزیں رکاوٹ ڈالتی ہیں ۔ جو چیز شرط یعنی فراغت میں مانع ہوتی ہے وہ مشروط یعنی اللہ کی یاد میں بھی مانع ہوتی ہے، وہ چار چیزیں ہیں ۔ مخلوق، دنیا، نفس و شیطان ۔ خلق ذکر الٰہی میں مانع ہے اس کو دور کرنے کا طریقہ خلوت نشینی ہے ۔ دنیا کو دفع کرنے کا طریقہ قناعت اختیار کرنا ہے ۔ نفس و شیطان کا قلع قمع کرنے کے لیے متواتر اللہ تعالیٰ سے التجا کرتے رہنا ہے "۔[۲۳۴]

مولانا فخر الدین کی وفات سلطان غیاث الدین تغلق شاہ کے عہد حکومت میں ہوئی ۔ وہ بہت ہی فیاض عادل اور رعیت پرور بادشاہ تھا ۔ عقل مند اور معاملہ فہم تھا ۔ خسرو خاں کو قتل کرنے کے بعد، جس نے اپنے آقا کی نمک حرامی کی اور اس کی اولاد کو نیست و نابود کیا تھا، سلطان غیاث الدین تغلق بروز ہفتہ غرہ شعبان ۷۲۱ھ میں تخت نشیں ہوا ۔ دہلی کی تمام آبادی نے اس کی تخت نشینی پر خوشی منائی ۔ ادھر بادشاہ نے بھی نئی عمارتیں تعمیر کرنے اور عوام الناس کی فلاح و بہبود میں کوئی کسر اٹھا نہ رکھی ۔ تغلق آباد کی تمام عمارتیں اسی کی تعمیر کرائی ہوئی ہیں ۔ اس کے زمانے میں بعض مغرور اور سرکش ہندو راجا جنھوں نے کسی بادشاہ کی اطاعت قبول نہ کی تھی اس کے آگے جھک گئے ۔

اپنے آخری دور میں سلطان کی تمام تر توجہ لکھنوتی کو فتح کرنے میں لگی رہی ۔ بالآخر وہاں سے عظیم الشان فتح کر کے واپس ہوا اور افغان پور پہنچا ۔ یہاں اس کے استقبال کے لئے ایک نئی عمارت تعمیر کی گئی تھی ۔ سلطان نے اس عمارت میں دربار آراستہ کیا ۔ بد قسمتی سے نو تعمیر محل میں پختگی پیدا نہ ہوئی تھی، ٹوٹ کر گر پڑا ۔ سلطان اور اس کے بعض سردار اس میں دب کر ہلاک ہو گئے ۔[۲۳۵] یہ واقعہ ماہ ربیع الاول ۷۲۵ھ میں وقوع پذیر ہوا ۔ اس کی مدت حکومت چار سال چند ماہ تھی ۔

مولانا علاء الدین نیلی قدس سرہٗ[۲۳۶]

آپ بھی نظام الدین اولیا کے مریدین اور خلفا کے رشتے میں منسلک تھے ۔ پاکیزہ روش کے بزرگ تھے (ریاضتوں اور مجاہدوں کے ذریعے) قلب کو مصفا کر چکے تھے ۔ ظاہری اور باطنی علوم پر کامل دسترس حاصل تھی ۔ اگرچہ آپ کے ظاہری طور طریقے تو علما جیسے تھے لیکن صوفیوں کے تمام اوصاف آپ میں موجود

تھے ۔ سلطان المشائخ نے آپ کو بیعت کرنے کی اجازت مرحمت فرمائی تھی لیکن طبیعت میں چونکہ بہت زیادہ تواضع اور دنیا سے بے تعلقی تھی آپ نے کسی کو اپنا مرید نہیں بنایا ۔ اخبار الاخیار[۲۳۷] میں ہے کہ آپ نے بارہا یہ فرمایا ، اگر شیخ نظام الدین حیات ہوتے تو میں خلافت نامہ اس عرضداشت کے ساتھ ان کی خدمت میں بھجواتا کہ اگرچہ مخدوم نے بندہ نوازی فرماتے ہوئے کمترین کو مرتبہ خلافت عطا فرمایا لیکن یہ غلام خود کو اس رتبے کے لائق نہیں سمجھتا اور مجھ سے یہ کام سرانجام نہیں ہوتا ۔

سیرالاولیا کے مصنف بیان کرتے ہیں کہ ایک دن نماز فجر میں آپ کو دیر ہو گئی اور جماعت میں شریک نہ ہو سکے ۔ سلطان المشائخ نماز سے فارغ ہو کر حسب معمول حجرے میں تشریف فرما ہوئے ۔ مولانا نے جماعت خانے کے صحن میں ان لوگوں کو جماعت کرائی جو جماعت میں شریک نہ ہو سکے تھے ، اور ایسی عمدہ قرات کی کہ اس کے سننے سے حضرت سلطان المشائخ کو ایک خاص ذوق حاصل ہوا اور کیفیت پیدا ہو گئی ۔ سلطان المشائخ نے اقبال خادم کو جو اہل دل میں مقبول تھے طلب فرمایا اور حکم دیا کہ ہمارا مصلی لے جاؤ اور انتظار کرو ۔ جب یہ خوش آواز امام نماز سے فارغ ہو تو اسے دے دو ۔ اقبال خادم جانماز لے گئے اور آپ کو نماز سے فارغ ہونے کے بعد پیش کر دی ۔ آپ نے بہت ہی ادب اور تکریم سے مصلے کو اپنے پاس رکھا ۔

فی الحقیقت آپ سلطان المشائخ کے بہت ہی منظور نظر اور خاص مریدوں میں تھے اور آپ کو بھی اپنے شیخ سے بے حد محبت اور بہت ہی زیادہ اخلاص تھا ۔ آپ اگرچہ بہت سی فضیلتوں کے حامل تھے اور ظاہری علوم کی سمجھ اور مسائل پر گہری نگاہ رکھتے لیکن شیخ سے اعتقاد کا یہ عالم تھا کہ آخری عمر میں " فوائد الفواد " کو جس میں سلطان المشائخ کے ملفوظات درج ہیں اور اس علاقے میں اس کی عظیم شہرت ہے ۔ اپنے ہاتھ سے تحریر کیا اور زیادہ تر وقت اسی کے مطالعے میں صرف کرتے ۔ لوگوں نے ان سے دریافت کیا کہ یہاں اس قدر عمدہ کتابیں اور معتبر رسالے میسر ہیں لیکن آپ کو ان سے کوئی دلچسپی نہیں ہے آخر ملفوظات سے اس قدر رغبت کا سبب کیا ہے ؟ آپ نے فرمایا ! بے شک دنیا میں طریقت ، حقیقت اور معرفت کی کتابوں اور رسالوں کی کمی نہیں لیکن شیخ کے روح افزا ملفوظات جن سے میری نجات وابستہ ہے کچھ اور ہی چیز ہے ۔

مرا نسیمِ تو باید صبا کجاست کہ نیست　　　　کجاست زلفِ تو مشکِ خطا کجاست کہ نیست[۲۳۸]

(ترجمہ) صبا تو ہر جگہ ہے لیکن مجھے تو آپ کی نسیم درکار ہے ۔ مشک کی خوشبو ہر کہیں ہے لیکن مجھے آپ کی زلفوں کی خوشبو چاہیے ۔

آپ کی قبر یاروں کے چبوترے پر مولانا شمس الدین یحییٰ کی قبر کے پاس ہے ۔

خواجہ تقی الدین قدس سرہٗ

آپ کا اسم گرامی نوح تھا[۲۳۹]۔ نظام الدین اولیا کے بھانجے کے بیٹے مرید اور خلیفہ تھے۔ شیخ آپ پر کامل توجہ اور عنایت فرماتے تھے۔ آپ حافظ قرآن تھے اور ہر شب جمعہ کو قرآن ختم کرتے تھے۔ آپ کی ذات زہد و عبادت، نفاست و لطافت کی خوبیوں سے آراستہ تھی۔ سلطان المشائخ اکثر اپنے اصحاب کے سامنے آپ کی ان خوبیوں کی تعریف فرماتے تھے۔

ایک دن سلطان المشائخ نے آپ سے دریافت کیا کہ اس عبادت و طاعت سے تمھارا مقصود کیا ہے؟ آپ نے جواب میں عرض کیا کہ میرا مقصود مخدوم کی درازی عمر ہے۔ شیخ نظام الدین اولیا نے آپ کے اس جواب کو بے حد پسند فرمایا اور ارشاد ہوا کہ تقی الدین کی اس بات سے سعادت و نیک بختی کا اظہار ہوتا ہے۔

سیر الاولیا[۲۴۰] میں بیان کیا گیا ہے کہ مرض الموت سے پہلے ایک دفعہ سلطان المشائخ بیمار ہوئے تو ایک دن آپ کو اپنے حضور مصدرِ سرور میں طلب فرمایا اور اپنے اعلیٰ مریدوں کی موجودگی میں خلافت کے شرف سے ممتاز و سرفراز کیا اور نصیحت فرمائی کہ جو بیش قیمت چیز تمھیں حاصل ہو اپنے پاس نہ رکھو (راہ خدا میں صرف کر دو) اور اگر کچھ نہ ملے تو اس کی امید نہ رکھو۔ کسی کا برا نہ چاہو۔ جور و جفا کا بدلہ عطا سے دو۔ کسی سے جاگیر اور وظیفہ قبول نہ کرو کیونکہ درویش کسی کا وظیفہ خوار نہیں ہوتا۔ اگر تم ان نصیحتوں پر عمل کرو گے اور ان کے مطابق زندگی گزارو گے تو شاہانِ وقت تمھاری چوکھٹ پر سر جھکائیں گے۔

سیر الاولیا[۲۴۱] میں یہ بھی بیان کیا گیا ہے کہ آپ جوانی میں جب سلطان المشائخ حیات تھے دق کے مریض ہوئے اور انتقال فرما گئے۔ آپ کو یاروں کے چبوترے میں دفن کیا گیا۔

خواجہ ہارون قدس سرہٗ

آپ خواجہ تقی الدین کے بڑے بھائی تھے[۲۴۲]۔ آپ کا لقب رفیع الدین تھا[۲۴۳]۔ حافظ قرآن تھے۔ سلطان المشائخ آپ پر عنایت و شفقت کی نظر رکھتے تھے نیز حضرت والا کی تربیت ظاہری و باطنی کا شرف آپ کو حاصل تھا۔ آپ کی ذات میں اہل ولایت کے اوصاف نمایاں تھے۔ نظام الاولیا آپ کو دوسرے عزیزوں اور

قریبوں سے زیادہ چاہتے تھے۔ جب تک آپ دسترخوان پر آکر نہ بیٹھتے، سلطان المشائخ کھانا تناول نہ فرماتے۔ آپ کو سلطان المشائخ نے اپنی حیات مبارکہ ہی میں اوقاف کا متولی مقرر کر دیا تھا۔ حضرت کے وصال کے بعد آپ استقامت کے ساتھ طریقت کی راہ پر گامزن رہے اور ان کے وصال کے بعد آپ کی وفات ہوئی اور مزار شریف کے قریب مدفون ہوئے۔

سید محمد کرمانی قدس سرہٗ [۲۴۴]

آپ کرمان اور غزنین کے سید خاندان سے تعلق رکھتے تھے۔ شیخ فرید الدین گنج شکر کے مریدوں اور معتقدوں میں شامل تھے۔ ابتدا میں آپ کا ذریعہ معاش تجارت تھا۔ رہائش کرمان میں تھی۔ اہل دولت میں سے تھے۔ اور ہر طرح کا دنیاوی سازو ساماں رکھتے تھے۔ آپ کے قریبی عزیز بھی دولت مند اور خوش حال تھے۔ چونکہ ذریعہ معاش تجارت تھا اس لیے ایک شہر سے دوسرے شہر آمدورفت رہتی تھی۔ دوران سفر مشائخ اور علما سے ملاقات کرتے۔ اسی سلسلے میں شیخ فرید الدین کی خدمت میں حاضر ہونے کے لیے اجودھن بھی جاتے رہتے تھے۔ اس آمدورفت کے باعث آپ کے دل میں شیخ کی محبت نے گھر کر لیا۔ چنانچہ تمام مال و اسباب سے ہاتھ اٹھا کر بیعت کے ارادے سے اجودھن روانہ ہوئے۔ یہاں شیخ کی زیارت سے مشرف ہوئے۔ فقر و فاقہ اختیار کیا اور آسمان ولایت کے قطب حضرت فرید الدین گنج شکرؒ کی رحمت و شفقت سے سرفراز اور آپ کی نظر لطف و عنایت میں مخصوص ہوئے۔ آپ نے سخت ریاضتیں کیں اور اٹھارہ سال تک شیخ کی نظر التفات کے سایہ میں تربیت حاصل کی۔

سیر الاولیا[۲۴۵] کے مصنف نے لکھا ہے کہ آپ سلطان المشائخ سے بارہ سال قبل شیخ فرید گنج شکرؒ کے مرید ہوئے جب سلطان المشائخ نے شیخ سے بیعت کی تو چونکہ دونوں غریب الوطن تھے اس لیے دونوں عزیزوں میں بے حد محبت ہو گئی اور ایک دوسرے کے مخلص دوست بن گئے۔ جب شیخ کو ان دونوں کی محبت و اخلاص کا حال معلوم ہوا تو ارشاد فرمایا کہ تم دونوں ایک دوسرے کی صحبت میں رہا کرو۔ آج سے تمھارے درمیان رشتہ اخوت قایم کیا جاتا ہے۔ شیخ کے اس حکم کی بنا پر دونوں میں پہلے سے زیادہ اخلاص پیدا ہو گیا۔ جب شیخ فرید پانچ محرم الحرام ۶۶۴ھ میں اس عالم فانی سے ملک جاودانی کی طرف رخصت ہوئے تو آپ اپنے شیخ کے اسی فرمان کی تعمیل میں دہلی آ گئے اور شیخ نظام الدین کی خدمت میں رہنے لگے اور حضرتؒ کے اعلیٰ رفیقوں میں شامل ہو گئے۔ بعد وفات اہل چبوترہ کے پہلو میں مدفون ہوئے۔

حضرت سلطان المشائخ سے منقول ہے:[246]

"ایک مرتبہ مجھ میں اور سید محمد میں رنجش ہو گئی۔ سید نے آنا جانا ترک کر دیا اور گوشہ نشینی اختیار کر لی۔ ایک رات میں نے سید کونین صلی اللہ علیہ وسلم کو خواب میں دیکھا کہ ایک گنبد میں تشریف فرما ہیں اور سید محمد دروازے پر کھڑے ہیں۔ میرے دل میں خیال گزرا کہ سید محمد مجھ سے آزردہ خاطر ہیں کیونکر اندر جانے دیں گے۔ میں اسی خیال میں تھا کہ سید نے مجھے پکارا "مولانا نظام الدین آئیے"۔ جب میں آگے بڑھا تو سید نے میرا ہاتھ پکڑا اور حضرت رسالت صلوٰت اللہ علیہ وسلامہ کے حضور پیش کیا۔ میں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی قدم بوسی کا شرف حاصل کیا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھ سے مخاطب ہوکر فرمایا! نظام الدین سید محمد میرے خاص فرزندوں میں سے ہے"۔

جب صبح ہو گئی تو سلطان المشائخ آپ کے گھر تشریف لے گئے۔ آپ کو سلطان المشائخ کی مسرت انگیز تشریف آوری کی اطلاع ہوئی تو (خوشی کے لہجے میں) کہا

"جب بھیجے گئے ہیں تب آئے ہیں"۔

آپ نے سلطان المشائخ کا استقبال کیا اور گھر کے صحن میں آنسو بہاتے ہوئے دونوں ایک دوسرے کے قدموں میں گر پڑے۔

آپ کے چار بیٹے تھے۔[247] چاروں ہی فضل و کمال اور علم و عمل سے آراستہ تھے اور سلطان الاولیا کے مقبول اور منظور نظر مریدوں میں شامل تھے۔ ہو سکتا ہے کہ ان میں بعض کے تفصیلی حالات آئندہ بیان کیے جائیں۔

قاضی محی الدین کاشانی قدس سرہٗ[248]

آپ حضرت نظام الاولیا کے مرید تھے۔ ظاہری علوم میں منتہی کا درجہ رکھتے تھے اور زہد و تقویٰ کے اوصاف سے آراستہ تھے۔ آپ کا خاندان علم اور بزرگی کا امین تھا اور آپ خود بھی شہر دہلی کے معروف اور نامور استادوں میں شمار ہوتے تھے۔ جب آپ نے سلطان المشائخ سے بیعت کی تو دنیاوی تعلقات سے کنارہ کش ہو گئے۔ خاندانی وظیفے کے فرمان کو پارہ پارہ کر دیا، درویشی اختیار کی اور مجاہدے کیے۔ حضرت نظام الاولیا کی

آپ کے حال پر بہت شفقت و عنایت تھی حتیٰ کہ آپ کو اپنی خلافت سے مشرف فرمایا اور خلافت نامہ پر اپنے دست مبارک سے تحریر فرمایا:

"تمھیں چاہیے کہ دنیا کو ترک کر دو۔ دنیا اور اہل دنیا کی جانب مائل نہ ہو۔ کوئی گاؤں اور بادشاہوں کا عطیہ قبول نہ کرو۔ اگر تمھارے پاس ایسی کوئی حالت میں مسافر آ جائیں کہ تمھارے گھر میں کوئی چیز نہ ہو تو اس حالت کو اللہ تعالیٰ کی نعمتوں میں سے ایک نعمت سمجھو۔ اگر تم نے ایسا ہی کیا جیسا میں نے تمھیں حکم دیا ہے اور میرا گمان ہے کہ تم ایسا ہی کرو گے تو تم میرے خلیفہ ہو، اگر تم نے اس کے خلاف کیا تو اللہ تعالیٰ میرا حاکم ہے"۔

کہا جاتا ہے کہ جب آپ پر فقر و فاقہ کی شدت بہت بڑھ گئی تو آپ کے کسی آشنا نے سلطان علاء الدین سے آپ کا حال بیان کیا۔ بادشاہ نے آپ کی موروثی قصبا جو اودھ میں تھی آپ کو عطا کر دی۔ آپ کو بادشاہ کے فرمان کا علم ہوا تو آپ نے حضرت سلطان المشائخ کی خدمت میں اسے ظاہر کر دیا۔ شیخ یہ بات سن کر ناراض ہو گئے اور فرمایا معلوم ہوتا ہے کہ خود تمھاری خواہش بھی یہی ہو گی اسی لیے بادشاہ نے فرمان جاری کیا۔ اس کے بعد شیخ نے آپ سے خلافت نامہ واپس لے لیا اور کسی جگہ رکھ دیا۔ شیخ کی اس ناخوشی اور خفگی سے آپ کی زندگی بے کیف ہو گئی اور شب و روز پریشانی میں گزرنے لگے۔ ایک سال اسی دکھ اور روحانی اذیت میں بسر ہوا جس کے بعد سلطان المشائخ کے مزاج مبارک میں تبدیلی پیدا ہوئی۔ آپ کی تقصیر معاف ہوئی۔ آپ نے بیعت کی تجدید کی اور شیخ کی حیات میں اس دنیا سے رخصت ہوئے۔

سید شمس الدین خاموش قدس سرہٗ [۲۴۹]

آپ سید محمد کرمانی کے بیٹے تھے۔ خوب صورت اور نیک سیرت تھے۔ حضرت نظام الاولیا کے بیشتر خلیفہ آپ کے مکان میں سماع سنتے تھے۔ صاحب کرامات تھے اور اللہ تعالیٰ نے آپ کو تصرف کی نعمت بھی بخشی تھی۔

بیان کیا[۲۵۰] جاتا ہے کہ ایک دن کسی بے ادب گستاخ شخص کے دل میں آپ کے سید اور ولی نہ ہونے کا وسوسہ پیدا ہوا۔ جونہی یہ خیال اس کے دل میں آیا اسی لمحہ آپ نے غضبناک نگاہوں سے اس کی طرف دیکھا اس شخص نے محسوس کیا کہ اس کے ہاتھ پیر بندھے ہوئے ہیں اور وہ حرکت کرنے کے قابل نہیں

رہا ہے۔ اپنی یہ حالت دیکھ کر اس نے آپ کی بزرگی کے انکار سے توبہ کی تو اس نے اپنے آپ کو رہا محسوس کیا۔ اسی حیرت زدگی میں اس نے اپنا سر آپ کے قدموں میں رکھ دیا اور اپنی گستاخی کے لیے معذرت خواہ ہوا اور جو کچھ اس پر گزرا تھا وہ سب آپ کی خدمت میں عرض کر دیا۔

آپ کی وفات سلطان محمد تغلق کے عہد میں ۷۳۲ھ میں ہوئی۔ آپ کی قبر دہلی میں ہے۔

سید احمد کرمانی قدس سرہٗ [۲۵۱]

آپ بھی سید محمد کرمانی کے بیٹے تھے۔ صاحب کرامات تھے اور غیر معمولی باتیں بھی آپ سے ظہور میں آتی تھیں۔ علاوہ ازیں قوی حال بزرگ تھے۔ باطنی کمالات رکھتے تھے اور حضرت نظام الاولیا سے خرقہ خلافت پانے کا شرف آپ کو حاصل تھا۔ سلطان المشائخ جس کسی کو خلافت عطا فرماتے، آپ ہی اجازت نامہ تحریر کرتے تھے۔

کہتے ہیں[۲۵۲] کہ سلطان محمد تغلق نے بادشاہت کے نشے میں آپ کے پیروں میں زنجیر ڈال کر قید خانے بھجوا دیا۔ آپ کے پیروں سے زنجیر بغیر کسی شخص کی مدد کے خود بخود کھل گئی۔ جب سلطان کو اس واقعہ کی اطلاع ہوئی تو وہ گھبرا گیا۔ اپنی گستاخی پر نادم ہوا اور اس کے دل میں آپ کا اعتقاد بڑھ گیا۔ ۲۱ شعبان بروز جمعرات ۷۵۲ھ میں کہ فیروز شاہ کی عہد حکومت کا آغاز تھا، آپ کی زندگی کے قدم تعینات کی حدوں سے باہر نکل گئے۔ (وفات ہوئی)

خواجہ عزیز الدین قدس سرہٗ [۲۵۳]

آپ دو واسطوں سے فرید الاولیا گنج شکرؒ کی اولاد ہیں۔ نظام الاولیا کے مرید تھے اور حضرت کی خدمت میں رہنے کی برکت سے ظاہری اور باطنی کمالات و اوصاف سے آراستہ ہوئے۔ آپ کا ایک امتیاز یہ بھی تھا کہ نظام الاولیا آپ پر خاص توجہ اور عنایت فرماتے تھے۔ ایام طفلی سے انتقال کے وقت تک کبیرہ تو کیا صغیرہ گناہ بھی آپ سے سرزد نہ ہوا۔ علم و فضل، حفظ قرآن اور شیخ سے انتہائی محبت یہ تمام خوبیاں آپ کی ذات میں موجود تھیں۔ آپ کی ابدی خواب گاہ حضرت سلطان المشائخ کے مزار اقدس کے قریب ہے۔

آپ کے والد بزرگوار خواجہ ابراہیم ظاہری اور باطنی کمالات کے حامل تھے۔ دادا خواجہ نظام الدین، شیخ فرید الدین کے چوتھے فرزند تھے اور تمام صاحبزادوں میں سب سے زیادہ شیخ کے محبوب تھے۔ شیخ الاسلام فرید الاولیا ان کو اپنا یوسف تصور کرتے ہوئے مراسم یعقوبی ادا فرماتے تھے۔ انھوں نے اپنے باطنی رتبے کو سپاہیانہ زندگی کے پردے میں چھپا لیا تھا۔ جس رات فرید الاولیا کا وصال[۲۵۴] ہوا، خواجہ نظام الدین، غیاث الدین بلبن کے ہمراہ تھے۔ اسی شب وہ اجودھن پہنچے لیکن دیر ہو گئی تھی اور قلعہ کا دروازہ بند کر دیا گیا تھا اس لیے شیخ کی رحلت کے وقت گھر تک نہ پہنچ سکے۔ جب صبح ہوئی اور شہر کا دروازہ کھولا گیا تو شیخ کا جنازہ باہر لایا جا رہا تھا۔ بھائیوں کی یہ خواہش تھی کہ شیخ کو بستی سے باہر مدفنِ شہدا میں دفن کریں لیکن خواجہ نظام الدین نے بھائیوں کو سمجھایا کہ شہر سے باہر کی بجائے وہاں دفن کریں جہاں اب مزار مبارک ہے۔ خواجہ نظام الدین نے ایک جنگ میں کفار کی ذلیل جماعت سے مردانہ وار لڑتے ہوئے کئی کافروں کو جہنم رسید کیا۔ آخر میں ایک کافر کے کاری وار سے زخمی ہو کر گر پڑے اور شربت شہادت نوش فرماتے ہوئے ریاض روحانی میں داخل ہو گئے۔ ان کی لاش وہاں موجود لوگوں کی نگاہوں سے غائب ہو گئی۔

خواجہ قاضی قدس سرہٗ

آپ نسباً[۲۵۵] ایک واسطے سے شیخ الاسلام فرید الحق والدین سے جا ملتے ہیں۔ اپنے آبا و اجداد کی پاکیزہ روش پر قایم تھے اور صوری و معنوی خوبیوں سے آراستہ تھے۔ دلی میں وفات پائی اور اسی شہر میں آپ کی قبر ہے۔ آپ[۲۵۶] کے والد بزرگوار شیخ یعقوب[۲۵۷] فرید الاولیا کے سب سے چھوٹے صاحبزادے تھے۔ میخانہ نشینی سے اپنی درویشی اور بزرگی کے مراتب پر پردہ ڈال رکھا تھا۔

کہتے ہیں کہ ایک رات والی عہد کے پیٹ میں شدید درد اٹھا۔ درد اتنا شدید تھا کہ دوا علاج سے بھی کوئی فائدہ نہ ہوا۔ ارکان سلطنت حاکم کی زندگی سے مایوس ہو گئے۔ سب نے فیصلہ کیا کہ شیخ یعقوب سے دعا کی درخواست کی جائے۔ شاید ان کی دعا کارگر ہو اور مرض صحت سے بدل جائے۔ بہت کچھ جستجو کے بعد ان کو شراب خانے میں الجھے ہوئے بالوں کے ساتھ ننگے سر پڑا ہوا دیکھا۔ ان سے والی ملک کی تکلیف کا حال بیان کیا۔ انھوں نے فرمایا تم لوگ بہت اچھے وقت آئے ہو جب کہ ہمارے پاس روزانہ کی ضرورت کے پیسے ختم ہو چکے ہیں۔ چنانچہ حاکم کو دیکھنے کے لیے روانہ ہوئے۔ وہاں پہنچ کر شیخ یعقوب نے اس کے پیٹ پر ہاتھ پھیرا درد یک لخت بند ہو گیا اور وہ خود کو بھلا چنگا محسوس کرنے لگا۔ بادشاہ نے نذر کے طور پر بہت کچھ نقد و جنس ان کو پیش کی۔ کہتے ہیں کہ انھوں نے صبح تک تمام نقد و جنس ضرورت مندوں میں تقسیم کر دی اور سورج نکلنے تک ایک

جب اپنے پاس نہ رکھا۔ شیخ یعقوب کو قصبہ امروہہ کے آس پاس کسی مقام سے مردانِ غیب اپنے ساتھ لے گئے اور لوگوں کی نگاہوں سے انھیں پوشیدہ رکھا۔

ان کے دو بیٹے تھے ایک خواجہ قاضی جن کا مزار دہلی میں ہے اور دوسرے خواجہ[۲۵۸] معز الدین جنھوں نے دیوگیر میں شہادت پائی۔

خواجہ محمد اور خواجہ موسیٰ قدس سرہما[۲۵۹]

آپ بی بی فاطمہ کے فرزند تھے[۲۶۰]۔ یہ مخدومہ شیخ الاسلام فرید الاولیا کی تیسری صاحبزادی تھیں۔ ان کا نکاح بدر الدین اسحق سے ہوا تھا۔ اس طرح ایک شیخ کی اہل خانہ بنیں۔ جب بدر الدین[۲۶۱] اسحق کا انتقال ہوا تو نظام الاولیا نے بی بی فاطمہ کو دہلی بلالیا اور ان کی خدمت اور رضا جوئی کی انتہائی کوشش فرماتے رہے۔ دونوں صاحبزادوں کی تعلیم و تربیت کے لیے شیخ الاسلام فرید الاولیا کے ایک مخلص مرید خواجہ احمد نیشاپوری کو ان کا اتالیق مقرر کیا۔ راہ سلوک میں بلند درجات اور بابرکت مقامات تک پہنچایا۔ ظاہری اور باطنی کمالات سے آراستہ کیا۔ خواجہ محمد اور خواجہ موسیٰ جب اس دنیا سے رخصت ہوئے تو نظام الاولیا کے روضۂ متبرکہ کے قریب دفن کیے گئے۔

اخبار الاخیار[۲۶۲] میں ہے کہ خواجہ محمد اس زمانے کے تمام مروجہ علوم و فنون میں کامل عبور رکھتے تھے۔ طب اور موسیقی میں کامل مہارت پیدا کی تھی اور خانقاہ شریف میں نماز باجماعت کی امامت کا شرف بھی آپ کو حاصل تھا۔ آپ نے سلطان المشائخ کے ملفوظات ایک کتاب میں جمع کیے تھے جس کا نام انوار المجالس رکھا تھا۔

روایت[۲۶۳] ہے کہ ایک دن شیخ ابوبکر طوسی کی خانقاہ میں سماع کی مجلس تھی۔ قوالوں نے اپنی سی ہر کوشش کی لیکن اہل مجلس وجد و ذوق پیدا نہ کر سکے۔ حضرت نظام الاولیا نے کہ اس مجلس کے صدر نشیں تھے فرمایا کہ سماع کی بجائے مشائخ کی کتابیں اور اقوال پڑھے جائیں۔ اس دوران وجد و ذوق کے آثار پیدا ہوئے۔ ایسے میں شیخ علی زنبیلی نے شیخ امام الدین[۲۶۴] سے جو بدر الدین غزنوی کے خلیفہ تھے، مخاطب ہو کر کہا کہ ہم آپ سے سننا چاہتے ہیں ہمارے لیے کچھ گائیں۔ حضرت نظام الاولیا نے خواجہ محمد کو ساتھ دینے کا حکم دیا۔ دونوں بزرگ اٹھ کر قوالوں کی جگہ بیٹھ گئے اور ایک غزل شروع کی۔ جب اس شعر پر پہنچے:

ہر بی خردی کہ بینی امشب   از من ہمہ درگزار تا روز

(ترجمہ) آج کی شب میری تمام بے عقلی کی باتیں جو تم دیکھو انھیں صبح ہونے تک معاف کر دو۔

تو سلطان المشائخ پر گریہ طاری ہو گیا اور تمام حاضرین مجلس بھی گریہ کرنے لگے۔ سب کو بڑا ذوق حاصل ہوا۔

خواجہ عزیز الدین صوفی قدس سرہ[265]

آپ حضرت فرید الاولیا کی بڑی صاحبزادی بی بی مستورہ کے فرزند تھے[266]۔ مروجہ دینی علوم کی تحصیل قاضی محی الدین کاشانی سے کی تھی۔ کتابت کے فن میں اپنا ثانی نہ رکھتے تھے۔ آپ نے حضرت نظام الاولیا کے اوصاف و کمالات پر مبنی ایک کتاب بھی تصنیف کی تھی۔ جس کا نام "تحفۃ الابرار فی کرامۃ الاخیار[267]" ہے۔

آپ کا اپنا بیان[268] ہے کہ

> "ایک دفعہ میں حضرت نظام الاولیا کی خدمت میں حاضر ہوا۔ میں نے دیکھا کہ آپ چارپائی پر قبلہ رو بیٹھے ہیں اور آسمان کو تک رہے ہیں۔ مجھے بڑا ڈر لگا کہ میں کہاں پھنس گیا۔ نہ واپسی کی طاقت نہ وہاں کھڑے رہنے کا حوصلہ۔ جیسے تیسے ٹھٹکا ہوا کھڑا رہا۔ حضرت کا کوئی خادم بھی وہاں نہ تھا۔ کچھ دیر بعد آپ نے جھرجھری لی اور اپنے آپ میں آئے۔ اپنی آنکھوں کو دست مبارک سے ملا اور فرمایا کون ہے؟ میں نے عرض کیا عزیزالدین حاضر خدمت ہے۔ آپ نے بڑی شفقت فرمائی اور مجھے سامنے بلایا[269]"۔

آپ کے ایک فرزند[270] تھے جن کا نام قطب الدین حسن تھا۔ انھوں نے نصیر الاولیا شیخ نصیر الدین محمود سے خرقہ خلافت پہنا۔ دونوں باپ اور بیٹے کی قبریں حضرت نظام الاولیا کے مزار پرانوار کے قریب ہیں۔

خواجہ ابوبکر شبلی قدس سرہ

آپ سلطان اولالیا کے قدیم دوست[271] اور ہم صحبت تھے۔ آپ کا حضرت سے عہد تھا کہ چونکہ آپ کی ذات بابرکات میں انسان کامل کی نشانیاں ہیں جن کا ظاہر ہونا یقینی ہے لہذا جب وہ اسرار ظاہر ہوں گے تو میں آپ سے بیعت کروں گا۔ جب سلطان الاولیا شیخ فرید الحق کی خدمت میں رہ کر (اور خلافت نامہ لے کر) واپس ہوئے اور ان کی بزرگی کی برکات عام اور خاص انداز میں آشکار ہوئیں تو آپ نے اپنے وعدے کو جلوہ گاہ

وفا تک پہنچایا (وعدہ پورا کیا) اور مرید ہوئے۔ دہلی میں وفات پائی اور شیخ کے مزار کے احاطے میں دفن کیے گئے۔

مولانا جمال الدین دہلوی قدس سرہٗ [۲۶۲]

آپ نظام الاولیا کی بارگاہ عالی کے حلقہ بگوش تھے۔ آپ پر انتہا درجہ کی محویت اور خود فراموشی کی کیفیت طاری رہتی۔ حضرت نظام الاولیا نے آپ کی اس کیفیت کے بارے میں کئی مرتبہ یہ فرمایا کہ "جمال پر مشغولیت میں ایسا وقت بھی آتا ہے جب سوائے اللہ تعالی کے کوئی شے ان کے دھیان میں نہیں ہوتی"۔ آپ کی قبر نظام الاولیا کے مزار کے قریب ہے۔

خواجہ کریم الدین سمرقندی قدس سرہٗ [۲۶۳]

آپ اپنے ملک کے بادشاہوں کے وزیر[۲۶۴] تھے۔ جب ازلی سعادت آپ کے موافق ہوئی تو سب کچھ چھوڑ چھاڑ کر ہندوستان آگئے اور فرید الاولیا گنج شکر کے مریدوں میں شامل ہو گئے۔ بعد میں حضرت کی دامادی کی نسبت سے مشرف ہوئے۔ شیخ الاسلام فرید الاولیا کی وفات کے بعد آپ دہلی میں آگئے اور حضرت نظام الاولیا سے خلافت حاصل کی۔

امیر خسرو اور خواجہ حسن ہمیشہ آپ کی صحبت میں راحت محسوس کرتے تھے اور ضیاء الدین برنی اپنی تصنیفات اصلاح کی غرض سے آپ کی خدمت میں پیش کرتے تھے۔

جب سلطان المشائخ کا وصال ہو گیا تو سلطان محمد تغلق نے آپ کو دہلی کا شیخ الاسلام مقرر کیا اور "انوار الملکی" کے خطاب سے آپ کے امتیاز کو روشن کیا۔ آپ کے بیٹے خواجہ احمد اور خواجہ نظام الدین اپنے عہد کے یگانہ لوگوں میں شمار ہوتے تھے اور اپنے خاندانی اوصاف و کمالات کے حقیقی وارث تھے۔ دونوں بھائیوں کی قبریں دہلی میں ہیں۔

مولانا فصیح الدین قدس سرہٗ[۲۶۵]

آپ اصول اور فقہ کے علوم[۲۶۶] میں عضد الملة قاضی عضد[۲۶۷] کے ہم پایہ تھے اور سلطان المشائخ کے مریدوں میں شامل تھے۔

کہا جاتا ہے کہ آپ اور قاضی محی الدین کاشانی ایک ساتھ پہلی مرتبہ نظام الاولیا کی خدمت میں حاضر ہوئے اور بیعت ہونے کی درخواست کی۔ نظام الاولیا نے قاضی صاحب کو مرید کر لیا اور ارادت کی کلاہ انھیں پہنائی اور آپ سے وعدہ فرمایا کہ استخارہ کرنے کے بعد بیعت کروں گا۔ اس نعمت سے فی الوقت محروم رہنے کے سبب آپ بے حد رنجیدہ و ملول ہوئے۔ بہرحال جب دوسری بار حضرت سلطان المشائخ کی خدمت میں حاضری دی تو آپ کی درخواست منظور کر لی گئی اور حضرت نے نہایت خوشی کے ساتھ آپ سے بیعت لی۔

حضرت سلطان المشائخ کے وصال سے چند سال پیشتر آپ کا انتقال ہوا۔ آپ کا مزار دہلی میں ہے۔[۲۶۸] سلطان المشائخ آپ کے رفیق قاضی محی الدین کاشانی پر بہت زیادہ عنایت فرماتے تھے اور جس مجلس میں وہ حاضر ہوتے اس مجلس میں سلطان المشائخ حقایق و معارف زیادہ بیان فرماتے۔

قاضی صاحب کا ذکر سلسلہ چشتیہ کے بزرگوں کی تصانیف میں بہت سے مقامات پر کیا گیا ہے۔ جس کسی کو قاضی صاحب کے بارے میں زیادہ معلومات حاصل کرنے کی خواہش ہو وہ ان تصانیف کا مطالعہ کریں۔

مولانا شہاب الدین امام قدس سرہٗ[۲۶۹]

آپ نظام الاولیا کے امام[۲۸۰] تھے۔ کلام الٰہی کے لفظی اور معنوی اعتبار سے حافظ تھے۔ آپ کی قرآت میں روانی کا حسن تھا اور ایسی روش کے ساتھ تلاوت کرتے تھے کہ سننے والے یہ محسوس کرتے کہ وہ کلیم الٰہی کی بزم کے ہم نشیں ہیں۔

خواجہ خسرو رحمتہ اللہ علیہ آپ سے بے حد اخلاص و اعتقاد رکھتے تھے اور انھوں نے اپنی تصانیف میں آپ کی بے حد تعریف کی ہے۔ یہاں تین شعر نقل کیے جاتے ہیں۔

چوں از د موج زد کلام احد　　　　نفد البحر قبل ان تنفد

اوچو ابرِ کرم بفرقِ جہاں　　　زیرِ کان چوں صدف کشادہ دہان

مسِ من گشت کیمیا ازوی　　　شمعِ من یافتہ ضیا ازوی

(ترجمہ) جب ان کی زبان سے حق تعالیٰ کی تعریف کا کلام جاری ہوا تو قبل اس کے کہ کلام ختم ہو سمندر ختم ہو گیا۔

وہ دنیا کے سر پر ابر کرم کی مانند ہیں اور سمجھدار لوگ صدف کی طرح منہ کھولے اس امید میں ہیں کہ شاید کوئی قطرہ ان کے نصیب میں بھی ہو۔

میری ہستی کا تانبا ان کی ذات کے فیض سے کیمیا بن گیا اور میرے وجود کی شمع نے ان سے روشنی حاصل کی ہے۔

شیخ رکن الدین دہلوی قدس سرّہٗ

آپ شیخ شہاب الدین امام کے بیٹے تھے۔ آپ اپنے زمانے کے ولیوں میں شمار ہوتے ہیں۔ آپ نے شیخ بزرگ نظام الاولیا کی خدمت میں حاضری کی سعادت حاصل کی نیز ان کے عظیم خلفا کی صحبت میں رہ کر آخرت کی سعادت سے بہرور ہوئے۔ آپ نے حضرت نظام الاولیا سے بیعت کی اور خرقہ خلافت اپنے والد بزرگوار سے حاصل کیا۔ حضرت مسعود[۲۸۱] بک آپ ہی کے مرید تھے اور آپ کے واسطے سے ان کی نسبت سلطان الاولیا سے قایم ہوتی ہے۔ آپ کی قبر سرائے لاڈو میں اپنے والد کے پہلو میں ہے۔

شیخ کبیر اولیا قدس سرّہٗ

اس شہر کا ایک گروہ آپ کی بزرگی کے بارے نیک گمان رکھتا ہے لیکن تذکروں میں اور دیگر تصانیف میں آپ کے حالات بہت کم بیان کیے گئے ہیں البتہ اتنا معلوم ہے کہ آپ سلطان محمد تغلق کے خاص خادم، معتمد اور امانت دار امیر تھے۔ سلطان کی بارگاہ میں آپ سے زیادہ مقرب کوئی اور شخص نہ تھا۔ آپ اعلیٰ اخلاق اور پسندیدہ اوصاف کے بزرگ تھے۔

بیان کرتے ہیں کہ اپنے عہد حکومت کے وسطی دور میں، سلطان محمد تغلق کے دل میں خیال پیدا ہوا کہ بحکم الائمة من القریش[282] یعنی امام قریش سے ہوں گے۔ عباسی خلیفہ ہمارے زمانے کے امام ہیں۔ ان کے حکم اور اجازت کے بغیر بادشاہت اور حکومت جائز نہیں ہے لہذا ان سے حکم نامہ اور اجازت کی درخواست کی جائے۔ چنانچہ غیر معمولی عنوانات کی چند عرضیاں اور خطوط تحریر کیے گئے اور ایک وفد بیش قیمت تحفوں کے ساتھ خلیفہ کے حضور پیش ہونے کے لیے مصر روانہ کیا گیا تاکہ وہ محمد تغلق کے لیے پرچم ولایت اور سند حکومت حاصل کرے۔

خلیفہ نے کبیر اولیا کو اپنی بعض خدمات کے سبب جو آپ نے سر انجام دیں "قبول" کا خطاب عطا کیا۔ چنانچہ جب تک آپ زندہ رہے لوگ آپ کو قبول خلیفہ کہتے تھے۔ آپ کی وفات[283] سلطان محمد تغلق کے عہد حکومت میں ہوئی۔

خواجہ موید الدین انصاری قدس سرہٗ

آپ نظام الاولیا کے مریدوں اور نیاز مندوں میں شامل[284] تھے۔ اللہ تعالی کی توفیق اور عالم غیب کی کشش سے ظاہری اور معنوی علوم کی سعادت حاصل ہوئی۔ آپ کے باطن میں سماع و سرود کا ذوق موجزن رہتا تھا۔ آپ کی قبر حضرت نظام الدین اولیا کے مزار مبارک کے احاطے میں ہے۔

کہتے ہیں کہ خواجہ موید الدین کے کوئی اولاد نہ تھی۔ اس محرومی کے سبب آپ بہت غم زدہ اور مضطرب رہتے تھے۔ حضرت نظام الاولیا نے آپ کو صاحب اولاد ہونے کی بشارت دی۔ حق تعالی نے آپ کو ایک سعادت مند فرزند عطا کیا جس کا نام نور الدین محمد تھا۔ اس نے آپ کی تربیت اور پرورش میں رہ کر ظاہری اوصاف اور باطنی کمالات حاصل کیے نیز شرعی اور باطنی علوم سے بھی کامل استفادہ کیا۔

شیخ حیدر قدس سرہٗ

آپ سلطان المشائخ کے باکمال مریدوں[285] میں تھے۔ آپ کو تنہائی اور خلوت پسند تھی۔ انجمن میں خلوت آپ کے مزاج کی خصوصیت تھی۔ حالانکہ آپ کو خلافت کا رتبہ حاصل تھا لیکن سب سے الگ تھلگ

گمنامی میں زندگی بسر کی۔ اپنے لباس یا طور طریقوں میں کسی طرح کا امتیاز پیدا نہ ہونے دیا بلکہ عام لوگوں کی طرح ان ہی کے رنگ ڈھنگ میں رہتے تھے۔ پیری مریدی کی ذمہ داری سے آزاد رہے۔ آپ نے اپنی عمر اس طرح بسر کی کہ جو سانس لیتے تھے یاد الٰہی کے ساتھ لیتے تھے۔ غفلت کو کسی وقت راہ نہ دی۔ جب آپ کی وفات ہوئی تو قطب الاولیا جانے والے راستے میں واقع سرائے لاڈو میں دفن ہوئے[۲۸۶]۔

شیخ ابوبکر مصلّٰی[۲۸۷] بردار قدس سرّہٗ[۲۸۸]

آپ نظام الاولیا کے مرید[۲۸۹] تھے اور حضرت کی جانماز کی نگہداشت آپ کے ذمے تھی۔ ذوق و شوق اور عشق و محبت کی والہانہ کیفیت کے ساتھ ساتھ جود و سخا کا پیکر تھے۔ سماع سے بہت زیادہ رغبت تھی۔ جب آپ سماع میں رقص کرتے تو ایسا محسوس ہوتا تھا کہ خانقاہ کے در و دیوار رقص کر رہے ہیں۔ حاضرینِ مجلس پر گریہ و بکا طاری ہو جاتا اور ان کے نالے آسمان تک پہنچ جاتے۔ آپ میں کمال درجے کا توکل اور قناعت تھی۔ دنیا اور اس کے معاملات سے بے نیازی کا یہ حال تھا کہ کبھی اپنے گوشہ فقر و درویشی سے قدم باہر نہیں نکالا اور کسی امیر اور صاحب دولت کے آستانے پر نہیں گئے۔ آپ کی قبر[۲۹۰] حضرت سلطان المشائخ کے روضہ متبرکہ کے قریب ہے۔ آپ فرماتے تھے۔ "ایک دفعہ سلطان المشائخ نے اپنا جبہ مجھے عطا فرمایا۔ میں نے اس عطا کا شکرانہ جمع کیا تاکہ اسے شیخ کی خدمت میں پیش کروں۔ اس دوران میرے دوست نے کہا کہ تم نے اتنا اہتمام کیا ہے کہ یہ جبہ شکرانے کی قیمت کے برابر ہو جائے گا۔ مجھے اس کی یہ بات پسند نہیں آئی اور کچھ پریشان بھی ہوا، خیر میں شکرانہ لے کر سلطان المشائخ کی خدمت میں حاضر ہوا۔ آپ نے خادم سے کہا کہ اس سے ایک سیر گھی سے زیادہ نہ لینا۔ میں نے عرض کیا کہ مخدوم یہ تو بہت معمولی چیز ہے حضور تمام کا تمام قبول فرما لیں۔ میری گزارش پر آپ مسکرائے اور فرمایا پھر تو یہ جبہ شکرانے کی قیمت کے برابر ہو جائے گا"۔

خواجہ عزیز الدین قدس سرّہٗ[۲۹۱]

آپ خواجہ ابوبکر کے جن کا ذکر اوپر آچکا ہے، بیٹے[۲۹۲] تھے۔ شریعت اور طریقت کی راہ میں مضبوط قدم تھے۔ آغاز شباب سے آخرِ عمر تک کسی نماز کی تکبیر تحریمہ آپ سے فوت نہیں ہوئی۔ حضرت سلطان المشائخ

کے روضۂ مقدسہ میں نماز کے وقت پہلے سے موجود ہوتے اور امام کے ساتھ نماز ادا کرتے۔ ہمیشہ مزار مبارک کے آس پاس پھرتے رہتے کبھی باہر نہ جاتے۔ ہر شب جمعہ ایک قرآن ختم کرتے۔ آپ کی قبر مزار مبارک کے احاطے میں ہے۔

مولانا شمس الدین یحییٰ قدس سرّہٗ

آپ سلف صالحین کے طریقے پر زندگی بسر کرتے تھے۔[۲۹۳] رسمی باتیں اور مروجہ تکلفات جو دینی حلقوں میں پیدا ہوگئے تھے آپ ان سے قطعی طور پر بے گانہ تھے۔ دنیاوی معاملات و تعلقات سے اپنے آپ کو آزاد رکھا۔ ساری عمر شادی نہیں کی۔ شیخ نظام الدین اولیا کے عظیم خلفا میں سے تھے۔ اپنے عہد کے بڑے عالموں میں آپ کا شمار ہوتا تھا۔ شہر دہلی کے اکثر لوگ آپ کی شاگردی پر فخر کرتے تھے۔ شیخ نصیر الدین محمود قدس سرہ بھی آپ کے شاگردوں میں سے تھے۔ آپ علم شریعت اور علم طریقت سے کامل طور پر بہرہ مند تھے۔ علم دین میں آپ کی بہت سی تصانیف ہیں مثلاً شرح مشارق وغیرہ۔ اسی طرح تصوف و سلوک میں آپ نے رسائل تحریر کیے ہیں جن میں سے شمسیۃ المعارف بہت مشہور ہے۔

حضرت سلطان المشائخ سے تعلق قایم ہونے کا واقعہ یوں[۲۹۴] ہے کہ جب آپ اودھ سے جو آپ کا اصل وطن تھا، تعلیم حاصل کرنے کی غرض سے دہلی آئے تو شہر کے ایک ذی حیثیت عالم سے جن کے علم کی بڑی شہرت تھی، بزدوی اور اصول[۲۹۵] پڑھنا شروع کیا۔ اس تعلیم کے دوران آپ نے سلطان المشائخ کی عظمت و کرامت کا شہرہ سنا تو اپنے ایک ہم[۲۹۶] سبق کے ساتھ تحقیق حال کے لیے اس علم لدنی کے دریا کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ دونوں نے پہلے سے یہ طے کر لیا تھا کہ ہم صرف رسمی سلام کریں گے (زیادہ تعظیم نہ کریں گے) لیکن جوں ہی دونوں کی نظر سلطان المشائخ کے جمال جہاں آرا پر پڑی ہیبت زدہ ہو گئے اور بے اختیار اپنے سر زمین پر رکھ دیے اور ایک جانب بیٹھ گئے۔ حضرت نے دریافت فرمایا کہ تم لوگ شہر میں رہتے ہو اور تعلیم حاصل کر رہے ہو؟ آپ نے عرض کی جی ہاں! ہم مولانا ظہیر الدّین[۲۹۷] سے بزدوی پڑھ رہے ہیں۔ سلطان المشائخ نے آپ کے بتائے بغیر آپ کے آخری سبق میں جو مشکلات تھیں اور جنھیں آپ کے اساتذہ حل نہ کر سکے تھے ان کی نشان دہی کی۔ یہ سن کر دونوں سخت حیرت زدہ ہوئے اور عرض کیا کہ ہمارا سبق یہی ہے اور یہی مشکلات ہیں جو فی الواقع حل طلب ہیں۔ سلطان المشائخ نے تبسم فرمایا اور جو مشکلات تھیں انھیں تشفی بخش طریقے پر حل فرما دیا۔ اس واقعہ کے بعد آپ اور آپ کے ہم سبق جن کا نام مولانا صدر[۲۹۸] الدین تھا اور جو ذہین طالب علم تھے، سلطان المشائخ کے پکے معتقد اور سچے مخلص بن کر مجلس مبارک سے واپس ہوئے۔ کچھ دنوں کے بعد آپ

حضرت کے مریدوں میں شامل ہو گئے اور مرتبہ خلافت تک پہنچے۔

سیرالاولیا[299] کے مصنف نے تحریر کیا ہے کہ اگرچہ آپ خاص فضیلتوں اور بلندیوں کے حامل تھے لیکن جب درجہ خلافت پر سرفراز ہوئے تو بہت کم لوگوں کو مرید کرتے تھے بلکہ اکثر فرماتے تھے کہ اگر خلافت نامے پر سلطان المشائخ کے دستخط خاص نہ ہوتے تو میں اس کی حفاظت نہ کرتا۔ حقیقت یہ ہے کہ آپ کی بزرگی اور عظمت اس سے کہیں زیادہ ہے کہ اس رسالے میں تحریر کی جائے۔ بہرحال قلم کو کچھ دیر اس طرف مصروف رکھ کر اب آپ کے کلمات کی جانب جو حقایق سے لبریز ہیں آتا ہوں۔ یہ نو کلمات ہیں:

کلمہ ۱۔ شمسیۃ المعارف میں احمد غزالی کا قول نقل کیا ہے، فرمایا موت کے شب خون سے احتیاط کرنا لازمی ہے (موت کو ہمیشہ یاد رکھیں) تمام مخلوق شب غفلت کی تاریکی میں سو رہی ہے، جب موت آئے گی تو ان کی صبح ہو گی۔ موت ہی سے قیامت اور بہشت روشن ہوں گے۔ مات ابوک و ھو اصلک و مات اخوک و ھو وصلک و مات ابنک و ھو فرعک فماذا تنظر بعد فنا الاصل والوصل والفرع یعنی تیرا باپ مر گیا وہ تیری جڑ ہے، تیرا بھائی مر گیا وہ تیرا پیوند ہے، تیرا بیٹا مر گیا وہ تیری شاخ ہے۔ اب جڑ، پیوند اور شاخ کے فنا ہونے کے بعد کس بات کا انتظار ہے؟

مجلس وعظ رفتنت ہوس است　　　　مرگ ہمسایہ واعظ تو بس است[300]

(ترجمہ) اے بھائی! تیرا وعظ کی مجلس میں جانا محض ہوس ہے ورنہ ہمسایے کی موت تیری عبرت کے لیے کافی ہے

کلمہ ۲۔ اسی[301] پاکیزہ القاب کتاب میں مرقوم ہے کہ حاتم اصم[302] نے فرمایا، شیطان ہر روز مجھے وسوسے میں ڈالتا ہے کہ آج کیا کھاؤ گے میں اسے جواب دیتا ہوں موت۔ وہ پوچھتا ہے کیا پہنو گے میں کہتا ہوں کفن۔ وہ پھر دریافت کرتا ہے کہاں رہو گے میں کہہ دیتا ہوں قبر میں۔ بالآخر وہ جھلا کر کہتا ہے تم عجیب ٹیڑھے شخص ہو اور پھر مجھ سے الگ ہو جاتا ہے۔

کلمہ ۳۔ اسی تصنیف میں یہ نکتہ بیان کیا گیا ہے کہ جب تک اللہ تعالی کے حکم کی تعظیم انتہا درجے تک نہ پہنچ جائے مخلوق پر شفقت[303] کا مقام حاصل نہیں ہو سکتا۔ حقیقت یہ ہے کہ جس نوعیت کی شفقت پانچ ہستیاں پانچ ہستیوں پر کرتی ہیں ایسی شفقت کوئی دوسری ہستی نہیں کر سکتی۔ اول اللہ تعالی کی رحمت بندے پر، دوم نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی شفقت امت پر، سوم شیخ کی حمیت اپنے مرید کے لیے، چہارم بادشاہ کی شفقت رعایا پر اور پنجم ماں باپ کی محبت اولاد کے لیے۔

کلمہ ۴۔ اسی کتاب میں یہ بھی ہے کہ لوگوں نے مشک سے کہا کہ تجھ میں ایک عیب ہے اور وہ یہ کہ تو سب لوگوں کو خوشبو دیتا ہے اور یکساں خوشبو دیتا ہے۔ مشک نے جواب دیا کہ میں اس پر نظر رکھتا

ہوں کہ میں کون ہوں یہ نہیں دیکھتا کہ میرا واسطہ کس سے ہے۔

کلمہ ۵۔ شمسیۃ المعارف میں یہ بھی بیان کیا گیا ہے کہ مخدوم یعنی سلطان المشائخ نے مولانا قطب الدین منور[۳۰۴] کو وصیت فرمائی کہ اپنے دل حق تعالی کی جانب رکھو اور گفتگو خواہ مباح ہی کیوں نہ ہو اس سے بھی پرہیز کرو۔

شب رفت حدیث اند کی کن　　　　یک را دو مکن دو را یکی کن

(ترجمہ) رات ختم ہونے والی ہے بات مختصر کرو جو ایک ہے اسے دو مت کرو بلکہ دو کو ایک کر دو

کلمہ ۶۔ حقیقی توبہ کی علامت یہ ہے کہ گناہ کے ذکر سے لذت پیدا نہ ہو (بلکہ گھن آنے لگے) جو شخص گناہوں کو حسرت اور ندامت کے ساتھ یاد کرتا ہے وہی حقیقی تایب ہے اور جو ارادتاً گناہوں کو یاد کرتا ہے اس کا دل گناہ سے پاک نہیں ہوا کیونکہ گناہ کے فعل سے ایک ہی وقت گنہگار ہوتا ہے۔ جب کہ گناہ کے خیال میں مبتلا رہنے سے ہمہ وقت گنہ گار رہتا ہے۔

اے اوحد ہمہ روز تبہ کار تری　　　　موی تو سپید و تو سیہ کار تری

زیں توبۂ نادرست دم را در کش　　　　روزی کہ کنی توبہ گنہ کار تری

(ترجمہ) اے اوحدؔ تمام عمر تیرا عمل خراب رہا، اب جب کہ تیرے بال سفید ہو گئے تو زیادہ ہی سیہ کار ہے بھائی! اس غلط توبہ سے باز آ کیونکہ جب تو جھوٹی توبہ کرتا ہے زیادہ گنہ گار ہو جاتا ہے۔

کلمہ ۷۔ راہ تصوف میں پہلا قدم یہ ہے کہ مخلوق کی زبان تیرا انکار کرے یعنی تجھے اچھا نہ کہے کیونکہ جب تک تیرے دل میں اپنی بڑائی اور دوسروں کی تحقیر کا نقش جما ہوا ہے مخلوق کے انکار سے بھی کچھ حاصل نہ ہو گا (روحانی ترقی کا راز یہ ہے کہ تو اپنے آپ کو کمتر اور دوسرے کو بہتر سمجھے) لوگوں نے خواجہ حسن بصری رضی اللہ عنہ سے پوچھا کہ آپ بہتر ہیں یا کتا۔ انھوں نے فرمایا کہ اگر میں عذاب دوزخ سے چھوٹ جاؤں تو میں بہتر ہوں ورنہ کتا بہتر ہے۔

کلمہ ۸۔ سلطان المشائخ کا قول ہے کہ پہلا گناہ جو انسان سے ظاہر ہوتا ہے لالچ ہے کیونکہ ابلیس نے لالچ دینے کی تدبیر کی کہ میں حضرت آدم صلوت اللہ علیٰ نبینا علیہ کو اسی تدبیر سے بہشت سے نکلوا سکتا ہوں اور حضرت آدم نے بھی لالچ کیا کہ میں ہمیشہ ہمیشہ جنت میں رہوں گا۔

طمع راسہ حرف است و ہرسہ تہی　　　　ازاں نیست در کار طامع بہی

(ترجمہ) طمع کے تین حرف ہیں اور تینوں ہی نقطے سے خالی ہیں اسی سبب سے طمع کرنے والے کو کبھی بھلائی حاصل نہیں ہوتی۔

کلمہ ۹۔ قوت القلوب[305] سے نقل فرمایا "من اشتری مالا یحتاج الیه. باع ما یحتاج الیه فضول الدنیا لا یحتاج الیه والدین یحتاج علیه. فلا ینبغی للعاقل ان یبیع ما یحتاج الیه من دینه یشتری مالا یحتاج الیه من دنیا" یعنی جس شخص نے وہ چیز خریدی جس کی ضرورت نہیں ہے اس نے فضول خرچی کی اور دین کی ہمہ وقت ضرورت ہے پس وہ شخص عقل مند نہیں ہے جو دین کو بیچ دے اور اس کے بدلے میں دنیا جس کی ضرورت نہیں ہے خرید لے۔

آپ کی بعض کرامات اور وفات کا ذکر:

اگرچہ آپ کا مرتبہ اس سے بلند تر ہے کہ آپ کی کرامات کا ذکر کیا جائے تاہم ضروری ہے کہ ان میں سے بعض کرامات کا ذکر کیا جائے جو آپ کی وفات کے قریب زمانے میں ظاہر ہوئیں اور جن میں آپ کی وفات بھی شامل ہے۔

سیر الاولیا[306] کے مصنف نے مولانا سلیمان کی زبانی، جو شیخ نصیر الدین محمود کے مرید اور خادم تھے نقل کیا ہے کہ جمعہ کا دن تھا میں نماز کے بعد مولانا شمس الدین قدس سرہ کی خدمت میں حاضر ہوا۔ آپ مجھ سے پہلے مسجد سے گھر تشریف لے آئے تھے اور لکھنے میں مشغول تھے۔ جب میں نے دیکھا کہ آپ لکھنے میں مصروف ہیں تو میرے دل میں خیال گزرا کہ نماز جمعہ کے بعد مشائخ کا یہ دستور نہیں ہے کہ کتابت کے کام میں مشغول ہو جائیں (وہ مشغول بحق ہوتے ہیں) جوں ہی یہ خیال میرے دل میں آیا معاً آپ نے کتابت چھوڑ کر میری جانب دیکھا اور فرمایا، سلیمان میں اس کام سے بھی غافل نہیں ہوں۔ یہ بات سن کر اور آپ کے کشف باطنی کا مشاہدہ کر کے میں سخت حیرت میں مبتلا ہوا اور میرے دل میں آپ کا اعتقاد پہلے سے زیادہ ہو گیا۔

حضرت مخدوم شیخ عبدالحق محدث دہلوی نے اخبار الاخیار[307] میں بیان کیا ہے کہ جس زمانے میں سلطان محمد تغلق نے قہر و سزا کی تلوار رعایا پر عموماً اور مشائخ پر خصوصاً تان رکھی تھی اس نے آپ کو اپنے دربار میں طلب کیا اور کہا کہ آپ جیسے عالم کا اس شہر میں رہنے سے کوئی فائدہ نہیں ہے، بہتر ہے کہ آپ کشمیر چلے جائیں اور وہاں کے بتخانوں میں بیٹھ کر لوگوں کو اسلام کی دعوت دیں۔ آپ بادشاہ کے دربار سے اسباب سفر فراہم کرنے کے ارادے سے نکلے۔ بادشاہ کے آدمی آپ کے ساتھ چلنے لگے تاکہ آپ کو جلد روانہ کر دیں۔ آپ نے اہل مجلس سے مخاطب ہو کر فرمایا یہ لوگ مجھ سے کیا کہنا چاہتے ہیں۔ میں نے اپنے شیخ کو خواب میں دیکھا ہے کہ مجھے بلا رہے ہیں۔ میں اپنے آقا کی خدمت میں جا رہا ہوں معلوم نہیں یہ لوگ کہاں بھیجنا چاہتے ہیں۔ دوسرے دن آپ کے سینہ مبارک پر ایک پھوڑا نکل آیا اور آپ بیمار ہو گئے۔ بادشاہ کو خبر ملی تو اس نے حکم دیا کہ آپ کو یہاں لایا جائے شاید حیلہ بہانہ کر رہے ہیں۔ بادشاہ کے ملازم حقیقت معلوم کر کے واپس آگئے

اس واقعہ کے چند دن بعد آپ اللہ تعالیٰ کی رحمت کے جوار میں چلے گئے۔

آپ کی قبر شریف[308] یاروں کے چبوترے کے قریب ہے اور اس ذرہ حقیر نے (مصنف کتاب ہٰذا نے) بعض کتابوں میں پڑھا ہے کہ عرس کے دنوں میں ایک غزل سننے سے آپ کی حالت دگرگوں ہو گئی۔ نالہ و فغاں اور سوز و گداز کا عالم طاری ہو گیا اور اسی کیفیت میں آخرت کے عالم میں چلے گئے۔

مولانا وجیہہ الدین پایلی قدس سرہٗ

آپ شیخ نظام الدین اولیا کے اصحاب، مریدین اور خلفا میں شامل تھے[309]۔ آپ کی ذات میں علم ظاہری اور علم باطنی دنوں علوم جمع تھے۔ سخت سے سخت مجاہدوں، دنیا اور اہل دنیا سے کامل بے تعلقی، فقر و فاقہ ظاہری اور باطنی خوبیوں میں آپ لاثانی تھے۔ عبادت، پرہیز گاری، تقویٰ اور اپنے شیخ کے کامل اخلاص اور اعتقاد میں ممتاز تھے۔ حضرت سلطان المشائخ بھی آپ پر بے حد عنایت اور توجہ فرماتے تھے۔

کہا جاتا ہے کہ سلطان المشائخ سے آپ کی وابستگی اور تعلق کا سبب یہ ہوا کہ خضر علیٰ نبینا و علیہ السلام کی آپ سے ملاقات تھی اور یکجا ہونے کا بھی اتفاق ہوتا تھا۔ انھوں نے آپ کو ہدایت کی کہ تم سلطان المشائخ کے مرید ہو جاؤ۔ چنانچہ حضرت خضر کے فرمانے کے بموجب آپ سلطان المشائخ کی بیعت سے مشرف ہوئے۔

سیر الاولیا[310] میں بیان کیا گیا ہے کہ ایک مرتبہ آپ سلطان المشائخ کی خدمت میں حاضر ہونے کے لیے روانہ ہوئے۔ ناگاہ ایک بوڑھا آدمی جس کی وضع قطع زاہدوں کی سی تھی، جانماز کندھے پر ڈالے، عصا ہاتھ میں لیے اور تسبیح گلے میں ڈالے آپ کے سامنے آیا۔ اس نے سلام کیا اور کہنے لگا کہ میں بہت دور سے آیا ہوں، مجھے کچھ علمی مسائل میں مشکلات درپیش ہیں۔ میں چاہتا ہوں کہ آپ انھیں حل کر دیں۔ آپ نے فرمایا اچھا بیان کیجیے۔ اس شخص نے عالمانہ انداز میں تقریر شروع کی تو آپ کو اس کے طرز کلام پر سخت حیرت ہوئی۔ بہر حال آپ نے تمام نکات کے تسلی بخش جواب دیے۔ جب وہ شخص علمی بحث کر چکا تو اس نے آپ سے دریافت کیا کہ آپ کہاں جا رہے ہیں۔ آپ نے فرمایا کہ میں سلطان المشائخ کی خدمت میں جا رہا ہوں۔ اس نے کہا کہ شیخ نظام الدین کا علم تو بہت معمولی ہے۔ تعجب ہے کہ آپ جیسا عالم و فاضل شخص ان کے پاس کیوں جا رہا ہے؟ وہاں جانے کا کیا فائدہ ہے؟ آپ نے فرمایا ایسا نہ کہیے، ان کا باطن علم لدنی سے آراستہ اور ظاہر علم شریعت سے مزین ہے۔ اس شخص نے کہا کہ میں نے سلطان المشائخ کو بارہا دیکھا ہے، ملاقات کی ہے

وہ زیادہ علم نہیں رکھتے ۔ آپ ان کے پاس نہ جائیں تو بہتر ہے ۔ اس شخص کی اس بات پر آپ کو بہت غصہ آیا اور آپ کی حالت متغیر ہو گئی اور آپ نے لاحول ولا قوۃ الا باللہ پڑھا[311] ۔ وہ شخص اگرچہ قریب کھڑا تھا اس کلمہ کو سنتے ہی دور جا کھڑا ہوا ۔ آپ سمجھ گئے کہ یہ شخص ابلیس ہے ۔ آپ نے لاحول کی تکرار شروع کر دی یہاں تک کہ وہ شخص نظر سے بالکل غائب ہو گیا ۔ جب آپ سلطان المشائخ کی خدمت میں پہنچے تو اس واقعہ کے بارے میں کچھ عرض کرنے سے پیشتر سلطان المشائخ نے نور باطن سے معلوم کر لیا اور فرمایا مولانا تم نے اس شخص کو خوب پہچانا ورنہ وہ تمھیں راستے سے بھٹکا ہی دیتا ۔

آپ ظاہری علوم میں اس درجہ کمال حاصل کر چکے تھے کہ جس وقت آپ درس دیتے تو بڑے بڑے علما اس میں شریک ہوتے اور ادب کے ساتھ بیٹھتے ۔ آپ اپنے پاس کوئی کتاب نہ رکھتے تھے لیکن درس میں مسائل پر بحث کرنے کا یہ عالم تھا کہ جب دوسری بار اس مسئلے پر بحث کرتے تو دوسرے انداز سے کرتے ۔ ایک مرتبہ آپ شیخ فرید الحق والدین کے مزار مبارک کی زیارت کے لیے اجودھن گئے ۔ جب مزار کے قریب پہنچے تو ایک آواز سنائی دی ۔ "اے ابو حنیفہ پاپلی خوش آمدید"

اللہ تعالی نے آپ کو اعلی فہم عطا فرمائی تھی لیکن بعض غافل لوگ بغیر سمجھے بوجھے اسے دیوانگی اور ذہنی خلل قرار دیتے تھے ۔ اسی اعتبار سے اس حدیث کے مطابق کہ **لایکمل ایمان المرء حتی یقال انہ مجنون**[312] یعنی کسی شخص کا ایمان کامل نہیں ہوتا جب تک وہ لوگوں میں دیوانہ مشہور نہ ہو جائے ۔ ان کی شہرت دیوانگی بھی ان کی بزرگی اور عظمت کی ایک دلیل ہے ۔

آپ کی وفات دہلی میں ہوئی ۔ مزار حوض شمسی کے قریب قاضی کمال الدین اور قتلغ خاں کے حظیرے میں جو آپ کے شاگرد تھے دونوں کی قبروں سے ذرا اوپر واقع ہے ۔

امیر خسرو دہلوی قدس سرہٗ

آپ کا لقب[313] یمین الدین اور کنیت ابوالحسن تھی ۔ والد کا اسم گرامی امیر سیف الدین تھا ۔ وہ ایک نیک فطرت خدا ترس اور عبادت گزار شخص تھے اور ترکوں کے ایک قبیلے لاچین کے سرداروں میں سے تھے ، جو بلخ کے قرب و جوار میں آباد تھا ۔ وہاں سے ترک وطن کر کے قصبہ پٹیالی میں ، جو دریائے گنگا کے کنارے واقع ہے ، رہائش اختیار کی ۔ ان کے تین بیٹے تھے جن میں امیر خسرو سب سے چھوٹے تھے ۔ جب آپ آٹھ سال کے تھے تو آپ کے والد سلطان المشائخ کی عظمت و بزرگی کا شہرہ سن کر اپنے تینوں صاحبزادوں کے ساتھ

سلطان المشائخ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور حضرت کے مریدوں میں شامل ہو گئے ۔ سلطان المشائخ سے بیعت کرنے کے بعد آپ کے والد وطن اصلی میں واپس آگئے اور پچاس سال کی عمر میں درجہ شہادت پر فائز ہوئے ۔ ان کے تینوں فرزند موروثی حق کی بنا پر شاہی لشکر میں ملازم ہوگئے۔ جب مبارک شاہ کی وفات ہوئی تو امیر خسرو سلطان المشائخ کی خانقاہ پر حاضر ہوئے اور اس نیت کے ساتھ دروازے پر بیٹھ گئے کہ جب سلطان المشائخ خود یاد فرمائیں گے تو اندر داخل ہوں گا ورنہ واپس چلا جاؤں گا ۔ اس اثنا میں ایک خادم باہر نکلا اور کہا کہ وہ ترک جو ابھی ابھی آیا ہے کہاں ہے اندر آجائے۔ آپ اندر داخل ہوئے اور اپنا سر زمین پر رکھ دیا ۔ سلطان المشائخ نے بہت شفقت فرمائی اور فرمایا سر اٹھاؤ بہت خوب آئے ۔ چار ترکی ٹوپی اور برساتی عطا فرمائی آپ کی تربیت کی اور ایسی ہدایات دیں جس کی بدولت آپ نے ریاضت ، عبادت اور مجاہدوں کو اپنا شعار بنا لیا ۔ چالیس سال مسلسل روزے رکھے اور مرتبہ کمال کو پہنچے اور اولیائے امت میں شامل ہوئے ۔ آپ نے طی ارض کے ذریعے شیخ کے ہمراہ فریضہ حج ادا کیا ۔ پانچ مرتبہ خواب میں حضور سید کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت سے مشرف ہوئے ۔ آپ ہر رات تہجد میں سات پارے پڑھتے تھے ۔ سیرالاولیا کے مصنف کا قول ہے کہ اگرچہ ظاہری طور پر آپ کا ایک گونہ تعلق سلاطین کے ساتھ رہا اور ان کے دربار میں بہ حیثیت خوش طبع اور ظریف مشہور ہوئے لیکن آپ ان لوگوں میں سے تھے جن کے بارے میں یہ ضرب المثل صادق آتی ہے - "کمر بخدمت سلطان بہ بند و صوفی باش " (یعنی خواہ بادشاہ کی خدمت میں کمربستہ رہو لیکن ہر حال میں صوفی رہو) ایک دفعہ نظام الاولیا نے آپ کو ارباب دولت کی مصاحبت ترک کرنے سے متعلق ایک مکتوب لکھا اور اسے اس شعر پر ختم کیا ۔

آمد گہ آن کہ عہد با تازہ کنیم　　　شد آنچہ بشداي صنم گزشت آنچہ گزشت

(ترجمہ) اے محبوب اچھا ہے جو ہوا سو ہوا مگر اب تجدید عہد کی گھڑی آن پہنچی ہے

اس شعر کا مضمون آپ پر واضح ہو گیا اور انتہا درجے کی عبرت حاصل ہوئی ۔ آپ نے اپنے ظاہر کو باطن کی مانند بنا لیا اور پوری طرح درویشی کے کوچے میں آگئے ۔ آپ کے ظاہری اطوار اور سیرت میں صوفیوں کے طور طریق پیدا ہو گئے ۔ عشق و محبت کا ذوق کامل نصیب ہوا ، سماع اور وجد کی کیفیت آپ پر طاری ہو گئی ۔

شیخ نظام الدین نے ایک بار فرمایا کہ قیامت میں ہر شخص اپنی کسی بات پر فخر کرے گا ، میں ترک اللہ یعنی خسرو کے دل کے سوز پر ناز کروں گا ۔ آپ کے سوز دلی کا اثر آپ کے کلام میں نمایاں ہے ۔ چنانچہ اخبار الاخیار[۱۴] میں مرقوم ہے کہ فن شاعری میں مضامین کی ندرت ، معانی کی بلندی ، کلام کا اسلوب ، شاعری کی اقسام اور صنائع بدائع کو جس خوبی کے ساتھ امیر خسرو نے برتا ہے اور اس فن کو درجہ کمال تک پہنچایا ہے اگلے اور پچھلے شعرا میں کسی کو یہ مقام حاصل نہیں ہوا ۔ شاعری کے میدان میں کثرت اشعار کے لحاظ سے آپ

کی حیثیت سب میں یکتا ہے۔ نظم و نثر میں جو کمال آپ نے پیدا کیا، جو ظاہری اور معنوی خوبیاں پیدا کیں، اہل فن اس سے آشنا ہیں بلکہ آپ کو اس فن میں شہرت عام حاصل ہے۔ یہاں ان کو دہرانے کی خاص ضرورت نہیں۔

کہتے ہیں کہ جب امیر خسرو کی ولادت ہوئی تو امیر لاچین آپ کو کپڑے میں لپیٹ کر ایک مجذوب کی خدمت میں لے گئے، جو ان کے پڑوس میں رہتے تھے۔ ان مجذوب نے فرمایا تم اس بچے کو لائے ہو جو خاقانی سے دو قدم آگے بڑھ جائے گا۔ اخبار الاخیار[315] کے مصنف نے اس قول پر قیاس کیا ہے کہ دو قدم آگے بڑھ جانے سے شاید ان مجذوب کی مراد، مثنوی اور غزل کی اصناف ہوں کیونکہ قصیدے کے فن میں کوئی شخص خاقانی کے مقام تک نہیں پہنچا اور بالفرض اگر پہنچا بھی تو آگے نہیں بڑھ سکا۔

آپ نے اپنی بعض تصنیفات[316] میں تحریر کیا ہے کہ میرے اشعار کی تعداد پانچ لاکھ سے کم، چار لاکھ سے زیادہ ہے۔ علاوہ اشعار کے آپ کی تصانیف بھی بہت ہیں۔ کہا جاتا ہے کہ آپ نے ننانوے کتابیں تصنیف کیں۔

یہ[317] سب حضرت سلطان المشائخ کے لعاب دہن کی برکت اور فیضان کا نتیجہ ہے۔ عارف جامی قدس سرہ نے نفحات میں بیان کیا ہے کہ ایک مرتبہ خضر سے آپ کی ملاقات ہوئی۔ آپ نے ان سے عرض کیا کہ اپنا لعاب دہن میرے منہ میں ڈالیں۔ خضر علی نبینا و علیہ السلام نے فرمایا کہ جو نعمت تم طلب کر رہے ہو وہ سعدی کے نصیب میں تھی انھیں مل چکی۔ آپ ٹوٹے ہوئے دل کے ساتھ شیخ الاسلام شیخ نظام الدین کی خدمت میں حاضر ہوئے اور اپنی محرومی کا تمام واقعہ حضور میں سنایا۔ شیخ نے اپنا لعاب دہن آپ کے منہ میں ڈالا اور یہ رباعی لکھی۔

خسرو کہ بنظم و نثر مثلش کم خاست — ملکیت[318] ☆ ملک سخن آں خسرو راست

ایں خسروِ ماست ناصرِ خسرو[319] نیست — زیرا کہ خدای ناصرِ خسروِ ماست

(ترجمہ) نظم و نثر کے فن میں خسرو کی مثل کم لوگ ہوئے، مملکت شعر کی فرماں روائی خسرو ہی کے لیے ہے۔ یہ خسرو ہمارا خسرو ہے، ناصر خسرو نہیں ہے، ہمارے خسرو کا امتیاز یہ ہے کہ اس کا مددگار اور نگہبان اللہ تعالیٰ ہے۔

اس کی برکت سے آپ اگلے پچھلے شعراء کے گروہ میں حیران کن شخصیت کے حامل بنے اور یگانہ روزگار ہستیوں میں آپ کا شمار ہوا۔

☆ "ملکیت ملک سخن" کا کوئی قرینہ نہیں ہے۔ علاوہ ازیں ملکیت کی قرات سے مصرع کا وزن بھی ساقط ہو جاتا ہے۔ اس کے برعکس سیر الاولیا اور اخبار الاخیار میں یہ مصرع اس طرح تحریر ہے "ملکیتِ ملکِ سخن آں خسرو راست" یہی درست ہے چنانچہ اسی کے مطابق ترجمہ کیا گیا ہے۔ (مترجم)

فن موسیقی میں بھی آپ کی معلومات بے مثل تھیں۔ آپ نے اپنی دل کش غزلیں، جاں بخش رباعیاں، روح افزا قطعے اور دل آویز اشعار مختلف راگوں میں لکھے اور قوالوں کو ان کی مشق کرائی۔ آپ جب بھی کوئی نئی غزل یا شعر کہتے، سب سے پہلے سلطان المشائخ کے حضور پیش کرتے۔ اس کے بعد دوسرے لوگوں کو سناتے۔

آپ کے دل میں شیخ کے لیے انتہا درجے کا اعتقاد اور بے اندازہ محبت و اخلاص تھا اور شیخ بھی آپ پر بے حد شفقت و عنایت فرماتے تھے۔ شیخ نے اپنے دست مبارک سے جو مکتوبات آپ کے تحریر فرمائے ہیں ان میں سے ایک مکتوب بطور تبرک یہاں نقل کیا جاتا ہے۔

> "اپنے اعضا و جوارح (آنکھ، کان، زبان اور ہاتھ وغیرہ) کو برائیوں سے محفوظ کرنے کے بعد لازم ہے کہ جو امور شرع میں ناپسند ہیں، ان سے پرہیز کیا جائے۔ اپنے وقت کو پسندیدہ اعمال کی کوشش میں صرف کیا جائے۔ اپنی عمر عزیز کو جو تمام مرادوں کے حصول کا ذریعہ ہے غنیمت سمجھا جائے اور زندگی کو فضول اور بے مقصد کاموں میں صرف نہ کیا جائے۔ اگر کوئی بات یا حقیقت دل پر منکشف ہوئی ہے اور دل کو اس کے حق ہونے کا یقین ہے تو اس انکشاف کے مطابق عمل کرتا رہے کیونکہ سلوک میں انشراح صدر ہی قابل اعتبار ہے۔ نیز اپنے تمام کاموں میں کوئی قدم اٹھانے سے پہلے استخارہ کیا جائے اور تم پر سلامتی ہو"۔

حقیقت یہ ہے کہ سلطان المشائخ کی بارگاہ میں کسی کو یہ قرب و بے تکلفی حاصل نہ تھی جیسی آپ کو حاصل تھی۔ آپ ہر رات نماز عشا کے بعد جب سلطان المشائخ بالکل تنہا ہوتے، حاضر خدمت ہوتے۔ اس وقت ہر موضوع پر گفتگو ہوتی۔ حضرت کے مریدین اور خلفا کو جو کچھ عرض کرنا ہوتا وہ آپ سے کہتے اور آپ ان معروضات کو شیخ کی خدمت میں پیش کرتے۔ آپ نے اپنے شیخ محترم کی باتیں خواہ مجلس میں بیان ہوئیں یا خلوت میں، سب کو ایک کتاب میں جمع کیا ہے۔ وہ عنایتیں اور مرحمتیں جو شیخ نے وقتاً فوقتاً آپ کے حال پر فرمائیں، ان کو بھی آپ نے تحریر کیا ہے۔ ان میں سے چند عنایتوں کا ذکر یہاں کیا جاتا ہے:

"حضرت سلطان المشائخ نے بندے سے فرمایا میں سب لوگوں سے تنگ آجاتا ہوں لیکن تم سے تنگ نہیں آتا۔ ایک اور موقع پر ارشاد ہوا میں سب سے تنگ آجاتا ہوں یہاں تک کہ خود اپنے سے بھی تنگ آجاتا ہوں لیکن تم سے تنگ نہیں آتا۔

ایک مرتبہ حضرت کے مریدوں میں سے کسی نے عرض کیا کہ جن نظروں سے آپ امیر خسرو کو دیکھتے ہیں کبھی ایک نظر غلام پر بھی ڈال دیں۔ آپ نے اس کی موجودگی میں کچھ ارشاد نہ فرمایا۔ بعد میں بندے سے ارشاد ہوا، میرے دل میں اس وقت آیا تھا کہ اس سے کہہ دوں کہ پہلے امیر خسرو کی سی قابلیت اپنے اندر

پیدا کر۔

خواجہ نے اس بندے کے بارے میں خدا سے عہد کیا ہے کہ جب آپ بہشت میں داخل ہوں گے تو اس غلام کو اپنے ساتھ بہشت میں لے کر جائیں گے۔

ایک مرتبہ آپ نے فرمایا تم میرے حق میں دعا کرو کیونکہ تمھاری زندگی میری زندگی پر موقوف ہے۔ یہ بھی دعا کرو کہ تمھیں میرے پہلو میں دفن کریں۔ یہ بات خواجہ نے کئی مرتبہ بندے سے فرمائی ہے اور مجھے یقین ہے کہ انشاء اللہ تعالی ایسا ہی ہو گا۔[۳۲۱]

سیر الاولیا[۳۲۲] اور اخبار الاخیار[۳۲۳] میں لکھا ہے کہ جس وقت سلطان المشائخ رضائے الٰہی کے باغوں میں تشریف لے گئے (وفات پائی) اس وقت آپ دہلی میں موجود نہ تھے بلکہ سلطان محمد تغلق کے ہمراہ بنگال کی مہم پر گئے ہوئے تھے۔ اس الم ناک واقعہ کی خبر سننے کے بعد آپ دہلی آئے۔ شدت گریہ سے روتے تھے اور فراق شیخ کا ماتم کرتے تھے۔ آپ کی حالت دیوانوں جیسی ہو گئی۔ سیاہ ماتمی لباس پہنا اور شیخ کے مزار اقدس کے سامنے بیٹھے اور فرمایا۔ اے مسلمانو! میری کیا ہستی ہے کہ ایسے بادشاہ کے لیے روؤں اور ماتم کروں میں اپنے لیے رو رہا ہوں کہ شیخ کے بعد میری زندگی نہیں ہے۔

چنانچہ آپ نے شیخ کی وفات کے بعد اٹھارہ شوال کو انتقال فرمایا اور یہ بھی کہا جاتا ہے کہ تین ماہ بعد بروز بدھ نو ذی القعدہ☆ ۷۲۵ھ کو وفات پائی۔ یہی سال سلطان غیاث الدین تغلق شاہ کا سال وفات ہے۔ آپ نے بادشاہ کی وفات کے نو ماہ بعد وفات پائی اور شیخ کی پائینتی میں مدفون ہوئے۔[۳۲۴] لوگ آپ کی قبر کی زیارت کرتے ہیں اور برکت پاتے ہیں۔ کسی فاضل شخص نے آپ کی تاریخ وفات نکالی ہے۔

میر خسرو، خسروِ ملکِ سخن ۔۔۔ آن محیطِ فضل و دریایِ کمال
نثرِ او دلکش تراز ماء معین ۔۔۔ نظمِ اوصافی تراز آبِ زلال
بلبلِ دستان سرایِ بی قریں ۔۔۔ طوطیِ شکر مقالِ بی مثال
از پیِ تاریخ سالِ فوت او ۔۔۔ چوں نہادم سر بزانویِ خیال
شد عدیم المثل یک تاریخ وی ۔۔۔ دیگری شد طوطی شکر مقال

(ترجمہ) امیر خسرو ملک شاعری کے بادشاہ ہیں۔ آپ خوبیوں کو احاطہ کرنے والے اور کمالات کا دریا ہیں۔ آپ کی نثر بہتے ہوئے پانی سے زیادہ دلکشی رکھتی ہے اور نظم آب زلال سے زیادہ صاف اور شیریں ہے۔

☆ حضرت سلطان المشائخ قدس سرہ کا وصال بروز بدھ ۱۸ ربیع الثانی ۷۲۵ھ کو ہوا۔ ربیع الثانی کے بعد تیسرا مہینہ رجب کا آتا ہے اس لیے ذی قعد تحریر کرنا یا تو کسی کاتب کی غلطی ہے یا مصنف رحمۃ اللہ علیہ سے سہو ہوا ہے۔ (مترجم)

آپ اس بلبل کی مانند ہیں جس کی نغمہ ریزی بے مثل ہے اور اس طوطی کی طرح ہیں جس کی شیریں کلامی کی کوئی نظیر نہیں۔

جب میں نے آپ کے سال وفات کی تاریخ لکھنے کے لئے غور و فکر کیا (تو غیب سے میرے دل میں یہ بات ڈالی گئی کہ) ایک تاریخ "عدیم المثل" اور دوسری "طوطیِ شکر مقال" ہے۔

۷۲۵ھ ۷۲۵ھ

آپ کے روحانی تجربوں کے فوائد خواہ وہ نظم میں بیان کیے گئے ہوں یا نثر میں، ساری دنیا ان سے واقف ہے۔ لہٰذا اس رسالے میں انھیں تحریر کرنے کی چنداں ضرورت نہیں البتہ آپ کی ایک غزل جو اس وقت حافظے میں محفوظ ہے بطور تبرک تحریر کی جاتی ہے۔

ہمہ مستیِ خلق از ساغر و پیمانہ می خیزد	مرا دیوانگی زان نرگس مستانہ می خیزد
خوشم با آہ گرم امشب مدہ تشویشم ای گریہ	کہ خوش می سوزدم ایں آتشی کز خانہ می خیزد
ہمہ شب باخیال افسانہای درد می گویم	مرا ایں جملہ بی خوابی ازیں افسانہ می خیزد
خیالش در دلم می گشت پرسیدم چہ می جوئی	گیاہِ دوستی گفتا ازین ویرانہ می خیزد
من از خود سوختم نی از تو ای شمعِ پری رویان	ہلاکِ جانِ پروانہ ہم از پروانہ می خیزد
بپوش آن خال را بہر خدا از دیدہ مردم	کہ مسکیں مرغ غافل را بلا از دانہ می خیزد

چہ یاری باشد ایں آخر کہ ناری رحم بر خسرو
چنیں کز دردِ وی افغان زصد بیگانہ می خیزد[۳۲۵]

(ترجمہ) (۱) سب لوگوں کو جام شراب سے نشہ ہوتا ہے لیکن میری دیوانگی ساقی کی مست آنکھوں سے پیدا ہوتی ہے۔

(۲) اے گریہ آج کی شب مجھے گرم آہوں سے راحت حاصل ہے زیادہ پریشان نہ کر۔ یہ آگ جو خانہ دل میں بھڑک اٹھی ہے، میں اسی میں جلنے پر خوش ہوں۔

(۳) میں تمام رات خیال کو اپنے غم کی کہانی سناتا ہوں۔ اسی کہانی سنانے کے سبب مجھے نیند نہیں آتی۔

(۴) جب محبوب کا خیال میرے دل میں گشت کرنے لگا تو میں نے پوچھا کس کی تلاش ہے؟ اس نے جواب دیا محبت کی گھاس ویران دل ہی میں نشوونما پاتی ہے۔

(۵) اے پری چہروں کی شمع! مجھے تو نے نہیں جلایا، میں اپنے آپ جل اٹھا ہوں کیونکہ پروانے کی جان کو

ہلاک کرنے والی آگ خود پروانے کے دل سے بھڑکتی ہے۔

(۶) خدا کے لیے اے محبوب اپنے تل کو لوگوں کی نگاہوں سے پوشیدہ کر لے کیونکہ مسکین اور غافل پرندہ دانہ دیکھ کر بلا میں گرفتار ہو جاتا ہے۔

(۷) اے محبوب یہ کیسی دوستی ہے کہ خسرو پر تجھے رحم نہیں آتا حالانکہ اس کے درد و غم کے اثر سے ہزاروں بیگانوں کی چیخیں نکل جاتی ہیں۔

خواجہ شمس الدین قدس سرہٗ[۳۲۶]

آپ اپنے زمانے کے فاضل لوگوں میں تھے۔ میر[۳۲۷] کے بھانجے تھے اور اس قول کے مطابق کہ الولد الحلال یشبہ الخال جائز فرزند ماموں کے طور طریقے اختیار کرتا ہے، آپ بھی حضرت امیر خسروؒ کی طرح شیخ نظام الدین اولیاؒ کی محبت میں ڈوبے ہوئے تھے اور حضرت سے بے حد اعتقاد اور اخلاص رکھتے تھے۔ شیخ سے آپ کی محبت کا یہ عالم تھا کہ نماز کے وقت جماعت کی صف سے سر نکال کر جب تک سلطان المشائخ کے روئے مبارک کو نہ دیکھ لیتے نیت نہ باندھتے، گویا حضرت امیر خسرو کے اس شعر پر عمل کرتے تھے۔

در اثنایِ نماز ای جان نظر بر قامتت دارم ۔ مگر از قامتِ خوبت قبول افتد نمازِ من

(ترجمہ) اے محبوب نماز میں میری نگاہ تیرے قامت پر جمی رہتی ہے۔ شاید اس حسین قامت کے صدقے میں میری نماز قبول ہو جائے

سیر الاولیا[۳۲۸] کے مصنف نے بیان کیا ہے کہ جب آپ پر مرض عشق کا بہت غلبہ ہوا تو آپ نے چاہا کہ محبوب پر جان قربان کر دوں۔ لوگوں نے حضرت سلطان المشائخ کو خبر پہنچائی کہ خواجہ شمس الدین راہ محبت میں جان کی بازی لگانے والے ہیں۔ حضرت یہ خبر سن کر آپ کی عیادت کے لئے روانہ ہوئے۔ ابھی راستے میں ہی تھے کہ لوگوں نے آپ کے انتقال کی خبر دی۔ حضرت نے فرمایا الحمد اللہ دوست دوست سے جا ملا اس کے بعد شیخ سعدی کا یہ قطعہ زبان مبارک سے ارشاد ہوا

جاں در قدم تو ریخت سعدی ۔ ایں منزلت از خدای می خواست

خواہی کہ دگر حیات یابد ۔ یک بار بگو کہ کشتۂ ماست

(ترجمہ) سعدی نے جان تیرے قدموں پر نچھاور کر دی۔ وہ اللہ تعالیٰ سے اس رتبے کا خواہشمند تھا۔ اب اگر تو

چاہتا ہے کہ اس کو حیات نو ملے تو ایک بار یہ کہہ دے کہ ہم نے اسے مارا ہے۔

اخبار الاخیار[329] میں ہے کہ امیر خسرو کے مزار کے پائینتی میں جو قبر ہے لوگ اسے امیر خسرو کے بھانجے کی قبر بتاتے ہیں۔ شاید یہ قبر آپ ہی کی ہو۔ اللہ تعالی بہتر جانتا ہے۔

خواجہ ضیاء الدین برنی قدس سرہٗ

آپ شیخ[330] نظام الدین اولیا کے مقبول اور منظور نظر لوگوں میں سے تھے اور حضرت کے بہت ہی مخلص اور معتقد مریدوں میں شامل تھے۔ ظاہری فضایل و کمالات کے حامل تھے اور لطافت و ظرافت میں اپنا ثانی نہ رکھتے تھے۔ ان اوصاف کے ساتھ ساتھ گروہ صوفیہ کے پاکیزہ اور اعلی ذوق سے بہرہ مند تھے۔ اپنی ان ہی خوبیوں کے سبب خاص و عام میں مقبول تھے۔ آپ جس مجلس میں ہوتے سب کی توجہ کا مرکز بنے رہتے۔ اہل مجلس آپ کی روح افزا باتیں سننے کے لیے ہمہ تن گوش ہو جاتے۔ آپ نے عالموں، درویشوں اور شاعروں کی صحبت سے کامل استفادہ کیا تھا اور سلطان المشائخ کے قرب اور حضرت کی عنایت کے ساتھ مخصوص رہے۔

امیر خسرو اور امیر حسن سے آپ کی گہری دوستی تھی۔ عارف جام علیہ الرحمۃ نے نفحات[331] میں آپ کا قول نقل کیا ہے کہ "مجھے سالہا سال تک امیر خسرو اور امیر حسن کی دوستی کی نعمت حاصل رہی نہ وہ مجھ سے ملے بغیر رہ سکتے تھے اور نہ میں ان کی صحبت کے بغیر رہ سکتا تھا۔ میرے واسطے سے ان دونوں استادوں کے درمیان اس قدر گہری دوستی اور محبت قایم ہوئی کہ ایک دوسرے کے گھر آنے جانے لگے۔ میں نے اعلی درجے کے اخلاق، لطافت و ظرافت، عقل کی پختگی، صوفیوں کی روش، صبر و قناعت، اعتقاد کی پاکیزگی، دنیا سے بے تعلقی، ظاہری اسباب کے بغیر خوش خوش زندگی گزارنے میں حسن دہلوی جیسے شخص بہت کم دیکھے۔ مجلس میں ان کی شیریں کلامی عروج پر ہوتی۔ وہ مجلس میں شائستگی اور ادب کا بے حد پاس و لحاظ رکھتے تھے۔ مجھے ان کی مجلس میں جس قدر راحت حاصل ہوئی اتنی کسی مجلس میں حاصل نہیں ہوئی۔ ان دونوں استادوں میں بہت زیادہ محبت کے سبب آپس میں مزاح بھی ہوتا رہتا تھا اور وہ شعر میں ایک دوسرے کو مخاطب بھی کرتے تھے۔ چنانچہ خواجہ حسن فرماتے ہیں

خسرو از راہ کرم بپذیرد — آنچہ من بندہ حسن می گویم
سخنم چوں سخن خسرو نیست — سخن انیست کہ من می گویم

(ترجمہ) میں بندہ حسن جو شعر کہتا ہوں امیر خسرو بڑی عنایت سے اسے قبول فرماتے ہیں

ورنہ میرا کلام خسرو کے کلام کی مانند نہیں ہے ۔ میں یہ حقیقت ظاہر کیے دیتا ہوں

حاصل کلام یہ ہے کہ آپ اپنے زمانے کے فاضل لوگوں میں سے تھے اور شیخ نظام الدین کے حلقۂ ارادت میں شامل تھے ۔ بلند ہمت تھے اور آپ نے فقیری و درویشی کی خاصی راہ طے کی تھی لیکن عمر کے آخری دور میں کچھ تو لطافت طبع اور مصاحبت کے فن میں مہارت کے سبب اور کچھ " ای روشنی طبع تو برمن بلا شدی " (اے طبیعت کی روشنی تو مجھ پر بلا بن کر گری) کا تقاضہ تھا کہ اپنی رضا سے یا بامر مجبوری سلطان محمد تغلق کی قید ملازمت میں گرفتار ہو گئے جو بہت جرات مند ، بے باک اور خونریز طبیعت کا حامل تھا اور مشائخ کے گروہ سے بغض رکھنے والا بادشاہ تھا ۔ بہرحال اس زمانے میں دنیاوی عیش و راحت کا بہت زیادہ حصہ آپ کو حاصل ہوا ۔

سلطان محمد تغلق کی وفات کے بعد سلطان فیروز شاہ کے عہد میں کہ تمام ملک اس کے عدل و احسان سے گلستان ہو گیا تھا ، آپ نے ملازمت سے کنارہ کش ہو کر گوشہ نشینی اختیار کر لی اور صرف اسی قدر معاش پر قناعت کرلی جس سے ضروریات زندگی پوری ہو جائیں ۔ خود کو تصنیف و تالیف کے کام تک محدود کر لیا اور بہت کم مدت میں " ثنائے محمدی " ، " صلوت کبیر " ، " عنایت نامہ الٰہی " ، " مآثر سادات " اور " تاریخ فیروز شاہی " جیسی کتابیں تصنیف کیں ۔ ان کے علاوہ بھی آپ کی دوسری تصانیف مثلاً " حسرت نامہ " وغیرہ ہیں ۔

بالاخر آپ نے سلطان المشائخ کی صحبت و مرحمت کی برکت سے سب سے الگ تھلگ اور عاشقانہ انداز میں رحلت فرمائی ۔ اس دنیا سے اس حد تک تنہا اور پاک و صاف رخصت ہوئے کہ بدن کے کپڑے بھی راہ مولا میں خیرات کر دیے چنانچہ آپ کے جنازے پر وہ بوریا جو خیرات کرنے سے بچ گیا تھا ڈالا گیا ۔ اس کے علاوہ گھر میں کوئی چیز نہ تھی ۔ شیخ نظام الدین کے مزار اقدس کے قریب آپ مدفون ہوئے ۔

ایک گروہ کا خیال[۳۳۲] ہے کہ حضرت نظام الاولیا کے زمانہ مبارک میں تین شخص ضیا نام کے تھے ۔ برنی ، نخشبی[۳۳۳] اور سنامی ۔ پہلے شیخ کے مرید و معتقد تھے ، دوسرے نہ معتقد نہ منکر غیر جانب دار رہے ، تیسرے شیخ کی بزرگی کا انکار کرتے تھے چنانچہ کہتے ہیں

برنی و نخشبی و سنامی	نام ایں ہر سہ تن ضیا بودہ
اولین معتقد پسین منکر	ثانی از ہر دو بے نوا بودہ

(ترجمہ) برنی نخشبی اور سنامی ان تینوں اشخاص کے نام ضیا تھا ۔

پہلے معتقد اور آخری مخالف تھے اور درمیان والے ہر دو سے علحدہ اور خاموش تھے ۔

حاصل کلام یہ ہے کہ تینوں حضرات سخن پرور اور دین و دیانت کے حامل تھے ۔

مولانا ضیاء الدین سنامی قدس سرہٗ

آپ زہد و تقویٰ اور پرہیزگار میں یکتائے زمانہ تھے اور دیانت و امانت میں آپ کا کوئی ثانی نہ تھا۔ راہ شریعت میں آپ کا قدم مضبوط اور مستحکم تھا۔ آپ سلطان المشائخ کے ہم عصر تھے۔ شیخ کو سماع سے منع کرتے اور اس امر میں سخت احتساب کرتے تھے بلکہ سخت کلمات تک کہہ دیتے تھے لیکن سلطان المشائخ کا رویہ آپ سے ہمیشہ ادب، نرمی، تعظیم اور توقیر کا رہا اور حضرت نے ادب کے درجوں میں سے کوئی درجہ نظر انداز نہ فرمایا۔

کہتے ہیں کہ جب آپ کا انتقال ہوا تو سلطان المشائخ پر گریہ طاری ہو گیا اور فرمایا افسوس ایک ہستی شریعت کی حامی تھی وہ بھی نہ رہی۔

بیان کیا جاتا ہے[۳۳۴] کہ ایک دفعہ شیخ شرف الدین پانی پتی جنھیں بو علی قلندر بھی کہتے ہیں ان کی مونچھیں خاصی دراز ہو گئی تھیں۔ کسی شخص کو یہ مجال نہ تھی کہ انھیں مونچھیں کتروانے کا حکم دیتا۔ آپ نے چونکہ شریعت کی زرہ پہن رکھی تھی۔ ایک ہاتھ میں قینچی لی اور دوسرے ہاتھ سے ڈاڑھی پکڑی اور بو علی قلندر کی مونچھیں کتر دیں۔ اس واقعہ کے بعد وہ ہمیشہ اپنی داڑھی کو بوسہ دیتے تھے اور فرماتے تھے کہ یہ ڈاڑھی شریعت محمدی کی راہ میں پکڑی گئی ہے۔

اخبار الاخیار[۳۳۵] میں مرقوم ہے کہ جب آپ مرض الموت میں تھے تو شیخ نظام الاولیا آپ کی مزاج پرسی کے لیے آپ کی قیام گاہ پر تشریف لے گئے۔ جب آپ نے حضرت کی تشریف آوری کے بارے میں سنا تو اپنا عمامہ حضرت کے قدموں میں بچھا دیا۔ حضرت نے عمامہ اٹھا کر اپنی آنکھوں سے لگایا اور آپ کے سامنے بیٹھ گئے۔ آپ بوجہ شرمندگی حضرت سے آنکھیں چار نہ کر سکے۔ جب سلطان المشائخ عیادت کے بعد باہر آئے تو گھر سے رونے کی آوازیں آنے لگیں۔

ان اوراق کا لکھنے والا عرض کرتا ہے کہ اگرچہ اس وقت دہلی میں آپ کی قبر کی نام و نشان موجود نہیں ہے لیکن مشائخ ہند کے تذکرہ نگاروں کی تحریر سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ کی قبر شریف دہلی ہی میں تھی لیکن اب منہدم ہو گئی ہے۔ بہر حال حقیقت کا علم تو اللہ تعالیٰ ہی کو ہے۔ آپ کی ایک تصنیف ہے جس کا نام "نصاب الاحتساب[۳۳۶]" ہے جس میں ادب و احتساب کے مشکل مسائل بیان کیے گئے ہیں اور سنت کے احکام اور بدعت کی اقسام پر مشتمل ہے۔

خواجہ موید الدین قدس سرہٗ

[۳۳۷] آپ کا ظاہر پاکیزگی سے آراستہ اور باطن محبت الٰہی سے مزین تھا۔ زہد و تقویٰ اور خالص اعتقاد رکھنے والے بزرگ تھے۔ دنیاوی معاملات سے قطعی طور پر بے تعلق ہو چکے تھے۔

ابتدائے عمر میں آپ کار دنیا میں مشغول رہے۔ آپ اعلیٰ منصب کے امیر اور امیر زادے تھے۔ جس زمانے میں علاء الدین کڑہ کا حاکم تھا، آپ کو اس کے حضور میں کامل اعتماد حاصل تھا۔ آپ نے اس کے لیے کارہائے نمایاں بھی سرانجام دیے۔ بالآخر جب ابدی سعادت آپ کی یارومددگار ہوئی تو آپ شیخ نظام الدین اولیا کے مرید ہو گئے اور اپنی مرضی اور اختیار سے کار دنیا سے دست بردار ہو گئے اور دنیا کا خیال دل سے مٹا دیا۔ جب سلطان علاء الدین تخت پر بیٹھا تو اس نے آپ کو طلب کیا۔ اسے بتایا گیا کہ آپ شیخ نظام الدین کے مریدوں میں داخل ہو گئے ہیں اور دنیا کو بالکل تج دیا ہے۔ بادشاہ نے شیخ سے درخواست کی کہ مخدوم موید الدین کو رخصت فرما دیں تاکہ جو معاملات ہمیں درپیش ہیں ان کو سرانجام دے سکیں۔ شیخ نے جواب میں فرمایا کہ ان کو دوسرا کام درپیش ہے وہ اس کام میں لگے ہوئے ہیں۔ سلطان کے خادم کو یہ جواب اچھا نہیں لگا۔ اس نے کہا مخدوم آپ سب کو اپنے جیسا بنانے چاہتے ہیں۔ حضرت نے فرمایا اپنا جیسا کیا ہوتا ہے اپنے سے بہتر بنانا چاہتا ہوں۔ جب سلطان کو حضرت کا جواب سنایا گیا تو اس نے آپ کو حاصل کرنے کا خیال ترک کر دیا۔

صاحب سیر الاولیا کا بیان ہے کہ میں نے آپ کو دیکھا ہے۔ آپ دراز قد اور گورے رنگ کے بزرگ تھے۔ خوب صورت اور خوب سیرت تھے۔ آپ کی قبر سلطان المشائخ کے مزار کی پائینتی مریدوں اور خدمت گاروں کے درمیان ہے۔

شیخ نظام الدین شیرازی قدس سرہٗ [۳۳۸]

آپ شیخ نظام الدین اولیا کے بلند رتبہ مریدوں میں شامل تھے۔ علم و عمل اور زہد و تقویٰ کی خوبیوں سے بہرہ مند تھے۔ آپ کی ذات میں اہلِ شریعت اور اہلِ طریقت کی خوبیاں موجود تھیں۔ حرمین شریفین کی زیارت کا شرف آپ کو حاصل تھا اور شیخ کی نظر خاص سے بہرہ مند اور مخصوص تھے۔

سیر الاولیا کے مصنف کا بیان ہے کہ میں نے شیخ نظام الدین شیرازی کو سلطان المشائخ کی وفات کے بعد جب آپ اودھ سے تشریف لائے ہوئے تھے اور حضرت کے احاطے میں مقیم تھے، دیکھا ہے۔ آپ کا ظاہر و باطن درویشوں کے قلوب کے اوصاف سے مزین تھا۔ کوئی علمی مسئلہ درپیش ہوتا اور آپ اس پر بحث کرتے تو مسئلے کے تمام پہلوؤں کے واضح فرما دیتے۔ اہل تصوف کی راہ روش سے خوب واقف تھے۔ سماع کا بے حد شوق تھا۔ جماعت خانے میں قوالوں کی ایک جماعت آپ کے ساتھ ہوتی۔ اس سے ہر روز کسی وقت سماع ضرور سنتے۔ آخری عمر میں آپ نے دہلی میں سکونت اختیار کر لی تھی اور یہیں آپ کی وفات ہوئی۔ آپ کی قبر اپنے گھر کے قریب سلطان علاء الدین کے قلعے کے اندر ہے۔

شیخ عثمان سیاح قدس سرّہٗ

آپ شیخ رکن الدین ابوالفتح[۳۳۹] کے مرید تھے۔ جو اپنے دادا شیخ الاسلام بہاء الدین زکریا کے خلیفہ تھے۔ شیخ بہاء الدین، شیخ شہاب الدین سہروردی کے خلیفہ تھے۔ شیخ شہاب الدین کو اپنے چچا شیخ نجیب الدین سے نسبت باطنی حاصل ہوئی تھی۔ شیخ نجیب الدین، شیخ احمد غزالی[۳۴۰] کے خلیفہ تھے۔ وہ شیخ ابوبکر نساج کے اور وہ شیخ ابوالقاسم گرگانی[۳۴۱] کے خلیفہ تھے۔ شیخ ابوالقاسم گرگانی تین واسطوں[۳۴۲] سے جنید بغدادی[۳۴۳] سے منسلک ہو جاتے ہیں یعنی ابو عثمان[۳۴۴] مغربی، ابو علی کاتب[۳۴۵]، ابو علی رودباری[۳۴۶] پھر جنید بغدادی۔ جنید کو سری[۳۴۷] سقطی سے خلافت ملی۔ انھیں معروف[۳۴۸] کرخی سے خرقۂ خلافت ملا۔ معروف کرخی کو دو طرف سے خلافت حاصل ہوئی۔ ایک بہ واسطہ شاہ خراسان ائمہ معصومین سے اور دوسرا بہ واسطہ داؤد طائی[۳۴۹]، حبیب[۳۵۰] عجمی، حسن بصری اور علی بن ابی طالب سے۔

آپ کے (شیخ عثمان سیاح کے) سلسلے میں سماع کی ممانعت ہے لیکن آپ سماع کا خاصہ ذوق رکھتے تھے اور شیخ نصیر الدین کی مجلس میں سماع سنتے تھے۔ عشق و محبت کی کیفیات کا کامل حصہ آپ کو نصیب ہوا تھا۔ آپ کا اصل وطن دہلی تھا۔ کچھ عرصے سیر و سیاحت کی، پھر دہلی آ گئے اور یہیں آپ نے وفات پائی۔ آپ کا عرس دس ذی قعدہ کو ہوتا ہے۔ آپ کا مزار[۳۵۱] قدیم دہلی کے کھنڈرات میں ہفت پل کے قریب ہے جسے محمد تغلق نے تعمیر کرایا تھا۔

شیخ شہاب الدین حق گو قدس سرہٗ

آپ اپنے والد بزرگوار (فخر الدین زاہدی) کے مرید اور خلیفہ تھے ۔ صاحب دیانت و امانت تھے ۔ سیاحت اور جگہ جگہ گھومنے پھرنے کا شوق تھا ۔ آپ کے والد کو یہ بات پسند نہ تھی چنانچہ آپ کو مقصود حقیقی اپنے والد کی خدمت میں رہنے سے حاصل ہوا ۔

کہتے ہیں کہ جب شیخ شہاب الدین دہلی تشریف لائے تو شہر کے لوگوں نے ان کے حال پر خاص توجہ نہ دی جس کی وجہ سے آپ کی طبیعت میں ایک گونہ جوش آگیا ۔ اسی کیفیت میں آپ نے فرمایا ، میں اس ملک کی بادشاہت بیچتا ہوں کوئی ہے جو خریدے ؟ سلطان محمد تغلق کو خبر ہوئی تو عاجزی کر کے سلطنت کا خریدار بن گیا ۔ چوں کہ نیاز مندی سے پیش آیا تھا ، آپ نے ملک کی بادشاہت اس کو بخش دی چنانچہ کچھ عرصے بعد ملک ہندوستان کی بادشاہت اس کو حاصل ہو گئی ۔ مقصد حاصل ہونے کے بعد اس نے ظلم و جبر کرنا شروع کر دیا ۔ بہت سے علما اور مشائخ کو قتل کرایا اور شہاب الاولیا کو بھی شہید کر دیا ۔

آپ کے قتل کا یہ سبب بیان کیا جاتا ہے کہ جب سلطان محمد تغلق کی مست جوانی کے غرور میں اقتدار کا نشہ شامل ہو گیا تو اس نے اپنی مملکت کے نامور لوگوں کو جمع کیا اور کہا کہ ختم نبوت کا عقیدہ مثل ختم ولایت کے ناروا ہے ۔ اس نے اس بارے میں فتویٰ طلب کیا ۔ تمام بزرگ اس لایعنی بات سے تشویش میں پڑ گئے اور انھوں نے کہا کہ شیخ شہاب الدین زاہدی ہمارے بڑے ہیں انھیں طلب کیا جائے تاکہ ایک متفقہ جواب دیا جاسکے ۔ آپ کو دربار میں بلایا گیا ۔ آپ ان باتوں کو سن کر بہت برا فروختہ ہوئے اور آپے سے باہر ہو گئے ۔ جوتی اتار کر بادشاہ کے منہ پر دے ماری تاکہ ذلیل ہو کر نہ مارے جائیں چنانچہ محمد شاہ اس ذلت پر سخت برہم ہوا اور حکم دیا کہ آپ کو قلعہ کی دیوار سے خندق میں پھینک دیا جائے ۔ دو مرتبہ آپ کو پھینکا گیا لیکن آپ محفوظ رہے ۔ اس وقت آپ کے والد فخر الدین کی مثالی صورت ظاہر ہوئی اور آپ کو اپنی حفاظت سے منع فرمایا اور اس سرائے فانی سے ملک جاودانی میں سفر کرنے کی تلقین کی ۔ اس واقعہ کے پیش نظر آپ کو " حق گو " کا لقب دیا گیا ۔[۳۵۲] دوسرے گروہ کا خیال ہے کہ آپ کو " حق گو " کا لقب اس وجہ سے ملا کہ جب سلطان محمد تغلق نے عام حکم جاری کیا کہ اسے محمد عادل کہا جائے تو آپ نے یہ حکم ماننے سے انکار کر دیا اور فرمایا کہ ہم ظالموں کو عادل نہیں کہیں گے ۔ سلطان آپ کی اس بات سے سخت غضب ناک ہوا اور آپ کو قلعہ دہلی سے نیچے گرا کر مروا دیا ۔ آپ کی قبر بھی قلعے کے نیچے ہے ۔[۳۵۳]

آپ کے والد فخر الدین زاہدی کے نام سے مشہور تھے ۔ اپنے زمانے کے زاہد اور متقی لوگوں اور

خاص کر قطب الدین بختیار کے زمانہ مبارک کے بزرگوں میں شامل تھے۔ سکندر ذوالقرنین کی اولاد میں تھے۔ کہتے ہیں کہ ایک دفعہ سامان سے لدی ہوئی کشتی دریائے جمنا میں غرق ہوگئی۔ سامان کا مالک پریشان حال خواجہ قطب الدین کی خدمت میں حاضر ہوا۔ حضرت نے فرمایا کہ دریا کا یہ کنارہ فقیر کو سپرد کیا گیا ہے اور دوسرا کنارہ برادر فخرالدین کے تصرف میں ہے تم ان کے پاس جاؤ۔ سارے آفت رسیدہ مولانا فخرالدین کے آستانے پر نالہ و فریاد کرنے لگے۔ انھوں نے ایک خط لکھ کر دیا کہ دریا میں ڈال دیں۔ جوں ہی رقعہ پانی میں ڈوبا کشتی مع مال و اسباب پانی کی سطح پر آ گئی۔ بیان کیا جاتا ہے کہ ایک مرتبہ چالیس آدمی ان کے پاس سے گزرے اور آپ کی پیشانی پر کلمہ طیبہ کے نقوش دیکھ کر پکار اٹھے کہ اس شہر پر بلا نازل ہو چکی تھی لیکن یہ شہر اس زاہد کی حمایت میں ہے اس لیے تباہی سے بچ گیا۔ ان کا مزار میرٹھ میں ہے۔ لوگ زیارت کرتے ہیں اور برکت حاصل کرتے ہیں۔ ان کا انتقال سلطان ناصر الدین کے عہد میں ہوا۔

سلطان ناصر الدین سلطان شمس الدین التتمش کا فرزند تھا۔ یہ بادشاہ نرم دل، بخشش کرنے والا اور اولیاء اللہ کے پاکیزہ اخلاق کا حامل اور بادشاہوں کے اوصاف سے آراستہ تھا۔ اس دور کے تمام لوگوں کا اس بات پر اتفاق ہے کہ گذشتہ سلاطین میں کوئی بادشاہ اس قدر ظاہری اور باطنی خوبیاں رکھنے والا نہیں گزرا جیسا سلطان ناصر الدین تھا۔ وہ ۶۴۰ھ کی ابتدا میں تخت نشیں ہوا۔ معاشرے کے تمام طبقے اس کے حسن انتظام سے خوش تھے۔ اس نے بیس سال حکومت کی اور ۶۶۶ھ میں عالم فانی سے رخصت ہو کر گلشن روحانی میں چلا گیا۔

شیخ صدر الدین حکیم قدس سرہٗ [۲۵۵]

آپ اللہ تعالیٰ کی معرفت سے آشنا اور راہ طریقت کے محقق تھے۔ علاوہ ازیں طب کے فن میں آپ کو کامل مہارت حاصل تھی۔ شیخ نصیر الدین محمود قدس سرہ کے اعلیٰ اصحاب اور عظیم خلفا میں آپ کا شمار ہوتا ہے۔ اس فضیلت کے علاوہ آپ شیخ نظام الدین اولیا قدس سرہ کے بھی منظور نظر تھے۔

آپ کے والد کا ذریعہ معاش تجارت تھا اور شیخ نظام الدین کے مریدوں میں داخل تھے۔ بہت عمر گزر چکی تھی لیکن بیٹے کی نعمت سے محروم تھے اور اسی سبب سے غم زدہ رہتے تھے۔ ایک دفعہ شیخ اچھی کیفیت میں تھے اور وقت اچھا تھا، شیخ نے اپنی پشت آپ کے والد کی پشت سے رگڑی اور فرزند سعادت مند کی خوش خبری دی چونکہ آپ کے والد کا اعتقاد پختہ تھا، باوجود ضعیف العمری کے بیٹے کی خواہش میں بیوی کے پاس گئے۔ حق تعالیٰ نے انھیں فرزند عطا کیا۔ آپ پیدا ہوئے تو والد آپ کو شیخ کی خدمت میں لے گئے۔ حضرت نے آپ کو

گود میں لیا جب تک آپ حضرت کی گود میں رہے ، آپ شعوری طور پر ، جو بالکل نمایاں تھا ، حضرت کے چہرے کو دیکھتے رہے حاضرین مجلس آپ کی اس کیفیت کو دیکھ کر سخت حیران ہوئے۔ شیخ نے اپنے جبہ مبارک سے ایک ٹکڑا علاحدہ کیا اور اپنے ہاتھ سے خرقہ سیا اور اسے شیخ نصیر الدین کے سپرد فرمایا اور اس نو مولود کے بلند درجات کے بارے میں پیش گوئی فرمائی۔ چنانچہ جب آپ بڑے ہوئے تو تحصیل علم کے بعد شیخ نصیر الدین کے مرید ہوگئے۔ ریاضتیں کیں اور درجہ کمال کو پہنچے۔ اس کے علاوہ حکمت سے بھی واقفیت حاصل کی۔

اخبار الاخیار[356] میں بیان کیا گیا ہے کہ ایک دفعہ آپ کو پریاں اپنے کسی ہم جنس کے علاج کے لیے اڑا کر لے گئی تھیں۔ علاج سے مریض کو شفا حاصل ہوئی۔ پریوں نے ایک خط آپ کو دیا کہ فلاں محلے میں ایک کتا ہے یہ اسے لیجا کر دکھایئے۔ جب آپ نے وہ خط اس کتے کو دکھایا تو وہ فورا اٹھ کر چلنے لگا اور آخر میں ایک قطعہ پر کھڑا ہو گیا۔ وہاں اپنے پنجوں سے زمین کھو دی اور اس جگہ گڑے ہوئے خزانے لینے کا اشارہ کیا۔ چونکہ درویشوں کی ہمت بلند ہوتی ہے ، آپ نے اس خزانے کی طرف توجہ نہیں کی اور گھر آگئے۔ آپ کی وفات دہلی میں ہوئی اور قبر قلعہ علائی میں ہے۔ آپ کے خطوط بھی ہیں جن میں معرفت اور حقیقت کی باتیں بیان کی گئی ہیں۔ ان ہی میں سے چند باتیں سات کلمات کی صورت میں تحریر کی جاتی ہیں۔

کلمہ ۱ ایک مکتوب[357] میں عقبات (دشوار گزار راستہ) کے عنوان سے یہ مضمون تحریر فرمایا ہے کہ شہوت ، پیٹ اور فرج کے مرض کا علاج (اس حدیث پاک کی) معجون سے کیا جائے۔ **الشیطان لیجری من ابن آدم مجری الدم . فضیقو مجاریہ بالجوع والعطش**[358] اور **الجوع طعام الصدیقین**[359] کے دسترخوان سے غذا حاصل کی جائے اور **الصوم لی و انا اجزیٰ بہ**[360] کے (پاک و شیریں) کوثر سے پانی پیا جائے تاکہ تمھیں اس روحانی بیماری سے شفائے کلی حاصل ہو۔

کلمہ ۲ اسی[361] مکتوب میں تحریر کیا ہے کہ اپنی اور اپنے متعلقین کی ہلاکت کا غم نہ کیا جائے اور اس غم کو اس آیت پاک میں دی گئی بشارت سے دور کیا جائے۔ **و من یخرج من بیتہ مہاجر الی اللہ و رسولہ ثم یدرکہ الموت فقد وقع اجرہ علی اللہ**[362] یعنی اور جو شخص اپنے گھر سے اس نیت سے نکل کھڑا ہوا کہ اللہ اور رسول کی طرف ہجرت کروں گا پھر اس کو موت آ پکڑے تب بھی اس کا ثواب ثابت ہو گیا اللہ تعالیٰ کے ذمے۔ اس امر کا یقین کر لینا چاہیے کہ زندگی اور رزق قسمت کے مطابق اور مقرر ہے۔ کسی شخص کے ترک کرنے ، دوڑ دھوپ کرنے ، حاصل کرنے اور منع کرنے سے کم یا زیادہ نہیں ہوتا۔ رزق کا معاملہ کسی طور پر بھی شرطوں سے مشروط نہیں کیا گیا ہے۔ اس لیے بہتر یہی ہے کہ اپنی زندگی حق کی طلب میں بسر کی جائے۔

۱۔ شیطان انسان کے اندر اس طرح دوڑتا ہے جیسے رگوں میں خون پس اس کے راستوں کو بھوک پیاس سے تنگ کردو۔

۲۔ بھوک صدیقین کا طعام ہے۔

۳۔ روزہ میرے واسطے ہے اور میں ہی اس کی جزا ہوں۔

دولت مند اور محتاج دونوں اللہ رب العزت کے بندے ہیں ۔ تمہارا اور ان کا رزق اللہ کے ذمے ہے جیسا کہ وہ خود فرماتے ہیں ۔ وما من دابۃ فی الارض الا علی اللہ رزقھا[۳۶۳] اور کوئی (رزق کھانے والا) جاندار روئے زمین پر چلنے والا ایسا نہیں کہ اس کی روزی اللہ کے ذمے نہ ہو ۔

کلمہ ۳ یہ بھی مکتوب[۳۶۴] میں ہے کہ جو لوگ یہ کہتے ہیں کہ بغیر مال اور منصب کے ذلت و خواری ہے تو دشمن کے سر پر ان العزۃ للہ ولرسولہ و للمومنین[۳۶۵] کی تلوار سے وار کر اور من یتوکل علی اللہ فھو حسبہ[۳۶۶] کے تیر سے اس کے سینہ کو نشانہ بنا اور الیس اللہ بکاف عبدہ[۳۶۷] کے خنجر سے اس کے شر کو مٹا دے اور ببانگ دہل اعلان کر دے :

بادوست کنجِ فقر بہشت است و بوستاں بی دوست خاک برسرِ جاہ و تونگری

(ترجمہ) دوست کے ساتھ فقیری گوشہ بھی بہشت و بوستاں ہے ۔ دوست ساتھ نہیں تو دولت اور اقتدار کے سر پر خاک ۔

کلمہ ۴ ایک[۳۶۸] اور عقبہ (مشکل مرحلہ) کو دفع کرنے سے متعلق فرمایا اگر اہل و عیال زیادہ نان نفقہ کے لیے اصرار کریں تو اس آیہ مبارکہ سے مرحلے کو طے کیا جائے ۔ قل لازواجک ان کنتن تردن الحیٰوۃ الدنیا و زینتھا فتعالین امتعکن و اسرحکن سراحا جمیلا[۳۶۹] (اپنی ازواج سے کہہ دیجئے کہ اگر تم کو دنیاوی زیب و زینت درکار ہے تو آؤ میں تم کو سامان اور نان نفقہ دے کر اپنے گھر سے رخصت کر دوں) اگر سالک اپنے کام میں سچا ہے تو اہل و عیال اس سے موافقت کریں گے اور اس کے رستے پر چلیں گے اور اس کی صحبت کا اثر اہل و عیال کی طبیعت پر ضرور پڑے گا ۔

کلمہ ۵ مخلوق کے اعتقاد[۳۷۰] اور ان کی نیاز مندی (سے تکبر کے خطرے) کو لاحول اور لیس فی الوجود الا اللہ (سوائے اللہ کے کوئی وجود نہیں ہے) سے دور کیا جائے اور اپنے آپ کو مردے کی مثل سمجھنا چاہیے اور مخلوق کو لکڑی پتھر خیال کرنا چاہیے اور اس پر کامل ایمان ہونا چاہیے ۔ لا یملکون لانفسھم ضرا ولا نفعا ولا موتا ولا حیٰوۃ ولا نشورا[۳۷۱] ۔ جو اس یقین کے ساتھ زندگی گزارتا ہے وہ ایک لحہ کے لیے بھی نہیں سوچ سکتا کہ اس کی ذات سے کسی کو نفع یا نقصان پہنچ سکتا ہے ۔

۱۔ عزت تو حقیقت میں اللہ اور اس کے رسولؐ اور مومنین کے لیے ہے۔

۲۔ جس نے اللہ پر بھروسہ کیا سو وہ اس کے لیے کافی ہے۔

۳۔ کیا اللہ اپنے بندے کے لیے کافی نہیں ہے۔

۴۔ خود اپنے لیے نہ کسی نقصان (کے رفع کرنے) کا اختیار رکھتے ہیں اور نہ کسی نفع (کے حاصل کرنے) کا اور نہ کسی کے مرنے کا اختیار رکھتے ہیں نہ کسی کے جینے کا اور نہ کسی کو (قیامت میں) دوبارہ جلانے کا۔

کلمہ ۲ اسی خط میں مرقوم ہے کہ اپنے والدین سے نرمی اور ادب سے گفتگو کی جائے اور ہر حال میں اللہ تعالیٰ کے حقوق ادا کیے جائیں۔ اگر عزیز رشتہ دار تمھیں اس روش سے باز رکھنا چاہیں تو صاف صاف کہہ دیا جائے:

نہ ہمرہی تو مرا راہِ خویش گیر و برو ترا سعادت بادا مرانگون ساری

(ترجمہ) آپ کا راستہ اور ہے اور میرا اور۔ آپ اپنے رستے پر چلتے رہیں۔ آپ کو دولت و عزت مبارک ہو میں اپنی بدحالی پر خوش ہوں۔

کلمہ، یہ بات[۲۰۲] طے شدہ ہے کہ کسی شخص کو اپنی آخرت اور خاتمہ کے بارے میں کچھ علم نہیں ہے۔ اسے یہ بھی معلوم نہیں ہے کہ اس کی عبادت اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں قبول ہوئی یا رد کر دی گئی کیونکہ توفیق تو اللہ تعالیٰ کی جانب سے ہے۔ اس حقیقت کو دل میں بٹھا لینا چاہیے اور بار بار دہراتے رہنا چاہیے۔ اس طرح تم اللہ تعالیٰ کے فضل و کرم سے ہر بلا سے محفوظ رہو گے۔

شیخ فخر الدین ثانی قدس سرہٗ[۲۰۳]

آپ شہر دہلی کے اہل علم بزرگوں میں تھے اور شیخ شہاب الدین حق گو کے جانشیں تھے۔ بیان کیا جاتا ہے کہ جب مخدوم جہانیاں فیروز شاہ کے عہد حکومت میں اُچ سے دہلی تشریف لائے تو بادشاہ وقت ان کے نور دیدار کے سبب، ان کا بہت زیادہ معتقد ہو گیا اور اپنے دست ارادت سے ان کا دامن پکڑ لیا۔

دوسرے دن مخدوم جہانیاں آپ سے ملاقات کرنے کے لیے آپ کی خانقاہ میں تشریف لائے۔ آپ کا دستور تھا کہ آپ کاغذ کے چند ٹکڑے جن پر "کرنا چاہیے" اور "نہ کرنا چاہیے" تحریر تھا، اپنے سامنے رکھتے تھے۔ ہر کام کے لیے اسے کھول کر دیکھتے۔ اگر حکم کی پرچی نکل آتی تو اس کام کو انجام دیتے اور ممانعت کی پرچی نکل آتی تو قطعی طور پر وہ کام نہ کرتے۔ چنانچہ آپ نے کئی مرتبہ مخدوم سے ملاقات کرنے کا استخارہ کیا لیکن ہر مرتبہ "نہ کرو" کا اشارہ ہوا۔ آپ نے نہایت عجز و انکسار کے ساتھ عرض کیا کہ آج مخدوم کی خدمت میں حاضری کا حکم نہیں ہے۔ جب اجازت ہو گی تو اپنے خانہ دل کی خلوت کو مخدوم کے نور دیدار سے منور کروں گا۔ ناچار مخدوم بغیر ملاقات کیے واپس ہوئے۔ چونکہ آپ کو بھی مخدوم سے ملاقات کرنے کا ازحد اشتیاق تھا۔ آپ نے دوسری بار استخارہ کیا، اس بار اجازت مل گئی۔ آپ اسی وقت پیادہ پا روانہ ہوئے اور اپنی حاضری کی اطلاع کرائی۔ مخدوم کو جب اطلاع ہوئی کہ آپ پیچھے ہی آ رہے ہیں تو وہیں ٹھہر گئے اور پالکی سے نکل آئے۔

آپ کے طریقہ پر تعجب کا اظہار کیا اور فرمایا کہ درویش کو ایسا ہی ہونا چاہیے کہ بغیر اللہ تعالی کے حکم کے کوئی کام نہ کرے ۔ بہرحال مصافحہ کرنے کے بعد مخدوم نے بغل گیر ہونے کا قصد کیا لیکن آپ کو یہ بات پہلے ہی معلوم تھی کہ مخدوم جس سے بغل گیر ہوتے ہیں اس کی قلبی کیفیات کو سلب کرلیتے ہیں ۔ چنانچہ مخدوم سے بغل گیر ہونے سے اپنے آپ کو باز رکھا اور عذر خواہی کرتے ہوئے عرض کیا کہ میرے فرزند زیادہ ہیں اور نعمت باطنی کم ہے اس کے بعد یہ آیت تلاوت کی ۔ **ھذا اخی لہ تسع و تسعون نعجۃ ولی نعجۃ واحدہ فقال اکفلنیھا**[۳۶۴] یعنی یہ شخص میرا بھائی ہے ۔ اس کے پاس نناوے دنبیاں ہیں اور میرے پاس صرف ایک دنبی ہے سو یہ کہتا ہے وہ بھی مجھے دے ڈال ۔ مخدوم مسکرا دیے اور آپ کے فرزندوں کو خود اپنی باطنی نسبت سے بہرہ مند فرمایا اور ہر ایک کو علاحدہ علاحدہ علاقے عنایت فرمائے ، چنانچہ شیخ بہاء الدین گنج رواں کو کالپی ، شیخ صدر الدین کو جونپور اور شیخ بدر الدین کو بہار کے علاقوں کی رشد و ہدایت کا کام تفویض فرمایا ۔ ان میں سے ہر ایک بزرگ نے ان صوبوں میں ہدایت کا علم بلند کیا ۔ آپ کا مزار مبارک دہلی میں ہے ۔

سید یوسف الحسینی قدس سرہٗ

آپ کے والد کا اسم شریف سید جمال تھا ۔ سید جمال خانوادۂ سادات میں معتبر تھے ۔ آپ کے فرزند سید یوسف صاحب علم و فضل اور کامل و عارف تھے ۔ سلطان فیروز شاہ انار اللہ برہانہ نے آپ کے لیے ایک مدرسہ علائی حوض خاص کے پاس تعمیر کرا دیا تھا ۔ اس کا مقبرہ بھی وہیں ہے ۔ آپ اس مدرسے میں طویل عرصے تک درس دیتے رہے اور تدریسی فرائض کے سلسلے میں آپ کا قیام فیروز شاہ کے سال وفات تک ، اسی مدرسے میں رہا ۔ ۷۹۰ ھ میں فیروز شاہ کے انتقال کے بعد آپ کا دل دنیاوی خرافات سے اچاٹ ہو گیا اور آخرت کی پاکیزگی حاصل کرنے کا شوق پیدا ہوا ۔ آپ کا مزار حوض خاص کے سرے پر ہے ۔

کہتے ہیں کہ آپ ہر شب جمعہ کو خواب میں سید کائنات علیہ افضل الصلوۃ کی زیارت سے مشرف ہوتے تھے ۔ اخبار الاخیار[۳۶۵] میں بیان کیا گیا ہے کہ آپ کو مولانا جلال الدین رومی کی شاگردی کی نسبت حاصل تھی اور شارح " شمسیہ[۳۶۶] " اور " مطالع[۳۶۷] " مولانا قطب الدین رازی کے بھی آپ شاگرد تھے ۔ آپ نے چند کتابیں بھی تصنیف کی ہیں ۔ منجملہ ان کی ایک مشہور تصنیف " یوسفی " ہے جو " لب الالباب " کی شرح ہے ۔ اس کے علاوہ ایک اور شرح " منار[۳۶۸] " پر " توحید الافکار[۳۶۹] " کے عنوان سے تحریر کی ہے ۔

قاضی عبدالمقتدر شریحی قدس سرہٗ [۳۸۰]

آپ کے والد کا نام قاضی رکن الدین تھا ۔ آپ شیخ نصیر الدین محمود قدس سرہ کے عظیم خلفا میں شامل تھے ۔ آپ بے حد وسیع علم رکھنے والے عالم تھے ۔ قاضی شہاب الدین آپ کے شاگردوں میں تھے ۔ اس زمانے میں فصاحت و بلاغت میں کوئی عالم آپ کے ہم پلہ نہ تھا ۔ لامیتہ العجم [۳۸۱] کے جواب میں آپ نے جو قصیدہ تحریر کیا وہ مشہور ہے اسی سے آپ کے کمال کی بلندی کا اندازہ لگایا جا سکتا ہے ۔

اپنی طالب علمی کے ابتدائی زمانے میں آپ شیخ نصیر الدین سے پڑھنے آتے تھے اور ان سے مسائل پر بحث و مباحثہ کرتے تھے ۔ چونکہ شیخ آپ کے میلان طبیعت سے واقف تھے اس لیے آپ کے بحث و مباحثہ کو پسند کرتے تھے اور آپ کو حصول علم کا شوق و رغبت دلاتے رہتے تھے کہ آپ ظاہری خوبیوں کی بلندیوں تک پہنچ جائیں ۔ رفتہ رفتہ آپ شیخ کی خدمت میں حاضری اور صحبت کے فریفتہ ہو گئے اور ان بلندیوں تک پہنچے جہاں تک ان کی رسائی تھی ۔

شیخ نصیر الدین اور ان کے خلفا کا مسلک تھا کہ علوم شریعت کی اشاعت کی جائے تاکہ اس کا فائدہ عام ہو ۔ آپ اس مسلک کے مطابق ہمیشہ درس و افادہ میں مشغول رہے ۔ شیخ نصیر الدین اپنے مریدوں کو نصیحت فرماتے تھے کہ طالب حصول علم اور احکام شریعت کی حفاظت میں مشغول رہے ۔ ان سے یہ قول نقل کیا گیا ہے کہ کسی شرعی مسئلہ میں غور و فکر ان ہزار رکعتوں سے افضل ہے جس میں ریا اور غرور شامل ہو ۔

آپ کی وفات ۲۶ محرم الحرام ۷۹۰ھ میں سلطان فتح خان ابن فیروز شاہ کے عہد میں جس نے تغلق شاہ کا لقب اختیار کیا تھا ، ہوئی ۔ وفات کے وقت آپ کی عمر اٹھاسی سال تھی ۔ آپ کا مزار حوض شمسی کے جنوب کی جانب اپنے دادا اور والد کے پہلو میں ہے ۔ یہ جگہ شیخ عبدالصمد کی خانقاہ کے نام سے جو سلطان سکندر کے عہد کے بزرگوں میں تھے ، مشہور ہے ۔ یہاں شیخ عبدالصمد نے اپنے آباو اجداد کا مقبرہ تعمیر کرایا تھا ۔

فتح خاں تغلق شاہ ایک ناتجربہ کار اور زمانے کی اونچ نیچ سے ناواقف شاہزادہ تھا ۔ فیروز شاہ کی وفات کے بعد امیروں اور سرداروں کے متفقہ فیصلے سے تخت سلطنت پر بٹھایا گیا لیکن وہ جلد ہی عیش و عشرت میں مبتلا ہو گیا حتیٰ کہ معاملات سلطنت میں گڑبڑ ہونے لگی ۔ اسی باعث سلطنت میں فتنوں نے سر اٹھایا اور ہر طرف بغاوت و سرکشی کے آثار نمایاں ہونے لگے ۔ باغیوں کے ایک گروہ نے شاہزادے کو معہ اس کے چند قریبی رشتہ داروں کے قتل کر دیا ۔ اس نے صرف پانچ ماہ حکومت کی ۔

شیخ زین الدین قدس سرہٗ [۳۸۲]

آپ شیخ نصیر الدین محمود کے مرید ، خادم ، خلیفہ اور بھانجے تھے ۔ عبادت و ریاضت میں مشغول

رہتے تھے۔ آپ کا ذکر شیخ کے ملفوظات (خیرالمجالس)[۳۸۳] میں تحریر ہوا ہے۔ آپ کی قبر[۳۸۴] اس گنبد میں ہے جو شیخ نصیر الدین کے احاطے کے آخری سرے پر ہے۔ آپ کے بہت سے مرید تھے ان ہی میں "چداین" کے مصنف مولانا داؤد تھے۔ اس کتاب میں آپ کی تعریف و توصیف بیان ہوئی ہے۔

مسعود بک[۳۸۵] قدس سرہٗ

آپ کی مریدی کا سلسلہ، دو واسطوں سے سلطان المشائخ تک پہنچتا ہے۔ شیخ رکن الدین شیخ شہاب الدین امام کے فرزند تھے اور شیخ شہاب الدین سلطان المشائخ کے خادموں میں تھے۔ جنھیں امامت کا منصب اور حضرت کی خدمت میں اعتبار حاصل تھا۔ نسب کے اعتبار سے آپ سلطان فیروز کے قرابت داروں میں تھے۔ آپ کا اصل نام شیر خاں تھا۔ ایک مدت تک اہل دولت کی مانند پرتکلف لباس پہنتے رہے اور سلطنت کے عہدہ داروں میں شامل رہے۔ پھر یکایک اللہ تعالی کی محبت کے جذبے نے آپ کو اپنی طرف کھینچ لیا۔ مال و دولت اور منصب چھوڑ کر درویشوں کے حلقے میں آبیٹھے اور شیخ رکن الدین کے مرید ہوگئے۔ آپ پر عجیب و غریب حال اور استغراق کی کیفیت طاری رہتی تھی۔

میرے مخدوم (شیخ عبدالحق محدث دہلوی) نے اخبار الاخیار میں تحریر فرمایا ہے کہ چشتیہ سلسلے میں کسی بزرگ نے حقیقت کے راز اس قدر واشگاف الفاظ میں بیان نہیں کیے جس قدر آپ نے بے باکانہ اور مستانہ وار بیان کیے ہیں۔ آپ شوق و مستی سے سرشار باتیں کرتے اور اکثر روتے رہتے تھے۔ کہا جاتا ہے کہ آپ کے آنسو اس قدر گرم ہوتے تھے کہ اگر کسی کے ہاتھ پر ٹپکتے تو وہ اس کی تپش محسوس کرتا تھا۔ آپ صاحب تصنیف و تالیف بھی تھے۔ آپ نے عین القضاۃ ہمدانی کی کتاب تمہیدات[۳۸۶] کے انداز پر "تمہیدات" تحریر فرمائی۔ ایک دیوان[۳۸۷] اشعار بھی ہے اس کے علاوہ آپ کی ایک تصنیف "مرآۃ العارفین[۳۸۸]" بھی ہے۔

مختصر یہ کہ آپ اپنے زمانے میں عشق و محبت کے مشرب میں یکتا تھے۔ اس زمانے کے علما آپ سے کینہ و عناد رکھتے تھے چنانچہ کہا جاتا ہے کہ آپ ان علما کے فتووں کی بنیاد پر حسین منصور کی طرح قتل کیے☆

☆ کلمات الصادقین کے مطبوعہ متن میں کچھ التباس محسوس ہوتا ہے۔ اصل متن اور اس کا ترجمہ پیش ہے:

اورا تصانیف است۔ بر طبق تمہیدات عین القضاۃ ہمدانی تمہیداتی نوشتہ و دیوان شعر دارد و یکی از تصنیفات وی مسمی بمراۃ العارفین است۔ بالجملہ در شرب عشق و محبت یگانہ وقت بودہ و علمای روزگار را بادی نقاری تمام۔ چنانچہ گویند ہم بفتوی ایشاں

آپ صاحب تصنیف و تالیف بھی تھے۔ آپ نے عین القضاۃ ہمدانی کی کتاب تمہیدات کے انداز پر تمہیدات تحریر فرمائی۔ ایک دیوان اشعار بھی ہے۔ اس کے علاوہ آپ کی ایک تصنیف مرآۃ العارفین ہے۔ مختصر یہ کہ آپ اپنے زمانے میں عشق و

(بقیہ اگلے صفحے پر)

گئے۔ آپ کی قبر شریف خواجہ قطب الدین کے راستے میں واقع سرائے لادو میں اپنے شیخ محترم کے پہلو میں ہے۔ وہاں تنہا عاشقانہ انداز کے ساتھ محو خواب ہیں۔ یہ رباعی آپ کے معنوی خوبیوں سے آراستہ اشعار میں سے ہے:

گراز خودیِ خویش برون آئی تو ‏ ‏ ‏ ‏ در پردۂ توحید درون آئی تو

وراز روشِ چون وچرا در گزری ‏ ‏ ‏ ‏ از خود شدہ بی چرا و چون آئی تو

(ترجمہ) اگر تو خودی کی قید سے رہا ہو جائے تو توحید کے پردے میں داخل ہو جائے گا

اگر تو شک و شبہ کی روش پہ چلنا چھوڑ دے تو خود کو یقین کی منزل میں پائے گا

یہ بھی آپ ہی کا شعر ہے:

رفت ز مسعود بک، جملہ صفات بشر ‏ ‏ ‏ ‏ چون کہ ہمان ذات بود باز ہمان ذات شد

(ترجمہ) جب مسعود بک تمام بشری خصوصیات سے پاک ہو گیا تو چونکہ وہ اللہ کا تھا سو اللہ تعالی کی طرف لوٹ گیا۔

آپ نے اپنی باطنی کیفیات جو مریدین کی منفعت کے لیے بیان کیں ان میں سے دو باتیں کلمات کے عنوان سے تحریر کی جاتی ہیں۔

(گذشتہ سے پیوستہ)

مثل حسین منصور بقتل آمد و قبر شریف وی در راہ خواجہ قطب الدین در لادوسرای است پہلوی پیر بزرگوار خود۔

محبت کے مشرب میں یکتا تھے۔ اس زمانے کے علما آپ سے کینہ و عناد رکھتے تھے چنانچہ کہا جاتا ہے کہ آپ ان علما کے فتووں کی بنیاد پر حسین منصور کی طرح قتل کیے گئے۔ آپ کی قبر شریف خواجہ قطب الدین کے راستے میں واقع سرائے لادو میں اپنے شیخ محترم کے پہلو میں ہے۔

قابلِ غور نکتہ یہ ہے کہ عین القضاۃ ہمدانی متوفیٰ ۵۲۵ھ حسین بن منصور کی طرح قتل کر دیے گئے تھے۔ (ملاحظہ ہو دیباچہ از ڈاکٹر بہمن کریمی بر یزدان شناخت از عین القضاۃ ہمدانی تہران ۱۳۲۷ ش۔ ص ی) مسعود بک رحمۃ اللہ علیہ پر یہ واقعہ نہیں گزرا۔ اگر یہ واقعہ جو ہندوستان کے چشتی بزرگوں کی تاریخ کا اہم واقعہ قرار دیا جا سکتا ہے وقوع پذیر ہوتا تو اخبار الاخیار میں شیخ عبدالحق محدث دہلوی جنھوں نے مسعود بک کا طویل ذکر کیا ہے اس کی نشاندہی ضرور فرماتے، علاوہ ازیں شیخ محمد اکرام نے ارمغان پاک میں آپ کی نسبت اس نوعیت کا کوئی ذکر نہیں کیا ہے (ملاحظہ ہو ارمغان پاک طبع چہارم ص ۳۹ کراچی ۱۹۵۹ء)۔ اس صورت حال میں یہ نتیجہ اخذ کیا جا سکتا ہے کہ یہ سہو یا تو کلمات الصادقین کے مصنف سے ہوا یا کسی کاتب سے یہ غلطی سرزد ہوئی کہ صحیح عبارت کو خلط ملط کر دیا اور بعد کے قلمی نسخوں میں اس غلطی کی تکرار جاری رہی۔ بہرحال اس واقعے کو عین القضاۃ سے منسوب سمجھنا چاہیے۔ مترجم نے مطبوعہ متن کے مطابق ترجمہ کر دیا ہے اور سہو والتباس کی نشاندہی کر دی ہے۔

(احقر مترجم)

کلمہ ۱ مرآۃ العارفین میں روح کی حقیقت کے بارے میں تحریر کیا ہے[۳۸۹]۔ جان لیں کہ اللہ تعالیٰ نے روح کے بھید کو تمام مخلوقات سے پوشیدہ رکھا ہے۔ کسی ہستی نے نہ عقل کے ادراک سے اسے جانا ہے نہ آنکھ سے اسے دیکھا ہے (لیکن اللہ تعالیٰ کا ارشاد) **قل الروح من امر ربی**[۳۹۰]، روح کے موجود ہونے کا ثبوت ہے۔ اور **وما اوتیتم من العلم**[۳۹۱] والی آیت میں صاف کہدیا گیا ہے کہ تم روح کی حقیقت معلوم کرنے کے اہل نہیں ہو۔

اگرچہ روح اپنے آثار و علامات سے ظاہر ہے لیکن عقل کی جستجو یہ ہے کہ ادراک کے ذریعہ اس کی ماہیت معلوم کرے لیکن روح کی ماہیت کے بارے میں عقل سے معلوم کرنا ناممکن ہے کیونکہ روح بحث و دلیل کی تمام تر صلاحیتوں سے بالا تر ہے۔ البتہ اہل تحقیق کہتے ہیں کہ روح کی معرفت روح ہی سے ممکن ہے جب روح اللہ تعالیٰ کے جمال کو دیکھ لیتی ہے تب اس کی معرفت کا نور عقل کی شمع کو منور کرتا ہے۔ روح دراصل انسان کی حقیقت ہے۔ کسی شاعر نے کہا ہے:

وکنت بالروح لا بالجسم انساناً

میں روح کے ساتھ انسان ہوں، جسم کے ساتھ نہیں

کلمہ ۲ کشف روح کے بارے میں تحریر فرمایا ہے[۳۹۲]۔ اہل تحقیق کہتے ہیں کہ روح کے دو اعتباری پہلو ہیں ایک سراجی (چراغ کی حیثیت) اور دوسرا زجاجی (شیشے کی حیثیت)۔ جس کسی نے اس کے بارے میں علمی تعبیر کی ہے یا اس کے کشف کے بارے میں اشارات کیے ہیں وہ روح زجاجی کی حیثیت سے کیے ہیں نہ کہ روح سراجی کی حیثیت سے۔ ایک چراغ، **اللّٰہ نور السموات والارض**[۳۹۳] کے سامنے لاکھوں، کروڑوں شیشے ہیں جن پر اس چراغ کی روشنی کا عکس پڑتا ہے۔ چراغ صرف ایک ہے اس لحاظ سے روح کی کثرت شیشوں کے اعتبار سے ہے نہ کہ چراغ کے اعتبار سے اور روح کے حادث (مخلوق) ہونے کی یہی وجہ ہے:

ہست ایں ہزار آئینہ و آفتاب یک[۳۹۴]

آئینے ہزار ہیں لیکن آفتاب ایک ہی ہے

ہر آئینے کی پاکیزگی کی نسبت سے تمام آئینوں میں یہ عکس اسی کے نور سے نمایاں ہوتے ہیں۔

۱۔ ترجمہ آپ فرما دیجیے کہ روح میرے رب کے امر میں سے ہے۔

۲۔ " تم کو جو کچھ علم دیا گیا ہے۔

۳۔ " اللہ زمین اور آسمانوں کا نور ہے۔

شیخ بدر الدین سمرقندی قدس سرہٗ

آپ شیخ سیف الدین باخرزی کے مرید[395] اور خلیفہ تھے۔ شیخ باخرزی شیخ نجم الدین کبریٰ کے اور شیخ نجم الدین شیخ عمار یاسر کے خلیفہ تھے۔ شیخ عمار یاسر شیخ ابوالنجیب سہروردی کے اصحاب میں تھے۔ یہ سلسلہ آخری نسبت تک اسی ترتیب سے پہنچتا ہے۔ جس ترتیب سے شیخ عثمان سیاح کے ذکر میں بیان کیا گیا ہے۔

آپ نے اپنے دادا پیر شیخ نجم الدین کبریٰ کو دیکھا تھا۔ آپ بڑے بزرگ تھے، بخارا سے ترک وطن کر کے ہندوستان آئے اور پھر دہلی میں سلطان المشائخ کے ذوق صحبت کے سبب یہیں اقامت اختیار کر لی۔ آپ نظام الدین اولیا کی مجلس میں سماع بھی سنتے تھے۔ خوب صورت اور نیک سیرت تھے۔ سلطان المشائخ کی حیات مبارکہ میں آپ کی وفات ہوئی، دہلی میں مدفون ہوئے۔ آپ کی قبر قدیم دہلی کے مزارات[396] میں ہے۔

درر نظامی[397] میں لکھا ہے کہ ایک دن آپ اور شیخ نظام الدین دونوں امیر خورد سے ملاقات کرنے کے لیے گئے۔ وہ امیر خورد مراقبے میں دنیا اور مافیہا سے بے خبر بیٹھے تھے۔ بدرالملتہ نے جن بزرگوں کو جن جن شہروں میں دیکھا ہے کسی مناسبت سے ان کا ذکر شروع کر دیا کہ میں نے فلاں مقام پر فلاں بزرگ سے ملاقات کی اور فلاں بزرگ سے فلاں مقام پر ملا۔ اس ذکر پر نظام الاولیا نے فرمایا " اے بھائی یہ بات ختم کرو ہم ان بزرگ کی زبان سے کچھ سننا چاہتے ہیں تاکہ ہمیں کچھ فائدہ حاصل ہو۔ اچانک امیر خورد نے اپنے گھٹنوں سے سر اٹھایا اور فرمایا " اے بدر الدین تم نے اتنے بزرگوں سے ملاقات کی اور اتنے بزرگوں کے نام گنائے، ان میں سے کسی نے تمھاری طرف توجہ کی۔

شیخ رکن الدین فردوسی قدس سرہٗ

آپ شیخ نجیب الدین فردوسی کے پیر اور شیخ بدر الدین سمرقندی کے جن کا ذکر ہو چکا ہے مرید تھے۔ حقیقت و معرفت کے علم میں بے نظیر تھے۔ آپ کے چہرے سے آپ کی ظاہری اور باطنی عظمت کا اظہار ہوتا تھا۔ دہلی میں قیام تھا۔ جب سلطان معز الدین کیقباد نے کیلوکھری میں نئے شہر کی بنیاد ڈالی تو آپ وہاں منتقل ہو گئے اور دریائے جمنا کے کنارے ایک مکان بنا لیا اور وہیں رہنے لگے۔

اخبار الاخیار[398] میں مذکور ہے کہ غالباً آپ کے اور شیخ نظام الدین کے درمیان زیادہ محبت و اخلاص

کے تعلقات نہ تھے، چنانچہ سیر الاولیا[399] میں بیان کیا گیا ہے کہ شیخ رکن الدین کے بیٹے جو نوجوانی کی عمر میں داخل ہو چکے تھے ایک دن کشتی میں سوار گاتے ناچتے شیخ نظام الدین کی خانقاہ کے نیچے سے گزرے۔ شیخ کی نظر ان پر پڑی، سر باہر نکال کر فرمایا، ایک شخص برسوں سے اپنا خون پی رہا ہے اور اپنی جان اس راہ میں فدا کیے ہوئے ہے اور یہ نوجوان کہتے ہیں کہ تو کیا ہے جو ہم نہیں ہیں۔ پھر اپنا دست مبارک آستین سے باہر نکالا اور ان کی طرف اشارہ کرتے ہوئے فرمایا خبردار[400] رہتے ہوئے بڑھنا۔ جب شیخ رکن الدین کے فرزند کشتی سے اترے اور نہانا چاہا، جوں ہی پانی میں داخل ہوئے ڈوب گئے۔

آپ بہت عبادت و ریاضت کرتے تھے اور صاحب کشف و کرامات تھے۔ آپ کی قبر مبارک دریائے جمنا کے کنارے قصبہ کیلوکھری میں شیخ محمود[401] بہاری کے مزار کے پہلو میں اور اسی مکان کے قریب ہے جس میں آپ کی رہائش تھی۔ شیخ محمود بہاری بڑے صاحب جذب بزرگ تھے اور معین الاولیا اجمیری کے تربیت یافتہ[402] تھے۔ شیخ رکن الدین کا عرس بارہ رجب المرجب کو ہوتا ہے۔

شیخ نجیب الدین فردوسی قدس سرّہٗ

آپ شیخ رکن الدین کے جن کا ذکر ہو چکا ہے، مرید تھے۔ آپ کا عظیم بزرگوں میں شمار ہوتا ہے۔ آپ کی قبر[403] حوض شمسی کے مشرق میں بڑے چبوترے پر برہان الدین[404] بلخی کے مزار کے قریب ہے۔ عجیب خوش خلق بزرگ تھے۔ ہم صحبت دوستوں کو بہشت کی خوشخبری سناتے تھے۔ آپ کے ظاہری و باطنی کمالات و حالات اس حد تک زیادہ ہیں کہ تحریر و تقریر[405] میں نہیں آسکتے۔ آپ کی عظمت کا اندازہ اسی سے لگایا جا سکتا ہے کہ شیخ شرف یحییٰ آپ کے مریدوں میں تھے۔

کہتے ہیں کہ جب شرف الاولیا آپ کی خدمت میں حاضر ہوئے تو آپ نے فرمایا، شرف خوب آئے۔ یہ درویش سالہا سال سے تمھاری امانت کی حفاظت کر رہا ہے۔ شرف الاولیا نے اسی ملاقات میں آپ سے بیعت کی اور بہت کم مدت میں آپ سے اجازت نامہ اور خرقہ خلافت حاصل کیا۔

منقول[406] ہے کہ ایک مرتبہ شیخ شرف نے آپ کو ایک ڈبیہ جس میں اکسیر تھی نذر کی۔ آپ نے ان کے حوصلے کا امتحان کرنے کے لیے ڈبیہ کو پانی میں ڈال دیا۔ شرف الاولیا اس بات سے ملول ہونے کے بجائے خوش دل ہوئے اور عرض کیا کہ اگرچہ اس کیمیا سے تانبا سونا بن جاتا ہے لیکن یہ بات دل پر گرانی کا باعث ہو جاتی ہے۔ اللہ تعالیٰ کا شکر ہے کہ آج بے جا خواہشوں کی قید سے رہائی مل گئی۔ آپ ان کی باتیں سن کر

بے حد خوش ہوئے اور کچھ باتیں ان کو تحریر کر کے دیں۔ شرف الاولیا نے آپ کی تحریر کو سر پر رکھا، معاً زمین کے اندر جو کچھ تھا ان پر ظاہر ہو گیا۔

شرف الاولیا نے اس کاغذ کو بوسہ دیا اور آپ کے آگے رکھ کر عرض کیا کہ یہ متاع احقر کے لیے پریشانی کا سبب ہے اسے کسی دوسرے شخص کو جو اس کا طالب ہو عنایت فرمائیں۔ آپ نے ان کے حوصلے اور ہمت کی تعریف فرمائی اور ان کے حق میں دعائے خیر کی۔

شیخ حسن طاہر قدس سرہٗ[407]

آپ راجی حامد کے مرید اور خلیفہ تھے، جو درست نسبت، صحیح حال اور باطنی پاکیزگی کی خوبیاں رکھنے والے بزرگ تھے۔ راجی حامد شیخ حسام الدین مانک پوری کے مرید تھے جو اپنے زمانے کے عظیم مشائخ میں شمار ہوتے تھے اور شریعت و طریقت دونوں علوم سے پوری طرح بہرہ مند تھے۔ شیخ حسام الدین شیخ نور قطب عالم کے مرید تھے جو ہندوستان کے مشاہیر اولیا اللہ میں سے تھے اور عشق و محبت، ذوق و شوق نصرت و کرامت، ریاضت و مجاہدت میں درجہ کمال حاصل کر چکے تھے۔ شیخ نور قطب عالم اپنے والد شیخ علاء الحق کے خلیفہ تھے۔ شیخ علاء الحق سراج الدین اخی سراج[408] کے خلیفہ تھے جو شیخ نظام الدین اولیا کے عظیم خلفا میں شمار ہوتے ہیں۔ اس اعتبار سے آپ کو (شیخ حسن طاہر کو) چھ واسطوں سے سلطان المشائخ کی نسبت حاصل ہے۔

آپ جونپور کے مشائخ میں سے تھے۔ آپ کے والد طلب علم کے لیے ملتان سے اس علاقے میں وارد ہوئے۔ مدت دراز تک بہار میں قیام کیا اور علم کی تحصیل کی۔ آپ نے اسی شہر میں پردۂ عدم سے میدان وجود میں قدم رکھا (ولادت پائی) آپ کی طبیعت میں بچپن ہی سے طلب و جستجو کے آثار نمایاں تھے اور آپ درویشوں سے اعتقاد رکھتے تھے۔ اس زمانے میں راجی حامد کی بزرگی کی شہرت اطراف و جوانب میں پھیل چکی تھی۔ آپ بھی اس انداز سے جس کا مقصد شیخ کو ایک طرح سے جانچنا تھا، سید راجی سے ملاقات کے لیے روانہ ہوئے لیکن پہلی ہی نظر میں ازلی کشش نے آپ کو اپنی طرف کھینچ لیا اور آپ ان کی ارادت کے حلقے میں داخل ہو گئے۔ آپ عالموں میں پہلے شخص تھے جس نے راجی حامد سے بیعت کی۔ آپ کے بعد شیخ الہ داد جو جونپور کے عظیم علما میں شمار ہوتے تھے ان کے مرید ہوئے۔ شیخ الہ داد اس پایہ کے عالم تھے جنھوں نے کافیہ[409]، ہدایہ اور بزدوی کی شرحیں لکھی ہیں۔ ان کا اسلوب تحریر جاندار تھا اور وہ علمی مطالب کو واضح طور پر بیان کرنے کی عظیم صلاحیت رکھتے تھے۔

شیخ حسن، سلطان سکندر لودھی انار اللہ برہانہ کے عہد میں خود سلطان کی درخواست پر اور اپنے سلسلے کے مشائخ کی زیارت کے اشتیاق کے باعث جونپور سے دہلی تشریف لائے اور بجے منڈل کے حصار میں مع اہل و عیال رہائش اختیار کی۔ جہاں اب بھی آپ کی اور آپ کی اولاد کی قبریں ہیں۔ ۲۴ ربیع الاول ۹۰۹ھ میں آپ نے عالم فانی سے سرائے جاودانی کا سفر اختیار کیا۔

آپ نے علم توحید و تصوف میں چند رسائل بھی تحریر کیے ہیں، ان ہی میں ایک رسالہ "مفتاح الفیض" ہے چنانچہ اس رسالے سے چار فواید، کلمات کے ضمن میں تحریر کیے جاتے ہیں۔

کلمہ ۱ نفس[۴۱۰] کے تزکیہ کی حقیقت یہ ہے کہ جن حیوانی اخلاق کی مذمت کی گئی ہے ان کا قلع قمع کیا جائے اور اپنی ذات میں ملکی اوصاف پیدا کیے جائیں۔ نفس کی برائی جب سر اٹھائے تو ملامت کر کے اسے ابھرنے نہ دیا جائے۔ حتیٰ کہ قلب میں برے خیالات سرے سے پیدا ہی نہ ہوں اور نفس مطمئنہ حاصل ہو جائے۔ قلب کا تصفیہ یہ ہے کہ قلب کو دنیا کے غم اور تشویش کے زنگ لگنے سے بچائے۔ دنیا اور دنیا پرستوں کی طرف میلان نہ رکھے۔ دنیا کی محبت اور حرص نیز فضول قسم کے خوف اور ڈر کو قلب میں پیدا نہ ہونے دے۔ سِرّ☆ کا تخلیہ یہ ہے کہ سِرّ کو اللہ تعالی کے سوا تمام مخلوقات کے خوف اور غیر حق کے ہیجان سے خواہ بہشت ہی کیوں نہ ہو خالی کر دے۔ اگر اچانک کوئی خیال پیدا ہو تو اس کی نفی کرے۔ روح کا تجلیہ یہ ہے کہ حق تعالی کی تجلیات کا مشاہدہ، اس کا ذوق و شوق، اس کی محبت اور اسرار و انوار کا مشاہدہ، روح میں جلا پیدا کرتا ہے اور یہ کیفیت روح میں دائمی طور پر جاگزیں ہو جاتی ہے۔

کلمہ ۲ مفتاح الفیض[۴۱۱] میں بیان فرمایا کہ سلوک کی حقیقت یہ ہے کہ طالب حیوانی اخلاق کو یکسر بدل ڈالے۔ بشری اوصاف سے باہر نکل آئے اور اپنی ذات میں اللہ تعالی کے اخلاق پیدا کرے۔

کلمہ ۳ جذبہ[۴۱۲] کیا ہے؟ یہ اللہ تعالی کی بندے پر خاص رحمت ہے۔ اللہ تعالی کا ارشاد ہے، آتیناہ رحمۃ من عندنا[۴۱۳] یعنی اسے ہم نے اپنے پاس سے رحمت عنایت کی، نیز مصطفی صلی اللہ علیہ وسلم کی دعا **اللھم انی اسالک رحمۃ من عندک تھتدی بھا قلبی**[۴۱۴]☆☆۔ اے اللہ میں آپ سے اس رحمت کا

☆ جسم انسانی میں چھ لطائف ہیں جنھیں لطائفِ ستہ کہتے ہیں، ان ہی میں لطیفہ سری بھی ہے۔ لطائف یہ ہیں (۱) لطیفہ قلبی (۲) لطیفہ روحی (۳) لطیفہ نفس (۴) لطیفہ سری (۵) لطیفہ خفی (۶) لطیفہ اخفیٰ۔ مزید تفصیل کے لیے ملاحظہ فرمائیں "سِرِ دلبران" شاہ سید محمد ذوقیؒ طبع ثانی کراچی ۱۳۸۸ھ صص ۲۹۸ - ۲۹۹ (احقر مترجم)

☆☆ پوری دعا یوں ہے۔ اللھم اسالک رحمۃ من عندک تھتدی بھا قلبی و تجمع بھا امری و تلم بھا شعثی و تصلح بھا دینی و تقضی بھا دینی تحفظ بھا غائبی و ترفع بھا شاھدی و تبیض بھا وجھی و تزکی بھا عملی و تلھمنی بھا رشدی و ترد بھا الفتی و تعصمنی بھا کل سوء۔ یا اللہ میں مانگتا ہوں تجھ سے خاص رحمت تیری کہ جس سے تو میرے دل کو ہدایت کر دے اور اس سے میرے کاموں کو جمعیت دے اور اس سے میری ابتری کو تربیت کر دے اور اس سے میرے دین کو درست کر دے۔ میرے قرض کو ادا کر

(بقیہ اگلے صفحے پر)

طلب گار ہوں جس سے میرا دل راہ راست پر آ جائے۔ اسی حقیقت پر مبنی ہے۔ اس کو فیض حق بھی کہتے ہیں۔
جذبہ من جذبات الحق توازی عمل الثقلین[315] یعنی جذبات الحق میں سے ایک جذبۂ حق جن اور انسان دونوں مخلوق کے عمل کے برابر ہے۔

کلمہ ۴ مفتاح الفیض میں یہ بھی تحریر فرمایا ہے[316]:

مرد باید کہ بوی داند برد ورنہ عالم پراز نسیم صباست

(ترجمہ) اہلِ ہمت سالک کو چاہیے کہ فیض حق کی خوشبو سے خود کو معطر کرے ورنہ تمام دنیا نسیم صبا سے معمور ہے۔

فیض حق اور جذبہ حق سے مراد دائمی تجلی ہے اور وصول بحق سے مراد یہ ہے کہ اپنی ذات کے پندار اور دوئی کے احساس سے علاحدہ اور بری ہو جائے اور وجود مطلق میں اپنے علم اور اپنے جہل کو فنا کر دے۔

شیخ حسن طاہر قدس سرہ کی وفات سلطان سکندر لودھی کے عہد حکومت میں ہوئی۔ اس سلطان کا زمانہ ایسا مبارک تھا جس میں بہت ہی عظیم بزرگ جیسے مولانا سماء الدین، شاہ جلال شیرازی، حاجی عبدالوہاب بخاری، شاہ محمد خیالی اور ان کی مثل بہت سے بزرگ قدس اللہ اسرارہم جو یکتائے روزگار تھے، موجود تھے۔

سلطان سکندر لودھی بہت دین پرور، عادل اور سلطنت کی حفاظت کرنے والا بادشاہ تھا۔ سب لوگ قطع نظر اس کے کہ سپاہی ہوں یا کاشتکار، تجارت پیشہ ہوں یا دست کار، اس کے عہد حکومت میں آسودہ اور خوش حال تھے۔ اس نے سرکش لوگوں اور باغیوں کا بالکل قلع قمع کر دیا تھا۔ کفر و کافری کے طریقے اور جاہلیت کی رسوم ختم کر دیے گئے تھے۔ دین اسلام اس کے زمانے میں اس شان سے پھیلا کہ اس سے قبل تصور نہیں کیا جا سکتا تھا۔ اس کے سرداروں اور امیروں میں سے بیشتر تلاوت قرآن سے شغف رکھتے تھے۔ نماز اور روزے کے پابند تھے۔ دینی علوم اور فضائل کی تحصیل میں مشغول رہتے تھے۔ زکوٰۃ کی ادائیگی کا بے حد ذوق پیدا ہو گیا تھا اور **الناس علی دین ملوکھم**[317] یعنی لوگ اپنے بادشاہوں کے دین پر ہوتے ہیں کے مصداق اس کے زمانے کے لوگ شریعت پر چلنے والے انصاف کرنے والے، سخاوت و شجاعت کے اوصاف سے آراستہ تھے۔ دین داری، تقویٰ و زہد اور امانت و دیانت کے ساتھ زندگی بسر کرتے تھے:

زہی دولت مادر روزگار کہ پوری چنیں پرورد در کنار

(گذشتہ سے پیوستہ)

دے۔ اور میری غائب چیزوں کی حفاظت رکھے اور میری حاضر چیزوں کو قوت دے اور میرے چہرے کو نورانی کر دے اور میرے عمل پاکیزہ کر دے اور میرے دل میں میری ہدایت ڈال دے اور میری الفت لوٹا دے اور مجھے ہر برائی سے بچائے رکھے (مناجات مقبول مرتبہ مولانا اشرف علی تھانوی نور اللہ مرقدہ۔ المنزل الرابع ۲)

(ترجمہ) اس مادر روزگار کی اقبال مندی پر آفریں ہے جو اپنی گود میں ایسے فرزند کی پرورش کرے۔

اس کی بادشاہت کی مدت اٹھائیس سال چند ماہ ہے۔ ۹۲۲ھ میں اس عالم فانی سے ریاض جاودانی میں انتقال کیا۔

مولانا سماء الدین قدس سرہٗ

آپ ۸۰۸ھ میں ملتان کی پاک سرزمین میں پیدا ہوئے۔ آپ کے والد گرامی کا نام فخر الدین تھا۔ چونکہ انھیں آپ سے بے حد محبت تھی، اس لیے بارگاہ الٰہی میں ہر صبح آپ کی بھلائی کے لیے دعا کرتے تھے۔ آپ اپنے والد بزرگوار کی دعاؤں کی برکت سے عین جوانی میں سید راجو کی خدمت میں حاضر ہوئے اور ان سے ظاہری اور باطنی تربیت حاصل کر کے درجہ ولایت سے بہرہ مند ہوئے۔ آپ نے مخدوم جہانیاں کے پوتے شیخ کبیر الدین اسماعیل سے نعمت خلافت پائی۔ سفر حجاز کے دوران آپ نے احمد آباد میں شیخ احمد کھٹو مغربی سے بہت زیادہ فیض حاصل کیا۔[۴۱۸] حقیقت یہ ہے کہ آپ کی ذات ظاہری اور باطنی دونوں علوم کی جامع[۴۱۹] تھی۔ علوم ظاہری میں صرف ایک واسطے سے آپ کا سلسلہ درس میر سید شریف جرجانی قدس سرہ تک پہنچتا ہے۔

آپ اولیا اللہ کے محبوب و مقبول اور منظور نظر تھے۔ لوگوں کے دلوں کے بھیدوں کا پتہ چلانے اور کشف و کرامات میں اللہ تعالی کی نشانیوں میں سے ایک نشانی تھے۔ آپ نے دنیوی اسباب سے بقدر ضرورت اکتفا کیا۔ دوسروں کے لیے ایثار کرنے اور راحت پہنچانے میں آپ کی ہمت بلند سے بلند تر ہوتی رہی۔ ہمیشہ کم کھانے، کم بولنے اور کم سونے کے مجاہدے میں مصروف رہے۔ بعض غیر اختیاری واقعات کے سبب آپ ملتان سے اس علاقے میں وارد ہوئے۔ کچھ عرصہ ادھر ادھر قیام کرتے رہے۔ پھر دہلی تشریف لائے تو یہیں مستقل سکونت اختیار کر لی۔ طویل عمر پائی۔ آخری عمر میں بینائی سے محروم ہو گئے تھے لیکن اللہ تعالی کے کرم سے دوبارہ بلا علاج بینائی مل گئی۔

سلوک و تصوف کے مشکل مسائل کی تشریح اور حل میں آپ کی بعض تصانیف ہیں۔ آپ نے "لمعات"[۴۲۰] پر عالمانہ انداز میں حواشی تحریر کیے ہیں۔ علاوہ ازیں غوث الثقلین کے "قصیدہ قطبیہ" کی بہت اچھے اسلوب میں اور حضرت سے اپنی عقیدت و اخلاص کا اظہار کرتے ہوئے تشریح کی ہے۔ آپ کی ایک اور تالیف "مفتاح الاسرار" ہے جو "رسائل عزیز نسفی" کے نہج پر لکھی گئی ہے۔

شیخ جمالی[۴۲۱] جو صاحبِ فضل و کمال بزرگ، شاعر اور دانشور تھے۔ آپ ہی کے مرید تھے۔ ان کا بیان

ہے کہ جب میں خشکی کے راستے حرمین شریفین اور بیت المقدس کی زیارت سے مشرف ہو کر سمندر کے راستے واپسی پر شیخ کی خدمت میں حاضر ہوا تو میں اکثر آپ کی حاضری میں رہتا اور میرے ذمے یہ خدمت تھی کہ آپ کے لیے وضو کا پانی تیار رکھوں۔ اس حاضری میں مجھے عجیب و غریب نوعیت کے مشاہدے ہوئے۔ ایک دفعہ ایک درویش "مکتوبات[۴۲۲] عین القضاہ ہمدانی" لیے ہوئے حاضر ہوا۔ آپ اس سے کتاب لے کر مطالعہ فرمانے لگے اور عین القضاہ کی بہت تعریف کی اور فرمایا کہ عین القضاہ کے تصرفات اس قسم کے تھے کہ ایک ہی دن اور ایک ہی وقت میں بیس جگہ مہمان ہوتے اور حیرت یہ کہ اپنے حجرے سے باہر بھی نہ نکلتے۔ چونکہ میرا ابتدائے سلوک کا زمانہ تھا، میرے دل نے اس بات کو نہ مانا اور خیال گزرا کہ یہ کیسے ممکن ہے کہ ایک شخص ایک ہی دن میں بیک وقت بیس جگہ نظر آئے اور گھر سے باہر قدم بھی نہ رکھے۔ جونہی میرے دل میں یہ خیال گزرا، آپ از راہ کشف اس پر مطلع ہو گئے اور تیز تیز نگاہوں سے میری طرف دیکھا جس سے میں سمجھ گیا کہ میرے دل میں جو خیال گزرا ہے، آپ اس سے واقف ہو گئے ہیں۔ خیر بات آئی گئی ہوئی۔ ایک دفعہ ایسا ہوا کہ آپ اپنے حجرے میں تشریف فرما تھے۔ میں نے دروازے پر دستک کی آواز سنی۔ مجھے خیال ہوا کہ شاید مجھے طلب فرما رہے ہیں، میں حجرے میں داخل ہوا تو مجھے یہ دیکھ کر سخت حیرت ہوئی کہ آپ حجرے کے چاروں کونوں میں بیٹھے ہوئے ہیں، تھوڑی دیر بعد اسی ایک صورت میں آپ اپنی جگہ تشریف فرما ہوئے اور فرمایا۔ شیخ جمالی! درویشوں کو تمثلِ صورت☆ ہوتا ہے اور وہ اس نوعیت کی حیرت انگیز قوتیں رکھتے ہیں۔ اس کا انکار نہیں کرنا چاہیے۔

سترہ جمادی الثانی ۹۰۰ھ میں آپ کی وفات ہوئی۔ حوض شمسی کے جنوب رویہ میں اسی مکان میں جہاں آپ بہ اشارہ خواجہ قطب الدین حالت حیات میں مقیم تھے اور بعد میں شیخ جمالی نے ایک مسجد تعمیر کرائی تھی دفن ہوئے۔ بیان کیا جاتا ہے کہ جب آپ مرض الموت میں مبتلا ہوئے[۴۲۳] تو آپ پر استغراق طاری ہو گیا۔ لوگوں سے بات چیت ترک کر دی۔ جب کبھی ہوش میں آتے، قرآن مجید کی تلاوت فرمانے لگتے اور معانی بیان فرماتے۔ نماز کے وقت اذان سن کر تازہ وضو کیا اور جماعت سے نماز ادا فرمائی پھر استغراق طاری ہو گیا۔ کچھ دیر سونے کے بعد آنکھ کھولی اور مسکراتے ہوئے جان، جان آفریں کے سپرد کر دی۔ جس وقت آپ کو غسل دیا جا رہا تھا، آپ نے انگشت شہادت اٹھائی اور اللہ اللہ کہا۔ بہت سے لوگوں نے جو اس وقت موجود تھے انھوں نے اپنے کانوں سے آپ کا اللہ اللہ فرمانا سنا۔[۴۲۴]

☆ مولانا اشرف علی تھانوی قدس سرہ فرماتے ہیں: کوئی ذات باوجود بقا، اپنی حالت وصف کے کسی دوسری صورت میں ظہور کرے، اس کو تمثل کہتے ہیں اور اس دوسری صورت کو صورت مثالی کہتے ہیں۔ خواب و مکاشفات میں تو اکثر اشیا متمثل ہوتی ہیں اور خرق عادت کے طور پر کبھی بیداری میں بھی تمثل ہوتا ہے۔۔ اس سے جواز تناسخ کا دھوکہ نہ ہو جائے، کیونکہ تمثل میں ذات کو اپنی کسی حالت سے انتقال نہیں ہوتا اور تناسخ میں روح کا منتقل ہونا اعتبار کیا گیا۔

(التکشف عن مہمات التصوف۔ لاہور ۱۹۶۰، ص ۳۰۲)

(مترجم)

شاہ عبداللہ قریشی قدس سرہٗ

آپ اہل[۴۲۵] جنوں میں صاحب ہوش اور سالک مجذوب٭ تھے۔ آپ کی شان اور بزرگی سب پر ظاہر اور عیاں تھی۔ آپ کی ظاہری اور باطنی نسبت شیخ الاسلام بہاء الدین زکریا تک پہنچتی ہے۔ آپ کے آباو اجداد میں سے بعض بزرگ ملتان سے اس علاقے میں تشریف لائے اور دہلی میں مستقل طور پر اقامت اختیار کر لی۔ انھوں نے سلطان بہلول لودھی سے اپنی صاحب زادی کی شادی کر کے اسے اپنی دامادی میں قبول کیا۔

شیخ عبدالوہاب بخاری قدس سرہ جو ظاہری اور باطنی کمالات میں اپنا ثانی نہ رکھتے تھے آپ کے مرید و معتقد تھے آپ سے ان کی محبت اور نیاز مندی کی یہ کیفیت تھی کہ "فنا فی الشیخ" کے درجے میں اس سے زیادہ تعلق کا تصور بھی نہیں کیا جا سکتا۔ مولانا روم کو اپنے شیخ شمس تبریز سے جو بے حد و انتہا تعلق تھا اسی کی مثل اور اسی کے مانند تعلق شیخ عبدالوہاب کو آپ کی ذات گرامی سے تھا۔ مختصر یہ کہ آپ کی شان جلال و کمال کا اندازہ اس بات سے لگایا جا سکتا ہے کہ شیخ عبدالوہاب بخاری اس علم و فضل کے باوجود جو انھیں حاصل تھا، آپ کی محبت میں بے اختیار ہو چکے تھے اور حد سے زیادہ آپ کی اطاعت و تابعداری کرتے تھے۔ آپ کا عرس بائیس صفر کو ہوتا ہے۔ آپ کا مزار قدیم دہلی کے قریب ہے اور زیارت گاہ خاص و عام ہے۔

اخبار الاخیار[۴۲۶] میں ہے کہ ایک روز آپ نے جذب کی حالت میں فرمایا کہ گھر میں جو سامان ہے باہر نکال کر آگ لگا دو۔ شاہ احمد نے جو آپ کے فرزند سعادت مند تھے اور کم عمر تھے عرض کیا ایک ایک کر کے سامان باہر لانے میں لوگوں کو تکلیف ہو گی کیوں نہ گھر ہی کو آگ لگا دی جائے کہ ایک ہی مرتبہ جو کچھ ہے جل کر راکھ ہو جائے۔ آپ بیٹے کی بات سن کر بہت خوش ہوئے اور ان کی تعریف کی۔ آپ کی عظمت و بزرگی کا ظہور سلطان بہلول لودھی کے عہد حکومت میں ہوا۔

سلطان بہلول لودھی ایک دین دار، سخی اور بہادر بادشاہ تھا۔ اس نے کسی سائل کے سوال کو کبھی رد نہیں کیا اگر اس کے لشکر کا کوئی سپاہی بیمار ہو جاتا تو اس کی عیادت کے لیے جاتا۔ کبھی کوئی کام خلاف شرع نہیں کیا۔ ابتدائے حیات میں تجارت کا پیشہ اختیار کیا۔ کسی بزرگ کی دعا کی برکت سے درجہ بدرجہ ترقی

٭ وقتِ خاص یا اوقات خاص میں جذبی پر باری تعالیٰ کی یاد کا اس درجہ غلبہ ہوتا ہے کہ دوسرے خیالات محو ہو جاتے ہیں۔ یہ منجانب اللہ ایک کشش ہوتی ہے جو مزید ترقیات کا باعث ہے۔ اس حالت کو صفائی جذبی کہتے ہیں جو پہلی قسم ہے صفائی وقت کی، کیونکہ یہ حالت جذبیوں پر طاری ہوتی ہے۔ اس مرتبہ کے صوفی کو "سالک مجذوب" کہتے ہیں۔

(اقتباس بہ تغیر چند الفاظ از سرِ دلبراں، مصنفہ شاہ محمد ذوقیؒ کراچی ۱۳۸۸ھ ص ۱۹۹)

(مترجم)

کرتے ہوئے تخت شاہی تک پہنچا۔ جب سے وہ تخت حکومت پر بیٹھا، کسی دشمن کو اس پر فتح حاصل نہ ہوئی۔ سب اس کے مطیع و فرمانبردار رہے۔ تمام معاملات میں استخارہ کرنے کو مقدم جانتا تھا۔ آخری زمانے میں سلطان حسین شرقی پر فتح حاصل کی اور اس کے پورے ملک پر قابض ہو گیا اور یہیں مشرقی علاقے میں اس نے وفات پائی۔ یہ ۸۹۴ھ کا واقعہ ہے[۴۲۷]۔ اس کے عہد حکومت کی مدت اٹھائیس سال نو ماہ تھی۔ اس کی وفات کے بعد اس کا بیٹا سلطان سکندر[۴۲۸] تخت حکومت پر بیٹھا اور معاملات حکومت جیسے کہ طے ہونے چاہییں سرانجام دیے۔

شیخ حاجی عبدالوہاب قدس سرہٗ[۴۲۹]

آپ شاہ عبداللہ کے مرید اور سید جلال بخاری بزرگ[۴۳۰] کی اولاد میں سے تھے۔ سادات حسینی میں سے تھے اور چوبیس واسطوں کے بعد سید کائنات علیہ افضل الصلوۃ سے جا ملتے ہیں۔ آپ کی ولادت باسعادت ۸۶۹ھ میں ہوئی اور تریسٹھ سال عمر پائی۔

آپ کی ذات میں علم کے ساتھ عمل، قال کے ساتھ حال اور صورت و سیرت کی تمام خوبیاں موجود تھیں۔ اس کے علاوہ آپ سیادت و سعادت، ذوق و شوق اور عشق و محبت کی نعمتوں سے بہرور تھے۔ یاد الہی میں محویت اور دنیا سے بے تعلقی کا یہ عالم تھا کہ ابتدائے سلوک میں ایک دن آپ ملتان میں اپنے استاد اور خسر سید صدر الدین بخاری کی خدمت میں حاضر تھے۔ انھوں نے فرمایا کہ "تمام نعمتوں سے بہتر و برتر دو نعمتیں آج بھی دنیا میں موجود ہیں لیکن لوگ ان نعمتوں کی قدر نہیں کرتے۔ ایک نعمت تو مصطفی صلی اللہ علیہ وسلم کا وجود مبارک ہے جو صفت حیات کے ساتھ مدینہ طیبہ میں موجود ہے اور لوگ اس سعادت کو حاصل نہیں کرتے اور دوسری نعمت قرآن ہے جو اللہ تعالی کا کلام ہے اور اللہ تعالی بغیر کسی واسطے کے راست تلاوت کرنے والے سے کلام فرماتے ہیں لیکن مخلوق اس نعمت سے بھی غافل ہے"۔ اس بات کا سننا تھا کہ آپ مجلس سے اٹھ کھڑے ہوئے اور مدینہ طیبہ کی زیارت کی اجازت طلب کی اور اسی وقت خشکی کے راستے روانہ ہوئے اور اس سعادت سے بہرور ہو کر وطن واپس ہوئے۔ شیخ صدر الدین کا انتقال ہو چکا تھا۔ ان کی وفات کا آپ کو بے حد صدمہ ہوا۔

ایک شب آپ نے خواب میں دیکھا کہ آپ دہلی کے سفر پر ہیں اور اس سفر میں آپ کو بشارت ملی ہے کہ دہلی میں ایک بزرگ کی خدمت میں تمھیں حاضری کی سعادت حاصل ہو گی اور ان بزرگ کے وسیلے سے ظاہری اور باطنی مقاصد کی تکمیل ہو گی۔ یہ خواب آپ کی دہلی تشریف آوری کا سبب بنا۔ سلطان سکندر کو

جو اس زمانے میں بادشاہ دہلی تھا۔ آپ سے زیادہ اعتقاد و اخلاص پیدا ہو گیا اور اس نے آپ کی تعظیم و توقیر میں کوئی کمی نہ کی۔

قیامِ دہلی کے زمانے میں آپ شاہ عبداللہ کی صحبت میں حاضر ہونے لگے۔ اگرچہ ابتداء میں آپ شاہ عبداللہ سے اس طرح ملتے تھے جیسے علمائے ظاہر ایک دوسرے سے ملاقات کرتے ہیں لیکن بعد میں آپ نے خواب میں دیکھا کہ جس مرشد روحانی کی تلاش میں آپ دہلی آئے تھے وہ یہی بزرگ ہیں تو آپ نے ان کی بہت زیادہ خدمت کی۔ شاہ عبداللہ نے آپ کی جانب تھوڑا سا تغافل اختیار کیا لیکن پھر انھوں نے آپ کا اخلاص دیکھ کر بہت تعظیم و توقیر کی۔ کہتے ہیں کہ کچھ عرصے بعد جب آپ نے شاہ عبداللہ سے بیعت کر لی تو ایک دن انھوں نے آپ سے دریافت کیا کہ تم ماشاء اللہ حاجی حرمین ہو، عالم و متقی، صاحب حال و مقام اور صاحب سجادہ ہو، مجھ سے کیا چاہتے ہو؟ آپ نے نہایت نیاز مندی سے عرض کی کہ میں ان باتوں کو نہیں جانتا بس آپ کی خدمت کرنا چاہتا ہوں۔ اس کے بعد شاہ عبداللہ نے آپ کی روحانی تربیت کی چنانچہ آپ وہ بن گئے جو بننا تھا۔

بیان کیا جاتا ہے کہ ایک دن آپ کے شیخ کے ہاں مچھلی پکی تھی۔ آپ سالن کی دیگچی کو سر پر رکھے ہوئے، شیخ کی خدمت میں دیر تک کھڑے رہے۔ اس وقت شیخ مراقبے میں تھے اور خاصی دیر تک اسی حالت میں رہے۔ جب انھوں نے مراقبے سے سر اٹھایا تو آپ سے فرمایا، میاں حاجی! تمھاری دیگ تو پہلے ہی سے پکی پکائی تیار تھی لیکن میں چاہتا تھا کہ اس میں زیادہ ٹھہراؤ پیدا ہو جائے اور انجام کار بہت اچھا ہو۔ تمھارے فرزندوں کی بھی یہی کیفیت ہو گی۔ تمھارا ایک بیٹا دم آخر تک تمھاری مثل اور ایک میری مثل ہو گا۔ میں نے بارگاہ الٰہی میں یہ دعا کی تھی جو قبول فرما لی گئی۔

آپ دوسری مرتبہ بھی حرمین شریفین گئے اور زیارت سے مشرف ہو کر دہلی آئے۔ جہاں ۹۳۲ ھ میں ظہیر الدین بابر کے عہد کے اوائل میں آپ کی وفات ہوئی۔ آپ کا مزار قدیم دہلی میں اپنے پیر کے مقبرے کے قریب ہے۔ اس زمانے کے فاضلوں میں سے کسی نے آپ کی تاریخ وفات "شیخ حاجی" سے نکالی۔

بابر بادشاہ ایسا فرماں روا تھا جس کی ذات پسندیدہ اوصاف و اعمال سے آراستہ تھی۔ وہ بہادری، انصاف اور دوسرے فضائل و کمالات میں تمام بادشاہوں سے ممتاز تھا۔ وہ چھ محرم الحرام ۸۸۸ ھ میں نیک بختیوں کو ساتھ لیے ہوئے پیدا ہوا۔ ترکستان میں اپنے نامور والد کی وفات کے بعد اس نے ۸۹۹ ھ میں تخت سلطنت پر قدم رکھا۔ ۹۰۶ ھ میں سمرقند فتح کیا۔ ۹۱۰ ھ کے آخر میں علاقہ شادمان کی طرف متوجہ ہوا اور بلخ و بدخشاں پر قابض ہو کر کابل و غزنین کی جانب پیش قدمی کی۔ ۹۲۶ ھ میں قندھار اور داور کے علاقے بھی اس نے فتح کر لیے۔ اس کے بعد ۹۳۲ ھ میں دہلی، آگرہ اور ہندوستان کے تمام علاقے اس کے قبضے میں آ گئے اور ہندوستان میں اس کے نام اور لقب، کا خطبہ اور سکہ جاری ہوا۔ بابر کے چار بیٹے تھے، جن میں سب سے بڑا فرزند ہمایوں بادشاہ

غازی تھا۔ بابر بادشاہ کی وفات اللہ اس کی دلیل کو روشن کرے ابتدائے جمادی الاول، ۹۳۰ھ میں ہوئی۔

شیخ حاجی عبدالوہاب قدس سرہ کی ایک تفسیر بھی ہے جس میں تمام قرآن پاک کی تفسیر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی نعت کے طور پر کی گئی ہے اور اس میں عشق و محبت کے حقایق و اسرار بیان کیے گئے ہیں۔ شیخ عبدالعزیز قدس سرہ بیان کرتے ہیں کہ جن دنوں آپ "تفسیر انوری" تحریر کرنے میں مشغول تھے ان دنوں آپ کے لباس اور کتابت کے سامان سے مشک کی خوشبو آتی تھی اور بیشتر تفسیر آپ نے استغراق کی حالت میں لکھی ہے۔ اس تفسیر کا ایک اقتباس بطور نمونہ پیش ہے، اس سے اندازہ ہو گا کہ اس کے مطالب میں کس قدر جذب و کیفیت کا اثر ہے۔

"قولہ تعالی لو اردنا ان نتخذ لھوا لاتخذنہ من لدنا۔ ان کنا فعلین" [۴۳۱]

اللہ تعالی کا ارشاد ہے اگر ہم کو مشغلہ ہی بنانا منظور ہوتا تو ہم خاص اپنے پاس کی چیز کو مشغلہ بناتے۔ اگر ہم کو یہ کرنا ہوتا۔ (۲۱۔۱۷)

اے جناب! جان لیں کہ اس آیت میں حق تعالی کے بہت سے راز ہیں جنھیں وہی جانتا ہے [۴۳۲] اور اس کا رسول۔ اور ایک احتمال یہ بھی ہے کہ رب العالمین کی طرف سے جو چیز بنائی جاتی وہ حبیب صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات ہی ہوتی یعنی بالفرض اگر ہم کوئی بیٹا بنانا چاہتے۔ جیسا نصاری کا خیال ہے تو ہم اپنی طرف سے ضرور بناتے اور ہم محمد کو اپنا بیٹا بناتے جو تمام کائنات سے پہلے نور کی شکل میں ہمارے ہی پاس موجود تھا۔ وہ بھی بشر ہیں لیکن انسانوں میں سے کوئی بھی ان کی مثل نہیں ہے نہ کہ ہم عیسیٰ [۴۳۳] کو بیٹا بناتے جس کو بچپن ہی میں محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے اتباع کا حکم دیا جا چکا تھا لیکن اللہ سبحانہ تعالی منزہ ہے اس سے جو کچھ ظالمین کہتے ہیں۔ سو محمد اللہ کے بندے اور رسول ہیں اور عیسیٰ بھی اسی کے بندے اور رسول ہیں۔

آپ کی چند کرامات:

آپ کی کرامتوں میں سے ایک کرامت یہ ہے کہ جب آپ حرمین شریفین سے واپسی کے سفر پر تھے تو ایک دن سمندر میں طوفان آ گیا۔ کشتی میں سوار تمام افراد سخت پریشان ہوئے اور زندگی سے مایوس ہو گئے۔ آپ حسب معمول تلاوت قرآن پاک میں مشغول رہے اور ذرہ برابر اندیشہ آپ کے دل میں پیدا نہ ہوا۔ کشتی کے مسافروں نے آپ سے اپنی بے چینی کا اظہار کیا اور دعا کی درخواست کی۔ آپ نے فرمایا تم لوگ اطمینان

رکھو کشتی کو کوئی آنچ نہ آئے گی کیونکہ مجھے سید کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کی جانب سے صالح فرزندوں کی بشارت ملی ہے اور اس بشارت کا ظہور یقینی ہے۔ چنانچہ سمندر میں آیا ہوا طوفان تھم گیا اور جیسا آپ نے فرمایا تھا ویسا ہی ہوا۔

آپ کے مخلص مریدوں میں سے ایک شخص کو حرمین کے طواف کی شدید آرزو پیدا ہوئی لیکن آپ نے سفر کی اجازت نہ دی۔ چونکہ اس مرید کی نیت درست تھی اور اس نے بہت شوق کا اظہار کیا تھا، آپ نے فرمایا کہ تم جمعہ کو صبح کے وقت سب سے پہلے میرے پاس آنا میں تمھاری بات کا جواب دوں گا۔ جب جمعہ کا دن آیا تو مرید آپ کے فرمانے کے بموجب حاضر ہوا۔ اس نے جونہی آپ کے چہرے پر نگاہ کی تو اپنے ہوش میں نہ رہا اور اس حالت میں خود کو حرم شریف کے اندر موجود پایا اور اسی حالت میں مقاماتِ مقدسہ کا طواف کیا۔ کچھ دیر بعد جب ہوش میں آیا تو جو کچھ دیکھا تھا، نظر سے غایب تھا، البتہ آپ اس کے سامنے کھڑے تھے۔ آپ مسکرائے اور فرمایا اپنے اہل و عیال میں رہو اس کا زیادہ ثواب ہے۔

آپ کے ایک دوسرے مخلص مرید کا بیان ہے کہ میرے کوئی اولاد نہ تھی۔ ایک دن میں آپ کی خدمت میں حاضر ہوا میرے دل میں خیال آیا کہ اگر میری قسمت میں اولاد ہے تو یقیناً حضرت مجھے اس کی بشارت دیں گے معاً آپ نے فرمایا کہ تیرے دو بیٹے ہوں گے ایک کا نام احمد اور دوسرے کا محمد رکھنا۔ اس وقت پھر میرے دل میں خیال گزرا اگر اس سعادت کا وقت بھی مقرر فرما دیں تو زیادہ خوشی حاصل ہو۔ آپ نے فرمایا اسی سال دونوں پیدا ہوں گے۔ چنانچہ آپ کے فرمانے کے بموجب ایسا ہی ہوا۔

شاہ ابو الغیث بخاری قدس سرّہٗ

آپ شیخ حاجی عبدالوہاب کے فرزند اور شیخ صدر الدین کے نواسے تھے۔ آپ کو شاہ عبداللہ سے کامل فیض حاصل ہوا تھا اور اکثر ان کی خدمت میں حاضر رہتے تھے۔ شاہ عبداللہ نے آپ کو الٹا کرتہ پہنایا تھا، اسی باعث آپ پر جذب کی کیفیت طاری رہتی تھی۔ اس کیفیت کے باوجود، شریعت کا اس قدر پاس و لحاظ تھا کہ عبادات و معاملات میں سے کوئی جز، آپ سے فروگزاشت نہ ہوتا۔ آپ یاد الٰہی میں بہت زیادہ بے خود اور قوی حال بزرگ تھے۔ جب آپ ان علوم کی کتابوں کا جو اس زمانے میں رائج تھا مطالعہ کرتے تو کسی طرح کی کیفیت کا اظہار نہ ہوتا لیکن جیسے ہی مطالعہ ختم کرتے جذب کی وہی کیفیت آپ پر طاری ہو جاتی۔

بیان کیا جاتا ہے کہ جس زمانے میں آپ تحصیل علم کر رہے تھے تو ساتھی طالب علموں سے سبق

میں آگے ہونے کی اجازت طلب کرتے اور کہتے کہ آپ حضرات تو ہمیشہ پڑھتے رہیں گے لیکن مجھے وقت اور فرصت میسر ہونے کا یقین نہیں ہے۔ خدا جانے آئندہ کیا حالت پیش آئے۔

آپ کی بہت سی کرامات اور کشف کا ذکر کیا گیا ہے۔ انہی میں سے حضرت مخدوم شیخ عبدالحق محدث دہلوی نے یہ کرامت بیان کی ہے ایک مرتبہ آپ کے گھر میں تمام دن روٹیاں پکتی رہیں جس کے سبب توا جلنے لگا۔ آپ تشریف لائے اور بہت دیر تک اپنے پیر توے پر رکھ کر کھڑے رہے اور کوئی اثر جلنے کا ظاہر نہ ہوا۔

ایک دن[۴۴۴] آپ نے اپنے والدِ بزرگوار سے جو سلاطین لودھی کی ترقی کے خواہاں تھے عرض کیا، ابا جان آپ اس طرف توجہ نہ فرمائیں کیونکہ اس سال بادشاہ آپ اور میں کوئی بھی اس دنیا میں موجود نہ ہو گا چنانچہ اسی سال بادشاہ ظہیر الدین بابر کی فوج کے جھنڈے ہندوستان میں لہرانے لگے۔ سلطان ابراہیم لودھی لڑائی میں مارا گیا اور ان بزرگوں نے اسی سال وفات پائی۔

منقول ہے کہ ایک دفعہ آپ کے باڑے میں بکری مر گئی۔ آپ کو خبر ہوئی، چنانچہ جہاں بکری مری پڑی تھی وہاں آئے اور کہا اللہ کے حکم سے کھڑی[۴۴۵] ہو جا۔ بکری زندہ ہو گئی اور چلنے پھرنے لگی۔

بیان کرتے ہیں کہ آپ کی ایک بیٹی تھی جس کی شادی کسی دوسرے شہر میں ہوئی تھی۔ قضائے الٰہی سے بیٹی کا انتقال ہو گیا۔ آپ کو بذریعہ کشف اس کا علم ہو گیا۔ آپ نے گھر والوں کے اشارے کنایے میں اس کے انتقال کا ذکر کیا۔ جب بہت دنوں بعد شہر سے بیٹی کی وفات کی خبر آئی اور حساب کیا گیا تو انتقال کا وہی دن نکلا جو آپ نے اشارتاً ظاہر کیا تھا۔

آپ کے بارے میں یہ بھی منقول ہے کہ ایک دن حاجی عبدالوہاب (آپ کے والد) نے آپ سے دریافت کیا کہ سکندر کے بعد بادشاہت کس کے نصیب میں ہے۔ آپ نے جواب دیا ابراہیم کے نصیب میں۔ چونکہ آپ کے والد کی خواہش تھی کہ جلال الدین بادشاہ بنے اس لیے آپ کی بات انھیں پسند نہ آئی اور آپ سے کہا، میاں خاموش رہو۔ آپ نے عرض کیا کہ جب حکم ہی یہی ہے تو یہی ہونا ہے۔ اس کے بعد آپ گھر کے اندر آئے، چادر سر پر کھینچی اور عالم جاودانی کو سدھارے۔ آپ کی وفات اپنے والد شیخ حاجی کی حیات میں ہوئی۔

بیان کیا جاتا ہے کہ جب آپ کی وفات کا زمانہ قریب آیا تو اپنے مشائخ کے مزارات کی زیارت کو نکلے اور کہا کہ اللہ کو منظور ہے تو کل واپس آ جاؤں گا۔ جب گھر پہنچے تو ملازموں کو طلب کر کے پوچھا کہ اگر میں مر جاؤں تو تم کس طرح آہ و زاری کرو گے۔ اس کے بعد اسی دن یا دوسرے دن آپ کی وفات ہوئی۔ یہ سانحہ سلطان ابراہیم لودھی کے عہد حکومت میں ہوا۔

سلطان ابراہیم ایسا بادشاہ تھا کہ جب سلطان سکندر کے بعد اس کی حکومت قایم ہوئی تو سب سے پہلے اس کے دل میں اپنے بھائیوں اور قریبی رشتہ داروں کے خلاف فاسد خیالات پیدا ہوئے اور اسے اندیشہ ہوا کہ کہیں یہ لوگ میرے خلاف سازش کر کے حکومت پر قبضہ نہ کر لیں۔ چنانچہ اس بدگمانی میں اس نے بڑے بڑے امیروں کو قتل کرا دیا اور کچھ سرداروں کو قید کر دیا۔ اقتدار کی اس ہوس کے سبب سلطنت کے بعض امیر باغی ہو گئے اور ملک میں فتنوں نے سر اٹھایا۔ جب فردوس مکانی بابر بادشاہ کو ان حالات کا علم ہوا تو اس نے ہندوستان کا رخ کیا۔ سلطان ابراہیم قتل ہوا اور ملک ہند پر اس کی حکومت قایم ہو گئی اور رعایا کو سلطان ابراہیم کے ظلم و ستم سے نجات حاصل ہوئی۔

شاہ جلال الدین شیرازی قدس سرّہٗ

آپ صاحب وقت[☆][۴۳۶]، شیریں مشرب اور نورانی صورت بزرگ تھے۔ آپ شیخ محمد نور بخش کے مرید تھے، جنھوں نے گلشن راز[۴۳۷] کی شرح لکھی ہے اور جو اپنے زمانے کے محقق و عارف بزرگوں میں شمار ہوتے تھے۔ آپ حرمین شریفین کی زیارت کو گئے وہاں سے سلطان سکندر کے عہد میں اس طرف لوٹ آئے اور پھر دہلی میں مستقل سکونت اختیار کی۔ آپ کو مولانا رومی کی مثنوی سے خاص تعلق تھا اور اس سلسلے میں آپ نے اہل فضل و کمال سے اس کے مضامین کی تحقیق کی تھی۔ آپ شریعت کے احکام پر سختی سے عمل کرتے تھے۔ آپ نے اپنا ایک واقعہ بیان کیا ہے:

" ایک دفعہ بیت اللہ شریف میں ایک درویش سے میں نے ایسی بات سنی جو ظاہر شریعت کے خلاف تھی۔ میں نے ارادہ کیا کہ اس بے اعتدالی پر اسے کچھ سزا دوں۔ وہ پہاڑ کی طرف بھاگا۔ میں اس کی پیچھے دوڑا۔ اچانک وہ میری طرف مڑا اور یہ شعر پڑھا۔

☆ "وقت" تصوف کی اصطلاح ہے۔ حضرت داتا گنج بخش علی ہجویری نوراللہ مرقدہ فرماتے ہیں:

"وقت آں بود کہ بندہ بداں از ماضی و مستقبل فارغ شود چنانکہ واردی از حق بہ دل او پیوندد و سرِ وی را مجتمع گرداند چنانکہ از کشف آں وقت نہ از گزشتہ یاد آیدش و نہ از نا آمدہ"
(کشف المحجوب۔ طبع اول لاہور ۱۹۶۸ ص ۳۱۶)

وقت وہ کیفیت ہے کہ اس کیفیت میں بندے کو ماضی اور مستقبل کا کوئی احساس نہیں ہوتا (یوں سمجھو) کہ کوئی واردہ حق تعالیٰ کی طرف سے دل میں آتا ہے اور اس کی حقیقت بندے کے دل پر منکشف ہوتی ہے تو اس کشف کی کیفیت میں بندے کو نہ ماضی یاد رہتا ہے اور نہ مستقبل کا کوئی خیال پیدا ہوتا ہے۔

دستِ ناپیدا گریبان می کشد　　　　من پیِ دست و گریباں می روم

(ترجمہ) کوئی غیبی ہاتھ میرے گریبان کو کھینچ رہا ہے اور میں بے اختیار ہاتھ اور گریبان کے پیچھے چلا جا رہا ہوں
اس شعر نے مجھ پر بے حد اثر کیا اور میں وہیں بے ہوش ہو کر گر پڑا"۔

اللہ تعالیٰ کی راہ میں خرچ کرنے میں آپ کی ہمت بہت بلند تھی۔ اخبار الاخیار[۳۳۸] میں بیان کیا گیا ہے کہ جس دن سے آپ دہلی تشریف لائے آپ کے باورچی خانے کی آگ کبھی سرد نہ ہوئی۔ آپ کے ہاں مہمانوں کو ہمیشہ نان اور فیرنی پیش کی جاتی۔ کسی بھی وقت کوئی مہمان آتا تو نان اور فیرنی کے علاوہ دوسرے کھانے بھی اس کے لیے تیار کیے جاتے۔ آپ کی وفات ۹۴۴ھ میں ہمایوں بادشاہ کے عہد حکومت میں ہوئی۔ آپ کی قبر حاجی عبدالوہاب کے مزار کے قریب ہے۔

نصیر الدین محمد ہمایوں بہت سی خوبیوں کا بادشاہ تھا۔ وہ صاحب علم و عرفان، فیاض، حلیم الطبع انصاف پرور، سخی اور بہادر فرماں روا تھا۔ عبادت گزاری تو اس کی ذات میں کمال درجے کی تھی۔ اس نے کبھی کسی شخص کو توکر کے مخاطب نہیں کیا۔ ہمیشہ روزہ رکھنا اور راتوں کو عبادت کرنا اس کی بلند فطرت کے لوازمات میں تھے۔ جب وہ روزہ افطار کرتا تو پر تکلف کھانوں کا کوئی اہتمام نہ کرتا۔ وہ گوشت بالکل نہیں کھاتا تھا۔ درویشوں، نیک لوگوں اور عالموں کا بے حد احترام کرتا تھا۔

وہ ۹۱۳ھ میں پیدا ہوا۔ ۹۲۵ھ میں وہ اپنے والد کے حکم کے مطابق صوبہ بدخشاں کا والی مقرر ہوا۔ بابر کے ہمراہ ہندوستان فتح کرنے میں اس کی عظیم کوششیں ظہور میں آئیں۔ جب بابر بادشاہ کی وفات ہوئی تو دارالخلافہ آگرے میں جمادی الاول کے مہینے میں جمعہ کے دن اس کے نام کا خطبہ پڑھا گیا اور قندھار سے گجرات تک تمام علاقہ اس کے تصرف میں آیا۔ آخر کار اسے عجیب و غریب واقعات کا سامنا کرنا پڑا۔ اس دین پرور بادشاہ کا سال وفات "ہمایوں بادشاہ از بام افتاد" کے مصرع سے نکلتا ہے اور یہ سال ۹۶۳ھ تھا۔

اس کی وفات کا سبب یہ تھا کہ جب دوسری بار اس عالی مرتبہ بادشاہ نے بداختر افغانوں کو مغلوب کیا تو ابھی چھ ماہ نہ گزرے تھے کہ ایک دن کوشک لعل میں ہوا خوری کے لیے چڑھا۔ اسی دوران موذن نے اذان دینی شروع کی۔ اس نے اذان کی تعظیم میں بیٹھنا چاہا کہ پاؤں پھسل گیا اور نیچے گر پڑا۔ شاید اسی وقت یا چند روز بعد اس کا انتقال ہو گیا۔

شیخ سلیمان مندوی قدس سرّہٗ

آپ کے والد گرامی کا[۴۳۹] نام عفان تھا۔ جائے پیدائش دہلی ہے۔ آپ کا سلسلہ نسب سلطان ابراہیم ادہم سے ملتا ہے اور سلسلہ بیعت چار واسطوں سے حضرت محبوب ربانی قطب صمدانی سلطان المشائخ تک پہنچتا ہے۔ جو اس طرح ہے۔ آپ نے شیخ محمد عیسی جونپوری سے جو یکتائے زمانہ تھے ہدایت حاصل کی۔ انھوں نے شیخ فتح اللہ[۴۴۰] سے جو اپنے عہد کے بے مثل بزرگوں میں تھے خلافت حاصل کی۔ شیخ فتح اللہ شیخ صدر الدین حکیم کے مرید تھے، جو ظاہر و باطن دونوں علوم کے جامع، اعلی پایہ کے عالم اور عارف تھے۔ شیخ صدر الدین شیخ نصیر الدین محمود کے عظیم خلفا میں سے تھے۔

ایک اور سلسلے سے آپ کی نسبت ارادت پانچ واسطوں سے سلطان المشائخ تک پہنچتی ہے۔

یعنی آپ کو اپنے والد بزرگوار شیخ عفان سے خلافت ملی۔ انھیں شیخ حسام الدین مانک پوری سے اور انھیں نور قطب عالم سے خرقہ خلافت ملا۔ شیخ نور قطب عالم کو اپنے والد گرامی شیخ علاء الدین سے سند خلافت حاصل ہوئی۔ انھیں اخی سراج سے، اخی سراج نے سلطان المشائخ سے خلافت پائی۔

آپ، اللہ تعالی کی آپ پر رحمت ہو، بلند پایہ بزرگ تھے۔ اپنے مریدوں کی تربیت کرنے اور درویشوں کے اذکار میں منفرد مقام رکھتے تھے۔ آپ نے بہت سیاحت کی اور عالی مرتبہ بزرگوں کی صحبت میں رہ کر باطنی نعمتیں حاصل کی تھیں اور بہت خانوادوں کے پیروں سے باطنی فیض حاصل کیا۔ پچاس[۴۴۱] سال تک مسجد اقصیٰ اور بیت اللہ شریف میں اعتکاف کیا۔ خضر کی ملاقات سے مشرف ہوئے اور سخت قسم کی ریاضتیں کیں۔

اخبار الاخیار[۴۴۲] میں ہے کہ آپ کو "نقل ارواح" کا مرتبہ، جو اولیاء کے تصرفات میں سے ایک مرتبہ ہے حاصل تھا۔ جس کے سبب آپ گذشتہ زمانے کے گزرے ہوئے واقعات بتا دیتے تھے۔ بیان کیا جاتا ہے کہ آپ نے سید کائنات علیہ افضل الصلوٰۃ اور سرچشمہ ولایت علی مرتضی رضی اللہ عنہ سے قرآن مجید پڑھا۔ آپ کا عرس چودہ محرم الحرام کی شب میں ہوتا ہے۔ آپ نے اسی سال وفات پائی جس سال شاہ جلال شیرازی کی وفات ہوئی تھی۔ آپ کی قبر[۴۴۳] خواجہ قطب الدین کاکی کے مزار مبارک کے عقب میں شاہ سلیمان کی قبر کے پہلو میں ہے، جو اللہ ان کی دلیل کو روشن کرے، بدخشاں کے فرماں روا تھے۔ انھیں علم ظاہر، حال و قال اور وجد و سماع کی نعمتوں سے پورا پورا حصہ نصیب ہوا تھا۔ (سب سے بڑھ کر یہ کہ) وہ آپ کے مرید و معتقد تھے۔ لوگ ان کے مزار کی زیارت کر کے برکت حاصل کرتے ہیں۔ شیخ سلیمان مندوی کے دو فرزند تھے[۴۴۴]۔ ایک کا نام شیخ داؤد اور دوسرے کا شیخ محمود تھا۔ دونوں نے علوم شرعیہ کی تکمیل کی تھی۔ شیخ داؤد کا انتقال تو جوانی میں ہی

ہو گیا تھا البتہ شیخ محمود آپ کی وفات کے بعد آپ کے سجادہ نشین ہوئے ۔ شیخ کمال شیخ محمود کے عظیم فرزند تھے جو اپنے بزرگوں کی روش پر قایم رہے اور اپنے آپ کو علم و عمل سے آراستہ کیا ۔ حضرت شیخ کمال قدس سرہ کے بہت سے معنوی فرزند (مرید) تھے ۔ جنھوں نے ان کی ولایت کے سلسلے کو جاری و ساری رکھا ۔ ان میں سے سب سے زیادہ کامل اور افضل حضرت سید احمد نانوتہ قدس سرہ تھے جو مریدوں کو توجہ دینے میں یکتائے روزگار اور کشف و کرامات میں بے مثل تھے ۔ آج بھی آپ کی نسبت کے آثار و برکات آپ کے فرزندوں اور مریدوں میں ظاہر ہوتے ہیں ۔ عشق و محبت کی سرمستی ، سوز و گداز اور سماع کا ذوق ان بزرگوں کی خمیر میں رکھ دیا گیا ہے ۔ اللہ تعالی کی مخلوق پر عمومی شفقت اور اہل فضل و کمال پر خصوصی عنایت اس گروہ کا شعار ہے ۔ اللہ تعالی سالہا سال تک ان بزرگوں کو اپنے صلح آباء و اجداد کے طریق پر ثابت قدم رکھے ۔

منقول ہے کہ ۹۳۶ ھ میں میرزا سلیمان ابن میرزا خان شیخ سلیمان کی خدمت میں حاضر ہوئے ۔ حقایق و معارف کی مجلسیں گرم ہوتیں اور اہل مجلس بے خود و سرشار ہو جاتے ۔ آپ کی زندگی کے واقعات کی اشاعت اور آپ کی شہرت مندوی کی حیثیت سے ہوئی ۔ فرماتے تھے کہ جس سال صاحب قران امیر تیمور گورگان نے دہلی کو فتح کیا ۔ اس سال اس شہر کے باشندے ادھر ادھر چلے گئے ۔ ہم مندو آگئے ، کچھ عرصہ یہاں قیام کیا اور مندوی مشہور ہو گئے ۔ آپ ایک سو پچاس سال زندہ رہے ۔ بعض لوگ اس سے زیادہ بھی بتاتے ہیں ۔ بہرحال اس میں شک نہیں کہ آپ نے خاصی طویل[۲۲۵] عمر پائی تھی ۔ بہت سے بادشاہوں کی حکومت کو اپنی آنکھوں سے دیکھا ۔ آپ کے ظہور کی ابتداء اس زمانے میں ہوئی جب خضر خاں پھریرے لہرا رہے تھے ۔

خضر خاں فطری طور پر عالی ہمت سردار تھا ۔ فیروز شاہی خاندان کے خاتمے کے بعد دہلی اس کے سایۂ حکومت میں آئی اور وہ سلطنت پر قابض و متصرف ہوا ۔ اگرچہ اس نے تخت نشیں ہونے کے بعد شاہی نام و لقب اختیار نہیں کیا ۔ تاہم بادشاہوں کے مانند ملک کا انتظام چلایا اور سلطنت کے معاملات شاہانہ انداز سے طے کیے ۔ اپنے امیروں اور سرداروں کو ان کی لیاقت کے مطابق منصب عطا کیے ۔ مختصر یہ کہ اس کی ذات میں بادشاہ ہونے کی تمام خوبیاں موجود تھیں ۔ ابتدا میں وہ فیروز شاہ کے اعلی مرتبہ امیروں میں شامل تھا اور ملتان کا حاکم تھا لیکن جس زمانے میں امیر تیمور صاحب قران دہلی آیا اور اس نے خضر خاں کو سند قبولیت عطا کی تو ملتان کے علاوہ دیپالپور کے اضلاع بھی اس کی حکومت میں شامل کر دیے ۔ چونکہ وہ ایک عظیم بادشاہ کا منظور نظر ہو گیا تھا آخر کار دہلی کی بادشاہت بھی اسے نصیب ہوئی ۔ اس نے سات سال دو ماہ حکومت کی ۔ جب ۸۲۴ ھ میں اس کی وفات ہوئی تو مبارک خاں جو اس کا جواں مرد اور بہادر بیٹا تھا ، معز الدین مبارک شاہ کے لقب سے تخت نشیں ہوا ۔

معز الدین مبارک شاہ طبعاً بہت ہی نرم دل ، فیاض اور پسندیدہ عادتوں کا مالک تھا ۔ تخت نشینی کے پہلے سال اس نے خاص اور عام لوگوں کو شاہی عنایتوں اور انعاموں سے نوازا ۔ امیروں اور سرداروں کو جاگیریں

عنایت کیں اور مفسدوں کو قرار واقعی سزائیں دیں ۔ ۸۳۰ھ میں اس نے دریائے جمنا کے کنارے ایک نیا شہر تعمیر کیا اور اس کا نام مبارک آباد رکھا ۔ اس نئے شہر میں عیش و کامرانی میں مشغول ہوا ۔ اسی سال ۹ رجب جمعہ کے دن نماز ادا کرنے کے لیے جامع مسجد آیا تو اس کے مصاحبوں میں ایک امیر نے نمک حرامی کی اور اپنی بے ہودہ خواہشوں کو پورا کرنے کے لیے تلوار سے اس کے سر مبارک پر ضرب لگائی اور اسے شہید کر دیا ۔ اس نے تیرہ سال تین ماہ حکومت کی ۔

معز الدین مبارک شاہ کی شہادت کے بعد سرداروں نے اس کے بھتیجے کو جس کا نام سلطان محمد خاں ابن فرید خاں تھا ، سلطان محمد شاہ کے خطاب کے ساتھ تخت حکومت پر بٹھایا ۔ اگرچہ سلطان محمد شاہ وراثتاً اپنے آباء و اجداد کی خوبیوں کا مالک تھا لیکن حقیقت یہ ہے کہ اس کے عہد حکومت میں امور سلطنت کی رفتار سست پڑ گئی ۔ آس پاس کے سلاطین کے دل میں ملک پر قبضہ کرنے کی حرص پیدا ہوئی ۔ تاہم سلطان محمد شاہ کی کمزوری اور غفلت کے باوجود بہلول لودھی کی تقویت کے سبب جو اس کے امیروں میں بہت ہی امتیازی حیثیت رکھتا تھا اس نے دو سال چند ماہ حکومت کی ۔ انجام کار ۸۴۰ھ میں اسے طبعی موت نے آ پکڑا ۔

اس کی موت کے بعد سرداروں نے اس کے بیٹے کو علاء الدین کا خطاب دے کر تخت پر بٹھایا ۔ وہ سلطنت کے انتظام اور معاملات میں اپنے باپ سے زیادہ سست اور کمزور ثابت ہوا ۔ اس میں مخالفوں اور باغیوں کے ساتھ جنگ کرنے کی قطعی ہمت نہ تھی ۔ چنانچہ کچھ عرصہ دہلی میں گزارا پھر بداؤں چلا گیا اور عیش و راحت میں مشغول ہو گیا ۔ اس نے اپنی مرضی اور اختیار سے ملک کی بادشاہت بہلول لودھی کے سپرد کر دی ۔ علاء الدین نے ملک پر سات سال اور کچھ مہینے حکومت کی اور پھر رحمت حق سے جا ملا ۔

شیخ محمد مشائخ قدس سرہٗ

آپ حاجی عبدالوہاب کے بیٹے ، شیخ صدر الدین کے نواسے اور شاہ ابوالغیث کے چھوٹے بھائی تھے ۔ آپ نے شاہ عبداللہ قریشی سے استفادہ کیا اور فیض پایا ۔ نیز اپنے والد گرامی کی نعمت باطنی سے کامل طور پر بہرہ ور تھے ۔ (والد کی وفات کے بعد) ان کے جانشین و صاحب سجادہ ہوئے ۔ آپ ظاہری اور باطنی علوم سے آراستہ تھے ۔ جب حاجی عبدالوہاب دوسری بار حج کے لیے گئے تو آپ کو اپنی جگہ نائب مقرر کیا تھا ۔ حلال کھانا اور سچ بولنا جو راہ طریقت کے لازمی اصول ہیں ان پر سختی کے ساتھ کاربند تھے ۔

بیان کیا جاتا ہے کہ جب عدل پرور بادشاہ محمد ہمایوں اللہ تعالیٰ اس کی دلیل روشن کرے ، فتح کی نشانی

والے جھنڈوں کے ساتھ گجرات کی فتح کے لیے روانہ ہوا تو آپ کو بھی اپنے ہمراہ لے گیا ۔ چوں کہ حاکم وقت کی اطاعت فرض ہے آپ بادل ناخواستہ اس کے ساتھ روانہ ہوئے لیکن کھانے اور خوراک کا سامان دہلی سے ساتھ لے کر چلے ۔ رعایا سے لوٹی ہوئی یا زبردستی چھینی ہوئی کوئی چیز آپ نے زبان پر نہ رکھی ۔ جس روز آپ کا سامان خورد و نوش ختم ہوا اسی روز آپ نے سفر آخرت اختیار کیا ۔ یہ شعبان کی ستائیس تاریخ اور اتوار کا دن تھا۔ ایک فاضل نے " شیخ ہادی بود " سے آپ کی تاریخ وفات نکالی ۔ وفات کے وقت آپ کی عمر پچاس سال تھی ۔ اپنے والد گرامی کے انتقال کے بعد دس سال تک آپ مخلوق خدا کی ہدایت کرتے رہے ۔

جب آپ باغ جنت کی طرف روانہ ہوئے تو آپ کے سعادت مند فرزند شیخ عبدالکریم آپ کے جانشین ہوئے ۔ وہ صاحب علم و عمل تھے اور انھوں نے اپنے بزرگوں کے نقش قدم کی پیروی کی ۔ شیخ محمد شہید جو ظاہری اور باطنی بزرگی کے حامل تھے ، ان کے فرزندوں میں سے تھے ۔ ان بزرگوار کی شہادت کے بعد شیخ عبدالوہاب جو صورت و سیرت اور ظاہر و باطن سے آراستہ ، بخشش و سخاوت کی خوبیوں سے مزین اور پسندیدہ اوصاف سے موصوف تھے ان کے جانشین ہوئے ۔

اب ان بزرگوں کے وارث شیخ عبدالوہاب کے فرزند حقیقی شیخ محمد یوسف ہیں جو مشائخ اور درویشوں سے نہایت عقیدت اور اخلاص رکھتے ہیں ۔ اللہ تعالی اس خاندان کو ہمیشہ عزت و آبرو کے ساتھ قایم و دایم رکھے ۔

شاہ مزمل قدس سرہٗ

آپ نے اپنے والد ماجد قطب الاقطاب حاجی عبدالوہاب سے بیعت کی اور ان ہی سے نعمت خلافت پائی ۔ آپ شاہ زادۂ روم عبداللہ کے نواسے تھے جنھوں نے سید کائنات علیہ افضل الصلوٰۃ و التحیات کے حکم کے مطابق اپنی بیٹی کو حاجی عبدالوہاب کے نکاح میں دیا ۔ آپ ۹۲۱ ھ میں پیدا ہوئے اور بے شمار کمالات اپنے عالی مرتبہ والد سے حاصل کیے اور شاہ عبداللہ قریشی کے بھی منظور نظر ہوئے ۔ اس کے علاوہ شیخ الاسلام شیخ سلیم سیکری کی جو اپنے زمانے کے بے مثل اور یکتا بزرگوں میں سے تھے مبارک مجلسوں میں حاضر رہے اور ان سے روحانی استفادہ کیا ۔ ان کی (شیخ سلیم کی) بہت سی کرامات اور حیرت انگیز واقعات کا ذکر تذکروں میں آیا ہے ۔

جب آپ کی عمر سینتیس سال تھی تو ۹۵۸ ھ میں سلیم خان ابن شیر خاں کے عہد حکومت میں اس عالم فانی سے عالم جاودانی میں سفر کیا ۔

شروع میں سلیم خاں کا لقب سلیم خاں ہی تھا لیکن جب اس کا باپ ۹۵۱ ھ میں کالنجر کے قلعے میں مارا گیا اور وہ تخت پر بیٹھا تو اس نے اپنا لقب اسلام شاہ رکھا۔ (تخت نشینی کے بعد) دنیا کو فتح کرنے کا سودا اس کے سر میں سما گیا۔ سلطنت کے اکثر معاملات میں وہ اپنے باپ کی پیروی کرتا تھا اور باپ کے وضع کردہ قوانین کی رعایت کرتا تھا لیکن یہ حقیقت ہے کہ اس کے پاس حکومت و سلطنت کے وسائل اپنے باپ سے زیادہ تھے۔ اس کے باپ نے اپنی حدود سلطنت میں ہر کوس پر سرائے تعمیر کی تھی۔ اسلام شاہ نے دونوں سرایوں کے درمیان ایک سرائے اور تعمیر کی اور ہر سرائے میں لنگر جاری کرنے کا حکم دیا۔ اس کے علاوہ ہر سرائے میں دو گھوڑے اور چند سپاہی تعینات کر دیے تاکہ ڈاک چوکی کے ذریعہ اسے ہر روز گوڑ اور بنگال کے بارے میں خبریں پہنچائی جا سکیں۔ اس نے اپنے باپ کے زمانے کے امیروں اور سرداروں جن میں خواص خاں بھی شامل تھا قتل کروا دیا۔ ۹۵۹ ھ میں اس نے خود بھی وفات پائی۔ اس کی حکومت کا زمانہ نو سال چند ماہ تھا۔ اس کی موت کے بعد افغان سرداروں میں خانہ جنگی شروع ہو گئی۔ چار سال تک فتنہ و فساد کا دور دورہ رہا۔ بالآخر ۹۶۲ ھ میں دوبارہ ہمایوں ہندوستان پر قابض ہو گیا۔ سلطنت کے مردہ جسم میں نئی جان پڑ گئی اور رعایا کو ظلم و تشدد سے نجات ملی۔

شاہ مدثر قدس سرّہٗ

آپ حاجی عبدالوہاب کے چوتھے فرزند تھے۔ آپ اور شاہ مزمل ایک ماں سے تھے۔ آپ کی ولادت ۹۲۴ ھ میں ہوئی۔ اپنے والد سے بیعت تھے اور خلافت بھی ان ہی سے حاصل کی تھی۔ شاہ مزمل نے آپ کے بارے میں بارہا فرمایا کہ میں ان کا خادم ہوں اور وہ میرے مخدوم ہیں۔ شاہ مزمل ہمیشہ آپ سے عاجزی اور انکسار کے ساتھ پیش آتے تھے۔

آپ ظاہری اور باطنی علوم میں کامل بزرگوں اور اعلیٰ پاکبازوں کی زندہ مثال تھے۔ باطنی ذکر و شغل میں آپ کی محویت اور استغراق کا یہ عالم تھا کہ دنیا کے رسمی معاملات، غم اور خوشی کی کوئی خبر نہ تھی۔ اس عہد کے سلاطین شیر خاں اور سلیم خان آپ کے عقیدت مند تھے اور آپ سے بے حد اخلاص رکھتے تھے۔ دونوں نے اپنے دور اقتدار میں آپ کے ہاں حاضری دی۔

آپ کی بہت سی کرامات کا ذکر کیا گیا ہے۔ کہا جاتا ہے کہ کافر اور گنہ گار آپ کو دیکھتے ہی اپنے کفر اور گناہوں سے توبہ کر لیتے تھے۔ بیمار آپ کے نورانی چہرے کو دیکھ کر شفایاب ہو جاتے۔ ۹۶۱ ھ میں اس

تاریک خاکداں سے عالم روحانی میں آپ کا انتقال ہوا ۔ یہ وہ دور تھا جب سلیم خاں کی وفات کے بعد اس کے خویش و اقربا تخت حاصل کرنے کے لیے ایک دوسرے سے برسر پیکار تھے ۔ ان ہی میں سلطان محمد عدلی بھی شامل تھا ۔ بہرحال یہ خانہ جنگی چار سال تک جاری رہی ۔

آپ کی عمر شریف ستائیس سال تھی ۔ آپ کی وفات کے بعد ، آپ کے سعادت مند فرزند شیخ عبدالغفار جو حافظ قرآن ، صاحب علم و عمل ، اہل باطن کی خوبیوں سے آراستہ اور بے نیازانہ مزاج کے حامل تھے ، آپ کے جانشیں اور صاحب سجادہ ہوئے ۔ ۱۰۱۰ھ میں جب ان کا انتقال ہوا تو ان کے سب سے بڑے فرزند سید احمد جن کی تاریخ ولادت " زاد شیخ اولیا " ہے ، اپنے عالی خاندان والد کے قایم مقام ہوئے اور جب ان کا انتقال ہوا تو ان کے عالی فطرت بیٹے شیخ سلیم کو جو ریاضت و مجاہدہ ، فقر و فنا ، تواضع اور انکسار کے اوصاف سے آراستہ تھے ، بزرگوں کا سجادہ سپرد کیا گیا ۔ اللہ تعالی سے دعا ہے کہ وہ اس سلسلہ شریفہ کو خلافت عالی کے ساتھ قیام قیامت تک جاری رکھے ۔ شیخ مدثر قدس سرہ کے ایک اور بیٹے تھے جن کا نام شیخ نظام تھا جو بہت ہی قوی جذبے کے بزرگ تھے اور جنھیں شاہ مزمل کی حالت باطنی کا کامل حصہ نصیب ہوا تھا ۔ شیخ نظام پاکیزہ اخلاق اور کریمانہ طبیعت کے حامل بزرگ تھے ۔ ان کا انتقال اپنے بھائی شیخ عبدالغفار کی حیات ہی میں ہوا ۔ ان کے تین فرزند تھے ۔

شیخ رکن الدین قدس سرہٗ

شاہ عبداللہ قریشی کے عالی فطرت فرزند تھے ۔ آپ کی والدہ سلطان بہلول لودھی کی دختر تھیں جن سے شاہ عبداللہ قریشی نے نکاح کیا تھا ۔ اپنے والد بزرگوار کی وفات کے بعد دہلی کے شیخ الاسلام ہوئے ۔ آپ کی قبر شاہ عبداللہ کے مزار کے قریب ہے ۔

شیخ ابوالفتح قریشی قدس سرہٗ

آپ شیخ رکن الدین کے بیٹے تھے ۔ دسویں صدی ہجری کے نصف میں دہلی کے عام و خاص باشندوں کی عقیدت کا مرکز تھے ۔ آپ کی قبر بھی اپنے بزرگوار دادا کے پہلو میں ہے ۔

شیخ ادھن دہلوی قدس سرّہٗ

آپ ظاہری علوم میں کامل، پرہیزگار اور عبادت گزار بزرگ تھے۔ اپنی تمام زندگی انتہائی عاجزی، انکسار، اخلاص اور اللہ تعالیٰ کے خوف کے ساتھ بسر کی۔ آپ مولانا سماء الدین کے مرید تھے۔ آپ کا چہرہ نورانیت سے دمکتا رہتا تھا اور آپ کی پیشانی پر علم و تقویٰ کے انوار ظاہر اور نمایاں ہوتے تھے۔ آپ کثرت سے روزے رکھتے تھے اور حلال لقمے کے لیے بہت زیادہ احتیاط اور شرعی احکام کی پابندی کرتے تھے۔ میرے مخدوم حضرت نے حق سبحانہ، انھیں سلامت رکھے، اخبار الاخیار[۴۴۶] میں تحریر فرمایا ہے کہ آپ میرے نانا تھے اور آپ کا اصل نام زین العابدین تھا۔ اسی پاکیزہ کتاب میں (شیخ عبدالحق محدث دہلوی نے) اپنے والد کا قول نقل کیا ہے۔ فرمایا کہ میں نے شیخ ادھن کے علاوہ کوئی ایسا شخص نہیں دیکھا جو گھر کے باہر اور گھر کے اندر یکساں طور پر رہتا ہو۔ لوگوں کے درمیان آپ جن آداب اور طریقوں پر عمل کرتے تھے، وہی آداب اور طریقے گھر میں برتتے تھے۔ زبان پر ہر وقت اللہ کا ذکر جاری رہتا۔ ۹۲۴ھ میں آپ کی وفات ہوئی۔

شیخ یوسف قتال قدس سرّہٗ

آپ نے بہت زیادہ ریاضتیں اور مجاہدے[۴۴۷] کیے تھے۔ آپ قاضی جلال الدین لاہوری کے مرید تھے جو آپ کے خسر بھی تھے۔ آپ سے بہت سی کرامات اور حیرت انگیز باتیں منسوب ہیں۔ اخبار الاخیار میں ہے کہ آپ ہفت پل پر جو سلطان محمد تغلق کی تعمیر کردہ عمارتوں میں ایک عمارت ہے، ذکر الٰہی میں مشغول اور ریاضتوں میں مصروف رہتے تھے۔ اس مشغولیت کے دوران اللہ کا ایک ولی وہاں پہنچا اور ایک نعمت باطنی آپ کے سپرد کی اور بعض اسرار کا آپ کو مشاہدہ کرایا۔ جب آپ نے اُن اشارات کے مطابق عمل کیا تو آپ کو مقصد دلی حاصل ہو گیا۔ آپ کی وفات ظہیر الدین محمد بابر بادشاہ کے عہد میں ۹۲۳ھ میں شیخ ادھن کے وصال سے ایک سال قبل ہوئی۔ آپ کے عرس کی تاریخ انتیس ذی قعدہ ہے۔ آپ[۴۴۸] کا مزار ہفت پل پر اسی جگہ ہے جہاں آپ حالت حیات میں رہتے تھے آپ کے انفاس شریفہ کے فوائد چار کلموں کے ضمن میں بیان کیے جاتے ہیں۔

کلمہ ۱ اگر (اللہ سے) محبت کرنے والا دنیا اور جو کچھ اس سے متعلق ہے ان کی جانب میلان

رکھتا ہے تو وہ اللہ تعالیٰ کی تجلیات کے مشاہدے سے محروم رہتا ہے۔ اس کے برعکس اگر دنیا اور اس کے متعلقات سے بے نیاز ہو جاتا ہے تو دیدار کی خلعت پانے کے قابل ہو جاتا ہے۔ چنانچہ اسی باعث ہمارے آقا صلی اللہ علیہ وسلم کو مازاغ البصر و ماطغیٰ اور الم تر الیٰ ربک☆ کا انعام عطا ہوا۔

کلمہ ۲ صوفیہ کی جماعت اس بات کو اپنے لیے باعث ننگ سمجھتی ہے کہ اپنی ہمت ایسی چیز پر صرف کریں جو حکم کُن کے تحت آتی ہو یعنی جو چیز غیر کی محتاج ہو وہ ان کی نظر میں قابل توجہ نہیں ہے اور نہ اس شے سے ان کے قلب کو آسودگی حاصل ہوتی ہے۔ جو چیز کن کہنے سے ظہور میں آئی ہے، وہ نہ اپنی ذات سے قایم ہوئی ہے اور نہ اپنی ذات سے باقی رہنے کی اس میں قدرت ہے۔ ظاہر ہے کہ جو شے اپنے قیام میں غیر کی محتاج ہے اس پر ہمت صرف کرنا اور اس کے حصول کو مقصد قرار دینا انتہائی کم ہمتی اور بے مروتی کی بات ہے۔

کلمہ ۳ وہ شخص جس کا باطن صفات مذمومہ سے آلودہ ہے اور وہ صرف اپنے جسم کی ظاہری صفائی کو کافی خیال کرتا ہے اس کی حالت اس شخص کی سی ہے جو بادشاہ کو اپنے ہاں مہمان بلائے اور دروازے سے باہر میدان اور دہلیز کو جھاڑو دے کر صاف ستھرا کرے لیکن گھر کے اندر چبوترے کو جس پر بادشاہ کو بیٹھنا ہے گندہ رکھے اور کوڑا کرکٹ صاف نہ کرے ایسا شخص دنیا کے احمقوں کا سردار ہے۔ وہ ہرگز بادشاہ کی خوشنودی حاصل نہیں کر سکتا۔

بجائی کہ سلطان دروں آورند خس و خار از آنجا برون آورند

(ترجمہ) وہ مقام جہاں بادشاہ کو لاتے ہیں پہلے اس جگہ پڑے ہوئے خس و خاشاک کو باہر پھینکتے ہیں۔

کلمہ ۴ جب بندے کو یہ معلوم ہو جائے کہ حق تعالیٰ جبار ہیں اور تمام کام وہی درست فرماتے ہیں تو وہ غیراللہ سے اپنی حاجت بیان نہیں کرتا بلکہ اسے غیراللہ سے شرم آنے لگتی ہے۔ مجھے اپنی زندگی کی قسم ایسے شخص پر حیرت ہوتی ہے کہ جو اللہ کو مانتا ہے اور اس کے غیر سے حاجت طلب کرتا ہے۔ وہب بن الورد رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا کہ میں نے روم کے شہروں میں برسوں سفر کیا، وہاں کے ویرانے اور آبادیاں دیکھیں ایک دن مجھے ایک پہاڑ سے آواز سنائی دی میں اس آواز کی طرف چلا لیکن کوئی شخص نظر نہیں آیا:

عجبت لمن یعرفک کیف یستعین علی امر احدا غیرک

مجھے اس شخص پر سخت حیرت ہے جو تیری جباری کو جانتا ہے اور اس کے باوجود اپنے معاملات میں تیرے غیر

☆ مازاغ البصر و ماطغیٰ سورۂ نجم میں ہے جس کا ترجمہ ہے نگاہ نہ تو ہٹی اور نہ بڑھی۔ الم تر الیٰ ربک سورۂ فرقان کی آیت پینتالیس کا جز ہے۔ مکمل طور پر اس طرح ہے۔ الم تر الیٰ ربک کیف مد الظل ترجمہ یہ ہے (اے مخاطب) کیا تو نے اپنے پروردگار کی (اس قدرت) پر نظر نہیں کی کہ اس نے سایہ کو کیونکر (دور تک) پھیلایا ہے۔ مترجم

سے مدد کا طالب ہے۔

شیخ عبداللہ دہلوی قدس سرّہٗ

آپ کی جائے پیدائش و پرورش دہلی ہے۔ شیخ یوسف قتّال کے فرزند بزرگوار تھے۔ بے شمار ظاہری اور باطنی کمالات کے حامل تھے۔ تمام زندگی توکل اور قناعت کے ساتھ بسر کی۔ کسی بادشاہ سے کوئی چیز بطور جاگیر و ملکیت قبول نہیں کی۔ آپ کی وفات ۹۸۰ھ میں ہوئی۔ اپنے والد بزرگوار کے پہلو میں مدفون ہوئے۔

مولانا شعیب قدس سرّہٗ

آپ عالم باعمل اور صورت و سیرت میں بے مثل تھے۔ حسب و نسب کے اعتبار سے اہل زمانہ کے پیشوا تھے۔ آپ کے دادا اپنے عہد کے بڑے عالموں میں سے تھے۔ انھوں نے بہت زیادہ ریاضتیں کی تھیں اور وہ سلطان بہلول کے عہد حکومت میں مفتی شہر تھے۔

اخبار الاخیار[۴۵۰] میں ہے کہ آپ اپنے زمانے میں وعظ و نصیحت میں اپنا ثانی نہ رکھتے تھے۔ جو شخص آپ کو وعظ کہتے دیکھ لیتا، آپ کا گرویدہ ہو جاتا اور وعظ کے مقام سے ہلنا یا چلے جانا اس کے بس میں نہ ہوتا خواہ کتنا ہی وزن اس کے سر پر کیوں نہ رکھا ہو۔ شہر کے علما ان کی مجلس وعظ میں حاضر ہوتے تھے۔ شہر کے بیشتر باشندے آپ کے شاگرد تھے۔ وعظ میں خوش خبری یا عذاب جو مضمون ہوتا اسی کے مطابق آپ پر کیفیت طاری ہو جاتی۔ آپ کی وفات بابر بادشاہ کے عہد حکومت میں ۹۳۶ھ میں ہوئی۔ آپ[۴۵۱] کی قبر حوض شمسی کے اوپر ملک زین الدین کی خانقاہ کے نزدیک، جو سلطان سکندر کے عہد کے صالح لوگوں میں تھے، واقع ہے۔

شیخ جمالی قدس سرّہٗ

آپ ابھی بچے تھے کہ آپ کے والد کا انتقال ہو گیا۔ جب سن بلوغ کو پہنچے تو اپنی فطری صلاحیت اور استعداد کی بنا پر کمالات حاصل کیے اور شعر کہنے لگے۔ آپ کا نام جلال خاں تھا۔ اسی نسبت سے ابتدا میں جلالی تخلص کرتے تھے لیکن بعد میں اپنے شیخ محترم مولانا سماء الدین کے حکم سے جمالی تخلص اختیار کیا۔

آپ بہت ہی صاحبِ ذوق و وجدان شخص تھے۔ سلاست و بلاغت اور شاعری کے اسلوب میں ماہر تھے۔ ظاہری اور باطنی علوم سے بہرور تھے۔ دنیا سے بے تعلقی اور اپنے کو فنا کر دینا آپ کا مسلک تھا۔ صاحب ہمت تھے اور توکل و قناعت کے ساتھ زندگی بسر کرتے تھے۔ سیاحت کا شوق بہت زیادہ تھا، چنانچہ خشکی کے راستے حرمین شریفین کی زیارت کو گئے۔ وہاں سے بلاد مغرب[۴۵۲] کا سفر اختیار کیا۔ واپسی پر بیت المقدس اور روم ہوتے ہوئے بغداد پہنچے اور وہاں کے بزرگوں کی خدمت میں حاضر ہو کر فیض باطنی حاصل کیا۔ بغداد سے شیراز آئے اور شیخ الاسلام نظام الدین محمود اور دوسرے بزرگوں سے ملاقات کی۔ وہاں سے ہرات گئے اور عارفوں کے پیشوا مولانا عبدالرحمن جامی قدس سرہ کے علاوہ دیگر حضرات کی زیارت سے مشرف ہوئے اور ان کی خدمت میں اپنے اشعار پیش کیے۔ عارف جام نے آپ کے بعض اشعار پسند فرمائے۔ ان میں سے چند اشعار یہ ہیں:

زہی خورشید رخسارت بذراتِ جہان پیدا   نہاں در دیدۂ مردم ولی در ہر مکان پیدا

(ترجمہ) سبحان اللہ! دنیا کے ذروں میں تیرے رخسار کا آفتاب منعکس ہے۔ اگرچہ تیرا جمال آنکھ کی پتلی میں نہاں ہے مگر ہر جگہ ظاہر ہے۔

مارا زخاکِ کویت پیراہنی است برتن   آن ہم ز آبِ دیدہ صد چاک تا بدامن

(ترجمہ) تیرے کوچے کی خاک ہی ہمارے جسم کا لباس ہے۔ وہ بھی آنسوؤں سے دامن تک تار تار ہو گیا ہے۔

موسیٰ ز ہوش رفت بہ یک پرتوِ جمال   تو عین ذات می نگری در تبسمی[۴۵۳]

(ترجمہ) موسیٰ علیہ السلام عکس جمال کی تاب نہ لا کر بے ہوش ہو گئے۔ آپ نے (صلی اللہ علیہ وسلم) مسکراتے ہوئے عین ذات کا مشاہدہ فرمایا (آپ کی عظمت کا کیا کہنا)

میرے مخدوم حضرت نے اخبار الاخیار[۴۵۴] میں تحریر کیا ہے کہ نعت کے مضمون میں یہ شعر بہت مشہور ہے اور بعض بزرگوں نے خواب میں دیکھا ہے کہ سرور کائنات علیہ افضل الصلوت نے اس شعر کو سند قبولیت عطا فرمائی ہے۔

حاصل کلام یہ ہے کہ آپ ہندوستان کے عظیم شعرا میں شمار ہوتے ہیں اور آپ نے شاعری کی تمام اصناف مثلاً مثنوی، قصیدہ اور غزل میں طبع آزمائی کی ہے لیکن حقیقت یہ ہے کہ آپ کا قصیدہ غزل اور مثنوی سے زیادہ بہتر ہے۔ ہرات کے قیام کے زمانے میں، سلطان حسین میرزا، میر علی شیر اور وہاں کے دوسرے بڑے شاعر آپ سے عزت و توقیر کے ساتھ پیش آئے اور جب آپ وہاں سے سلطان سکندر کے عہد حکومت میں دہلی واپس آئے تو اس وقت سلطان سنبھل میں مقیم تھا۔ آپ کے واپس آنے کی خبر سنتے ہی اس نے اپنی عنایت اور خوشنودی کے اظہار کے لیے آپ کو طلب کیا لیکن آپ نے سلطان کی پیش کش کو قبول نہ کیا اور اپنے شیخ کی خدمت میں حاضر رہے۔ سلطان نے مولانا سماء الدین سے آپ کو بھیجنے کی درخواست کی۔ انھوں نے آپ کو سلطان کی خدمت میں حاضری کا حکم دیا تو آپ نے سنبھل میں سلطان سے ملاقات کی۔ سلطان نے آپ کا بے حد اعزاز و اکرام کیا[۲۵۵]۔ جب سلطان سکندر کے خاندان کی حکومت ختم ہو گئی اور ہندوستان کی بادشاہت آل تیمور کو منتقل ہوئی اور ظہیر الدین بابر کا جھنڈا، اللہ اس کی دلیل کو روشن کرے، اہل ہند کے سروں پر سایہ افگن ہوا تو اس نے بھی انتہائی خلوص سے آپ کو دفتر میں طلب کیا اور عزت و احترام کے ساتھ پیش آیا اور جب بابر کا انتقال ہوا اور ہمایوں تخت نشین ہوا تو اس نے بھی آپ سے اخلاص و عقیدت کا تعلق رکھا اور اپنے آپ کو جدا نہ ہونے دیا تاآنکہ آپ اسی کے عہد حکومت میں ۹۴۲ھ میں عالم فانی سے سرائے جاودانی کو رخصت ہوئے۔ آپ کا عرس دس ذی قعدہ کو ہوتا ہے۔ آپ کا مقبرہ[۲۵۶]، جسے آپ نے اپنی زندگی میں، اپنے مکان میں تعمیر کرایا تھا، پرانی دہلی میں مولانا مجد الدین حاجی کے روضۂ متبرکہ کے قریب ہے۔

سید حسین پای مناری قدس سرہٗ

آپ اپنے زمانے کے اکابر اولیا کے صحبت[۲۵۷] یافتہ اور زمانے کے نشیب و فراز سے واقف تھے۔ سلطان سکندر کے دور حکومت میں مشہد مقدس طوس سے دہلی تشریف لائے۔ سلطان کے ساتھ آپ کا تعلق زیادہ دیر قایم نہ رہ سکا۔ چنانچہ پرانی دہلی کے قلعہ کی مسجد پای منار میں سکونت اختیار کر کے گوشہ گیر ہو گئے۔ سلطان کے بعض امیروں کی خواتین آپ کی معتقد ہو گئی تھیں۔ وہ آپ کی گزر بسر کے لیے جزوی مدد کرتی تھیں۔ جب تک آپ زندہ رہے قلعہ میں زراعت کرتے رہے اور اس حلال کمائی کو اپنے متعلقین اور فقرا پر صرف کرتے تھے۔ آپ کی قبر بھی پای منار میں ہے[۲۵۸]۔

شیخ تاج الدین محمد دہلوی قدس سرہٗ

آپ شیخ الاسلام فرید الاولیا گنج شکر کی عالی فطرت اولاد میں تھے ۔ آپ کے والد ماجد کا نام شیخ عبدالصمد تھا ۔ آپ آنے جانے والے درویشوں کی خدمت کرتے تھے اور اس قول کے مطابق کہ قوم کا سردار قوم کا خادم ہوتا ہے[459] ، عمل کرتے تھے ۔ نظام الاولیا کا روضہ آپ کے آباء و اجداد سے متعلق تھا اور آج کل آپ کی اولاد کی تحویل میں ہے ۔ آپ کی قبر پرانی دہلی میں شیخ صلاح درویش کے آستانے کے قریب ہے اور زیارت گاہ خاص و عام ہے ۔ اسی احاطے میں آپ کے بزرگوں اور اولادوں کی بھی چند قبریں ہیں ۔ چونکہ مجھے ان بزرگوں کے حالات کا کوئی علم نہیں ہے ۔ اس لیے ان کے بارے کچھ تحریر نہ کر سکا ۔ آپ کی وفات آٹھویں صدی ہجری کے آواخر میں ہوئی ۔

شیخ علاء الدین اجودھنی قدس سرہٗ

آپ کی ظاہری اور باطنی نسبت[460] شیخ فرید گنج شکر قدس سرہ تک پہنچتی ہے ۔ آپ کے والد بزرگوار کا نام نور الدین تھا ۔ اپنے دادا شیخ تاج الدین بن شیخ عبدالصمد ابن شیخ منور سے بیعت کی ۔ آپ کو " فیل مست " (مست ہاتھی) بھی کہتے تھے ۔ آپ بے مثل اور یکتائے روزگار تھے ۔ اعلی اخلاق اور پسندیدہ اوصاف کے حامل تھے ۔ نرم دلی ، حیا ، زہد و تقوی ، توکل و قناعت ، سخاوت و کرم اور وہ تمام خوبیاں جو درویشی اور فقیری کی راہ اختیار کرنے کے لیے ضروری ہیں ، آپ کی ذات میں پیدائشی طور پر موجود تھیں ۔ آپ نے سخت ریاضتیں اور مجاہدے کیے تھے ۔

آپ کو اپنے زمانے میں لوگ فرید ثانی اور گنج شکر وقت کہتے تھے ۔ حضرت گنج شکر ، درست اعتقاد مریدوں کو ، خواب میں آپ کی شکل میں نظر آئے ۔ آپ کی ولادت ۸۰۲ ھ اور وفات ۱۴ ربیع الاول ۹۴۸ ھ میں ہوئی ۔ آپ کا مزار شیخ صلاح درویش کے مقبرے کے قریب ہے جہاں آپ اپنے بزرگوں کے پہلو میں آسودہ خواب ہیں ۔

آپ کو خواجہ قطب الدین سے خاص نسبت باطنی حاصل تھی اور آپ ان سے کامل اعتقاد رکھتے تھے ۔ آپ کی کرامات بھی بیان کی گئی ہیں ۔ ان میں سے ایک یہ ہے :

"ایک دن ایک درویش آپ کے پاس آیا اور کہا کہ میرے پاس تریاق ہے۔ میری خواہش ہے کہ آپ کے سامنے اس کا تجربہ کروں۔ آپ نے فرمایا کہ میرے پاس بھی تریاق ہے۔ بہرحال ایک چڑیا لائی گئی اور اس کے حلق میں زہر ٹپکایا گیا وہ تڑپ کر مر گئی۔ آپ نے خواجہ قطب الدین کے لنگر کے کاک کے ایک ٹکڑے کا عرق نکالا اور اس مردہ چڑیا کے حلق میں ٹپکایا وہ فی الفور زندہ ہو کر اڑ گئی"۔

ایک بزرگ نے بیان کیا ہے کہ ایک دفعہ میں اس امید کے ساتھ کہ خواجہ قطب الدین سے کلاہ خلافت حاصل کروں، ان کے مزار پر مراقبہ میں بیٹھا۔ مجھے اشارہ ہوا کہ شیخ علاء الدین سے کلاہ خلافت حاصل کروں لیکن میں نے قبول نہیں کیا۔ دوبارہ پھر یہی حکم ہوا کہ علاء الدین ہی قطب الدین ہے۔ ناچار میں آپ کی خدمت میں حاضر ہوا۔ آپ نے مسکراتے ہوئے کلاہ میرے سر پر رکھی اور فرمایا، یہ کلاہ قطب الدین اولیا کی جانب سے ہے۔ میں خوش ہو گیا اور اسے پہن لیا۔

جان لیں کہ شیر خاں کا نام فرید اور اس کے باپ کا نام حسن تھا۔ اس کا باپ سلطان سکندر کے بعض امیروں کی ملازمت کے خیال سے یہاں قیام پذیر تھا۔ سلطان سکندر نے اپنے امیروں کو حکم دیا تھا کہ کوئی قبیلہ سور کا اعتبار نہ کرے کیونکہ وہ حکومت پر قبضہ کرنے کی فکر میں ہے۔ چنانچہ فرید خاں اس جگہ سے مایوس ہو گیا لیکن سلطان ابراہیم لودھی کے دور حکومت میں وہ بہار چلا گیا جہاں اسے ترقی کرنے کا موقعہ مل گیا۔ یہاں اسے اقتدار و اعتبار حاصل ہوا اور اس نے شیر خاں کا لقب اختیار کیا۔ اسی طرح درجہ بدرجہ ترقی کرتے ہوئے قسمت نے ۹۴۶ھ میں اسے سرداری سے تخت شاہی تک پہنچایا اور فرماں روائے ہندوستان ہو گیا۔

شیر خاں چونکہ بہت دانا، تجربہ کار اور زمانے کے نشیب و فراز سے واقف تھا اس نے سب سے پہلے نظام حکومت کو مستحکم کرنے کی طرف توجہ دی اور حدود سلطنت سے سرکشوں اور ڈاکوؤں کا قلع قمع کر دیا۔ درویشوں، نیک لوگوں اور عام انسانوں کے لیے آسانیاں پیدا کیں۔ اپنے زیر حکومت تمام ملک میں سفری راستوں پر کارواں سرائیں تعمیر کیں۔ ہر سرائے میں شاہی لنگر خانے جاری کیے۔ مسجدیں تعمیر کیں اور امام مقرر کیے۔ سراؤں میں گھوڑوں کا اہتمام کیا تاکہ وقت ضرورت ان سے کام لیا جا سکے۔ بیان کیا جاتا ہے کہ ایک دن میں تین ہزار کوس کی خبر اسے مل جاتی تھی۔ اس کا انتقال ۹۵۱ھ میں ہوا۔

شیر خاں کے بعد اس کا بیٹا تخت حکومت پر بیٹھا۔ اس کی موت کا سبب یہ ہوا کہ چار سال عیش و عشرت میں گزارنے کے بعد اس نے قلعہ کالنجر کو فتح کرنے کے لیے لشکر کشی کی۔ اس نے اپنے محسنوں کے ساتھ جو حرام نمکی کی تھی اس کی وجہ سے وہ کیفر کردار کو پہنچنے سے نہ بچ سکا، توپ خانے میں آگ لگ گئی اور وہ جل کر مر گیا۔

شیخ محمد حسن خیالی قدس سرہٗ

آپ درست حال[261] اور پاکیزہ مشرب بزرگ تھے ۔ علم اور حال دونوں نعمتوں کے حامل تھے ۔ خارجی اشیا میں اللہ تعالی کی تجلیات کا مشاہدہ کرتے رہتے تھے ۔ آپ شیخ حسن طاہر کے بڑے بیٹے تھے جن کا مختصر ذکر کیا جا چکا ہے ۔ اپنے والد سے بیعت کی اور ان کے واسطے سے سلسلہ چشتیہ سے منسلک ہوئے لیکن آپ کو سلسلہ قادریہ سے خاص تعلق تھا اور آپ پر اس سلسلہ شریفہ کی نسبت بہت زیادہ غالب تھی ۔

آپ کی ولادت جونپور میں ہوئی ۔ جہاں سے آپ حرمین تشریف لے گئے ۔ اس کے بعد حرم مدینہ میں سالہا سال مجاہدی کی اور حد سے زیادہ ریاضتوں میں مشغول رہے ۔ جب حاجی عبدالوہاب بخاری دوسری بار حرمین کی زیارت کو گئے تو انھوں نے آپ کو یہ خوشخبری سنائی کہ خاتم الانبیا علیہ افضل الصلوٰت و اکمل التحیات خواب میں تشریف لائے اور فرمایا کہ اس ہندی شیخ زادے کو جو مشکلات اور غربت میں یہاں زندگی گزار رہا ہے ، ہندوستان روانہ کرو ۔ آپ نے عرض کیا ، جب تک حضور صلی اللہ علیہ وسلم خود حکم نہیں فرمائیں گے میں ہندوستان نہیں جاؤں گا ۔ آخر آپ خود اس بشارت سے مشرف ہوئے تو شیخ حاجی آپ کو اپنے ساتھ لے آئے ۔ آپ نے آگرے میں قیام کیا ۔ قبر دلی میں ہے ۔ بجے منڈل میں اپنے والد بزرگوار کے پہلو میں آسودہ خواب ہیں ۔ آپ کی وفات ۹۴۳ھ میں ہوئی ۔ یہ جنت آستانی محمد ہمایوں[262] بادشاہ کا عہد حکومت تھا ۔ آپ کا عرس ستائیس رجب المرجب کو منعقد ہوتا ہے ۔

آپ شعر بھی کہتے تھے اور اسی بنا پر آپ کے معتقد اور مرید آپ کو شاہ خیالی کہتے تھے ۔ تذکروں میں آپ کے اشعار نقل کیے گئے ہیں ۔ یہ غزل جو آپ سے منسوب ہے لوگوں میں بے حد مقبول ہے ۔ بعض حضرات کا خیال ہے کہ یہ غزل ایک درویش صفت شاعر خیالی بخاری کی ہے ۔ اللہ تعالی ہی بہتر جانتا ہے ۔

ای تیر غمت را دلِ عشاق نشانہ　　　خلقی بتو مشغول و تو غایب زمیانہ

اے محبوب ! عاشقوں کے دل تیرے غم کے تیروں کا نشانہ ہیں ۔ لوگوں کو تجھ سے سروکار ہے اور تو ان کے درمیان موجود نہیں ۔

حاجی بِرہ کعبہ و من طالبِ دیدار　　　او خانہ ہمی جوید و من صاحبِ خانہ

حاجی کعبہ جا رہا ہے اور میں تیرے دیدار کا طالب ہوں ۔ اسے گھر کی تلاش ہے اور مجھے گھر کے مالک کی جستجو ہے ۔

گہ معتکف دیرم و گہ ساکن مسجد — یعنی کہ ترا می طلبم خانہ بخانہ

کبھی دیر میں گوشہ نشیں ہوتا ہوں کبھی مسجد میں قیام کرتا ہوں یعنی تجھے گھر گھر تلاش کر رہا ہوں۔ شاید کہیں مل جائے۔

مقصودِ من از کعبہ و بتخانہ تو بودی — مقصود توئی کعبہ و بتخانہ بہانہ

کعبہ ہو یا بتخانہ تیری ذات میرا مقصود ہے، تو ہی مقصود حقیقی ہے کعبہ اور بتخانہ محض بہانہ ہے۔

تقصیرِ خیالی بامیدِ کرم تست — یعنی کہ گنہ را بہ ازیں نیست بہانہ

خیالی کی خطائیں تیرے کرم کی امید پر ہیں یعنی گناہوں کا اس سے بہتر بہانہ نہیں ہے

اشعار کے علاوہ آپ کے مکتوبات بھی ہیں جو بلاغت سے لبریز ہیں۔ تمام مکتوبات میں سے چھ مکتوبات بطور کلمات تحریر کیے جاتے ہیں:

کلمہ ۱ جان[۳۶۳] لیں ایک عالم ہے جس کا ادراک حواس کے ذریعہ ممکن ہے۔ **قل ھو الذی انشاکم و جعل لکم السمع و الابصار و الافئدہ**[۳۶۴]۔ یعنی آپ فرما دیجئے کہ وہی ہے جس نے تم کو پیدا کیا اور تم کو کان اور آنکھیں اور دل دیے۔ پھر اک[۳۶۵] دوسرا عالم ہے جس کا ادراک عقل کے ذریعہ ممکن ہے۔ **العقل نور یقذفہ اللّٰہ فی قلب المومن فیفرق[۳۶۶] بہ بین الحق و الباطل و الصواب و الخطاء**۔ یعنی عقل وہ نور ہے جسے اللہ تعالیٰ مومن کے قلب میں ڈال دیتا ہے تاکہ حق و باطل اور صحیح و غلط میں تمیز کر سکے۔ ایک اور عالم ہے جو علم سے معلوم ہو سکتا ہے۔ **فاسئلوا اھل الذکر ان کنتم تعلمون**۔ یعنی اگر تم صاحب علم نہیں ہو تو اہل ذکر سے پوچھ لو۔ اس کے علاوہ ایک دوسرا عالم ہے جس کی معرفت کا ذریعہ صرف عشق ہے۔ **و ھو القاہر فوق العبادہ**[۳۶۷]۔ وہی اپنے بندوں پر غالب ہیں برتر ہیں۔

کلمہ ۲ طور[۳۶۸] حس، طور عقل اور طور علم سے بلند تر اور آگے ایک اور طور بھی ہے، جسے عشق کہتے ہیں۔ اس طور میں وہ وہ چیزیں مشاہدے میں آتی ہیں جو دوسرے اطوار میں نہیں ہوتیں۔ **عرف من ذاق الاطال شوق الابرار الی[۳۶۹] لقائی و انا الیھم لاشد شوقا**۔ یعنی جس نے چکھا اس نے معلوم کیا۔ نیک لوگوں کو جب مجھ سے ملنے کا شوق بڑھ جاتا ہے تو میں بھی ان سے ملنے کا مشتاق رہتا ہوں۔

کلمہ ۳ حقیقت[۳۷۰] اپنے اظہار کی مشتاق ہے اور ظاہر شے اپنی حقیقت کی مشتاق ہے۔ مولیٰ بندے کا مشتاق اور بندہ اپنے مولیٰ کا مشتاق ہے۔

بانگ می آید کہ ای طالب بیا — جود، مشتاقِ گدایاں چوں گدا

جود می جوید گدایانِ ضعف — ہمچو خوبان کاینہ جوید صاف

(ترجمہ) آواز آرہی ہے کہ اے طلب گار میرے قریب آ۔ جیسے مانگنے والا بخشش کا محتاج ہوتا ہے، بخشش کو بھی مانگنے والوں کی ضرورت ہے۔

بخشش نادار فقیروں کو (ایسے ہی شوق سے) تلاش کرتی ہے جیسے حسین لوگ صاف آئینے کو تلاش کرتے ہیں۔

کلمہ ۴ ذات[۴۱] کو صفت سے عشق ہوتا ہے اور صفت ذات کی عاشق ہوتی ہے۔ حرکت سکون کی عاشق ہوتی ہے اور سکون حرکت کا عاشق ہوتا ہے۔ اثر کو فعل سے اور فعل کو اثر سے جدا نہیں کیا جا سکتا۔ انکسار کو شکستگی سے اور شکستگی کو انکسار سے علاحدہ نہیں کیا جا سکتا۔ افعال ذات و صفات کے مظاہر اور آئینہ ہوتے ہیں۔ حق تعالیٰ کی ذات کی عظمت بے مثال ہے اور اس کی صفت کا کمال یکتا ہے۔ کسی دوسری ہستی میں یہ عظمت و کمال پیدا نہیں ہو سکتا۔ سوائے حق تعالیٰ کی ذات کے کوئی مشہود نہیں ہے۔ حق تعالیٰ کی ذات وحدت کے ساتھ جلوہ گر ہے اور اس کی صفات کثرت میں نمایاں ہیں۔

ایں جملہ صفت کہ کردی اثبات — می داں ہمہ بی تصرفِ ذات

اورا، بہ ہمہ صفات می خواں — لیکن صفتش ہمہ یکی داں

(ترجمہ) یہ تمام صفات جن کا تو نے اقرار کیا ہے یقین کر کہ یہ اپنی ذات سے موجود نہیں ہیں۔

جان لے کہ یہ تمام صفات ایک ذات کی ہیں لیکن اس ذات کی صفت اس کا ایک ہونا ہے۔

کلمہ ۵ مظاہر[۴۲] الٰہی میں اگرچہ ظاہر اور مظہر ایک دوسرے کے ساتھ متحد محسوس ہوتے ہیں لیکن ان میں غیر محدود اور محدود ہونے کا فرق اطلاق تجرد، تعین اور تقید کے حوالے سے ہے۔ مثلاً حقیقت انسانی پر غور کرو تو مطلق اور مجرد ہونے کے اعتبار سے وہ ظاہر ہے اور محدود اور مقید ہونے کے اعتبار سے مظہر ہے۔ اس میں شک نہیں کہ حقیقت اپنے افراد کا عین ہوتی ہے کیونکہ یہ سب افراد اس کا مظہر ہوتے ہیں۔

آں نورِ پاک ظاہر و شخصِ تو مظہر است — باشد میان ظاہر و مظہر دوئی محال

فرقی بجز تقید و اطلاق یافتن — نتواں میان ظاہر و مظہر ہیچ حال

(ترجمہ) وہ پاکیزہ نور ظاہر ہے اور تیری ہستی اس نور کا مظہر ہے۔ ظاہر اور مظہر کے درمیان دوئی محال ہے لیکن ایسا نہیں ہے کہ ظاہر و مظہر میں فرق نہیں ہے۔ یہ فرق غیر محدودیت اور محدودیت کے ذریعہ سمجھ میں آسکتا ہے۔ (حق تعالیٰ کا وجود مطلق اور غیر محدود ہے اور مخلوق کی ہستی محدود اور مقید ہے)

کلمہ ۶ حق[۴۳] تعالیٰ کا پہچاننے والا سوائے حق تعالیٰ کے کوئی نہیں۔ لا یعرف اللہ غیر اللہ۔ جب راہ حق کے رہرو اس مقام پر پہنچتے ہیں تو تمام اشیا کو حق تبارک تعالیٰ کی تجلی کے نور کے عکس میں فنا ہونے کا مشاہدہ کرتے ہیں اور فقر حقیقی جسے فنا فی اللہ کہتے ہیں اس کی حقیقت ان پر ثابت ہو جاتی ہے اور اللہ تعالیٰ

کے ارشاد کے مطابق ان اللہ یامر ان تودوا الامانات الی اھلھا[۲۶۴] ۔ ہستی ہست کی جانب اور فانی فنا کی جانب رجوع کرتے ہیں۔

ظہر النور ذوالمنن باشد   بطل الزور جان و تن باشد

(ترجمہ) نور کا ظاہر ہونا اللہ تعالی کی تجلی کا ظہور ہونا ہے۔ جھوٹ کا ختم ہونا جسم اور جاں کا فنا ہونا ہے۔

میر سید شمس الدین و سید ابو طالب قدس سرہم

دونوں[۲۶۵] حضرات نے ایک دوسرے کے ساتھ دینی اخوت کا رشتہ قایم کر لیا تھا ۔ ان کی باہم دوستی کا قصہ یہ ہے کہ سید شمس الدین جو ایک فاضل ، عالم ، بزرگ اور راہ طلب میں اپنے زمانے کے بے نظیر شخص تھے، دنیا سے بے نیاز اور بے تعلق ہو کر سیر و سیاحت کرتے تھے ۔ سید ابو طالب کے بارے میں بعض کتابوں میں ہے کہ ان کا تعلق سادات عراق سے تھا ۔ حسن صورت اور پاکیزہ عادت رکھنے والے جوان تھے ۔ انھیں بعض اتفاقی حادثات کے سبب اپنے وطن سے نکلنا پڑا ۔ دوران سفر ان کی ملاقات سید شمس الدین سے ہو گئی اور وہ ان کے رفیق سفر ہو گئے ۔ ہندوستان کے سفر میں ایک دوسرے کے ساتھ رہے اور دونوں حضرات دہلی آپہنچے ۔

اس وقت دہلی میں سید شاہ محمد فیروز آبادی سکونت پذیر تھے ۔ ان کا دعوی تھا کہ وہ غوث الثقلین سے نسبت رکھتے ہیں ۔ ان کی وضع قطع اور زندگی کا انداز عجیب و غریب تھا ۔ چہرہ بارعب اور ظاہری بے نیازی کے ساتھ لوگوں کو دعوت دیتے تھے ۔ دہلی کے خاص و عام لوگوں ، امیروں اور سرداروں میں ان کے بہت معتقد تھے ۔ دہلی میں ان کی بزرگی کی رونق بڑے زوروں پر تھی ۔ مختصر یہ کہ سلطان ابراہیم بن سلطان سکندر کے عہد سے اسلام خاں بن شیر خاں کے عہد تک ان کو بہت اعزاز و اکرام حاصل رہا ۔ جب انھوں نے سید شمس الدین اور سید ابو طالب کے دہلی آنے کی خبر سنی تو انھیں یہ خیال پیدا ہوا کہ کہیں ان کی بزرگی کا بازار ماند نہ پڑ جائے ۔ چنانچہ دونوں کو منت اور عاجزی سے اپنا مہمان بنایا اور بہت اخلاص و محبت سے درخواست کی کہ آپ حضرات اپنی موجودگی سے غریب خانے کو پرنور کریں اور یہیں قیام فرمائیں ۔ چونکہ دونوں مسافر اور غریب الوطن تھے اس لیے انھوں نے سید شاہ محمد کے مکان پر رہنا منظور کر لیا اور سامان و اسباب ان کے مکان میں لا کر ڈال دیا ۔

شاہ محمد کے کئی لڑکیاں تھیں جن کی شادی اس وجہ سے نہ ہو سکی کہ کوئی ہم رتبہ شخص نہیں ملتا تھا جب انھوں نے ان سید زادوں کو دیکھا کہ پردیسی ہیں اور اس شہر میں اجنبی ہیں تو انھوں نے لوگوں میں مشہور

کر دیا کہ میرے خاندان کے ہیں۔ ان دونوں کے آنے سے قبل شاہ محمد کہا کرتے تھے کہ میرے عزیز شرفائے عرب ہیں اگر وہ یہاں آ گئے تو شاید میری بیٹیوں کے نکاح کی کوئی صورت پیدا ہو جائے۔

کچھ عرصے بعد انھوں نے سید ابو طالب کو اپنی بیٹی سے نکاح کرنے کا پیغام بھیجا۔ یہ پیغام سید کی طبیعت کے موافق نہ تھا۔ چنانچہ سید نے جواب میں کہلوا دیا کہ ہم مسافر لوگ ہیں اور خلوت و بے تعلقی کی راہ پر گام زن ہیں ہمیں اس سے معذور رکھیں۔ اسی اثنا میں وہ دونوں عزیز شاہ محمد کے مکان میں شہید کر دیے گئے۔ لوگوں میں ایک عظیم ہیجان برپا ہو گیا اور روز کربلا کی مصیبتوں کی یاد تازہ ہو گئی۔ مردوں اور عورتوں میں کوئی ایسا نہ تھا جس نے اس شہادت کی خبر سن کر اپنے گریبان چاک نہ کیے ہوں اور آنکھوں سے آنسو نہ بہائے ہوں اور اس کے دل میں مرثیے کے ان اشعار کی یاد تازہ نہ ہو گئی ہو:

باز ایں باہل بیتِ نبوت کہ ظلم کرد   باز ایں بخاندان نبوت ستم کہ خواست[۴۶]

باز ایں چہ کوفہ و چہ فراتست وایں چہ وقت   عاشور نیست ورنہ، قضیہ بعینہاست[۴۷]

کس نے دوبارہ نبی کے اہل بیت پر ظلم کیا کس نے خاندان نبوت پر پھر سے ستم ڈھایا۔ پھر وہی کوفہ، وہی فرات اور وہی زمانہ ہے۔ اگرچہ روز عاشورہ نہیں ہے لیکن تمام واقعہ اسی طرح کا ہے۔

بہرحال ان دونوں بزرگوں کا جنازہ خون آلود کپڑوں اور سیاہ علموں کے ساتھ نکالا گیا اور حضرت رسالت پناہ صلی اللہ علیہ وسلم کے قدم[۴۸] گاہ کے روضے مبارک کی چاردیواری میں انھیں دفن کر دیا گیا۔ ان کی قبریں اب بھی قدم گاہ کی قبروں میں موجود ہیں اور مخلوق کی زیارت گاہ ہیں۔ یہ غم انگیز واقعہ ۹۵۵ھ میں ہوا۔

یہ واقعہ گزرنے کے بعد لوگوں نے شاہ محمد کو ان دونوں کے قتل کا ذمہ دار قرار دیا۔ تمام لوگ ان کے مخالف ہو گئے اور ان کے معتقدوں نے ان کی بزرگی کا انکار کر دیا۔ دوست دشمن بن گئے۔ ساتھیوں نے ساتھ چھوڑ دیا اور صوبے کے حاکموں نے قتل کی تفتیش شروع کر دی۔ ان کو قید خانے میں ڈال دیا گیا اور ان پر پہرہ بٹھا دیا اور ہر طرح کی تذلیل و تحقیر کی۔ شاہ محمد نے اس جرم سے قطعی انکار کر دیا اور کہا کہ یہ قتل ان کی مرضی یا اطلاع کے بغیر ہوئے ہیں میں ان کے بارے میں کچھ نہیں جانتا۔ یہ خبر اسلام خاں کو جو بادشاہ وقت تھا، ملی۔ اس نے یہ معاملہ علما کے سپرد کیا کہ شریعت کے مطابق فیصلہ کر کے عمل کریں۔ لاہور، دہلی، جونپور اور بہار کے اکثر علما جمع ہوئے۔ شاہ محمد نے جرم سے انکار کیا اور کہا میں مظلوم اور بے گناہ ہوں مجھے اس الزام سے بری کیا جائے۔ تم جو کر رہے ہو تو سمجھ لو کہ قدیم سے اہل بیت پر ظلم ہوتا رہا ہے اور ان کو رسوا کیا جاتا رہا ہے یہ ظلم و رسوائی بطور وراثت ہم تک پہنچی ہے سو جو مصیبت ہم پر گذرے گی ہم اس پر صبر کریں گے۔ قتل کے الزام سے متعلق فیصلے میں علما کا اختلاف ہو گیا۔ انھوں نے ہرچند اس مسئلہ پر غور کیا لیکن کوئی ثبوت شرعی جو شبہ سے خالی ہو نہ مل سکا۔

بیان کیا جاتا ہے کہ فتویٰ دینے والے علما نے ہرچند چاہا کہ شیخ امان اللہ پانی پتی جو وجودی صوفیہ کے علما میں شمار کیے جاتے تھے اور علم ظاہری اور باطنی میں ان کا درجہ بہت بلند تھا۔ ان کو بھی اس معاملہ میں بلایا جائے لیکن انھوں نے اس درخواست کو قبول نہ کیا اور فرمایا کہ امان کا قدم دوزخ میں کیوں نہ جائے جب کہ قتل کے الزام میں اہل بیت کو پا بہ زنجیر اور رسوا کر کے اس کے سامنے کھڑا کیا جائے اور وہ اس عزت و تکریم والی مجلس میں بیٹھا ہوا ہو۔ مجھے ان دو شہزادوں کے قتل کا بے حد افسوس ہے اور شاہ محمد کو رسوا کرنے کا بھی غم ہے۔ اس بات سے ہمارا جگر خون ہے اور اس بات سے روز حشر کا خوف ہے۔ یہ جنوں کا کام ہے۔ معاذاللہ شاہ محمد سے ایسا گناہ سرزد نہیں ہو سکتا۔ مدتوں ہلچل سی مچی رہی یہاں تک کہ شاہ محمد نے قید خانے میں وفات پائی۔ ان کے مرنے کے بعد بعض لوگوں نے ان کے پاؤں باندھ کر بازار میں گھسیٹا اور پھر ان کی نعش ایک گوشے میں ڈال دی۔ آخر بعض لوگوں نے ہمت اور کوشش سے، قلعہ دہلی کے نیچے کوشک نزور کے قریب انھیں دفن کر دیا۔

ان سے عجیب و غریب باتیں منسوب کی جاتی ہیں۔ کہا جاتا ہے کہ انھوں نے جن کو تسخیر کر رکھا تھا۔ ان کے مرید اور خلیفہ بھی تھے۔ اس واقعہ کے بعد ان میں سے بہت سے مرید منحرف ہو گئے۔ شیخ محمد عاشق سنبھلی جو عشق و محبت کے مسلک اور ذوق و شوق کے مشرب میں شہرت رکھتے ہیں اور آخر میں انھوں نے دنیاوی راحت و اسباب سے کامل حصہ حاصل کیا، ان کے خلفا میں شامل تھے۔

شیخ یعقوب کشمیری علیہ الرحمۃ نے جو صاحب فضل و کمال، محدث، مفسر اور میرے مخدوم کے عظیم خلیفہ تھے۔ بیان کیا ہے کہ ایک دفعہ شاہ محمد فیروز آبادی کے یہاں بہت سے مہمان جمع تھے۔ کھانا لایا گیا، ایک مہمان کے دل میں دہی کھانے کی خواہش پیدا ہوئی۔ اچانک شاہ محمد جمی ہوئی دہی کا کونڈا لے کر باہر آئے اور مہمانوں کے سامنے رکھا۔ اسی عرصے میں ایک عورت روتی پیٹتی آئی اور کہا کہ ایک سیاہ رنگ غلام بچہ، جس کا سر اور جسم برہنہ تھا، دہی کا کونڈا اٹھا کر شاہ کے محل سرا میں آیا ہے۔ اس عورت کو انھوں نے کچھ دے دلا کر واپس کر دیا۔ غرض اس قسم کے بہت سے شعبدے اس بات کی دلیل ہیں کہ جن ان کے قبضے میں تھے۔ ان کے اس طرح کے بہت سے واقعات بیان کیے گئے ہیں۔

سید ابراہیم ایرجی قدس سرہٗ

آپ کے والد بزرگوار کا نام امیر معین تھا۔ آپ حسینی سید[۴۷۹] تھے۔ قادریہ سلسلہ میں بیعت تھے۔

آپ اصناف علم مثلاً حدیث، فقہ اور تفسیر کا بخوبی علم رکھتے تھے۔ مختلف سلسلوں کے مشائخ کی برکات اور اکثر خانوادوں کی نسبت آپ کو حاصل تھیں لیکن آپ پر قادریہ نسبت سب سے زیادہ غالب تھی۔ شیخ بہاء الدین قادری شطاری کے مرید تھے۔ شیخ نے شطاریہ مسلک کے بارے میں جو رسالہ تصنیف کیا تھا وہ آپ ہی کے لیے تصنیف کیا تھا۔ حقیقت یہ ہے کہ آپ بہت ہی بابرکت، کامل، عالم اور صاحب عمل بزرگ تھے اور عقلی، نقلی، ظاہری اور باطنی علوم میں کامل دستگاہ رکھتے تھے۔

اخبار الاخیار[۳۸۰] میں بیان کیا گیا ہے کہ آپ کے زمانے میں دہلی میں کوئی شخص علم و دانش میں آپ کی مثل نہ تھا۔ آپ کے پاس بے اندازہ کتابیں تھیں جن میں سے اکثر آپ نے اپنے ہاتھ سے تحریر کی تھیں۔ ان کی تصحیح کی تھی اور ان کے مشکل مقامات کی تشریح کی تھی۔ جس کسی کو فن سے تھوڑا سا بھی لگاؤ ہے اس کے لیے ان کی تصنیف کا مطالعہ کر لینا کافی ہے اور اسے کسی کے پاس جانے کی ضرورت نہیں ہے۔ چنانچہ بعض منصف مزاج حضرات جیسے شیخ عبدالعزیز اور دیگر بڑے لوگ ان کی خدمت میں حاضر ہوتے اور صوفیہ کے علوم ان سے سیکھتے تھے مشائخ اور علما بھی ان کے ہاں جاتے اور استفادہ کرتے اور جو متعصب اور بے انصاف لوگ تھے اور ان کے رتبے سے ناآشنا تھے وہ ان کے معترف نہ تھے۔ چنانچہ ان کی ظاہری اور باطنی برکتوں سے محروم رہے۔ خود آپ بھی اہل زمانہ کی اس جہالت اور ناقدری سے دل برداشتہ ہو کر کہیں آتے جاتے نہ تھے اور گوشہ نشین ہو گئے تھے۔ خود کو کتابوں کی تصحیح تک محدود کر لیا تھا اور درس دینا ترک کر دیا، اس وجہ سے لوگ ان سے استفادہ کرنے سے محروم رہے۔ اخبار الاخیار[۳۸۱] میں یہ بھی ہے کہ آپ نے خواب میں بے واسطہ شیخ نظام الدین اولیا سے خرقہ حاصل کیا اور ان کی نظر میں منظور ہوئے۔

شیخ رکن الدین[۳۸۲] بن عبدالقدوس سے روایت ہے کہ ایک دن میں آپ کی خدمت میں حاضر ہوا اور عرض کیا کہ آج خواجہ قطب الدین کا عرس ہے۔ اگر شریک مجلس ہوں تو بہت مناسب ہے۔ آپ نے فرمایا، تم جاؤ اور حضرت خواجہ کے مزار پر مراقبہ کرو اور دیکھو حضرت کیا فرماتے ہیں۔ میں مزار خواجہ پر حاضر ہوا اور سامنے بیٹھ کر ان کی روحانیت کی جانب متوجہ ہوا دوسری طرف محفل سماع عروج پر تھی۔ صوفیوں اور قوالوں میں بڑا جوش و خروش تھا۔ اچانک حضرت خواجہ کی روحانیت نمودار ہوئی اور فرمایا ان کم بختوں نے میرا بھیجا کھا لیا ہے اور مجھے پراگندہ کر دیا ہے۔ اس کے بعد میں آپ کی خدمت میں حاضر ہوا۔ آپ کوئی بات پوچھے بغیر مسکرائے اور فرمایا، اب تو میری معذرت قبول کر لو۔ آپ کی وفات ۹۵۳ھ میں ہوئی۔ آپ کی قبر شریف (درگاہ نظام الدین اولیا میں) امیر خسرو کے روضے کے سرے پر واقع خانقاہ میں ہے۔

میر سید عبدالاول قدس سرہٗ

آپ حسینی سید[۴۸۳] تھے۔ آپ کے والد گرامی کا نام علا تھا۔ آپ کی بیعت کا سلسلہ سید محمد گیسو دراز کے خاندان کے بعض بزرگوں کے ذریعہ شیخ نصیر الدین محمود سے جا ملتا ہے۔ بعضوں کا خیال ہے کہ آپ کی وابستگی سلسلہ قادریہ سے تھی لیکن اصل حقیقت یہ ہے کہ مختلف سلسلوں کے مشائخ سے آپ نے فیض پایا اور آپ کا باطن منور ہوا۔

حضرت مخدوم نے اخبار الاخیار میں تحریر کیا ہے کہ آپ کے صاحب تکریم آبا و اجداد قصبہ زید پور کے جو جونپور کے مضافات میں ہے، رہنے والے تھے۔ وہاں سے دکن منتقل ہوگئے اور آپ کی ولادت دکن ہی میں ہوئی۔ جب سن بلوغ کو پہنچے تو تحصیل علم میں مصروف ہوئے اور اپنے زمانے کے اہل علم کے پیشوا ہوئے۔ ہمایوں بادشاہ کے دربار کے بعض امیروں اور سرداروں کی درخواست پر آپ دہلی تشریف لائے اور کوشک نزور کے قریب قیام فرمایا۔ یہاں دو سال یا کچھ زیادہ عرصے آپ زندہ رہے۔ اس مدت میں چھوٹے بڑے لوگوں کی تعلیم میں مصروف رہے اور اکثر علوم میں کتابیں تصنیف کیں۔ جن میں صحیح بخاری کی شرح فیض الباری، سیر النبی، رسالہ تحقیقِ نفس اور رسالہ فرائض منظوم مشہور تصانیف ہیں۔ اس کے علاوہ ابن عربی[۴۸۴] کی فتوحات[۴۸۵] کے خطبے سے لے کر آخر تک جتنے مشکل مقامات تھے، ان پر حاشیہ لکھ کر حل کیا۔ مطول[۴۸۶] پر طویل حواشی تحریر کیے۔ اسی طرح اس زمانے میں منطق، فلسفہ اور علم کلام کی جو کتابیں رائج تھیں ان پر سود مند حاشیے لکھے۔ آخر عمر میں تواضع، انکسار اور فنائیت اختیار کر کے مفلسی اور بے نوائی میں زندگی بسر کی۔ ۹۶۸ ھ میں بعہد اکبر بادشاہ وفات پائی۔ آپ کی قبر شریف کوشک کے نزدیک، اس گھر سے جس میں حین حیات آپ کا قیام تھا، کچھ ہی فاصلے پر، گور غریباں[۴۸۷] میں ہے۔ آپ کے انفاس شریفہ سے پانچ کلمات تحریر کیے جاتے ہیں:

کلمہ ۱ رسالہ معرفت نفس[۴۸۸] میں بیان فرمایا کہ لفظ "نفس" مشترک معنی ہے۔ کبھی یہ نفس کے معنی میں استعمال ہوتا ہے، کبھی اس سے ذات اور شے کی حقیقت مراد ہوتی ہے۔ جیسے آیت پاک **تعلم ما فی نفسی ولا اعلم ما فی نفسک**☆ میں ارشاد ہوا ہے۔ کبھی نفس سے روح علوی مراد ہوتی ہے جسے نفس ناطقہ بھی کہتے ہیں۔ کبھی اس کا مطلب حرارت لطیف ہوتا ہے، جو دل کے نچلے حصے سے اوپر اٹھتی ہے اور فطری حرارت کے ساتھ رگوں کے ذریعہ اعضائے جسم میں جاری رہتی ہے اور سر سے پیر تک سرایت کیے

☆ آپ تو میرے دل کے اندر کی بات بھی جانتے ہیں اور میں آپ کے علم میں جو کچھ ہے اس کو نہیں جانتا۔ مائدہ۔ ۱۱۶

ہوئے ہے۔ اس کی مثال ایسی ہے جیسے دو آدمی جو قد و قامت، دبلاپے اور موٹاپے میں برابر ہیں۔ ان کا ایک ظاہر ہوتا ہے جسے جسم کہتے ہیں اور ایک باطن ہوتا ہے جسے نفس کہتے ہیں۔ جسم کی مثال ایسی ہے جیسے ایک کپڑا جو روئی سے پُر ہے اور نفس جیسے عمودی حرارت ہوتی ہے جو کپڑے کے تمام حصوں کو متاثر کرتی ہے اور کپڑے کی شکل اختیار کر لیتی ہے۔ گویا کہ ہر انسان کے اندر ایک حرارتی انسان موجود ہے اور یہ اس جاندار کی بدولت ہے کہ انسانی بدن میں حس و حرکت اور حیات موجود ہیں، اسی طرح انسان میں بھوک، پیاس، حرص و ہوا اور دیگر نفسانی خصوصیات اس کے مرہون منت ہیں۔ اسی جاندار کو عرف عام میں نفس کہتے ہیں۔

کلمہ ۲ — مذکورہ[۴۸۹] رسالے میں ہے کہ محسوسات سے نفس کا ادراک ہوتا ہے۔ معقولات سے روح کا ادراک ہوتا ہے۔ حس اور عقل کا مرکب قلب ہے۔ حس اور عقل جن چیزوں کا ادراک نہیں کر سکتے جیسے حق تعالیٰ کی ذات و صفات کی معرفت توان کا ادراک کرنے والی کوئی اور صلاحیت چاہیے۔ یہ حق تعالیٰ کی رحمت ہے کہ اس نے ماورائے حس و عقل چیزوں کا ادراک کرنے کے لیے انسان کے اندر ایک اعلیٰ اور پاکیزہ تر صلاحیت پیدا فرمائی اور اس کا تعلق قلب سے رکھا۔ اس استعداد کو سِر کہتے ہیں۔ پھر اس سے بھی پاکیزہ تر ایک اور لطیفہ پیدا فرمایا جسے خفی کہا جاتا ہے۔ حق تعالیٰ کی ذات کا کشف چشم خفی سے ہوتا ہے جیسا کہ حدیث قدسی میں آیا ہے۔ وفی **الخفی انا** (میں سر خفی میں ہوں)

کلمہ ۳ — سرور[۴۹۰] انبیا صلی اللہ علیہ وسلم کی روح پاک تمام روحوں کی اصل، تمام انوار کا سرچشمہ اور تمام موجودات کے ظہور کا سبب ہے۔ اگر تمام لطائف کو ایک جسم تصور کیا جائے تو حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی روح پاک اس جسم میں جان کی مانند ہے۔ حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی روح پاک کا تمام ارواح اور لطائف پر تصرف ہے۔ جس طرح روح علوی کو تصرف و اختیار حاصل ہے اسی طرح وہ روح مقدس نفس، جسم، لطائف اور تمام موجودات پر قابض و متصرف ہے۔ بعض ارباب کشف و شہود نے یہ جو کہا ہے کہ انسانی روح سے ماوریٰ روح قدسی ہے، اس سے ان کی مراد حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی روح پر فتوح ہی ہو سکتی ہے۔

کلمہ ۴ — کائنات[۴۹۱] کے ایک ایک ذرہ پر حق سبحانہ تعالیٰ کے تصرف کی نسبت یکساں ہے۔ ہر ذرہ اس کی ذات پاک کے جمال باکمال کا آئینہ اور مظہر ہے۔ اس کے باوجود حق تعالیٰ سے دعا اور عرض و معروض کے وقت دل سے متوجہ ہونے کا سبب یہی ہے کہ قلب روح حیوانی کا منبع ہے اور تمام لطائف روح حیوانی سے متعلق ہیں۔ پس حق تعالیٰ سے دل کی توجہ کے ساتھ دعا کرنا یا عبادت کرنا گویا تمام لطائف کی توجہ کے ساتھ حق تعالیٰ کے حضور میں پیش ہونا ہے۔

حقیقت بھی یہی ہے کہ قلبی توجہ ہر طرح کی کامیابی کا سبب اور لطائف کے انکشاف کا پہلا باب ہے۔ پھر ابتدا سے آخر تک بندہ درجہ بدرجہ ترقی کرتا رہتا ہے۔ اللہ تعالیٰ کی ذات پاک کے انوار اور اس کی صفات کا کشف اسی طریق پر ہوتا ہے۔ اسی لیے اہلِ کشف کہتے ہیں کہ قلب صنوبری میں ایک روزن ہے جس

سے عالم غیب کا انکشاف اور جبروت و لاہوت کے مراتب کا مشاہدہ ہوتا ہے :

لشکر حسنت نگنجد در زمین و آسماں　　　من درین فکرم کہ اندر سینہ چوں جاکردۂ ؟

(ترجمہ) اے خدا ! تیری ذات و صفات کی لامحدود تجلیاں زمین اور آسمان میں نہیں سما سکتیں ۔ میں اسی سوچ میں ہوں تو دل کے اندر کس طرح سما گیا ہے ۔

کلمہ ۵　　اسی[۴۹۲] رسالہ میں دنیاوی بادشاہوں کے تین مقامات (عالیشان محل ۔ دربار خاص ۔ حرم سرا) کی مثالیں دینے کے بعد تحریر کیا ہے کہ بسم اللہ الرحمن الرحیم میں حق تعالی کے تین مقامات اشارۃً بیان ہوئے ہیں ۔ جس کی تاویل اس طرح کرتے ہیں ۔

بسم اللہ کا مطلب ہے ۔ شروع کرتا ہوں اللہ کے نام سے جو اپنی عزت اور وحدت کے ساتھ قلب مومن کے عرش پر تجلی فرماتا ہے ۔ الرحمن سے مراد ہے کہ اللہ تعالی عرش عظیم پر رحمت عام کے ساتھ تجلی فرما رہا ہے ۔ الرحیم کا مطلب ہے کہ اللہ تعالی کعبہ شریف کے عرش پر اپنی خاص رحمت کے ساتھ مخصوص مومنین پر تجلی فرما ہے ۔

سہ رکنی ذکر جو عام طور پر رائج ہے یہی ہے کہ قبلہ کی رخ بیٹھ کر تین مرتبہ اللہ ، اللہ ، اللہ کہتے ہیں اور اوپر سامنے اور پیچھے اشارہ کرتے ہیں ۔ اس سے تینوں عرش مراد ہیں ، باقی اللہ تعالی بہتر جانتا ہے ۔

شیخ عبدالعزیز قدس سرّہٗ

آپ[۴۹۳] کمال الحق شیخ حسن طاہر جونپوری کے چھوٹے فرزند ، شاہ خیالی کے بھائی اور میاں قاضی خاں یوسف ناصحؒ ظفر آبادی کے خلیفہ تھے ۔ میاں قاضی خاں شیخ حسن طاہر کے خلیفہ اور صاحب کرامت و استقامت بزرگ تھے ۔ ان کی زندگی پرہیزگاری ، دنیا سے بے تعلقی ، ریاضتوں اور مجاہدوں میں بسر ہوئی ۔ وہ دو واسطوں سے سید راجی حامد شاہ سے اور چند واسطوں سے سلطان المشایخ سے پیوستہ ہیں ۔ جس کی تفصیل شیخ حسن طاہر کے حالات میں بیان کی جا چکی ہے ۔ ان کا لقب جمال الحق تھا ۔

شیخ عبدالعزیز آخری دور کے نامور مشایخ چشت میں تھے ۔ بزرگ صوفی تھے اور ظاہری و باطنی دونوں طرح کے علوم آپ کی ذات میں جمع تھے ۔ آپ کے چہرے پر ، بچپن ہی سے ، عظمت و بزرگی کے آثار نمایاں تھے ۔ عہد طفلی سے ریاضت اور مجاہدے میں مصروف رہے اور جو اوراد و اشغال آپ نے لڑکپن میں اپنے اوپر لازم کر لیے تھے ۔ آخر عمر تک ان کو ادا کرتے رہے اور کبھی قضا نہ کی ۔ بزرگوں کے طور طریق کی پیروی میں کوئی

دقیقہ فرد گزاشت نہ کرتے ، مشایخ کا بے حد ادب و احترام کرتے ، محتاجوں اور بے سہارا لوگوں کی مدد کرنے اور اپنے اکابر کے طریق پر عمل کرنے میں آپ یگانہ روز گار اور یکتائے زمانہ تھے ۔ عاجزی ، انکسار ، بے نفسی ، حلم و مروت اور صبر و رضا میں چشتی بزرگوں کی یادگار تھے ۔ آپ کی ولادت با سعادت شہر جونپور میں ۸۸۹ ھ میں ہوئی اور بعضوں کا خیال ہے کہ آپ ۸۹۶ ھ میں پیدا ہوئے ۔

جب آپ کے والد ترک وطن کر کے دہلی آئے تو آپ کی عمر دو سال یا کچھ کم تھی ۔ شہر میں قیام پذیر ہونے کے بعد آپ کو اپنے سامنے طلب کیا اور فرمایا " ان کا حصہ میاں قاضی خاں کے پاس ہے " چنانچہ آپ اپنے والد کی وفات کے بعد ، ان کی وصیت کے مطابق میاں قاضی خاں کی خدمت میں حاضر ہوئے اور ان کی مبارک تربیت کی بدولت خود مرتبہ ارشاد پر فایز ہوئے ۔ خلافت ملنے کے بعد دہلی واپس ہوئے اور ارادت و بیعت کا سلسلہ جاری کیا اور دعوت و تبلیغ میں مصروف ہو گئے ۔ بہت سے لوگ جو ذوق و شوق رکھتے تھے اور اہل وجد و سماع تھے ، آپ کے سلسلہ بیعت میں شامل ہوئے ۔ تقریباً ستر سال تک طالبوں کی رہنمائی کی ۔ فصوص الحکم اور دیگر تصانیف کا درس دیتے تھے ۔ ان تصانیف پر آپ کو کامل عبور تھا ۔ آپ کا انتقال ذوق و حال کی حالت میں ہوا ۔ یہ واقعہ ۶ جمادی الثانی ۹۰۵ ھ اور جلال الدین اکبر بادشاہ کے عہد حکومت کا ہے ۔ آپ کی قبر آپ کی خانقاہ کے صحن میں ہے[۴۹۴] ۔ منقول ہے کہ آپ کا خاتمہ اس آیت پاک پر ہوا ۔ **فسبحن الذی بیدہ ملکوت کل شئ و الیہ ترجعون**[۴۹۵] (سو اس کی پاک ذات ہے جس کے ہاتھ میں ہر چیز کا پورا اختیار ہے اور تم سب کو اسی کے پاس لوٹ کر جانا ہے) ۔ چونکہ آپ ہمیشہ خود کو ذرہ ناچیز سے تعبیر کرتے تھے ، ایک فاضل نے آپ کی تاریخ وفات بھی " ذرۂ ناچیز[۴۹۶] " سے نکالی ۔

میرے مخدوم مولانا حسن (اللہ تعالی ان کے احوال کو خوب بہتر کرے) شہر دہلی کے فاضل حضرات میں شامل تھے ۔ بہت ہی صاحب فضل ، لطیف طبع ، خوش صحبت ، بے تکلف ، یگانہ روزگار بزرگ اور کاتب حروف کے ماموں تھے ۔ شیخ چائیں لدھا کے مرید تھے ۔ شیخ لدھا کا لقب نجم الحق تھا اور وہ شیخ عبدالعزیز کے خلیفہ اور ظاہری اور باطنی علم میں بے نظیر تھے ۔ میرے مخدوم مولانا حسن نے شیخ لدھا کی وفات کے بعد ہمارے آقا خواجہ محمد باقی قدس سرہ سے فیضِ باطنی حاصل کیا ۔ انھوں نے اپنے مرشد کی تاریخ وفات کے قطعے میں " ذرۂ ناچیز " والی تاریخ بطور اقتباس شامل کی ہے ۔ چند اشعار یہ ہیں :

شہِ بی ما و من عبدالعزیز آن — کہ اہلِ معرفت را بود برہان

ہمارے منکسر مزاج شاہ جن کا نام عبدالعزیز تھا ، بے شک وہ اہلِ معرفت کے لیے دلیل تھے ۔

بیانِ عشق را شبلی[۴۹۷] زباں بود — ہمہ اسرارِ حق پیشش عیان بود

عشق الہی کی کیفیت شبلی کے مانند بیان کرتے تھے ، ان پر حقیقت کے سب راز آشکار تھے ۔

زبانش بود ہمچوں بایزیدی ٭ ہردم قایل ھل من مزیدی

وہ بہت عالی ہمت تھے ۔ بایزید بسطامی کے مانند ہردم اور بھی کچھ ہے کا تقاضا کرتے تھے ۔

دلش بود از عنایاتِ الٰہی ٭ شناسا گشتہ اشیا کماہی

عنایت الٰہی سے ان کا دل اشیا کی حقیقت سے جیسی فی الحقیقت وہ ہیں آگاہ تھا ۔

سخن کوتہ کہ آن حق بین در اشیا ٭ ز لطفِ ایزدِ حی و توانا

مختصر یہ کہ خدائے حیّ و قیوم کے کرم سے وہ اشیا میں حق ہی کو جلوہ فرما دیکھتے تھے ۔

بچشمِ پاک بین در خشک خاری ٭ ہماں دیدی کہ اندر گل عذاری

وہ اپنی پاک بیں نگاہوں سے سوکھے کانٹے میں پھول جیسے حسین رخسار کا مشاہدہ کرتے تھے ۔

باین حال و بایں حالت کہ گفتم ٭ اگرچہ اکثر احوالش نہفتم

میں نے ان کے حال اور حالت کے بارے میں جو کچھ بیان کیا ہے ، بہت کم ہے ۔ ان کے اکثر احوال تو میں نے بیان ہی نہیں کیے ۔

ز خود ہرگہ دُرِ تعبیر سفتی ٭ نخستین ذرۂ ناچیز گفتی

وہ جب کبھی اپنے متعلق کوئی بات کہتے تو خود کو ذرہ ناچیز سے تعبیر فرماتے ۔

٭ صفحہ ۱۵۹ (حصہ انگریزی) پر ڈاکٹر محمد سلیم اختر صاحب نے جو حاشیہ تحریر فرمایا ہے ، اس میں اصل متن کے صفحہ ۱۳۹ کا حوالہ تو درست ہے لیکن سطر ۱۲ کا حوالہ صحیح نہیں ہے ۔ اس حوالے کی سطر ۲۱ ہے ۔ غالباً یہ غلطی پریس والوں سے ہوئی ہے ۔ دوسری بات یہ عرض کرنی ہے کہ محترم ڈاکٹر صاحب نے سورۂ ق آیت ۳۱ کا حوالہ دیا ہے جو آیت ۳۰ ہے ۔ آیت پاک یہ ہے :

یوم نقول لجھنم ھل امتلات و تقول ھل من مزید

جس دن کہ ہم دوزخ سے کہیں گے کہ تو بھر بھی گئی اور وہ کہے گی کہ کچھ اور بھی ہے ۔

آیت کی حد تک تو حوالہ یقیناً صحیح ہے ، لیکن چونکہ شعر میں بایزید بسطامی رحمۃ اللہ علیہ کے بارے میں "ہردم قایلِ ہل من مزیدی" کہا گیا ہے لہذا یہاں آیت پاک کا حوالہ غیر متعلق ہے دراصل یہ مصرع خود بایزید بسطامی رحمۃ اللہ علیہ کے اپنے مقام سے متعلق ہے جسے شیخ فرید الدین عطار رحمۃ اللہ علیہ نے تذکرۃ الاولیا میں نقل کیا ہے :

یحیٰی معاذ رازی نامہ نوشت بہ بایزید کہ چگوئی در حق کسی کہ قدحی خورد و مست ازل و ابد گشت ۔ بایزید جواب نوشت کہ این جا مردی ہست کہ در شبا روز دریای ازل و ابدی کشد و نعرۂ ہل من مزید زند ۔

یحیٰی معاذ رازی نے بایزید کو خط لکھا کہ آپ کی ایسے شخص کے بارے میں کیا رائے ہے جس نے ایک جام پیا اور ابد تک سرشار ہو گیا ۔ بایزید نے جواب میں لکھا کہ یہاں ایک شخص ایسا بھی ہے جو ازل و ابد کے بحرِ بے کراں کو پی کر اور کچھ ہے کا نعرہ لگاتا ہے ۔

(ملاحظہ فرمائیں تذکرۃ الاولیا ، فرید الدین عطار مطبع مجتبائی دہلی ۱۳۱۰ھ ص ۹۰) مترجم

چو عزم سیر کرد از دارِ فانی بسوی منزلی کانرا تو دانی

جب انھوں نے اس دار فانی سے اس مقام کی طرف جسے تم بھی جانتے ہو سفر کیا۔

بتاریخش یکی از اہلِ تمیز رقم زد ذرۂ بالفظِ ناچیز

تو ایک دانش مند نے ان کی تاریخ وفات کے لیے ذرہ کو ناچیز کے ساتھ تحریر کیا۔

حبیبی داشت سرتاپا عقیدہ ز ذاتش غیر حق چیزی ندیدہ

ان کے ایک حبیب تھے جو سرتاپا عقیدہ تھے۔ وہ مرشد کی ذات میں حق کا مشاہدہ کرتے تھے۔

سخن کوتہ کہ این ہم مثل آن بود غلط کردم ہمان بود و ہمان بود

مختصر یہ کہ یہ بھی ان ہی کی مثل تھے، میں نے غلطی کی، یہ بھی وہی تھے جو وہ تھے کوئی فرق ہی نہ تھا۔

تعال اللہ زہی پیر و مریدی کہ باشد ہریکی چوں بایزیدی

سبحان اللہ! ایسے عظیم پیر اور ایسا عظیم مرید۔ دونوں ہی بے شک و شبہ بایزید ثانی تھے۔

زبس تبعیت آن شاہ یگانہ شد آخر ہمچو پیرِ خود روانہ

یہ مرید اپنے مرشد کی پیروی میں یکتا تھے۔ چنانچہ جس جانب شیخ روانہ ہوئے تھے، یہ بھی اسی طرف چل دیے۔

ازین دنیایِ فانی عزم رہ کرد کہ روزِ ماسیہ کاران سیہ کرد

اس دنیائے فانی سے وہ بھی رخصت ہوگئے اور ہم سیہ کاروں کے نصیب زیادہ سیاہ ہوگئے۔

چو در دریای فکرت غوطہ خوردم کہ دُر و گوہرش یک یک شمردم

میں نے فکر کے سمندر میں غوطہ لگایا تاکہ اس میں جتنے موتی ہیں، انھیں چن لوں۔

پس از فکرت دُرِ تاریخ سفتم حبیبِ ذرۂ ناچیز گفتم

دریائے فکر میں غوطہ لگانے اور موتی چننے کے بعد میں نے تاریخ کہی تو "حبیب ذرہ ناچیز" تاریخ ہوئی۔

خداوندا بحقِ ایں دو یاور کہ مارا از دو دیدن باز آور

یاالٰہی ان دونوں حامیوں کے طفیل ہم کو دوئی سے محفوظ فرما اور توحید خالص کی نعمت عطا کر۔

خداوندا بحق ایں دو یکتا کہ برما ہم درِ عرفان بکن وا

یاالٰہی ان دونوں یکتا بزرگوں کے طفیل ہم پر بھی اپنی معرفت کا دروازہ کھول دے

چنانم محو کن در ہستیِ خویشس　　　　که نارم فرق کرد از نوش تانیش

مجھ کو اپنی ہستی میں اتنا محو کر دے کہ نوش اور نیش کا فرق باقی نہ رہے۔

ز چشمم دور کن زاں گونہ تمیز　　　　که در چشمم نیاید غیر یک چیز

میری نگاہوں سے ہر طرح کا فرق اس طرح مٹا دے کہ سوائے تیرے تیرا غیر مجھے نظر نہ آئے۔

اگر بی خود حدیث از خود برانم　　　　بغیر از لفظ حق گفتن ندانم

اگر بے خودی میں کوئی بات کہوں تو حق حق کہنے کے سوا سب کچھ بھول جاؤں۔

آپ کے (شیخ عبدالعزیز کے) فرزند بھی تھے، جن میں میاں قطب عالم، علم و فضل، دانش، فیاضی اور سخاوت میں امتیازی حیثیت کے حامل تھے بلکہ ایسے بزرگ شاذ و نادر پیدا ہوتے ہیں۔ آپ کی تصنیفات بھی ہیں جن میں عینیہ اور عزیزیہ مشہور ہیں۔ آپ کی تصانیف میں سے دس کلمات منتخب کر کے تحریر کیے جاتے ہیں۔

کلمہ ۱　بعضے بزرگوں نے فرمایا ہے کہ دنیا کی محبت تمام گناہوں کی جڑ ہے۔ اس کی حقیقت یہ ہے کہ دنیا کی محبت میں مبتلا ہونے سے بہت سے گناہ سرزد ہوتے ہیں اور کثرت گناہ سے کفر پیدا ہوتا ہے۔ پس نتیجہ یہ نکلا کہ دنیا کی محبت کفر ہے۔ اب اس کے برعکس ترک دنیا تمام عبادات کی بنیاد ہے کیونکہ جب ہم دنیا کی طرف راغب نہیں ہوتے تو عبادت کا ذوق پیدا ہوتا ہے اور ذوق عبادت سے ایمان قوی ہوتا ہے۔ پس ترک دنیا اصل ایمان ہے۔

کلمہ ۲　نصیحت کا خلاصہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کے احکامات کا ادب کیا جائے یعنی ان کی تعمیل کی جائے اور اللہ تعالیٰ کے بندوں پر شفقت کی جائے۔ اس کا ادنیٰ درجہ یہ ہے کہ لوگوں کے نفع و نقصان سے اتنا ہی خوش اور رنجیدہ ہو جتنا اپنے ذاتی فائدے اور نقصان سے خوش و ناخوش ہوتا ہے۔ اگر نصیحت کرنے والے کے قلب کی یہ کیفیت نہیں ہے تو وہ کذاب ہے۔ یقین جانو کہ جھوٹ تمام برائیوں کی جڑ ہے اور سچ درویشی کا سرمایہ ہے۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے " الصدق ینجی والکذب یہلک یعنی سچ باعث نجات اور جھوٹ ہلاک کرنے والا ہے "۔

کاذبان را ہیچ منزل بار نیست　　　　راستبازی می رود در کوی دوست

جھوٹوں کا دنیا میں کہیں ٹھکانہ نہیں جب کہ راستبازی محبوب کے کوچے میں لے جاتی ہے۔

کلمہ ۳　اللہ تعالیٰ سے ڈرنے والا کسی کے عیب ظاہر نہیں کرتا، بلکہ اس کا خیال بھی دل میں نہیں لاتا۔ وہ تو عیب پوشی کرتا رہتا ہے تاکہ خود برائی میں مبتلا نہ ہو جائے۔ عیبوں سے بچنے کا یہ آزمودہ طریقہ

ہے۔ نیز زبان کو کسی مسلمان کی غیبت کرنے سے اور دل کو غیبت کے خیال سے بچانا چاہیے ورنہ اس کا بہت بڑا نقصان ہے۔

کلمہ ۴ اللہ تعالیٰ کے ذکر کی چار نوعیتیں ہیں۔ اول یہ کہ زبان ذکر کرے اور دل اس سے غافل ہو۔ دوسرے یہ کہ زبان ذکر کرے اور دل بھی اسی میں لگا رہے۔ تیسرے یہ کہ زبان اور دل سے ذکر جاری ہو جائے اور چوتھے یہ کہ دل ذکر میں مشغول ہو خواہ خاموش رہے یا ذکر کے وقت زبان کسی چیز میں مصروف ہو تو دل ذکر کرتا رہے۔

کلمہ ۵ ذکر کا ثمرہ حق تعالیٰ سے انس و محبت ہوتا ہے۔ بغیر ذکر کے حق تعالیٰ کے دربار تک رسائی ناممکن ہے۔ پھر چونکہ بندے کو خدا سے ملانے کا واسطہ عشق ہی ہے، لہٰذا واسطۂ عشق کے لیے ذکر ناگزیر ہے۔

عشق را با کفر و باایماں چہ کار — عاشقاں را لحظۂ باجاں چہ کار

عشق کو کفر و ایمان سے کیا کام، عاشقوں کو ایک لحظے کے لیے بھی زندگی سے کیا مطلب۔

عشق مغزِ کائنات آمد مدام — لیک نبود عشق بی دردِ تمام

عشق تو دائمی طور پر خلاصہ کائنات ہے لیکن کامل درد کے بغیر عشق حاصل نہیں ہوتا۔

قدسیاں را عشق ہست و درد نیست — درد را جز آدمی در خورد نیست

عشق تو فرشتوں کو بھی ہوتا ہے لیکن انھیں کیفیت درد حاصل نہیں ہے۔ نعمت درد کے لائق اگر کوئی ہے تو انسان ہے۔

ہرکرا در عشق محکم شد قدم — در گزشت از کفر و از اسلام ہم

جس کسی نے راہ عشق میں مضبوطی کے ساتھ قدم رکھا، وہ کفر و اسلام دونوں سے در گزرا۔

ذرۂ درد خدا در دل ترا — بہتر از ہر دو جہان حاصل ترا

اگر ذرہ برابر اللہ تعالیٰ کی محبت تیرے دل میں ہے تو وہ دونوں جہاں حاصل ہو جانے سے بھی بہتر ہے۔

کفر کافر را و دیں دیندار را — ذرۂ دردت دل عطار را[۴۹۹]

کافر کو کفر اور دیندار کو دین مبارک، عطار کے دل کو تیرے درد کا ایک ذرہ کافی ہے۔

کلمہ ۶ توحید کی انتہا تک رسائی اپنے آپ سے آزاد ہونے پر موقوف ہے۔ جب سالک اپنی ذات کے خول سے نکلتا ہے تو اپنی ہستی کو بھول جاتا ہے، اس وقت اسے توحید کی انتہا تک رسائی حاصل

ہوتی ہے۔ اسی بنا پر اہل توحید خودی کو بت پرستی سے تعبیر کرتے ہیں۔

سعدیا چوں بت شکستی خود مباش　　　خود پرستیدن کم از اصنام نیست

(ترجمہ) اے سعدی! جب تو نے تمام بت توڑ دیے ہیں تو خودی کے بت کو بھی توڑ دے، کیونکہ خود پرستی، بت پرستی سے کم نہیں ہے۔

کلمہ ۷　ہستی کی حقیقت یہ ہے کہ حق سبحانہ تعالیٰ، ابتدا بھی ہیں اور انتہا بھی۔ ہر کسی نے اپنی سمجھ کے مطابق اس کے بارے میں کہا ہے لیکن وہ حقیقت جسے ہر شخص سمجھتا ہے اور اللہ تعالیٰ ہی بہتر جانتا ہے، یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ واجب الوجود ہے (وہ اپنے ہونے میں کسی غیر کا محتاج نہیں) اس کے سوا جو شے ہے ممکن الوجود ہے (وہ اپنے ہونے میں اللہ تعالیٰ کی محتاج ہے) چونکہ ہر ممکن کو واجب الوجود نے ہستی عطا کی اس معنی میں حق تعالیٰ کو ہر شے کی ابتدا اور انتہا کہہ سکتے ہیں۔

کلمہ ۸　راہ صدق کی ابتدا شوق سے ہوتی ہے کیونکہ شوق عشق کی حالتوں میں سے ایک حالت ہے اور شوق محبوب سے ملنے اور اسے دیکھنے کی شدید خواہش کو کہتے ہیں۔

جمال در نظر و شوق ہمچنان باقی　　　گدا اگر ہمہ عالم بدو دہند گداست

(ترجمہ) محبوب کا جمال نظر کے سامنے ہے لیکن شوق کی تشنگی باقی ہے۔ فقیر کو اگر دونوں جہان دے دیں تب بھی فقیر ہی رہتا ہے۔

گر در نفسی ہزار بارت بینم　　　در آرزوی بارِ دگر خواہم بود

(ترجمہ) اے محبوب اگر ایک سانس میں تجھے ہزار بار دیکھوں پھر بھی دوسری بار دیکھنے کی آرزو رہے گی۔

کلمہ ۹　نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ جس نے اپنے نفس کو پہچان لیا اس نے اپنے رب کو پہچان لیا۔ فصوص کے مصنف (ابن عربی) نے کہا ہے کہ جس نے اپنے نفس کو اس طور سے پہچان لیا کہ حق کی حقیقت جو اس کی اپنی صورت میں ظاہر ہوئی ہے، وہی حقیقت تمام لامتناہی چیزوں کی صورتوں میں جلوہ فرما ہے تو یقیناً اس نے اپنے رب کو پہچان لیا۔

کلمہ ۱۰　یہ راہ جانبازوں کی راہ ہے۔ جب تک دل میں مرنے کی آرزو پیدا نہ ہو، کام نہیں بنتا۔

بمیر از خویش تا یابی رہائی　　　کہ پیوندِ تو آمد این جدائی

(ترجمہ) اپنی ہستی کو فنا کر دے تاکہ خودی کی قید سے رہا ہو جائے یہ جدائی تو اسی وجہ سے ہے کہ تو ابھی تک اپنی خودی سے وابستہ ہے۔

ز تو ایں شکل و شیوہ کی پذیرند   چو پا بر خود نہی دست تو گیرند

(ترجمہ) اللہ تعالی تیرے ان طور طریقوں کو کبھی پسند نہیں فرمائیں گے ۔ ہاں جب تو اپنی خودی پر پاؤں رکھ کر کھڑا ہو جائے گا تو وہ تیرا ہاتھ پکڑ لیں گے ۔

جان لیں کہ جلال الدمحمد اکبر بادشاہ ، نصیر الدین محمد ہمایوں کا خوش نصیب فرزند تھا ۔ جنت آشیانی کی وفات کے بعد ، چودہ سال کی عمر میں ، تمام سرداروں کی متفقہ رائے سے ، جمعہ کے دن ۲ ربیع الاول ۹۶۳ ھ کو خطبہ اس کے مبارک القاب سے مزین ہوا اور اس کی تخت نشینی سے سلطنت کو استحکام حاصل ہوا ۔ مسند شاہی نے نئی رونق پائی اور اس کی بادشاہت کی برکت سے سلطنت کی بنیادیں مضبوط ہوئیں ۔

اس جواں بخت بادشاہ کی ذات میں حسن سیرت اور حسن صورت کے اوصاف جمع تھے ۔ اس نے اپنے فطری کمالات کو اپنے بہترین اخلاق سے اجاگر کیا ۔ اللہ تعالی کی مدد سے اس کے عہد حکومت میں روز بروز نئی ترقی اور بے اندازہ شان و شوکت کا ظہور ہوا ۔ بڑے بڑے مغرور حاکم اس کے دربار میں حاضر ہوئے اور اس کے سامنے نیازمندی کے ساتھ اپنے سر خم کیے ۔ جس نے اس کی اطاعت سے سرتابی کی اس کی گوشمالی کی گئی ۔ اس کی تخت نشینی کے پہلے سال ہیموں ملعون نے بہت سا لشکر جمع کر کے دہلی پر قبضہ کر لیا ۔ مسلمانوں پر سخت مظالم اور انھیں بے دریغ قتل کیا اور غازی کا لقب اختیار کیا ۔

تخت نشینی کی ابتدا سے آخر تک اکبر نے جس طرف رخ کیا ۔ دولت و اقبال کی فوج نے اس کے فتح مند لشکر کا استقبال کیا ۔ اس کے علاوہ بادشاہوں کو جس انصاف ، مروت ، بخشش ، بندہ نوازی ، برتری ، فتح مندی اور تدبر کی ضرورت ہوتی ہے ، سب اس سلیمان شکوہ بادشاہ کی ذات میں موجود تھیں ۔ ہندوستان کے تمام اطراف نیز مشرقی ، مغربی ، شمالی اور جنوبی ملکوں کی سرحدیں اس کے زیر تصرف تھیں ۔ کتنے ہی بادشاہوں راجوں ، مہاراجوں اور افغانوں نے جو خود مختاری کا دعوی کرتے تھے ، اس کی فرمانبرداری اور غلامی کو قبول کیا ۔ اس فتح مند اور دشمن کو زیر کرنے والے بادشاہ کے حالات کی تفصیل ضبط کرنے کا حوصلہ اس رسالہ میں نہیں ہے ۔ اس مقصد کے لیے ایک علیحدہ کتاب کی ضرورت ہے ۔ اس خاقان اعظم کی بادشاہی کی مدت باون سال تھی ۔ ۱۰۱۳ ھ میں اس کی وفات ہوئی ۔

شیخ اسحاق ملتانی قدس سرہٗ

آپ ملتان میں پیدا[۱۰۵] ہوئے ۔ بہت سیر و سیاحت کی اور بہت سے بزرگوں سے ملاقات کی ۔ آپ نے سخت ریاضتیں کی تھیں ۔ زیادہ تر خاموش رہتے اور بہت کم گفتگو فرماتے ۔ طویل عمر پائی ، آخر میں بہت

ناتواں ہو گئے تھے ۔ اس بڑھاپے کے باوجود فرماتے کہ میں بیٹے کے پیدا ہونے کا انتظار کر رہا ہوں ۔ وہ پیدا ہو گا تو میں دنیا سے رخصت ہو جاؤں گا ۔ حق تعالی نے اس بڑھاپے میں آپ کو فرزند عطا کیا اس کے بعد آپ کی وفات ہوئی ۔

میرے مخدوم عبدالحق محدث دہلوی نے اخبار الاخیار میں آپ کی وفات کا واقعہ بیان کیا ہے کہ ایک دن آپ نے اپنی خادمہ سے کہا کہ گھر میں جو کچھ ہے فقیروں کو دے دو ۔ خادمہ نے کہا کہ گھر میں کچھ بھی نہیں ہے جسے تقسیم کیا جائے ۔ آپ نے فرمایا کہ جو کچھ ہے اور جتنا بھی ہے تقسیم کر دو ۔ تقریبا دو سیر غلہ اور دو پرانے کپڑے مہیا ہوئے ۔ چنانچہ محتاجوں کو دے دیے ۔ گھر خالی کرنے کے بعد آپ کو سماع سننے کی خواہش ہوئی ۔ لوگوں نے کہا آپ کے پاس قوال کو دینے کے لیے کچھ بھی نہیں ہے تو فرمایا کہ قوال کو اپنی دستار دے دوں گا ۔ اسی اثنا میں ہمسائے کے ہاں سماع ہونے لگا اور آپ وہاں چلے گئے ۔ دوران سماع حال طاری ہوا اور بہت روئے ۔ جب سماع کا بہت غلبہ ہوا تو لوگ آپ کو اٹھا کر گھر لے آئے ۔ تھوڑی دیر بعد آپ اٹھے ، جمعہ کا دن تھا ۔ غسل کیا اور دوستوں کو رخصت کر کے حسب معمول قرآن پاک کی تلاوت کی اور سو گئے ۔ اسی حالت میں انتقال فرما گئے ۔ یہ واقعہ جلال الدین اکبر کے عہد حکومت میں ۹۹۸ ھ کا ہے ۔ آپ کی قبر دہلی میں ہے ۔

شیخ حسن بودلہ قدس سرہٗ

دہلی[502] کے ایک امیر گھرانے میں پیدا ہوئے ۔ بچپن سے مجذوب تھے ۔ دنیا کے طور طریقوں سے بے نیاز عجیب حالت میں رہتے تھے ۔ اخبار الاخیار میں ہے کہ اکثر برہنہ حالت میں رہتے تھے اور عضو مخصوص میں انتشار نہ ہوتا تھا ۔ معلوم ہوتا تھا کہ مٹی کا ڈھیلا دیوار پر مارا گیا ہے ۔ جو کچھ آپ کو نذر کیا جاتا ، آپ قوالوں کو دے دیتے ۔ اس دیوانہ حالت کے باوجود خوبصورتوں کے دلدادہ تھے ۔ جب کسی معصوم چہرہ شخص کو دیکھتے تو خوش ہوتے ۔ بعض بزرگوں نے خواب میں دیکھا کہ آپ سرور کائنات علیہ افضل الصلوات کو وضو کرا رہے ہیں اور بعض خاصان خدا نے کہا ہے کہ ہم نے آپ کو حرم شریف میں دیکھا ہے ۔

بیان کیا جاتا ہے کہ شیر خاں سوری کے بیٹے سلیم خاں کی بے حد تمنا تھی کہ آپ اس کے ہاں قدم رنجہ فرمائیں ۔ جب اس کا اصرار بڑھا تو آپ کی مجذوبانہ کیفیت میں جوش آ گیا اور حالت جذب میں کہا ، جلد ہی تمہاری بساط عیش الٹ جائے گی ۔ چنانچہ چند دنوں بعد ایسا ہی ہوا ۔ منقول ہے کہ آپ جدھر سے گزرتے ، لوگوں

کے دماغ خوشبو سے مہک جاتے ۔ لوگ خوشبو سے آپ کے آنے کا اندازہ لگا لیتے ۔ اس سے زیادہ عجیب بات یہ ہے کہ آپ کے بول و براز میں بدبو نہ ہوتی ۔

آپ کی وفات ۲۵ ربیع الاول ۹۶۰ھ میں ہوئی ۔ مزار لشکر گاہ میں خواص خاں کے مقبرے کے قریب ہے ۔ یہ خواص خاں شیر خاں سوری کا خادم تھا اور اپنی سخاوت و فیاضی کی وجہ سے مشہور ہے ۔ اسے ۹۶۰ھ میں سلیم خاں کے حکم سے شہید کر دیا گیا ۔

مولانا محمد مجد قدس سرہٗ

آپ مغرب کے ایک معروف سلسلہ تصوف "احمدیہ"☆ سے تعلق رکھتے تھے[۵۰۳] اور اسی سلسلے کے بزرگوں کی روش کے مطابق تعلیم دیتے تھے ۔ اکثر علوم متداولہ سے بہرور تھے ۔ سلطان مظفر والی گجرات کے عہد میں حجاز سے گجرات تشریف لائے ۔ سلطان آپ کے شاگردوں میں شامل ہو گیا اور آپ کی بے حد تعظیم کرتا تھا ۔ سلطان مظفر کی وفات کی بعد اس کے بیٹے سلطان بہادر نے باپ کی رسم کو زندہ رکھا بلکہ زیادہ ہی آپ کی توقیر کی۔ جب جنت آستانی (بادشاہ ہمایوں) نے صوبہ گجرات فتح کیا تو از روئے قدر شناسی آپ کا ادب کیا اور فتح مند لشکر کے ساتھ آپ کو دہلی لے آیا ۔ یہ دلکش مقام آپ کو پسند آیا اور یہیں سکونت اختیار کر لی ۔ شیر خاں سوری کے عہد حکومت میں آپ کی وفات ہوئی ۔

شیخ زکریا دہلوی قدس سرہٗ[۵۰۴]

آپ کا لقب بہاء الدین ہے ۔ آپ شیخِ بزرگ گنج شکر کی اولاد اور سلسلہ شطاریہ کے نامور مشایخ میں سے تھے ۔ شیخ علی شطاری کے مرید تھے ۔ بہت زیادہ ریاضتیں اور مجاہدے کیے اور سلوک میں تحقیق کا راستہ طے کیا ۔ شیخ عبدالقدوس حنفی چشتی اور دوسرے مشایخ سے بھی پورا پورا استفادہ کیا ۔ تصوف کی کتابیں آپ نے

☆ اس سلسلے کے بانی سیدی احمد البدوی متوفی ۶۷۵ھ تھے ۔ آپ کے سلسلے کا نام بدویہ ہے لیکن احمدیہ بھی کہتے ہیں، مصر میں اس کی اشاعت ہوئی ۔ (ملاحظہ فرمائیں ارزش میراث صوفیہ مصنفہ ڈاکٹر عبدالحسین زریں کوب ۔ تہران ۔ ۱۳۴۴ ص ۹۹) مترجم

شیخ محمود لاری کے شاگردوں سے پڑھیں۔ شیخ امان پانی پتی آپ کے شریک سبق تھے۔ آپ کے چہرے پر عجیب اثر تھا۔ بہت سے لوگ جو طریقہ صوفیہ کے منکر تھے، آپ کو دیکھ کر اس جماعت کے معتقد ہوگئے اور اس راستے پر چلنے والوں کے ساتھ شامل ہوگئے۔ آپ نے اکبر بادشاہ کے عہد حکومت کی ابتدا میں ۹۰۰ھ میں وفات پائی۔

آپ کے والد کا نام عیسیٰ اور لقب علاء الدین تھا۔ رائج علوم میں ان کو کامل مہارت حاصل تھی۔ وہ شیخ سماء الدین کنبوہ کے شاگرد تھے۔ علوم باطنی کی تحصیل اور تکمیل شیخ ابوالفتح بانسوی سے کی جو شیخ جمال الدین بانسوی کے خاندان سے تھے۔ وہ وعظ کہتے تھے اور اپنے وعظ کے دوران آیات کی تشریح مختلف انداز سے کرتے تھے۔ ان کے دو بیٹے تھے۔ ایک یہی شیخ زکریا اور دوسرے شیخ کمال الدین تھے جو ظاہری علوم میں کامل تھے اور جنھوں نے کتابیں بھی تصنیف کی ہیں۔ علم باطن سے بھی آشنا تھے۔ شیخ کمال الدین کے دو بیٹے تھے، شیخ رکن الدین اور شیخ حاجی شطاری۔ دونوں اللہ تعالی کی معرفت رکھنے والے اور علم باطن کی تحصیل کر چکے تھے۔ اللہ تعالی ان پر رحمت فرمائے۔

شیخ تاج الدین دہلوی قدس سرّہٗ

آپ شیخ بہاء الدین زکریا بن شیخ عیسیٰ دہلوی کے فرزند تھے۔ ظاہری اور باطنی کمالات سے بہرہ ور اور علم تصوف سے اچھی طرح آگاہ تھے۔ اپنے والد بزرگوار اور شیخ امان پانی پتی کی خدمت میں حاضر رہے تھے۔ اپنے آباء و اجداد کی راہ و روش اختیار کرنے میں کوئی کسر باقی نہ رکھی۔ آخر میں کافروں سے جنگ کرنے کیلیے اسلامی لشکر میں شامل ہوگئے۔ عبا اتار کر قبا پہن لی اور سپاہیانہ زندگی بسر کی۔ آپ نے کتابیں بھی تحریر کی ہیں۔ ان ہی میں نزہت الارواح کی شرح بھی ہے جو بہت خوب ہے۔ آپ کی ابدی خواب گاہ دہلی میں ہے۔ اپنے والد بزرگوار کے پہلو میں آسودۂ خواب ہیں۔

شیخ یوسف دہلوی قدس سرّہٗ

آپ شاہ عبدالرزاق جھنجھانوی کے، جو سلسلہ قادریہ کے نامور مشائخ میں تھے، مرید تھے۔ شاہ عبدالرزاق بلند مقامات و کرامات کے حامل بزرگ تھے۔ ان کے خلیفہ بھی بہت تھے۔ شہر دہلی کے اکثر بزرگ

جن کا تعلق آخری دور سے ہے ان کے ارادت مند تھے، ان ہی میں آپ بھی شامل ہیں۔ آپ نے اپنے شیخ کے ملفوظات جمع کر کے ایک مفید کتاب تحریر کی۔ آپ کا مزار دہلی میں ہے۔ وفات بحر و بر کے فرماں روا جلال الدین اکبر بادشاہ کے عہد حکومت میں ہوئی۔

شیخ حاجی دہلوی قدس سرّہٗ

آپ شاہ عبدالرزاق کے مرید اور خلیفہ تھے۔ خود بھی شیخ زادے تھے۔ شاہ محمد خیالی کے فرزند ہیں۔ حضرت شاہ عبدالرزاق کی توجہ کی برکت سے ولایت کی منزلوں اور طریقت کی مشکلات سے آگاہ ہوئے۔ پریشان خیال لوگوں کی رہنمائی فرماتے تھے اور اپنے آباء و اجداد کے طور طریقوں پر سختی سے کاربند تھے۔ آپ کی وفات کے بعد آپ کے فرزند ارجمند شیخ کمال آپ کے جانشین ہوئے۔ برسہا برس گوشہ نشینی اور توکل اختیار کر کے فقر و فاقہ میں زندگی گزاری۔ آخر عمر کے کچھ برسوں میں ان کو آسودگی حاصل رہی اور عزت و آبرو نصیب ہوئی۔ ۱۰۲۴ھ کے اواخر میں انھوں نے وفات پائی۔ اسی سال یکتائے زمانہ شیخ قطب عالم نے جو ظاہری علوم میں بے مثل اور باطنی علوم میں کامل تھے اور عزیز الحق شیخ عبدالعزیز کے عالی مرتبہ صاحب شرف فرزندوں میں تھے، انتقال فرمایا۔ فقیر راقم نے ان دونوں بزرگوں کی تاریخ وفات "آہ شیخین دہلی" سے نکالی۔ اس کے علاوہ ان دونوں بزرگوں کی تاریخ نکالنے کے لیے علاحدہ علاحدہ قطعے بھی تحریر کیے۔ شیخ کمال کی تاریخ وفات کا قطعہ یاد ہے۔ چنانچہ یہاں درج کیا جاتا ہے۔

شیخِ زمانہ شیخ کمال آں فریدِ دہر — کندر رہِ شریعت غرا یگانہ بود

آں یادگارِ سلسلۂ قادریہ رفت — آں رفتنش بجانب حق عاشقانہ بود

تاریخ فوتِ او چو طلب کردم از خرد — منیِ عقل گفت کہ شیخِ زمانہ بود

(ترجمہ) شیخ کمال جو زمانے کے شیخ اور یکتائے روزگار بزرگ تھے۔ سب سے بہتر شریعت کی پیروی میں بے مثل تھے۔ وہ سلسلہ قادریہ کی یادگار تھے۔ ان کا اپنے حق کی طرف جانا عاشقوں کی طرح تھا۔ میں نے عقل سے ان کی تاریخ وفات طلب کی تو عقل نے کہا کہ وہ "شیخ زمانہ" تھے۔

شیخ حسین نقشی قدس سرہٗ

آپ ظاہری اوصاف اور باطنی کمالات سے پوری طرح بہرور تھے۔ بہت سے بزرگوں کی خدمت میں حاضر ہوئے اور فیض حاصل کیا۔ پتھر یا دھات پر الفاظ کی کھدائی کے فن میں بے مثل تھے۔[۵۰۶] جس طالب علم نے آپ سے درس لیا، اسے ظاہری اور باطنی نعمت حاصل ہوئی۔ آپ نے چودہ جمادی الثانی ۹۸۸ھ میں وفات پائی۔ اس دور کے فاضلوں میں سے ایک فاضل نے تاریخ وفات کہی۔

قطبِ عالم شیخِ دین پرور حسین	آں کہ بود از فضل مخدومِ دیار
اصفیا را از جمالش آبروی	اولیا را از وجودش افتخار
علمِ او ہمدوشِ تشریفِ عمل	فعلِ او ہمدستِ حکمِ کردگار
چوں برفت آں عنصرِ قدسی صفات	سوی جنت زین جہانِ بی مدار
شد یکی تاریخ شیخ الاولیا	گشت دیگر مقتدای روزگار

(ترجمہ) قطب عالم شیخ حسین دین پرور اور اپنی فضیلت کے باعث زمانے کے مخدوم تھے۔

آپ کے جمال سے نیکوں کی آبرو بڑھی۔ تمام اولیا کو آپ کی ذات پر فخر ہے۔

آپ عالم باعمل تھے۔ آپ کا ہر عمل اللہ تعالی کی رضا جوئی کے لیے ہوتا تھا۔

جب آپ کا فرشتہ صفت جسم اس بے اعتبار دنیا سے جنت میں چلا گیا۔

ایک تاریخ "شیخ الاولیا" اور دوسری "مقتدائے روزگار" ہوئی۔

آپ کے بیٹے بھی تھے۔ ان ہی میں شیخ علی احمد تھے جو پسندیدہ اوصاف اور ظاہری خوبیوں کے مالک تھے۔ ان پر محبت کی شدت اور عشق کی مستی طاری رہتی تھی۔ اس دنیائے ناپائیدار سے مردانہ وار[۵۰۷] رخصت ہوئے۔ منقول ہے کہ ابوالمظفر نور الدین جہانگیر بادشاہ غازی کے حضور قوالوں نے خواجہ حسن دہلوی کا یہ شعر پڑھا:

ہر قوم راست راہی، دینی و قبلہ گاہی	من قبلہ راست کردم بر سمت کج کلاہی

ہر قوم کا ایک خاص مسلک، دین اور قبلہ ہوتا ہے۔ میں نے اپنا قبلہ کج کلاہ کی طرف راست کر لیا ہے۔

شیخ علی احمد بھی اس مجلس میں موجود تھے۔ یہ شعر سنتے ہی آپ پر وجد کی کیفیت طاری ہو گئی اور

اسی وقت آپ کا انتقال ہو گیا ۔ یہ واقعہ اٹھارہ محرم الحرام سن ایک ہزار اٹھارہ ہجری میں وقوع پذیر ہوا ۔ مخدومی مولانا حسن نے اللہ تعالی انھیں سلامت رکھے تاریخ وفات کہی :

اے حسن یاد کن زپنجۂ مرگ	زانکہ پنجہ شمردہ ام سالت
فکر رفتن بکن کہ زود ازود	این سبع میرسد ز دنبالت
ہیں بہ بیں ہیں بہ بیں کجا رفتند	پدر و مادر و عم و خالت
بہ یقین دان کہ دشمنان تواند	زن و فرزند و خانہ و مالت
نادرِ عصرِ خود، علی احمد	کہ نظیری نداشت در حالت
رفت در حالت سماع و ازاں	ہیچ دیگر نہ گشت احوالت
سال تاریخش از عرب جستم	قال لی مات و ھو فی الحالت

(ترجمہ) اے حسن موت کے پنجے کو یاد کر، چونکہ میں تیری عمر پچاس سال شمار کر چکا ہوں ۔

اس فانی دنیا سے اپنے چلنے کی فکر کر، یہ (موت کا) درندہ تیرے پیچھے لگا ہوا ہے ۔

خبردار آگاہ ہو جا کہ تیرے باپ، ماں، چچا اور ماموں کہاں چلے گئے ہیں ۔

پس یقین کر لے کہ تیرے بیوی بچے، تیرا مکان اور تیرا مال و منال تیرے دوست نہیں ہیں ۔

دیکھ علی احمد جو اپنے زمانے کے نادر لوگوں میں سے تھے اور جن کا باطن بھی بے مثل تھا ۔

ان کا انتقال حالت سماع میں ہوا ۔ حیف یہ سب کچھ دیکھنے کے باوجود تیرے شب و روز پہلے ہی کی طرح گزر رہے ہیں ۔ میں نے عرب سے ان کے سال وفات کی تاریخ معلوم کی ۔ اس نے کہا، " **مات و ھو فی الحالت** " (ان کا انتقال حال میں ہوا)

شیخ سیف الدین دہلوی قدس سرہٗ [۵۰۸]

آپ میرے[۵۰۹] مخدوم شیخ عبدالحق (محدث دہلوی) کے والد تھے ۔ آپ نے سلسلہ قادریہ میں بیعت کی اور دوسرے سلسلوں سے بھی کامل فیض حاصل کیا۔ شیخ امان پانی پتی کی صحبت سے جو اپنے زمانے کے محقق و عارف تھے، بہت زیادہ فیض حاصل کیا ۔ آپ ظاہری اوصاف اور باطنی کمالات سے پوری طرح بہرہ ور تھے ۔

بذلہ سنجی اور پاکیزگی کا مرقع تھے۔ عشق و محبت اور سوز و گداز میں اعلیٰ مقام حاصل تھا۔ دنیا سے بے تعلقی اور عشق الٰہی میں والہانہ کیفیت کے حامل تھے۔ آپ پر مشرب توحید (وحدت الوجود کا نظریہ) غالب تھا۔

آپ ۹۲۰ ھ میں پیدا ہوئے۔ جب آٹھ سال کے تھے تو آپ کے والد شیخ سعد اللہ کا جو طریقت و حقیقت میں کامل تھے انتقال ہو گیا۔ اپنی وفات سے چند دن پہلے، تہجد میں آپ کے لیے دعائیں کیں اور اپنی امانت (یعنی آپ کو) کارساز حقیقی کے سپرد کیا۔ ان دعاؤں کا اثر ان کی وفات کے بعد ظاہر ہوا۔ چنانچہ آپ بہت کم مدت میں اپنی بلند فطرت اور بابرکت استعداد کے باعث مراتب عالیہ تک پہنچ گئے۔ اللہ تعالیٰ کی معرفت اور اس کے درجات کے فرق سے آگاہ ہونے کے بعد آپ کی یہ کیفیت ہو گئی کہ سوائے درویشوں سے محبت کرنے اور ان کی خدمت بجا لانے کے کسی چیز سے سروکار نہ رکھا۔

اخبار الاخیار میں ہے کہ آپ اہل و عیال کی کفالت کی خاطر بعض منصب داروں کے ہاں آتے جاتے تھے لیکن اس تعلق کو اپنے دل میں کبھی جگہ نہ دی۔ لوگوں سے اپنے باطنی احوال کو اس قدر چھپاتے تھے کہ کسی کو آپ کے فقر و فنا اور قلبی کیفیت کا علم نہ تھا۔ درویشی اور خدا پرستی کے مراتب کو ظاہری اوصاف کے پردے میں چھپا لیا تھا۔ ۹۹۰ ھ میں بعمر ستر سال وفات پائی۔ تاریخ وفات "ولی تحت القباب" یعنی ولی قبے کے نیچے ہے، سے نکلتی ہے۔ ستائیس شعبان کو آپ کا عرس ہوتا ہے۔

منقول ہے کہ جب آپ کی رحلت کا وقت قریب ہوا تو آپ نے فارسی و عربی میں چند کلمات اور اشعار جن میں عفو و مغفرت کا مضمون تھا، پڑھے اور وصیت فرمائی کہ ان کو لکھ کر کفن میں رکھ دیں۔ ان میں یہ فارسی رباعی بھی تھی۔[۵۱۰]

دارم دلکی غمین، بیامرز و مپرس	صد واقعہ در کمین بیامرز و مپرس
شرمندہ شوم اگر بپرسی عملم	ای اکرمِ اکرمین بیامرز و مپرس

(ترجمہ) میں غمگین دل کے ساتھ حاضر ہوں میری مغفرت فرما اور باز پرس نہ کر، سینکڑوں واقعات گھات لگائے ہوئے ہیں۔ مجھے بخش دے اور حساب نہ کر

اے خدا اگر تو میرے عمل کے بارے میں سوال کرتا ہے تو میں شرمسار ہوں، بس میری خطائیں معاف کر دے اور باز پرس نہ کر۔

اور عربی کے دو شعر یہ ہیں۔

قدمت علی الکریم بغیر زاد	من الحسنات و القلب السلیم
فحمل الزاد اقبح کل شئی	اذا کان القدوم علی الکریم

(ترجمہ) میں نیکیوں اور قلب سلیم کے توشے کے بغیر سخی کے دربار میں جا رہا ہوں۔

سخی کے دربار میں توشہ لے کر جانا تو تمام باتوں میں سب سے گھٹیا بات ہے۔

آپ جوانی میں شعر بھی کہتے تھے۔ غزل، قصیدہ اور رباعی میں طبع آزمائی کی۔ یہ غزل آپ کے بلیغ کلام کا نمونہ ہے، جس میں تصوف و توحید کے مضامین بیان کیے گئے ہیں[511]۔

ساری نمودہ در ہمہ اعیان، چناں عیاں [512] کز غایت ظہور، نہانست در نہاں

اللہ تعالی نے اپنی ذات کو جملہ اعیان میں اس طرح عیاں کیا ہے کہ اس کے کمال ظہور کے باعث اسے دیکھا نہیں جا سکتا۔

از نام و از نشان کہ تواند، نشاں دہد کو باہزار نام و نشانست بی نشاں

کون ہے جو اس کا نام و نشاں بتا سکے، اس کے ہزارہا نام و نشان ہیں پھر بھی وہ بے نشان ہے۔

پیش از ظہور بودہ و ما کان شی معہ بعد از ظہور ہست علی ما علیہ کان

اپنے ظہور سے پہلے وہ تھا اور کوئی شے اس کے ساتھ نہ تھی۔ اب اپنے ظہور کے بعد جیسا تھا ویسا ہی ہے (اس کی ذات کو تغیر نہیں)

کون و مکان ز پرتو حسن جمال اوست ویں طرفہ ترنگر کہ نہ کون است و نہ مکاں

کون و مکان اس کے جمال کے حسن کا عکس ہے پھر یہ بھی عجیب بات ہے کہ نہ کون ہے نہ مکان ہے۔

سیفی بخویش نسبتِ ہستی گمانِ تست ای وای برکسی کہ بماند درین گماں

اے سیفی اپنے ہونے کا احساس صرف تیرا گمان ہے، اس شخص پر افسوس ہے جو اس وہم و خیال میں رہتا ہے کہ وہ ہے جب کہ حقیقت اس کے برعکس ہے۔

حضرت مخدوم نے وہ حقایق و معارف جو آپ پر منکشف ہوئے اور آپ نے بیان فرمائے، اخبار الاخیار میں تحریر کیے ہیں۔ اس کے علاوہ "مکاشفات" اور "سلسلۃ الوصال" کے عنوان سے دو رسالے بھی آپ نے تصنیف کیے۔ یہاں حقایق سے لبریز چھ کلمات، بطور تبرک اور احسان مندی درج کیے جاتے ہیں۔

کلمہ ۱ دنیا[513] کی لذت بالکل احتلام کی لذت کی طرح ہے، جو ایک لمحہ میں گزر جاتی لیکن اپنی گندگی اور کدورت چھوڑ جاتی ہے۔

کلمہ ۲ اس[514] راہ کے طالب پر لازم ہے کہ مشایخ نے جو باتیں کہی ہیں ان پر اعتقاد رکھے بلکہ اپنی طبیعت پر جبر کر کے ان پر عمل کرے۔ اگر بعض مسایل میں شک و شبہ پریشان کرے تو اسے دل سے نکال دے

اس راہ کا پہلا اصول یہ ہے کہ چوں و چرا نہ کرے اور شیخ کے حکم پر آمنا و صدقنا کہے ورنہ تمام زندگی خلجان اور پریشانی میں رہے گا۔

کلمہ ۳ ذکر[۵۱۵]، توجہ اور اللہ تعالی کے حاضر و ناظر ہونے کے احساس سے جو حالت پیدا ہوتی ہے، وہ غافل نہیں ہونے دیتی۔ اس نسبت کی صحت اور اثر کی ایک علامت یہ ہے کہ اپنے دیگر احوال مثلاً خورد و نوش غصہ اور نزاع سے بھی آگاہ رہے اور ان سے بے خبر نہ ہونے پائے۔

کلمہ ۴ مشائخ[۵۱۶] نے کہا ہے کہ عالم اس سے ہے، اس پر ہے بلکہ سب وہی ہے۔ ان تینوں اقوال میں جو بات کہنے کے لائق ہے وہ پہلا قول ہے، ویسے یہ معاملہ دل کا ہے۔ زبان سے اس کا تعلق نہیں ہے ہاں زبان کے لائق یہ بات ہے کہ جو کچھ کہا جائے وہ مطابق شریعت ہو۔

کلمہ ۵ "سب[۵۱۷] اس سے ہے" اور "سب وہی ہے" اگر ان اقوال پر زیادہ غور و فکر کیا جائے تو معلوم ہو گا کہ دونوں کی حقیقت ایک ہے۔

کلمہ ۶ آپ[۵۱۸] یہ بھی فرماتے، جوانی میں جب وجد و حال کی کیفیت میں جوش پیدا ہوتا، تو اس قسم کی باتیں بے اختیار زبان سے نکل جاتی تھیں۔ اب اس کیفیت کو ظاہر کرنے سے زیادہ پوشیدہ رکھنے میں لذت و راحت حاصل ہوتی ہے۔ جس قدر اس کیفیت کو مخفی رکھتے ہیں، اسی قدر اس کی برکت اور حلاوت بڑھتی جاتی ہے۔

حاصل کلام یہ ہے کہ آپ کی عظمت و بزرگی کا اندازہ اس ایک حقیقت سے لگایا جا سکتا ہے کہ قادر و توانا خدا نے آپ کو حضرت مخدوم جیسا فرزند عطا فرمایا:

چنان بود پدری کش چنین بود فرزند   چنین شود پسری کش چناں پدر باشد

(ترجمہ) کس قدر اچھا باپ ہو گا جس کا اتنا اچھا بیٹا ہے۔ وہ بیٹا کس قدر اچھا بنے گا جس کا باپ اتنا اچھا ہے۔

بہرحال جب بات یہاں تک پہنچی ہے تو مناسب معلوم ہوتا ہے کہ حضرت مخدوم کے، اللہ تعالی انھیں سلامتی دے، کچھ حالات بیان کیے جائیں، حالانکہ حقیقت تو یہ ہے کہ

ہمچو اوئی سزد معرّف او   ہمچو او اندرین جہان خود کو

(ترجمہ) جیسے وہ ہیں، ایسا ہی ان کی تعریف کرنے والا چاہیے لیکن خود دنیا میں ان جیسا کہاں ہے۔

شیخ عبدالحق محدث دہلوی قدس سرہ

چونکہ حضرت مخدوم کے بارے میں کچھ عرض کرنے اور بیان کرنے کی استطاعت نہ تھی۔ اس لیے خاموشی اختیار کرلی اور اپنے آپ سے کہتا تھا۔

چہ فروشی باو متاع سخن — کہ مبیع تو از خزینہ اوست۔

آنچہ تو بر دکانِ لب داری — ایں ہمہ از دعای سینہ اوست

(ترجمہ) جس کے خزانے سے متاع سخن حاصل کی ہے، اسی کے ہاتھ اسے بیچنا کس قدر نامناسب بات ہے؟ تیرے ہونٹوں کی دکان میں جو مال و متاع ہے، یہ سب اس کی دعاؤں کا اثر ہے۔

لیکن اس قول کے بموجب کہ اگر کسی کو کل حقیقت کا ادراک نہیں ہوتا تو جز کا ادراک تو ہو ہی جاتا ہے۔ مختصراً آپ کے احوال جو تعریف و توصیف سے بالاتر ہیں، اشارات میں تحریر کیے جاتے ہیں کیونکہ یہ مناسب نہیں ہے کہ یہ تصنیف جو دہلی کے بزرگوں کے حالات اور مناقب کے بارے میں ہے، حضرت مخدوم کے ذکر سے خالی ہو۔ آج دہلی ہی نہیں بلکہ تمام ہندوستان میں جو برکت، رونق اور خوبی نظر آتی ہے، آپ ہی کی ذات والا صفات کی بدولت ہے، جو اس عہد میں اہل معرفت اور اہل حقیقت کی سردار و پیشوا ہے اور جو مختلف علوم و فنون پر کامل عبور رکھتی ہے بلکہ سچی بات وہی ہے جو اس عہد کے ایک فاضل نے آپ کے بارے میں کہی:

ایں مثَل در عہد او نو شد کہ شہری و گلی☆

آپ کی پیشانی سے علم و شعور کے آثار بچپن ہی سے نمایاں تھے۔ چونکہ بلند فطرت اور اعلیٰ صلاحیت کے حامل تھے اس لیے استاد سے سبق لینے کے دوران، مفید نکتے اٹھاتے اور مضبوط دلیلوں کے ساتھ

☆ اس مصرعے کے ترجمے کے سلسلے میں عرض ہے کہ یہ مصرع واضح نہیں ہے۔ ابہام "شہری و گلی" میں ہے۔ اگر شہر کے شین پر زبر تصور کیا جائے تو اس کا ترجمہ شہرت ہوگا (غیاث) جو پورے مصرعے کے ترجمے میں درست نہیں بیٹھتا۔ اگر اسے شہدی پڑھا جائے تو یہ ایک ایرانی راگ کا نام ہے (غیاث) اس طرح بھی ترجمے میں الجھاؤ پیدا ہوتا ہے۔ کتاب خانہ خدا بخش پٹنہ (بھارت) کے مخطوطے کے مطابق اگر شہری کے بجائے شہدی پڑھا جائے تو ایک درجہ میں مصرع کا ترجمہ قابل فہم ہو جاتا ہے اور ابہام بھی باقی نہیں رہتا۔ ترجمہ یوں ہوگا

اس کے عہد میں یہ کہاوت تازہ ہوگئی "تو حلاوت ہے اور خوشبو ہے"

اپنی سمجھ کے مطابق وضاحت پیش خدمت ہے۔ باقی اللہ تعالیٰ بہتر جانتا ہے۔ مترجم۔

بحث کرتے ۔ چنانچہ بعض انصاف پسند استادوں نے آپ کی ذہانت کی تعریف کی اور یہ بھی کہا - ہم ہی نے ان سے کچھ نہ کچھ سیکھا ہے، ہمارا بحیثیت استاد ان پر کوئی احسان نہیں ہے "۔

ظاہری علوم کی تحصیل کے بعد آپ نے قرآن شریف حفظ کیا ۔ ۹۹۶ ھ میں آپ پر کچھ ایسا ذوق شوق طاری ہوا کہ آپ سفر حجاز کے لیے روانہ ہوئے ۔ اس محترم مقام سے فیض حاصل کرنے اور طواف ادا کرنے کے بعد، حرمین شریفین کے عالی مرتبہ محدثین سے حدیث کی کتابیں پڑھیں اور سید کائنات صلی اللہ علیہ وسلم سے بھی کئی بار خواب میں حدیثیں سنیں اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے آپ کو دینی علوم کے نشر و اشاعت کی بشارت دی ۔

قطب الاقطاب شیخ عبدالوہاب قدس سرہ سے، جو شیخ علی متقی قدس سرہ کے حقیقی جانشین اور مطلق خلیفہ تھے اور مکہ معظمہ میں ارشاد و ہدایت میں مصروف تھے، آپ کی بہت اچھی صحبتیں رہیں ۔ آپ نے ان سے خلافت بھی پائی ۔ اس کے علاوہ دیارِ پاک کے دوسرے بزرگوں سے فیض حاصل کیا ۔ پھر وطن واپس لوٹے اور شہر دہلی کو اپنے قدموں سے رونق بخشی ۔

جب ہمارے خواجہ (حضرت باقی باللہ) قدس سرہ، دہلی تشریف لائے تو آپ کو حضرت خواجہ سے بے حد محبت اور اخلاص پیدا ہو گیا، پھر شیخ عبدالقادر جیلانی قدس سرہ کی مقدس روح کے حکم سے آپ نے ہمارے خواجہ قدس سرہ سے طریق نقشبندیہ کی تعلیم حاصل کی ۔ اس کے بعد اس طریق میں ارشاد و ہدایت کی اجازت بھی آپ کو مل گئی ۔ لوگوں نے بارہا آپ سے یہ بات سنی اور آپ نے تمثیلاً بیان فرمائی کہ وہ نسبت جو مجھے حضرت خواجہ سے حاصل ہوئی، اس میں اور دوسری نسبتوں میں جو اکابر سے مجھے حاصل ہوئیں وہی فرق ہے جو روح اور جسم میں ہوتا ہے ۔ آپ نے میں حضرت رسالت صلی اللہ علیہ وسلم کے حضور، غوث الاعظم رضی اللہ عنہ سے براہ راست بیعت کی اور درجات عالیہ کی بشارت سے سرفراز ہوئے ۔

اس راہ میں آپ کی طلب اور تشنگی کا یہ حال تھا کہ جہاں کسی درویش خدا پرست کے بارے میں سنتے اس سے ملاقات کے لیے جاتے ۔ ان دنوں بزرگوں کے روحانی اشارات کے باعث خلوت میں رہتے ہیں ۔ توحید کا ذوق آپ کی طبیعت میں رچ بس گیا ہے ۔ آمد و رفت ترک کر کے حدیث کے درس میں مشغول ہیں ۔ نیاز مندوں اور طالبوں کی اصلاح پر توجہ فرماتے اور خاص و عام کو اپنی ہدایت بخش باتوں سے مسرور و شاداں کرتے ہیں ۔ سالکوں کے لیے نفع بخش کتابیں تصنیف کرنے میں مشغول رہتے ہیں ۔ آپ کی تصنیفات کا دائرہ ہر طرح کے علوم تک، خواہ عقلی و نقلی ہوں یا کسبی و وہبی ہوں، پھیلا ہوا ہے ۔ ایک اندازے کے مطابق آپ کی تمام تصنیفات کی تعداد ایک سو ہے ۔ ان ہی میں "سفر السعادۃ"[519] اور "مشکوٰۃ"[520] کی شروح بھی ہیں جو ان دنوں آپ نے بہت تفصیل کے ساتھ عربی اور فارسی زبان میں تحریر کی ہیں ۔ آپ کی باتیں جو حقیقت کی نشان دہی کرتی ہیں برکت اور احسان مندی کے خیال سے یہاں درج کی جاتی ہیں ۔

کلمہ ۱ رسالہ "الدین النصیحۃ" میں تحریر فرمایا ہے کہ ظاہری اور باطنی کمالات کے جس قدر درجات ہو سکتے ہیں وہ سب "عبدہ و رسولہ" میں مضمر ہیں۔ عبودیت خاص آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات مقدسہ کے ساتھ مخصوص ہے۔ آپ کے سوا کسی کو حقیقی بندہ نہیں کہا جا سکتا۔ خدا، خدا ہے اور آپ بندے ہیں۔ دوسرے سب آپ کی ذات پاک کے طفیل بندے ہیں۔

کلمہ ۲ رسالہ "ایصال المرید الی المراد"[521] میں تحریر کیا ہے کہ عمل کی روح نیت ہے۔ بے وقت عمل کا اظہار ایسا ہی ہے جیسے ایک جسم میں جس میں جان نہ ہو۔ عبادت کی حقیقت یہ ہے کہ حکم مانا جائے اور سنت کی موافقت کی جائے۔ سنت کی موافقت میں وقت پر قیلولہ کرنا، ذکر و نماز سے افضل ہے۔ قیلولے کے وقت ذکر و نماز میں مشغول ہونا، ایک طرح کی لالچ اور حرص ہے۔

کلمہ ۳ اسی رسالے میں ہے کہ زیادہ مشقت زیادہ اجر کی ضامن نہیں، بلکہ جس قدر سنت کی پیروی زیادہ کی جائے گی، اسی قدر زیادہ ثواب حاصل ہو گا۔ کیا تم نہیں دیکھتے کہ قلبی اعمال، ایمان و معرفت پر کتنی فضیلت رکھتے ہیں؟ اور ذکر و تلاوت کا ثواب بدنی اعمال سے کتنا زیادہ ہے؟ حالانکہ قلبی اعمال اور ذکر و تلاوت سے زیادہ مشقت تو دوسرے جسمانی اعمال میں اٹھانی پڑتی ہے۔ (لیکن ان کا اجر زیادہ نہیں)

کلمہ ۴ جس طرح انسانی عمر دن بدن بڑھتی ہے، اسی طرح اگر کوئی عمل مسلسل کیا جائے تو اس میں اضافہ ہوتا رہتا ہے، خواہ آج کا عمل زیادہ نہ ہو۔ چنانچہ استقامت کے ساتھ صرف ایک عمل کرنے والے کو عروج اور ترقی حاصل ہوتی رہتی ہے اور اس کے عمل میں بھی اضافہ ہوتا رہتا ہے اور وہ اس "استوا" کے دائرے سے، جس کی نشان دہی اس حدیث میں کی گئی ہے، نکل جاتا ہے:

من استوی یوماہ فھو مغبون[522]

(ترجمہ) جس شخص کے دو دن ایک جیسے گزرے وہ گھاٹے میں ہے۔

مغبون کے معنی ہیں وہ شخص جو دونوں دن کوئی عمل نہ کرے اور آج کے عمل کو گذشتہ دن کا عمل نہ بنائے اسے محروم کہا جاتا ہے۔

کلمہ ۵ اسی رسالے میں تحریر فرمایا ہے کہ مخلوق کی بخشش صورتاً تو بخشش ہے لیکن نظر حقیقت سے دیکھا جائے تو بہت سی حقیقی نعمتوں سے محروم ہونا ہے۔ حق تعالی کے غیر کی طرف متوجہ ہونا اور حق تعالی کے کرم پر نظر نہ رکھنا، نفسانی لذتوں میں مگن رہنا، مخلوق کی محبت میں ہمیشہ گرفتار رہنا اور ان کی غلامی کا طوق گلے میں ڈالے رکھنا، لوگوں کے احسانات کے بوجھ تلے دبے رہنا، لالچ کی ذلت سے دوچار ہونا اور مجبور بن کے رہنا فی الواقع بہت بڑا نقصان اور بہت سی نعمتوں سے محرومی ہے۔

کلمہ ۶ رسالہ "تسلیۃ المصاب"[523] میں لکھا ہے، بندے پر لازم ہے کہ پروردگار سے اپنی مرضی

اور پسند پر اصرار نہ کرے ، اسی طرح درویشوں کے احوال میں سے جو حال اسے عطا کیا جائے اس سے انکار نہ کرے ، کیونکہ وہ مطلق جاہل ہے ۔ کبھی خیر کو مکروہ خیال کرتا ہے اور کبھی شر کو محبوب گمان کرتا ہے ۔ سیدی ابوالحسن شاذلی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں ، اگر تجھے اپنی پسند کا حق دیا جائے تو یہی بہتر ہے کہ اختیار سے ہاتھ اٹھا لے ۔ صاحب اختیار ہونے سے بھاگ اور اپنے اختیار سے خدا کی طرف بھاگنے سے بھی بھاگ کہ ربک یخلق ما یشاء و یختار۔ ☆ [۵۲۴] اور آپ کا رب جس چیز کو چاہتا ہے پیدا کرتا ہے اور (جس حکم کو چاہتا ہے) پسند کرتا ہے ۔

کلمہ ۷ انبیا صلوٰت اللہ و سلامہ علیہم نے دو باتوں کی دعوت دی ہے ۔ ایک یہ کہ بلند اور بڑی شان والے صانع پر ، ان تمام صفات کے ساتھ ، جن سے اس نے اپنے آپ کو متصف فرمایا اور جن کو اس نے بیان کیا ہے ، ایمان لانا اور اس کی یاد کو ، اس درجہ دل میں بٹھا لینا کہ غیر کا خیال اس کی یاد کو بھلا نہ سکے ۔ دوسری یہ کہ طاعت و عبادت کے وہ کام جن کا اس نے حکم دیا ہے ، ان کو بجا لانا ، نہ کہ اس کی ذات و صفات کی حقیقت ، اس کے وجود و ظہور کی کیفیت اور وحدت وجود کے طریق پر عالم سے اس کے تعلق اور اس تعلق کی نسبت پر بحث کرنا ، جس کا حاصل حیرانی اور سرگردانی کے سوا کچھ نہیں ہے ۔ علاوہ ازیں شریعت عطا کرنے والے نے ہمیں اس کی تکلیف بھی نہیں دی ہے ۔

حدیث میں آیا ہے کہ حق سبحانہ قیامت کے دن بندوں سے ان باتوں کے بارے میں سوال کرے گا ، جن کا اس نے حکم دیا ہے اور جن سے اس نے منع فرمایا ہے ، اپنی ذات و صفات کے بارے میں سوال نہ کرے گا ۔ اس لحاظ سے اصل کام حق تعالیٰ کا ذکر ہے ، جس سے ذوق و شوق پیدا ہوتا ہے اور اس کی محبت بڑھتی ہے ۔ یہ یاد رکھیے کہ بحث و مباحثے سے دل سخت ہو جاتا ہے ۔ ویسے بھی وقت ضایع کرنے کا یہ ڈھنگ فلسفیوں کے اطوار سے زیادہ قریب ہے جنھوں نے اشیا کی حقیقت معلوم کرنے کے سلسلے میں بحثیں کی ہیں ۔

کلمہ ۸ شروع میں اسی اجمالی ایمان کو پیش نظر رکھتے ہوئے عمل کرنا چاہیے اور اللہ تعالیٰ سے حسن عمل کی توفیق چاہیے ، یہاں تک کہ سالک کا تمام وجود نورانی ہو جائے اور تقلید کا اندھیرا تحقیق کی روشنی سے بدل جائے اور اسمائے الٰہی کی تفصیلی صورتیں اجمال کے پردے پر نمایاں ہو جائیں ۔ وہ حضرات اللہ تعالیٰ کے مجذوب اور محبوب ہوتے ہیں جو پیدائشی طور پر اللہ تعالیٰ کے جلووں کے نور سے منور اور اس کے قرب و حضور کی نعمت سے مخصوص ہوتے ہیں ، ورنہ حقیقت یہ ہے کہ نور وحدانی کا سر بسیط ہوتا ہے اور اس کا جذب مبہم اجمالی ہوتا ہے ، چنانچہ سلوک کے مقامات طے کرنے کے بعد احوال کی تفصیل اور کمال کے مقامات کا علم ہوتا ہے ، جس کے بعد سالک اللہ تعالیٰ کے قرب و وصول کے درجے پر فائز ہوتا ہے اور اسے استقرار حاصل ہو

☆ کلمہ ۶ کے فارسی متن میں یہ آیت اس طرح دی گئی ہے " ربک یختار و یخلق مایشاء " جو ظاہر ہے صحیح نہیں ہے ۔ احقر مترجم نے اس سہو کو ترجمے میں درست کر دیا ہے (سورۂ قصص آیت ۶۸) مترجم

جاتا ہے۔

کلمہ ۹ ایمان کی نورانیت عمل سے قوت پکڑتی ہے، اسی طرح ایمان سے عمل کی توفیق بڑھتی ہے۔ ایمان کا نور اور عمل کا نور ایک دوسرے پر عکس ریز ہوتا ہے اور ایک دوسرے کے لازم و ملزوم ہے۔ حقیقت میں ایک ہی نور ہے، جب دل میں ہوتا ہے تو تصدیق، اور جب زبان پر آتا ہے تو اقرار ہوتا ہے۔ یہی نور جب اعضا اور جوارح میں سرایت کرتا ہے تو اعمال ظاہر ہوتے ہیں۔ **نور علی نور یهدی الله لنوره من یشاء**۔ یعنی نور علی نور ہے (اور) اللہ تعالی اپنے (اس) نور (ہدایت) تک جس کو چاہتا ہے راہ دے دیتا ہے۔ (سورہ نور آیت ۳۵)

کلمہ ۱۰ عقاید کی رو سے یہ بات طے شدہ ہے کہ کوئی ولی نبی کے مرتبے تک نہیں پہنچ سکتا۔ ۵۲۵ تعرف میں کہا گیا ہے کہ اولیا کے حال کی نسبت اور انبیا کے مقام کی نسبت کو اس مثال سے سمجھا جا سکتا ہے کہ ایک مشک پانی سے بھری ہوئی ہے اور اس کی تری باہر آ جاتی ہے۔ پہلی مثال انبیا کا مقام ہے اور دوسری مثال اولیا کا حال ہے اور حضرت سردار رسل صلی اللہ علیہ وسلم سے متعلق اعتقاد کا خلاصہ یہ ہے کہ صفات الوہیت کے علاوہ جو کچھ ہے وہ سب آپ کو حاصل ہے۔

فصل

حضرت مخدومی اس دانش و فضل اور ظاہری باطنی کمالات کے ساتھ ساتھ جوانی کے زمانے میں شعر گوئی کا کامل ذوق رکھتے تھے۔ مختلف اصناف شاعری مثلاً غزل، قصیدہ، قطعہ اور رباعی میں آپ کے بلاغت سے لبریز اشعار کی تعداد بہت زیادہ ہے۔ ان میں سے ایک قطعہ یہاں درج کیا جاتا ہے:

زین بوستان کہ ہر دو جہاں مست بوی اوست افتادہ مرغِ وہم، ہم از نیمہ رہ فرو

اس باغ کی خوشبو سے دونوں جہاں مست ہیں (اس تک کسی کی رسائی نہیں) وہم کے پرندے نے بہت پرواز کی لیکن آدھے راستے میں نڈھال ہو کر گر پڑا۔

شاخی ہزار گل، بگلی صد ہزار برگ برگی ہزار رنگ و برنگی ہزار بو

ایک شاخ میں ہزار پھول اور ہر پھول میں صد ہزار پتیاں ہیں، ہر پتی میں ہزار نگ اور ہر رنگ میں ہزار طرح کی خوشبو ہے۔

نتواں حساب یافت ز گلہای این چمن در صد ہزار عمر ابد رو بہ بیں نکو

کوئی اس باغ کے پھولوں کو اگر اسے صد ہزار ابدی عمر حاصل ہو جائے، شمار نہیں کر سکتا۔

ہر تازہ رس گلی کہ بدست افتدت ازآن　　　　ہم مست بوی وی شو و کام دگر مجو

اگر ایک تازہ پھول تجھے یسر ہو جائے تو اس کی خوشبو سے مست ہو جا۔ دوسرے کی تمنا نہ کر۔

بریاد دوست ذوق و طرب مدعاست و بس　　　　ایں چند بود و چند شد، از ینہا سخن مگو

دوست کی یاد سے مدعا ذوق و طرب ہے اور بس، یہ کتنی تھی، کتنی ہونی چاہیے۔ اس سلسلے میں خاموشی اختیار کر۔

مختصر یہ کہ حق تعالی نے آپ کو تمام اوصاف کمال سے آراستہ فرمایا ہے اور تمام اقسام کی نعمتوں سے سرفراز اور ممتاز کیا ہے۔ علم و دانش کے اعتبار سے آپ منفرد اور سیرت و صورت کے اعتبار سے بے مثل ہیں۔ معرفت اور خدا شناسی میں کوئی آپ کا ثانی نہیں[۵۲۶] ہے۔ آپ کے عالی مرتبہ فرزند آپ کی تربیت کی برکت اور حسن پرورش کے سبب دینی علوم اور بحث کے فن پر کامل عبور رکھتے ہیں نیز راہ طریقت و حقیقت کے رہرو ہیں۔

شیخ رزق اللہ دہلوی قدس سرہٗ

آپ شیخ سیف الدین کے بھائی اور[۵۲۷] حضرت مخدوم کے چچا تھے۔ اپنے اور پہلے زمانے کے بزرگوں کی یادگار تھے۔ اپنے عالی نسب والد کے حکم سے مصباح العاشقین شیخ منگن کے جو اپنے زمانے کے کاملوں میں شمار ہوتے تھے، مرید ہوئے۔ آپ عشق و محبت اور صبر و استقامت کی خوبیوں سے آراستہ اور احوال کی مضبوطی باطن کی قوت اور ظاہر کی نرمی کا مجسم نمونہ تھے۔ فن شعر میں فضیلت کے حامل تھے اور مقبول عام ہونے میں آپ کا کوئی ہمسر نہ تھا۔ فارسی اور ہندی میں شعر کہتے تھے۔ آپ کی شگفتہ بیانی اور لطافت کلام کی شہرت تھی۔ حقایق و معارف کے مضامین میں ایک مثنوی بھی آپ نے لکھی ہے جس کے دو شعر یہاں نقل کیے جاتے ہیں۔

فتح قفل ار از کلید است ای عزیز　　　　جنبش از دستِ تو می خواہند نیز

اے عزیز! تالا تو کنجی سے ہی کھلتا ہے لیکن اللہ تعالی چاہتے ہیں کہ تو خود بھی اپنے ہاتھوں کو حرکت دے۔

قدر خود رامی ندانی اے دغل　　　　تشنہ می میری و دریا در بغل

اے بہانہ بنانے والے! تو خود ہی اپنی قدر سے ناواقف ہے۔ دریا تیرے پہلو میں ہے اور تو پیاسا مر رہا ہے۔

دہلی کے لوگ کہتے تھے کہ دہلی ان دو بھائیوں کی وجہ سے دہلی ہے اور دہلویت کے معنی ان کی ذات میں مضمر ہیں۔ حضرت مخدوم نے اخبار الاخیار میں تحریر فرمایا ہے کہ آپ کی ذات میں عشق کے سوز و حرارت کا یہ حال تھا جیسے راکھ کے نیچے آگ دبی ہوتی ہے۔ اگر ذرا سا کریدیں تو آگ نکل آتی ہے۔ اس کے برعکس والد صاحب کے احوال کی مثال ایسی ہے جیسے کسی چیز سے پانی ٹپک رہا ہو، اگر ہاتھ اس تک بڑھائیں تو تر ہو جائے۔

آپ کی رحلت کے وقت، جب زبان اینٹھ چکی تھی، ایک بزرگ نے نصیحت کی اور کہا، میاں جیو یہ حضور و شہود کا وقت ہے۔ آپ نے اس حالت میں، ان بزرگ کے ہاتھ پر اپنے ہاتھ کے اشارے سے لکھا، انی قریب۔ یعنی میں قریب ہی ہوں۔[۵۲۸] آپ کی وفات ۹۸۹ ھ میں بعمر نوے سال ہوئی۔ آپ کی تصنیفات میں " واقعات مشتاقی " بھی ہے جس میں سلطان سکندر لودھی اور اس کے عہد سے اپنے زمانے تک لوگوں کے حالات قلمبند کیے ہیں اور عجیب و غریب قصے بیان کیے ہیں۔ عشق کے جذبے سے متعلق یہ قصہ[۵۲۹] بھی اس میں درج ہے۔

سلطان سکندر لودھی کے عہد حکومت میں ایک لشکری اودے پور کے بت خانے میں گیا۔ وہاں ایک ستون پر پتھر کی ایک مورت دیکھی وہ اس پر عاشق ہو گیا۔ چار دن تک شب و روز اس ستون کے برابر کھڑا رہا۔ پانچویں دن وہ لشکری وہاں سے رخصت ہوا۔ اس کے چلے جانے کے بعد پجاریوں نے دیکھا کہ مورتی غایب ہے۔ انھیں گمان ہوا کہ شاید وہی شخص لے گیا ہے۔ اس کے پیچھے دوڑے اور اسے پکڑ لیا۔ مورت اس کے بغل میں تھی۔ اسی حالت میں اسے اودے پور کے راجہ کے سامنے لے گئے اور اس پر مورت چرانے کا الزام لگایا۔ لشکری نے حقیقت حال کو ظاہر کر دیا اور کہا، میں نے مورتی کو اس کی جگہ سے نہیں اٹھایا ہے بلکہ یہ خود وہاں سے ہٹ کر میرے پاس آئی ہے۔ راجہ نے اس کی بات پر یقین نہیں کیا اور اسے قید خانے میں ڈلوا دیا اور مورتی پجاریوں کے سپرد کر کے حکم دیا کہ اسے اس کے مقام پر نصب کر دیا جائے۔ جب صبح ہوئی تو مورت کو اپنی جگہ سے غائب پایا۔ پھر اس لشکری کے پاس آئے تو دیکھا کہ مورت اس کی بغل میں ہے۔ راجہ کو اطلاع دی کہ ہم نے تو مورت کو مضبوطی کے ساتھ نصب کر دیا تھا، کسی نے واپس اسی شخص کو دے دی۔ جب لشکری سے پوچھ گچھ کی تو اس نے وہی جواب دیا کہ مورتی خود چل کر میرے پاس آئی ہے۔ راجہ کو جب یہ جواب سنایا گیا تو وہ سخت حیران ہوا۔ اب کی بار مورت کو صندوق میں بند کر کے اپنے پیش نظر رکھا۔ دوسرے دن وہ مورت اپنے اسی مشتاق دیدار کے پاس پہنچ گئی۔ راجہ نے اسے قید سے آزاد کر دیا اور وہ مورت بھی اسی کو بخش دی کہ جہاں چاہے لے جائے۔ آج تک وہ ستون اس بت خانے میں موجود ہے اور یہ قصہ وہاں کی آبادیوں میں مشہور ہے۔

آہنی می شود ربودہ ز سنگ   نہ کم است از جماد جانوری

(ترجمہ) مقناطیس کا پتھر لوہے کو کھینچ لیتا ہے ، جب بے جان چیزوں میں یہ استعداد ہے تو جاندار میں یہ صلاحیت زیادہ ہونی چاہیے کیونکہ وہ جماد سے کہیں زیادہ بہتر ہے ۔

غرض اس قسم کے قصے کہانیاں اس کتاب میں بہت ہیں ۔ حضرت مخدوم کے ایک چچا اور بھی تھے جن کا اسم گرامی شیخ فضل اللہ[۵۳۰] تھا لیکن منجھلے بھائی ہونے کی نسبت سے وہ لوگوں میں میاں منجھو کے نام سے مشہور تھے ۔ میاں منجھو شیخ محمد خیالی کے مرید تھے ۔ کہتے ہیں کہ شیخ کے مریدوں کی ان پر نظر تھی ۔ وہ اوراد و اعمال میں مشغول رہتے تھے اور صاحب وقت و حال تھے ۔ وجد و سماع کا ذوق تھا اور اس عہد کے بزرگوں اور مجذوبوں میں مقبول تھے ۔ اپنی وضع و طرز میں منفرد اور یکتا تھے ۔ رحلت کے وقت آپ پر خاص کیفیت تھی اور مردانہ وار اس دنیا سے رخصت ہوئے ۔ آپ کی وفات ۹۶۹ ھ میں ہوئی ۔

مولانا اسمعیل عرب قدس سرّہٗ

آپ خواجہ عبدالشہید کے معتقدوں میں شامل تھے اور ان ہی سے آپ نے بیعت کی تھی ۔ ظاہری اور باطنی علم میں بے نظیر اور زہد و تقویٰ میں یکتائے زمانہ تھے ۔ شہر کے اکثر دولت مند حضرات اور مدرسہ کے استاد آپ کے شاگرد اور آپ کے باغ علم کے خوشہ چین تھے ۔ آپ کی سخاوت اور بلند ہمتی کا یہ حال تھا کہ ہر فصل پر پچاس ہزار تنکے آپ کی آمدنی تھی لیکن وفات کے وقت ایک پیسہ آپ کے پاس نہ تھا ۔

کہتے ہیں کہ جب آپ اپنے گھر سے جو فیروز آباد دہلی کے قریب تھا ، مقبرہ ہمایوں میں درس دینے آتے تو تمام راستے ، جس کا فاصلہ تقریبا ایک میل تھا ، دائیں بائیں نظر نہ اٹھاتے ۔ حقیقت یہ ہے کہ طریقہ نقشبندیہ کے اصولوں میں سے "نظر برقدم و ہوش دردم"☆ کے اصول آپ کی فطرت اور مزاج میں راسخ ہو چکے تھے جو شخص آپ کا نورانی چہرہ دیکھ لیتا وہ آپ کی بزرگی ، نیکی اور آپ کے ظاہری و باطنی کمالات کا قایل ہو جاتا ۔

آپ کا مزار شریف بخاریوں کے قبرستان میں ، شاہ عبداللہ اور شیخ عبدالوہاب کے روضہ متبرکہ کے قریب ہے ۔

☆ نظر بر قدم : چلتے پھرتے وقت نگاہ کو اپنی پشت پا رکھنا تاکہ نظر پراگندہ نہ ہو اور جمعیت خاطر رہے (سر دلبراں ص ۲۰۲)
ہوش در دم : جو سانس نکلے یاد الہی میں نکلے (سر دلبراں ص ۲۰۱)

شیخ بہلول دہلوی قدس سرہٗ

آپ بہت عبادت و ریاضت کرتے تھے۔ بیشتر اوقات قرآن کی تلاوت کرتے اور تفسیر، حدیث اور فقہ کے درس میں مشغول رہتے۔ آپ شیخ عبدالقادر جیلانی قدس سرہ کے سلسلہ شریفہ میں بیعت تھے۔ طالب علموں، درویشوں اور مسافروں کی دیکھ بھال کے سلسلے میں بہت زیادہ اہتمام فرماتے تھے۔ چودہ رجب ۱۰۰۷ھ میں نماز عشا کے بعد آپ نے رحلت فرمائی اور جمعرات کو دن کے وقت سید عالم پناہ صلوات اللہ علیہ کی قدم گاہ کے قریب مدفون ہوئے۔ آپ کے بعض مکتوبات میں سے دو اقتباس یہاں دیے جاتے ہیں۔

کلمہ ۱ قرآن حکیم کے معنی پر گہری نظر ڈالنے کے بعد اگر اس آیہ کریمہ **و لا رطب و لا یابس الا فی کتب مبین**[531] (اور نہ کوئی تر اور خشک چیز گرتی ہے مگر یہ سب کتاب مبین میں ہیں) پر غور کیا جائے، تو یہ حقیقت واضح ہوتی ہے کہ حقایق و معارف سے متعلق وہ باتیں جو انبیا اور اولیا نے بیان فرمائی ہیں وہ درحقیقت حق تعالیٰ کے کلام کے بے پایاں سمندر کا محض ایک قطرہ ہے **وھم یقولون ماأتوا و قلو بھم وجلہ** یعنی وہ سب دہی کہتے ہیں جو وہ لے کر آئے اور ان کے دل خوف زدہ ہیں۔

کلمہ ۲ تمام سعادتوں کی اصل اور بنیاد خلوص ایمان ہے۔ ہر عرفانی اور وجدانی کمال جو اس راہ کے سالکوں کو حاصل ہوتا ہے، اسی سعادت کا نتیجہ ہے۔ خلوص ایمان کا مطلب یہ ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی رسالت کی تصدیق کے بعد جو آپ پر نازل ہوا ہے اور جو آپ نے فرمایا ہے اس پر بے چون و چرا عمل کیا جائے اور عقل کو دلیل طلب کرنے سے معزول کر دیا جائے جیسے ظاہری دنیا میں بادشاہوں کے حکم کو بے چوں و چرا قبول کرتے ہیں اور اس کی تعمیل کرتے ہیں۔

شیخ حاجی محمد قدس سرہٗ

آپ سلسلہ قادریہ میں داخل تھے۔ حضرت غوث الاعظم شیخ محی الدین عبدالقادر جیلانی قدس سرہ سے بے پناہ محبت تھی۔ صوفیوں اور درویشوں سے بہت زیادہ اخلاص اور محبت سے پیش آتے تھے۔ جب سید

٭ اس عبارت میں سورۂ مومنون آیت ۶۰ کا مفہوم ادا کیا گیا ہے والذین یوتون ما اتوا و قلوبھم وجلۃ اور جو لوگ (اللہ کی راہ میں) دیتے ہیں جو کچھ وہ دیتے ہیں اور (باوجود دینے کے) ان کے دل اس سے خوف زدہ ہوتے ہیں۔ مترجم

محی الدین کا عرس کرتے تو اپنے عزیزوں کے گھر، نیاز کا کھانا، اپنے سر پر رکھ کر لے جاتے اور اس میں کسی قسم کا عار اور شرم محسوس نہ کرتے۔

ابتدائی زندگی میں آپ خاصے دولت مند تھے لیکن بعد میں توفیق الٰہی سے دنیا کو ترک کر دیا اور دنیا والوں سے بے تعلق ہو کر گوشہ نشین ہو گئے۔ اس تمام اضطراب اور ذوق کے ساتھ جو طالبوں کو ہوتا ہے آپ احکام شریعت کی تبلیغ میں لگے رہتے اور جیسا اس کام کا حق ہے ادا فرماتے۔ اگر کوئی شخص شریعت یا طریقت کے خلاف کام کرتا اور آپ کو اس کی اطلاع ہو جاتی تو بغیر کسی لحاظ اور مصلحت اندیشی کے اس کو سخت و سست باتیں سناتے اور تنبیہ کرتے اور ڈانٹ ڈپٹ کرتے۔

آپ کی ذات میں بے شمار خوبیاں تھیں اور آپ پاکیزہ اخلاق کے بزرگ تھے۔ آپ کی قبر قدم گاہ کے قلعے کے قریب شیخ بہلول کے پہلو میں ہے۔ زندگی میں بھی ان دونوں بزرگوں کے درمیان بے حد اخلاص اور محبت تھی۔ آپ کی وفات ابتدائے رمضان ۱۰۰۰ھ میں شیخ بہلول کے انتقال کے ڈیڑھ ماہ بعد ہوئی۔

شیخ عبدالغنی بیابانی قدس سرہٗ

آپ ایک فانی بزرگ تھے اور شیخ عبدالعزیز کے خلفا میں شامل تھے۔ ابتدا میں شاہی لشکر میں ملازم تھے اور یہی ملازمت آپ کی گزر بسر کا ذریعہ تھی۔ جب آپ کی شیخ سے ملاقات ہوئی تو حق تعالیٰ نے آپ کے دل کو دنیائے دنی سے اچاٹ کر دیا اور آپ نے خلوت اختیار کر لی۔ کامل توکل و قناعت اور فقر و فاقہ کے ساتھ زندگی گزارنے لگے۔ شہر چھوڑ کر مسجد فیروزی میں جو فیروز شاہ کی عیدگاہ کے قریب ہے، مع اہل و عیال رہنے لگے۔ جب ۱۰۱۰ھ میں آپ کا انتقال ہوا تو اسی مسجد کے صحن میں، جہاں قیام پذیر تھے مدفون ہوئے۔ آپ کی وفات فرماں دہ، خلیفہ زماں، سلطان وقت، شاہ دوران، ابو المظفر نور الدین جہانگیر بادشاہ غازی کے عہد حکومت میں ہوئی۔ اللہ تعالیٰ اہل عالم پر اس کی نیکی اور احسان کو عام کرے۔

وہ ایسا بادشاہ ہے جو دنیا کا محافظ ہے اور عادل و دین پرور ہے۔ انصاف، بہادری، سخاوت حکمت شناسی، عدل فرمائی، کشور کشائی، مبارک صورت، مبارک نیت، بلند رائے، صحیح فکر اور وہ تمام خوبیاں جو بادشاہت کرنے اور حکومت چلانے کے لیے ضروری ہیں وہ سب اس عالی شان بادشاہ کی ذات میں بدرجۂ کمال موجود ہیں۔ یہ اس کے انصاف کی خوبی، اس کے تدبر اور اس کی فطری پاکیزگی کا اثر تھا کہ رذیلوں اور شریفوں کے طبقے سے تمام ناپسندیدہ باتیں، ناشائستہ کام، بے ہودہ طریقے اور بدکرداریاں رخصت ہو گئیں۔

سرکشوں اور لٹیروں کا نام و نشان باقی نہ رہا۔ دنیا کو ایک نئی رونق اور زیبائش ملی۔ اماموں، بزرگوں، عالموں اور فاضلوں پر اس کی بخششیں اور مہربانیاں دن بدن بڑھ رہی ہیں۔ حق سبحانہ تعالیٰ اس رحمت کے مظہر اور سلطنت کے مالک کو ہمیشہ ملکی فتوحات عطا فرمائے اور اس کی سلطنت کو وسعت حاصل ہو۔ رعایا کو اس کے عدل اور مہربانی کے سایے میں راحت و آسائش سے رکھے اور اس کی ذات سے دین مبین کو تائید و نصرت حاصل ہو اور شریعت حقہ کو قوت و وسعت ملے۔

اس خود مختار حاکم اور عہد کے خلیفہ کی بابرکت پیدائش سترہ ربیع الاول، بروز بدھ ۹۰۰ھ میں ہوئی۔ بچپن ہی سے اس بادشاہ جہاں کے مبارک چہرے پر شرافت کے آثار اور خلافت کی نشانیاں نمایاں تھیں اور خاص و عام میں اس کی بے حد مقبولیت تھی۔ ۱۰۱۴ھ میں جب ابوالفتح جلال الدین اکبر بادشاہ کا انتقال ہوا تو خاندانی روایات اور وراثت کے تقاضوں کے مطابق وہ بادشاہ وقت تخت سلطنت پر بیٹھا۔ اس کی تخت نشینی پر، دربار کے امیر اور سردار، اہل علم، سیدزادے اور رعایا کے تمام طبقے بے حد خوش ہوئے۔

تقدیر کے زور، بخت کی قوت، صحیح تدبیر، درست عقل، نوشیروانی انصاف، حاتمی فیاضی، سکندری فتوحات، رستمی شجاعت، افلاطونی فکر کے باعث، قندھار اور سندھ کے اطراف سے بحرا عظم اور کابل سے بنگال، گجرات اور دکن تک، غرض تمام ہندوستان بیک وقت اس کی بارگاہ عالی کے تصرف میں ہے اور ان علاقوں کے فرماں روا اس کے مطیع و فرماں بردار ہیں۔ روز بروز اس کی مملکت کی حدیں پھیلتی جاتی ہیں اور نئے نئے علاقے اور ملک فتح ہو رہے ہیں۔ کسی کا شعر ہے۔

آنچہ اور اشد میسر ز اول عہد شباب   باوجود طول عمر از خسروان کس را نہ شد

(ترجمہ) اپنی لمبی لمبی عمروں کے باوجود بادشاہوں کو وہ حاصل نہ ہوسکا جو اس بادشاہ کو ابتدائے جوانی میں میسر ہے۔

بہرحال عظمت و شوکت، سلطنت و بادشاہت کے وہ اسباب جو اس بادشاہ کے تصرف میں ہیں، ان کا شمار حد و بیان سے باہر ہے۔ اگر اللہ تعالیٰ نے توفیق بخشی تو اس بادشاہ کے حالات کی تفصیل، اس رسالہ کو پورا کرنے کے بعد "مآثر جہانگیری" میں تحریر کروں گا۔ ان کو بیان کرنے کا یہ موقع نہیں ہے۔

شیخ عبدالواحد اجودھنی قدس سرّہٗ

آپ صاحب ہمت اور بابرکت بزرگ تھے۔ بہت سے بزرگوں کی صحبت میں رہے۔ ہمارے خواجہ (محمد باقی) قدس سرہ الاقدس سے بے حد اخلاص اور محبت کرتے تھے اور حضرت بھی آپ کی دل جوئی کرتے

اور نہایت مہربانی اور شفقت سے پیش آتے۔ آپ کی وفات ۱۰۱۹ھ میں ہوئی۔

خود آپ کا اپنا بیان ہے کہ "ہر ماہ نیا چاند دیکھنے سے متعلق مجھے یہ وسوسہ تھا کہ چاند دیکھنے کے بعد کسی نیک آدمی کا چہرہ دیکھوں۔ اس کے لیے مجھے ہر ماہ کسی نیک شخص کو تلاش کرنا پڑتا، پھر چاند دیکھتا۔ ایک دفعہ ایسا ہوا کہ لاشعوری طور پر میری نظر چاند پر پڑ گئی۔ میں نے سوچ کہ اپنی آنکھیں بند کر لوں اور جب تک حسب معمول اور اپنی طبیعت کے موافق کوئی نیک بندہ نہ ملے آنکھیں نہ کھولوں۔ اچانک کیا دیکھتا ہوں کہ چاند کے عین برابر حضرت خواجہ کا نورانی چہرہ نمایاں ہوا۔ مجھے اس وقت بے حد خوشی ہوئی اور اپنے وسوسے سے نجات ملی"۔

اسی قسم کی، حضرت خواجہ کی بہت سی کرامات، جن کا آپ کو تجربہ ہوا، سننے میں آئی ہیں لیکن ان کی تفصیل کا یہ موقع نہیں ہے۔

شیخ ولی محمد دہلوی قدس سرّہٗ

آپ بھی شیخ عبدالعزیز کے کامل مریدوں میں سے تھے۔ اچھے اخلاق اور پسندیدہ خوبیوں کے مالک تھے۔ مجھے آپ کی صحبت بابرکت میں بیٹھنے کا شرف حاصل ہوا ہے اور میں نے آپ کے چہرے پر بزرگی کے آثار کا مشاہدہ کیا ہے۔ آپ کے اکثر اوقات تلاوت کلام پاک میں صرف ہوتے اور آپ قرآن مجید بڑی خوش الحانی سے پڑھتے۔ ایک بزرگ کے بقول جو ظاہری علوم میں کامل، باطنی علوم سے پوری طرح بہرہ ور اور ہمارے خواجہ (محمد باقی باللہ) کے سلسلہ مریدین میں شامل تھے، شیخ ولی محمد بزرگ شخص تھے، ان کی صحبت میں بیٹھنے کا اثر ہوتا اور میں نے خود یہ اثر محسوس کیا۔ ایک دفعہ میں ایک مشکل میں گرفتار تھا۔ میں ان کی صحبت میں جا کر بیٹھا۔ میری وہ مشکل آسان ہو گئی۔

آپ کی وفات اسی سال ہوئی جس سال شیخ عبدالغنی نے وفات پائی۔ یہ اٹھارہ جمادی الثانی ۱۰۱۰ھ کا واقعہ ہے جب کہ شیخ عبدالغنی کو وفات پائے ہوئے صرف نو دن ہوئے تھے۔ اپنے مکان کے نزدیک جو شیخ عبدالکریم کے عقب میں اور سید عالم پناہ کی قدم گاہ کے راستے میں واقع تھا، مدفون ہوئے۔

سید محمد محتسب قدس سرہٗ

آپ عشق الٰہی میں فنا ہو چکے تھے ۔ طویل عمر میں انتقال ہوا ۔ فقیر کو آپ سے ملاقات کا شرف حاصل ہوا ہے ۔ علم ظاہر اور علم باطن سے بہرہ ور تھے ۔ محکمہ احتساب☆ میں ملازم تھے اور لوگوں کو مرید بھی کرتے تھے ۔ آپ کی وفات ۱۰۱۰ھ میں ہوئی ۔

مولانا حاجی محمد کشمیری ہمدانی قدس سرہٗ

آپ کاتب حروف کے نانا تھے ۔ آپ کا اصل وطن ہمدان ہے ۔ جہاں سے آپ کے بزرگوں میں سے ایک بزرگ میر سید علی ہمدانی کے ساتھ کشمیر آئے اور یہیں سکونت اختیار کر لی ۔ چونکہ وہ علم اور تقویٰ سے آراستہ تھے ۔ اس لیے حضرت میر کی امامت کی خدمت پر مامور ہوئے ۔ تینتیس سال کی عمر میں، تحصیل علم کی نیت سے، تجارت کو جو آپ کے بزرگوں کا پیشہ تھا، ذریعہ معاش بنا کر دہلی آ گئے ۔

حضرت مغفرت پناہ، فضایل دستگاہ، مجمع الکمالات مولانا کمال کشمیری سیالکوٹی سے، جو ظاہر و باطن علوم کے جامع تھے، منقول ہے کہ " میں اور مولانا حاجی محمد اور ایک اور طالب علم، ایک عزیز کے پاس جو اس زمانے میں کشمیر کے شرفا میں ممتاز اور شہر کے فاضل ترین لوگوں میں سے تھے اور عقلی علوم میں ان کا کوئی ہمسر نہ تھا، عقلی علوم کی تحصیل کے لیے جاتے تھے ۔ جب ان بزرگ کا انتقال ہو گیا تو اس علاقے میں کوئی ایسا شخص نہ تھا جس سے ہم استفادہ کر سکتے ۔ ہم علم کے حریص تھے اور ذوق بھی رکھتے تھے ۔ اس لیے ہم نے طے کیا کہ آیندہ ہم سے ہر ایک کتاب کا مطالعہ کر کے آئے گا، جس کے بعد ہم بحث کریں گے اور اس طرح ایک دوسرے کے علم سے استفادہ کریں گے ۔ کچھ عرصے ایسا ہی ہوتا رہا، آخر مجبور ہو کر میں نے اور ان حضرت نے تحصیل علوم اور تکمیل معلومات کے لیے ہندوستان جانے کا ارادہ کیا ۔ میں تو سیالکوٹ ہی میں رہا اور یہ دہلی چلے گئے اور وہاں علم کی تحصیل کی اور دوسرے فضایل و کمالات بھی حاصل کیے، یہاں تک کہ یہ حضرات اپنے دوسرے ساتھیوں اور ہم سبقوں پر سبقت لے گئے " ۔

☆ خلاف شرع کاموں کو منع کرنا ۔

حاصل کلام یہ ہے کہ آپ معقول اور منقول کے جامع تھے اور تمام علوم سے اچھی طرح واقف تھے۔ صرف و نحو، منطق و معانی، بیان و بدیع، عروض و قافیہ، فقہ و حدیث، تفسیر و ریاضی، فلسفہ و طب میں اپنے زمانے کے اہل علم میں ممتاز تھے۔ آپ طالب علموں میں بے حد مقبول تھے۔ کافی عرصے تک مدرسہ دہلی میں درس دینے اور طلبہ کو فیض پہنچانے میں مشغول رہے۔ کبھی کبھی آپ کی طبیعت شعر کہنے کی طرف بھی مایل ہوتی تھی۔ دو شعر یہاں نقل کیے جاتے ہیں:

سیارہ فشانی بسحر نیست فلک را　　　از تابِ رخت اشک روانست ملک را

(ترجمہ) آسمان سے یہ ستارے صبح ہونے کے سبب نہیں گر رہے بلکہ اس کے چہرے کی چمک سے فرشتے کی آنکھ سے آنسو ٹپک رہے ہیں۔

خواہم از ہر دو لب خویش زہِ پیر ہنش　　　تا ہر شام و سحر بوسہ زنم بر دہنش

(ترجمہ) میں صرف اتنا چاہتا ہوں کہ میرے دونوں ہونٹ اس کے پیراہن کے گھیرا بن جائیں تاکہ میں ہر شام اور صبح اس کے منھ کا بوسہ لے سکوں۔

باوجود اس علم و دانائی کے جو حق تعالی نے آپ کو عطا فرمائے تھے، آپ کا یہ حال تھا کہ اپنے ہونے کا احساس قطعی طور پر مٹ چکا تھا۔ خود کو مٹی کی مانند سمجھتے تھے، کسی کا دل نہ دکھاتے تھے۔ عاجزی، انکسار اور بے چارگی کا احساس ہمیشہ طاری رہتا تھا۔ ادب، نیاز مندی، خوف الہی، نفس کشی، پرہیزگاری، صبر، توکل و قناعت اور تسلیم و رضا، یہ سب احوال و مقامات جو حضرات صوفیہ کو سخت ریاضتوں اور مجاہدوں کے بعد حاصل ہوتے ہیں، آپ کی فطرت اور طبیعت کا حصہ بن چکے تھے۔ مختصر یہ کہ آپ اللہ تعالی کی نشانیوں میں سے ایک نشانی اور اس کی رحمت کے مظہروں میں سے ایک مظہر تھے۔

بادشاہ وقت کے مقربوں نے بہت چاہا کہ اس یگانہ روزگار ہستی کو کسی طرح دنیا کی متاع قلیل پر فریفتہ کر کے اپنے حلقے میں شامل کر لیں اور اس بہانے ان سے استفادہ کریں۔ دہلی کے بعض حاکموں نے ارادہ ظاہر کیا کہ دہلی کی شرعی عدالت کے قاضی کے طور پر آپ کی تقرری کا پروانہ حاصل کیا جائے لیکن آپ نے ان کی اس پیش کش کو قبول نہیں کیا اور اپنے فقر و فنا اور شکستہ حالی کے گوشے سے باہر قدم رکھنے پر راضی نہ ہوئے۔ کبھی دولت و اقتدار کی خواہش کا، جو انسانی فطرت کا خاصہ ہے، اظہار نہیں کیا۔ حقیقت یہ ہے کہ آپ کی ذات اور صفات کی عظمتیں اس قدر ہیں کہ ان اوراق میں ان سب کا بیان ناممکن ہے۔ ان کے تفصیلی ذکر کے لیے ایک علحدہ کتاب درکار ہے۔

آپ کی عمر شریف ساٹھ سال سے زیادہ ہو گئی۔ ایک دفعہ آپ کو بخار کا مرض لاحق ہو گیا۔ آپ نے تجہیز و تکفین کے بارے میں تاکید سے وصیت کی اور فرمایا، ہمارے خاندان کے اکثر افراد کی عمر ساٹھ سال

سے زیادہ نہیں ہوئی ہے اس لیے غالب گمان یہی ہے کہ میری عمر کا آخر آ پہنچا ہے۔ آپ نے یہ بھی فرمایا کہ مجھے اس بات سے شرم آتی ہے کہ میری عمر حضرت سید المرسلین صلی اللہ علیہ وسلم کی عمر شریف سے زیادہ ہو لیکن اللہ تعالی کو یہی پسند تھا کہ طلبہ مزید چند سال آپ کے فیض و کمال سے مستفید ہوں۔ آپ صحت یاب ہو گئے۔ آخر چھتر سال کی عمر میں بعہد جلال الدین اکبر بادشاہ، بروز جمعرات، انیس صفر ۱۰۰۶ھ میں اس جہان تاریک سے عالم جاودانی کو روانہ ہو گئے۔ میرے مخدوم اور مربی مولانا حسن سے جو آپ کے فرزند رشید تھے اور جن کی لطافت طبع کا ذکر اس سے پیشتر مذکور ہو چکا ہے، آپ کی تاریخ وفات سے متعلق یہ قطعہ تحریر کیا۔

نوزدہ از ماہ صفر رفتہ بود	کین فلک گشتہ بزیر و زبر
زیر و زبر کرد حیات مرا	ہم چو حیاتِ سمک اندر جر
وز سر من برد ولی نعمتی	کز غم او مشتعلم گشت سر
پیر خرد را دل و جان زین خبر	خون شد و بنوشت بخونِ جگر
سال و مہ و روز ازین واقعہ	نوز دہم بود، زشہر صفر

۱۔ ماہ صفر کی انیس تاریخ تھی کہ آسمان زیر و زبر ہو گیا۔

۲۔ اس حادثے نے میری زندگی کو ایسے زیر و زبر کر دیا جیسے خشکی پر مچھلی کا حال ہوتا ہے۔

۳۔ تقدیر نے میرے مربی کا سایہ میرے سر سے اٹھا لیا، جس کے غم سے میرا سر شعلہ زن ہے۔

۴۔ اس خبر سے پیر خرد کے دل و جان خون ہو گئے۔ اس نے اپنے خون جگر سے لکھا۔

۵۔ اس واقعے کا سال، مہینہ اور دن "نوز دہم بود زشہر صفر" سے برآمد ہوتے ہیں۔

خواجہ محمد الباقی النقشبندی الاویسی قدس سرہٗ

آپ کا مسلک اہل سنت و الجماعت کی روش پر اعتقاد، شریعت کی پابندی، خواہش نفس اور بدعتوں سے اجتناب تھا۔ آپ نے حضرت مولانا خواجہ الکنگی سے طریق نقشبندیہ میں بیعت کی اور ان ہی سے

اس سلسلے کے ذکر و مراقبے کی تعلیم حاصل کی۔ اگر از روئے حقیقت دیکھا جائے تو آپ اویسی☆ ہیں، کیونکہ آپ کی تربیت غوث وقت خواجہ احرار قدس سرہ کی روحانیت نے فرمائی ہے۔ ظاہری طور پر بھی آپ تین واسطوں سے حضرت خواجہ سے منسلک ہیں۔ ہم نے اس کی تفصیل "سلسلۃ الصادقین" میں درج کی ہے۔

ہمارے خواجہ خواہ خلوت میں ہوں یا لوگوں کے درمیان ہوں، دونوں صورتوں میں آپ کا طرز زندگی یکساں تھا۔ آپ ظاہر و باطن کے تمام معاملات میں سنت کی پیروی کرتے تھے۔ آپ کی ذات سے کبھی کوئی ایسا فعل دیکھنے میں نہیں آیا جس سے طبیعت میں کراہیت پیدا ہوئی ہو۔ لوگوں سے اپنے باطنی احوال و مقامات پوشیدہ رکھنے کا بے حد اہتمام فرماتے تھے۔

بچپن ہی سے آپ کی پیشانی سے ولایت کے آثار اور ہدایت کے انوار ظاہر ہوتے تھے۔ بموجب اس حکم کے اللہ کی مخلوق پر شفقت کرو، آپ ہمیشہ لوگوں کے دلوں کو راحت پہنچانے کی کوشش فرماتے رہتے۔ دوسروں کے اطمینان اور راحت کی خاطر ہر طرح کی تکلیف اور مشقت گوارا کر لیتے تھے اور اس حکم کی بجا آوری میں کہ اللہ کا حکم پورا کرو، شریعت کے ایک ایک جز کی پاسداری اور بجا آوری میں کوئی دقیقہ فروگزاشت نہ کرتے بلکہ آپ کو تو یہ بات بھی پسند نہ تھی کہ آپ کے مریدوں اور خادموں میں سے کوئی شخص خلاف شریعت کام کرے۔ بس یوں سمجھئے کہ اس دائرہ وجود کے قطب☆☆ کے تمام عمل خوش آیند اور پسندیدہ تھے۔

آپ کی گفتگو میں نمکینی اور لطافت تھی جسے مزاح اور خوش طبعی سے اور زیادہ خوش گوار بنا دیتے۔ تمام جسمانی اور روحانی ذرائع، اعضا اور صلاحیتوں کو، ان کاموں میں جن کے لیے انھیں پیدا کیا گیا ہے،

☆ اویسی نسبت یہ ہے کہ کسی بزرگ کو کسی بزرگ کی روحانیت سے، جن سے ان کی ملاقات نہ ہوئی ہو باطنی فیض حاصل ہو۔ جیسے حضرت اویس قرنی رضی اللہ عنہ، جنھوں نے سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کی اگرچہ زیارت نہیں کی لیکن سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے بے پناہ محبت کے وسیلے سے، آپ کے فیض عالی سے مستفیض ہوئے۔ اسی لیے اہل طریقت اس نسبت اور تعلق کو اویسی کہتے ہیں یعنی بالمشافہ ملاقات کے بغیر فیض روحانی سے مستفیض ہونا۔ (ارزش میراث صوفیہ ص ۹۰)

☆☆ حضرت خواجہ یعقوب چرخی رحمۃ اللہ علیہ نے "رسالہ ابدالیہ" میں وضاحت فرمائی ہے:

شیخ المشائخ علاء الدولہ سمنانی قدس سرہ یکی از کبراء طریقت گفتہ اند کہ مشاہدہ کردم در غیب جماعتی پاکاں را۔ سلام کردم بر ایشاں و ایشاں مرا جواب گفتند۔ از ایشاں پرسیدم کہ شما را چہ نسبت است۔ گفتند ما صوفیانیم و طبقات ما ہفت است۔ الطالبین، المریدین، السالکین، السائرین، الطاہرین، الواصلین و مرتبہ ہفتم ازاں قطب است و وی یکی است در ہر وقتی۔

شیخ المشائخ علاء الدولہ قدس سرہ جو اہل طریقت کے اکابرین میں سے ہیں فرماتے ہیں کہ میں نے غیب میں پاک لوگوں کی ایک جماعت کو دیکھا۔ میں نے سلام کیا۔ انھوں نے بہت اچھا جواب دیا۔ پھر میں نے پوچھا آپ لوگوں کی نسبت کیا ہے۔ انھوں نے کہا ہم صوفی ہیں اور ہمارے سات طبقے (درجات) ہیں۔ طالبین۔ مریدین۔ سالکین۔ سائرین۔ طاہرین۔ واصلین۔ ساتواں مرتبہ قطب ہے اور وہ ہر زمانے میں ایک ہوتا ہے۔

(رسالہ ابدالیہ۔ یعقوب چرخی۔ اسلام آباد ۱۳۹۸ھ صص ۱۷-۱۸)

مترجم

مصروف رکھتے تھے۔ آپ کے انفسی☆ اور آفاقی تصرفات اس نوعیت کے ہیں کہ کسی اہل عقل و بصیرت اور صاحب شعور و ادراک کو ان کے بارے میں شک و شبہ نہیں ہو سکتا۔ باوجود اس کے کہ آپ لوگوں سے اپنے احوال بہت زیادہ چھپاتے تھے۔ پھر بھی آپ کا نام اور آپ کی عظمت کی شہرت ہندوستان کے بیشتر مقامات تک پہنچ گئی اور وہاں کے لوگوں میں جو بھی صاحب استعداد اور جوہر قابل شخص تھا، وہ آپ سے فیض حاصل کرنے کے لیے آپ کے آستانے تک کھنچا چلا آیا اور آپ کی درگاہ کے جاروب کشوں میں شامل ہو گیا۔ جس کسی نے آپ کی پابوسی کا شرف پایا وہ اپنے ہوش میں نہ رہا اور مقام شعور سے بے خودی کے عالم میں پہنچ گیا۔ اسے اپنے نفس سے غایب ہونے، اللہ تعالی کے حضور میں حاضر رہنے، اپنے فنا ہو جانے اور اپنے نہ ہونے کا یقین جو طالبوں کو بہت زیادہ مجاہدے کے بعد یسر ہوتا ہے، آپ کی کیمیا اثر نظر کی برکت سے تھوڑے عرصے میں حاصل ہو گیا۔

آپ کی وفات ۱۰۱۲ھ میں بروز ہفتہ، نماز مغرب سے پہلے، پچیس جمادی الثانی کو ہوئی۔ چونکہ شام ہو چکی تھی اس لیے اس دن تجہیز و تکفین نہ ہو سکی۔ اگلے دن اتوار کو حضرت رسالت پناہ صلوات اللہ علیہ کی قدم گاہ میں آپ کو دفن کیا گیا۔[۵۳۲] اکثر فاضل حضرات نے تاریخ اور مرثیے لکھے۔ ان مرثیوں اور تاریخوں کو ایک عزیز نے یک جا کیے ہیں۔ یہاں ان سب کا تحریر کرنا تقریباً ناممکن ہے۔ ایک قطعہ جو ان سطروں کے لکھنے والے نے کہا ہے، یہاں درج کیا جاتا ہے۔

☆ حضرت مجدد الف ثانی قدس سرہ مکتوب ۴۲، دفتر دوم میں فرماتے ہیں: (ترجمہ پیش خدمت ہے)

"جب سالک نیت کو درست اور خالص کر کے اللہ تعالی کے ذکر میں مشغول ہوتا ہے اور سخت ریاضتیں اور مجاہدے اختیار کرتا ہے اور تزکیہ پاکر اس کے اوصاف رذیلہ اخلاق حسنہ سے بدل جاتے ہیں اور توبہ و انابت اس کو یسر ہو جاتی ہے اور دنیا کی محبت اس کے دل سے نکل جاتی ہے اور صبر و توکل و رضا حاصل ہو جاتے ہیں اور اپنے حاصل شدہ معانی کو درجہ بدرجہ ترتیب وار عالم مثال میں مشاہدہ کرتا ہے اور اپنے آپ کو بشریت کی کدورتوں اور کمینہ صفتوں سے پاک و صاف دیکھتا ہے تو اس کا سیر آفاقی تمام ہو جاتا ہے"۔

"اس کے بعد جو سیر حاصل ہوتا ہے اس کو سیر انفسی کہتے ہیں، اور سیر فی اللہ بھی بولتے ہیں اور بقا باللہ اس مقام میں ثابت کرتے ہیں اور اس مقام میں سلوک کے بعد جذبہ کا حاصل ہونا جانتے ہیں۔ چونکہ سالک کے لطایف سیر اول میں تزکیہ پا چکتے ہیں اور بشریت کی کدورتوں سے صاف ہو جاتے ہیں، اس لیے یہ قابلیت پیدا کر لیتے ہیں کہ اسم جامع (جو اس کا رب ہے) کے ظلال و عکوس ان لطایف کے آئینوں میں ظاہر ہوں اور یہ لطایف اس اسم جامع کی جزئیات کے تجلیات و ظہورات کے مظہر و مورد ہوں"۔

(مکتوبات امام ربانی مجدد الف ثانیؒ مترجمہ قاضی عالم الدین۔ طبع چہارم، لاہور ۱۹۵۷ء صص ۱۱۵ - ۱۱۶)

مزید تفصیل کے لیے حضرت شاہ محمد ذوقی رحمۃ اللہ کی تصنیف "سر دلبراں" ملاحظہ فرمائیں۔ مطبوعہ محفل ذوقیہ کراچی طبع ثانی ۱۳۸۸ء صص ۶۵ - ۶۶

مترجم

رفت بادیِ شریعت مرشدِ اہل زمان　　آن کہ بودہ قبلۂ اربابِ معنی صورتش

کی توانم نطق زد اندر صفات و ذات او　　ہست سر تا سر ہمہ عالم گواہ عصمتش

پادشاہ نقشبندان بود آمد زین سبب　　سر گروہ نقشبندیہ حسابِ رحلتش

۱۔ شریعت کے ہادی اور اہل زمانہ کے مرشد رخصت ہو گئے۔ ان کی صورت اہل معنی کے لیے قبلہ تھی۔

۲۔ مجھے وہ قوت گویائی میسر نہیں ہے جو ان کی صفات اور ذات کے بارے میں کچھ لکھ سکوں۔ سارا عالم سر تا سر ان کی عصمت کا گواہ ہے۔

۳۔ چونکہ وہ نقشبندیوں کے سلطان تھے اس لیے ان کی تاریخ وفات "سر گروہ نقشبندیہ" ہوئی۔

آپ کے انفاس شریفہ کے فواید میں سے پچپن کلمات یہاں تحریر کیے جاتے ہیں۔

کلمہ ۱　آپ نے اس تفسیر[۵۳۳] میں، جس میں بعض قرآنی سورتوں کی تفسیر لکھی ہے، **اعوذ باللّٰہ من الشیطان الرجیم** کے معنی بیان کرنے کے بعد تحریر کیا ہے کہ قرآن کی قرات سے قبل اس کا پڑھنا خواہ نماز میں یا اس کے علاوہ کسی وقت، حضرت رسالت صلی اللہ علیہ وسلم پر فرض کیا گیا تھا اور امت پر آپ کی اتباع میں سنت قرار پایا۔ بلاشبہ جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم **اعوذ باللّٰہ من الشیطان الرجیم** پڑھتے تھے تو آپ کے قلب مبارک پر اس کے اعلیٰ ترین معنی منکشف ہوتے تھے۔ ہمارے لیے اس کی پیروی کا صحیح طریقہ یہ ہے کہ محض زبان سے **اعوذ باللّٰہ** کہنے کو کافی نہ سمجھیں بلکہ اپنے دل میں خیال جمائیں کہ ہم عاجز بندے ہیں اس کے بعد اللہ تعالی سے التجا کریں کہ وہ شیطانی وسوسوں کو ہمارے دل سے نکال دے تاکہ قرآن کی تلاوت تمام شیطانی پراگندہ خیالات کی کدورت سے پاک رہے۔ اس قسم کا تعوذ، توکل میں شمار ہوتا ہے۔

کلمہ ۲　اسی تفسیر[۵۳۴] میں تحریر فرمایا ہے کہ مراقبہ کی حقیقت انتظار ہے اور انتظار کی پاکیزگی مقصود کی طلب میں ہے۔ اس حالت میں کہ طالب قوت و توانائی سے باہر نکل آئے اور حق جل ذکرہ کی لقا کا مشتاق رہے اور اس کی محبت میں غرق ہو جائے۔ قوت و توانائی کوشش کا غبار ہے اور انتظار حق تعالی کے آستانے کی کشش ہے۔ اس قسم کا مراقبہ وہی کر سکتا ہے جو سلوک کی انتہا کو پہنچ گیا ہے۔ یا انتہا کے قریب ہے۔

کلمہ ۳　اسی تفسیر[۵۳۵] میں ہے کہ حضرت حق سبحانہ نے اپنے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کا حکم دیا۔ **فاذا قرات القران فاستعذ باللّٰہ من الشیطن الرجیم**[۵۳۶] یعنی جب آپ قرآن پڑھنا چاہیں تو شیطان مردود (کے شر) سے اللہ کی پناہ مانگ لیا کریں۔ یہ بات ظاہر ہے کہ اس حکم میں جو تعلیم دی گئی ہے اس کی

حکمت یہ ہے ففروا الی اللہ[۵۳۷] (پس اللہ کی طرف دوڑو) اس کے تقرب کے لیے ۔ کیونکہ کسی سے پناہ کی التجا کرنا درحقیقت اس کے قریب ہو جانا ہے ۔

کلمہ ۴ اسی تفسیر میں بسملہ (بسم اللہ) کے معنی بیان کرتے ہوئے فرمایا ہے کہ صوفیہ کے نزدیک اسم مبارک " اللہ " کے تین مرتبے ہیں ۔ ایک ذات احدیت ، دوسرا الوہیت کے مرتبہ کے ساتھ ذات مقید ، تیسرا احدیت جمع مطلق ۔ میرے اور سامع کے مناسب حال مرتبہ دوم ہی ہے کہ وہ سالکوں کی توجہ کا قبلہ ، مشتاقوں کے دل کا چین اور مالک یوم الدین وہی ہے ۔ مرتبہ اول ہر طرح کی عبارت اور اشارات سے منزہ ہے (اس کی کوئی تعریف نہیں ہو سکتی وہ تمام تعریفوں سے پاک ہے) اور مرتبہ سوم بہت سوں کی گمراہی کا سبب ہو سکتا ہے ۔

اس کے بعد ہم مرتبہ دوم کی تشریح کرتے ہیں ، جو پاک نظر عالی ہمت لوگوں کا محبوب و مطلوب ہے ۔ جان لیں کہ اللہ اسم ذات ہے اور اس میں تمام صفات کمال جمع ہیں ۔ اپنی تمام کامل صفات کے ساتھ جیسی وہ ذات پاک ہے ، عالَم نہیں ہے ۔ اب جب کہ عالَم عدم کے میدان سے تنگ نائے خیال میں آیا ، وہ ذات اسی طرح اپنے وجود سے قایم ہے ۔ بقا و ثبات صرف اسی کے لیے ہے ۔ دوسرے تو فنا اور موت کے مقام میں ہیں ۔

جل من لا الہ الا ہو لاتقل کیف ہو و لا ماہو

(ترجمہ) وہ بڑی شان والا ہے اس کے سوا کوئی الہ نہیں ہے ۔ یہ نہ کہو وہ کیسا ہے اور کیا ہے ۔

اگر اس کی ذات کے بارے میں پوچھو تو لا تفکروا فی ذاتہ[۵۳۸] یعنی اس کی ذات میں غور نہ کرو اور اگر اس کی صفات کے بارے میں پوچھو تو قرآن مجید سے ، جیسا اہل زبان کے اہل سنت علما نے سمجھا ہے ، قطعی واضح ہے ۔ لیس کمثلہ شی وھو السمیع البصیر ۔ (کوئی شے اس کی مثل نہیں اور وہی سننے والا اور دیکھنے والا ہے) اگر ظاہر ہے تو وہ ہے ، اس لیے کہ ظہور کا مدار فعل و اثر کے ساتھ ہے اور فعل و اثر حق تعالی ہی سے ثابت ہے ۔ اگر کوئی باطن ہے تو حق تعالی ہی باطن ہے ۔ سِر کی آنکھ جو اس کے حریم شہود کی محرم ہے ، اس کے کمال کو دیکھنے سے عاجز ہے اور سِر کی آنکھ جو اس کارخانہ نمود کی سردار ہے اس کے جمال کا مشاہدہ نہیں کر سکتی کہ اقرب من حبل الورید[۵۳۹] ☆ ہے اور وہی فعال لما یرید ☆☆ ہے ۔

کلمہ ۵ رحمن اسم ذات ہے ۔ اس اعتبار سے کہ حقایق ممکنات کو وجود کا فیض رساں ہے ۔ یہ

☆ سورۂ ق آیت ۱۶ یہ ہے اقرب الیہ من حبل الورید لیکن کلمات الصادقین کے فارسی متن میں الیہ کو حذف کر کے اقرب من حبل الورید تحریر کیا ہے ۔ غالباً یہاں صرف مفہوم مراد ہے اس لیے ترجمہ " وہ رگ گردن سے زیادہ قریب ہے " ہوگا ۔

☆☆ وہ جو چاہے سب کچھ کر سکتا ہے ۔ (سورۂ بروج آیت ۱۶)

اسم خاص واجب ہے۔ دوسرے اسماء افاضۂ وجود نہیں کر سکتے، حالانکہ اس کی رحمت تو عام ہے۔

کلمہ ۶ رحیم اسم ذات ہے۔ اس اعتبار سے کہ یہ اسم وجود کے تمام انعامات تابعہ کا فیض رساں ہے۔ یہ اسم عام ہے اس لیے کہ دوسرے اسماء بھی حق تعالیٰ کی توفیق سے بعض انعامات دے سکتے ہیں لیکن وہ عام نہیں ہیں۔ کیونکہ تمام موجودات کو ہر وقت تو انعام نہیں بخشے جاتے۔

کلمہ ۷ اہل سنت و الجماعت کے علما کہتے ہیں کہ عرصہ وجود میں عالم اپنی تمام ذوات، صفات اور افعال کے ساتھ، خلاق عالم سے وہی نسبت رکھتا ہے، جو کاغذ پر بنے ہوئے نقوش اپنے بنانے والے سے رکھتے ہیں۔ اگر نقش کا کوئی جز اچھا لگتا ہے اور ناظر اس کی تعریف کرتا ہے تو بلا مبالغہ یہ تعریف نقاش ہی کی ہے اور صاحب کشف اولیا میں سے جو اہل تحقیق ہیں وہ اس حقیقت کی صحت پر متفق ہیں۔ **اللّٰھم ثبتنا علی القول الثابت** (اے ہمارے رب ہمیں قول ثابت پر ثابت قدم رکھ)

کلمہ ۸ صوفیۂ موحدہ جو اہل سنت و جماعت کے خواص میں سے ہیں، بربنائے علم و تحقیق کہتے ہیں کہ صورِ کونیہ[1] جو حق سبحانہ و تعالیٰ کی قدرت کاملہ سے عرصہ نمود میں آئے ہیں، یہ سب اسم "الظاہر" کی تجلیات ہیں اور حق سبحانہ بہ اعتبار اپنی صفات اور شئون کے ان تجلیات کے پردے میں جلوہ گر ہے بلکہ دونوں (حق اور تجلیات حق) ایک ظہور کے ساتھ ظاہر ہوئے ہیں۔ چنانچہ فتوحات مکیہ کے مصنف فرماتے ہیں۔ **سبحان من اظھر الاشیاء وھو عینھا ای فی الظھور** (پاک ہے وہ جس نے اشیا کو ظاہر فرمایا اور وہ ان کا عین ہے یعنی ظہور میں) کیونکہ حقایق عالم صفات و شئون کے مظاہر ہیں، مرتبہ علم میں۔

کلمہ ۹ اہل تحقیق کے اکابر نے مظاہر اور مخلوق کی تعظیم کو مقام معرفت کے آداب میں شمار کیا ہے کیونکہ یہ جمال مطلق کی جلوہ گری کی جولان گاہ ہیں۔ ان کی مظہریت کے یہ معنی نہیں ہیں کہ یہ عین مطلق ہیں، اللہ تعالیٰ اس سے بہت زیادہ بلند ہے بلکہ اس معنی میں کہ ذات مطلق کی صفات اور افعال نے ان کے پردے سے **لون الماء لون انائہ**[2] کے مطابق، ان ہی کے رنگ میں ظہور کیا۔

کلمہ ۱۰ مودب عارف صاحب فتوحات مکیہ فرماتے ہیں کہ ایام بیض[3] کی راتیں مخلوق میں ظہور حق کی مثال ہیں کیونکہ ان راتوں میں آفتاب چاند میں ظاہر ہوتا ہے۔ اسی طرح چاند، جو اسم نوریت میں حق سبحانہ کے ساتھ شریک ہے[4]، مخلوق میں ظاہر ہوتا ہے۔ حق سبحانہ نے "نور" کو اپنے اسما میں شامل کیا ہے۔ **اللہ**

۱۔ صور کونیہ، موجودات خارجیہ جو کہ عالم واقع میں موجود ہیں (سر دلبراں ص ۳۴۱)

۲۔ لون الماء لون انائہ پانی کا رنگ اس کے برتن کا رنگ ہوتا ہے۔

۳۔ ایام بیض، ہر مہینے کے چاند کی تیرھویں، چودھویں اور پندرھویں تاریخیں۔

۴۔ ہم چنیں قمر کہ در اسم نوریت باحق سبحانہ شریکست در خلق ظاہر است۔

مترجم

نور السموات والارض[541] (اللہ آسمانوں اور زمین کا نور ہے) اور چاند کو بھی - نور - فرمایا - **و جعل القمر فیھن نورا**[542] (اور ان میں چاند کو نور بنایا) اس کا مطلب یہی ہے کہ حق بہ اعتبار اسم نور ظہور قمر کے ساتھ ظاہر ہوتا ہے ۔ اسی لیے روزے کو جو مخلوق میں حق کا ظہور ہے ایام بیض میں معتبر ٹھہرایا گیا ۔ حدیث شریف ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمیں خبر دیتے ہوئے فرمایا ۔ **ان صیام ایام البیض صیام الدھر**[543] ۔ ایام بیض کے روزے ایسے ہیں جیسے کسی نے ہمیشہ روزے رکھے ۔

کلمہ ۱۱ بعض اکابر اولیا کا قول ہے کہ جو شخص بغیر شرک و ریا کے ایک لمحہ حق تعالی کی طرف متوجہ ہوا ، وہی لمحہ آخری وقت میں اس کا مددگار بن جائے گا ۔

کلمہ ۱۲ اہل تحقیق[544] میں سے بہت سے مشایخ اس امر میں متفق ہیں کہ جو شخص اللہ اور رسول پر تحقیقی ایمان لایا اور ہمیشہ اپنے ایمان پر قایم رہے گا اور مرتد نہ ہو گا ۔ اگر کوئی ایمان سے پھر جائے تو سمجھ لو کہ اس کا ایمان تقلیدی تھا ، تحقیقی نہ تھا ۔ اور شافعیہ جو یہ کہتے ہیں **انا مومن ان شاء اللہ** یعنی میں انشاء اللہ مومن ہوں تو بعض حضرات نے اس قول کا یہی مطلب سمجھا ہے کہ میں انشاء اللہ تحقیقی طور پر مومن ہوں ۔

کلمہ ۱۳ آیہ کریمہ **قد خاب من دسّٰھا** (نامراد ہوا جس نے اس کو دبا دیا) کی تفسیر[545] میں تحریر فرمایا ہے کہ نفس کو فراموش کرنا گویا روح کو فراموش کرنا ہے ۔ کیونکہ نفس کے ارکان کو درست کرنے اور انھیں ان کے صحیح مقام پر رکھنے کے بعد نفس میں روح پھونکی گئی ۔ نفس میں روح پھونکنے کے اثر سے موجودہ ہیئت وجود میں آئی ۔ اسی سبب سے اکثر اہل علم نفس اور صورت محسوس کے علاوہ کسی امر کا اثبات نہیں کرتے ۔ اس زمانے میں بھی عام لوگ اسی بات کو تسلیم کرتے ہیں کہ روح کو فراموش کرنا گویا روحانیت کی خاصیت سے محروم ہونا اور جانوروں کی سطح پر زندگی بسر کرنا ہے ۔ **اولئک کالا انعام بل ھم اضل**[546] یعنی یہ لوگ چوپایوں کی طرح ہیں بلکہ یہ لوگ زیادہ بے راہ ہیں ۔ پس مایوسی اور ناامیدی کافروں سے مخصوص ہو گئی ہے ۔ **لا یائیس من روح اللہ الا القوم الکافرون**[547] (بے شک اللہ کی رحمت سے وہی لوگ ناامید ہوتے ہیں جو کافر ہیں) کیونکہ جو شخص خدا اور رسول پر ایمان لایا وہ اسی وقت قید نفس سے آزاد ہو کر رحمانیت خاصہ کی صفت سے مشرف ہو گیا بلکہ اللہ تعالی کے اخلاق میں سے ایک خلق سے سرفراز ہو گیا ۔ اسی بنا پر حنفیوں کی کتابوں میں لکھا ہے کہ ایمان غیر مخلوق ہے :

ای گروہ مومنان شادی کنید ہم چو سرو و سوسن آزادی کنید

(ترجمہ) اے مسلمانو! (اس نعمت پر) خوشیاں مناؤ اور سرو و سوسن کی طرح آزاد ہو جاؤ ۔

کلمہ ۱۴ شرک خفی[548] سے اعتقاد کا اخلاص یہ ہے کہ الوہیت کے باب میں اپنا اعتقاد ایسی ذات

سے رکھے جس کی مثل، کسی بھی طرح عالم امکان میں نہ ہو، ورنہ وہ ممکن کا معتقد تصور کیا جائے گا۔ اسی بنا پر اکابر نے فرمایا ہے، **التوحید افراد القدم عن حادث**[549] (توحید یہ ہے کہ ذات قدیم کو حادث سے پاک کیا جائے۔) ابو دقاق رحمۃ اللہ علیہ کا قول ہے، **التوحید عزیم لا یقضی دینہ** (توحید ایسا قرض دار ہے جس کا قرض ادا نہیں کیا جا سکتا) کیونکہ کلی طور پر بشریت کے آثار کبھی کبھی فنا ہوتے ہیں اور یہ حالت بھی برق خاطف کی طرح آن واحد میں گزر جاتی ہے۔[550]

کلمہ ۱۵ وسوسے[551] تین قسم کے ہوتے ہیں۔ پہلی قسم یہ ہے کہ یہ محض خطرات و خیالات ہوتے ہیں۔ یہ خطرات و خیالات اس شخص کے دل میں پیدا ہوتے ہیں جو اللہ تعالیٰ کی توفیق سے اس بات پر ایمان رکھتا ہے کہ بندوں کے تمام افعال کا خالق حق سبحانہ تعالیٰ ہے۔ اگرچہ ظاہری عقل و حواس کا مشاہدہ یہی ہے کہ بندوں کے افعال کا تعلق ان کے اپنے اختیار سے ہے۔ وسوسے کی دوسری قسم یہ ہے کہ لوگ بندوں کے افعال کا خالق بندوں ہی کو تصور کرتے ہیں۔ چنانچہ معتزلہ کا نقطہ نظر یہی ہے کہ وہ افعال کی نسبت انسانوں ہی سے کرتے ہیں۔ اس نقطہ نظر کا بد ترین پہلو یہ ہے کہ عام لوگوں کا یہی عقیدہ ہے کہ (بندہ خالق فعل ہے) ۔ عوام الناس کے اس عقیدے اور معتزلہ کے نقطہ نظر میں یہ فرق ہے کہ معتزلہ اگرچہ خالق فعل بندے ہی کو قرار دیتے ہیں لیکن ایک درجے میں وہ اللہ تعالیٰ کی قدرت کا قایل ہیں۔ ان کا کہنا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے انسانوں کو اسی طرح پیدا کیا ہے کہ جو کچھ وہ چاہتا ہے، کرتا ہے۔ وسوسے کی تیسری قسم یہ ہے کہ بندے کو الوہیت کی صفات میں شریک سمجھتے ہیں جیسا کہ فرعون اور شداد کا معاملہ تھا۔ پہلے وسوسے کو دور کرنے کی صورت یہ ہے کہ حق سبحانہ کو خلق سے جدا نہ جانے اور خلق کے فعل اور اس کی صفت کو، حق سبحانہ کے فعل اور صفت کا پرتو خیال کرے اور ساتھ ہی یہ اعتقاد رکھے کہ ربوبیت یہ ہے کہ رب کا ظہور مربوب کی صورت میں ہے۔ شیخ اوحدی نے اس شعر میں یہی بات کہی ہے۔

تا جنبش دست ہست مادام　　　سایہ متحرک است ناکام

(ترجمہ) جب تک ہاتھ کی جنبش جاری ہے اس کا متحرک سایہ بے حقیقت ہے۔

اسی طرح دوسرا وسوسہ بھی دور کیا جا سکتا ہے۔

کلمہ ۱۶ عالم ہر آن معدوم ہوتا رہتا ہے اور اس کا مثل ظہور میں آتا رہتا ہے۔[552] خلق اور تاثیر تمام تر مرتبہ الوہیت سے ہے۔ اس اعتقاد سے تیسرا وسوسہ بھی دور ہو جاتا ہے۔

کلمہ ۱۷ خناس[553] کا وسوسہ تین طرح کا ہوتا ہے۔ پہلی صورت یہ ہے کہ وہ معصیت میں مبتلا کر دیتا ہے۔ دوسرے یہ کہ وہ بندے کے دل پر اپنا تصرف کر کے بے ہودہ خیالات اور خطرات پیدا کرتا ہے، بغیر اس کے کہ اس سے کوئی گناہ سرزد ہو۔ تیسرے یہ کہ وہ بندے کو کفر میں ڈال دے۔ اللہ تعالیٰ اس

کے شر سے پناہ میں رکھے۔

پہلی صورت میں اللہ تعالیٰ سے توبہ کرنی چاہیے کیونکہ گناہ موت کا سبب ہے۔ جیسا کہ بعض اہل کشف و تحقیق اکابر نے فرمایا ہے کہ گناہگار دوزخ میں مر جائیں گے اور ان کی تقدیر یہی ہو گی کہ **لا یموت فیھا ولا یحییٰ**[۵۵۴] (نہ اس میں مر ہی جاوے گا اور نہ جیے گا) اور ربوبیت وجود و حیات کا باعث ہے۔ دوسری صورت میں بندہ شیطان کے قبضے میں آ جاتا ہے (تو اس کے اثر سے نکلنے کے لیے) ملک الناس سے التجا کرنی چاہیے اور تیسری صورت میں الہ الناس سے التجا کرنا مناسب ہے۔

کلمہ ۱۸ تمام امور میں جو بات اس طریقے کے مناسب نہیں ہے۔ یہ ہے کہ صوفیہ کی تصانیف کا مطالعہ کیا جائے اور ان کے اعلیٰ اقوال سنے جائیں کیونکہ مبتدی کے دل میں ان کے وجد و حال کے جمال کی فہم پیدا ہوتی ہے اور اس کا دل ادھر ہی لگا رہتا ہے۔ اس طرح طریقہ علیہ میں فتور واقع ہوتا ہے۔ البتہ جو حضرات منتہی ہیں وہ ان بزرگوں کی نسبت کا جمال دیکھ لیتے ہیں۔

کلمہ ۱۹ صاحب فتوحات مکیہ کے نزدیک سماع نغمہ قطعی طور پر روحانی نہیں ہے۔ سماع میں جو رقت پیدا ہوتی ہے اسے طبعی رقت کہتے ہیں۔

کلمہ ۲۰ **الان کما کان**[۵۵۵]* کا مطلب یہ ہے کہ اشیا کی نمود بے بود ہے۔ انھوں نے وجود خارجی کی بو تک نہ سونگھی۔ وہ اسی طرح مرتبہ علم میں تھیں۔

کلمہ ۲۱ حضرت خواجہ نے **لیس کمثلہ شئی و ھو السمیع البصیر**[۵۵۶]** کی تحقیق میں فرمایا ہے کہ حق جل شانہ کی ذات بے چون و بے چگون ہے اور کسی طرح بھی عقل و ادراک میں نہیں آ سکتی۔ **لا تدرکہ الابصار**[۵۵۷] (اس کو تو کسی کی نگاہ محیط نہیں ہو سکتی)۔ اپنی نزاہت اور پاکی کے باوصف اس نے ہر ذرہ کو گھیرا ہوا ہے۔ تمام ذرات عالم اس کی صفات کا آئینہ ہیں۔ جہاں کہیں علم ہے تو اسی کا علم ہے۔ جہاں کہیں قدرت نظر آتی ہے، اسی کی قدرت ہے۔ علیٰ ہذا القیاس اسی کی صفات ہیں جنھوں نے مخلوق کے پردے میں ظہور کیا ہے بلکہ حقیقت میں "سب وہی ہے" مخلوقات تو محض نمود بے بود ہیں۔ جیسے آئینے میں صورت نظر آتی ہے لیکن آئینہ اسی طرح صاف اور بے صورت ہے۔ صورت نہ آئینہ کی سطح پر ہے، نہ آئینے کے باہر ہے، نہ آئینے کے اندر ہے۔ بس ایک نمود بے بود ہے۔

کلمہ ۲۲ اس حقیقت کی نشاندہی کے بعد آپ نے تحریر فرمایا ہے، جب تم پر یہ حقیقت واضح ہو

---

* وہ جیسا تھا ویسا ہی ہے۔

** کوئی شے اس کی مثل نہیں اور وہی سننے والا اور دیکھنے والا ہے۔

گئی تو تم پر لازم ہے کہ حق تعالی کا مراقبہ اس تصور کے ساتھ کرو کہ وہی حاضر و ناظر ہے بلکہ تیرے دل میں یہ یقین ہو کہ علم اور قدرت وغیرہ میں سے اگر کچھ تم میں ہے تو وہ سب اللہ تعالی کی صفات ہیں اور تم فی نفسہ ان صفات سے خالی اور بے بہرہ ہو بلکہ تم کچھ بھی نہیں ہو۔ ہو تو نمود بے بود ہو۔ خارج میں جو کچھ ہے حق تعالی ہے۔ **لیس فی الدار غیرہ دیار** (گھر میں سوائے گھر والے کے کوئی نہیں) اور وہ اپنی یکتائی اور خالصیت میں اسی طرح جسم و جسمانیت اور جوہر و عرض سے منزہ ہے۔

کلمہ ۲۳ آپ[558] کے ملفوظات میں جو بعض اہل فضل نے جمع کیے ہیں، لکھا ہے کہ آپ نے فرمایا، جب تک حضور ذاتی جسے حضور صاف بھی کہتے ہیں، سالک کو حاصل نہیں ہوتا اسے جسمانی تقیدات سے چھٹکارا نہیں ملتا کیونکہ توحید صوری مراتب اجسام میں ہوتی ہے۔ چنانچہ اس درجے میں لوگ اپنے جسمانی وجود اور غیر کے جسمانی وجود کو وجود حق خیال کرتے ہیں۔ اس صورت میں امتیاز اور فرق بہر طور باقی رہتا ہے اور روح کو مقام فنا حاصل نہیں ہوتا کیونکہ ہر چیز کی تمیز روح کے ذریعے ہوتی ہے۔ نتیجہ یہ نکلا کہ یہ موحد اس توحید کے درجے میں نہیں پہنچا ہے جو علمائے دین اور صوفیہ محققین کی توحید ہے۔

کلمہ ۲۴ ان ہی ملفوظات[559] میں مرقوم ہے کہ آپ نے محبت ذات اور محبت صفات کے باب میں فرمایا، محبت صفات یہ ہے کہ کوئی شخص کسی ایسے شخص سے محبت کرتا ہے جو عالم ہے یا شجاع ہے تو اس صورت میں اس کی محبت علم یا بہادری سے وابستہ ہو گی اور اگر محبوب سے یہ صفت زایل ہو جائے تو محبت بھی ختم ہو جائے گی اور محبت ذات یہ ہے کہ وہ اس شخص سے کسی صفت کو مدنظر رکھے بغیر محبت کرے۔ اس صورت میں کسی صفت کی بنا پر نہ محبت میں اضافہ ہو گا اور کسی صفت کے معدوم ہونے سے محبت میں کمی ہو گی۔

کلمہ ۲۵ ان ہی ملفوظات میں ہے، آپ نے فرمایا، ہو سکتا ہے کہ ایک شخص حق سبحانہ تعالی کی بارگاہ میں اقرب ہو یعنی اپنی ہستی کو فنا کر چکا ہو لیکن اکرم نہ ہو۔ اسی طرح ایک ایسا شخص جس نے مقامات کی تحصیل کر لی ہے لیکن تحصیل مقامات کا ثمر کہ فنائیت اور اضمحلال ہے اسے حاصل نہ ہوا ہو، حق تعالی کے نزدیک اکرم ہو سکتا ہے۔ آیہ کریمہ **ان اکرمکم عند اللہ اتقاکم** (اللہ کے نزدیک زیادہ درجے والا تم میں وہ ہے جو تم میں زیادہ پرہیزگار ہے) اس پر ناطق ہے۔

کلمہ ۲۶ آپ[560] نے فرمایا کہ سبحان اللہ! انسان کو اخلاص و محبت کی نعمتیں عطا ہوئیں اور محبت کی خاصیت یہ ہے کہ اپنے غیر کو جلا ڈالتی ہے۔ اس کے باوجود انسان کو چند شرعی امور کی ادائیگی کا ذمہ دار بنایا گیا ہے۔

کلمہ ۲۷ ان ہی ملفوظات میں ہے۔ آپ نے فرمایا کہ آدمی کے وجود میں روح، قلب اور سر

وغیرہ کے سات طبقے ہیں۔ طبقہ اول کو جو علم حاصل ہوتا ہے، وہ دوسرے، تیسرے طبقے سے ساتویں طبقے تک پہنچتا ہے۔ چونکہ عام لوگوں کو ان مراتب کی تعداد معلوم نہیں ہے اس لیے وہ ہر طبقے کی یافت کو جدا جدا نہیں کر پاتے لیکن اہل کمال پر یہ مراتب قطعی واضح ہیں اور وہ ہر طبقے میں جو فرق ہے اسے تمیز کر سکتے ہیں اسی طرح ہر مرتبہ کی یافت کو علاحدہ علاحدہ طور پر جانتے ہیں۔

کلمہ ۲۸ اہل اللہ کے تین گروہ ہیں۔ عباد، صوفیہ اور ملامتیہ۔ عباد وہ گروہ ہے جو ظاہری عبادات پر اکتفا کرتے ہیں۔ فرائض و سنن کی ادائیگی کے بعد نفلی عبادات میں مشغول رہتے ہیں اور بھلائی کے کام کرتے ہیں۔ حتی کہ معمولی سا نیک عمل بھی فرو گزاشت نہیں کرتے۔ یہ حضرات صوفیہ کی وجدانی کیفیات اور ذوق سے بہرہ مند نہیں ہوتے۔ پھر صوفیہ ہیں جو صاحب وجد وحال ہوتے ہیں۔ اپنے خوارق اور کرامات کو مخلوق سے نہیں چھپاتے اور تمام امور میں ان کی نظر حق سبحانہ تعالی پر ہوتی ہے۔ یہ اس بات کے قایل ہیں کہ حق نے مخلوق کے پردے میں ظہور کیا ہے۔ اس گروہ میں کسی نہ کسی درجے میں نمایش اور رسوم باقی رہتی ہیں۔ تیسرا گروہ ملامتیہ کا ہے ان کی کوئی خاص علامت نہیں ہوتی۔ یہ عوام الناس میں شامل ہوتے ہیں۔ دین کے ظاہری اعمال خواہ فرائض ہوں یا سنت موکدہ ہوں، پورے اخلاص سے ادا کرتے ہیں۔ اپنی کسی کرامت یا خارق عادت بات کو لوگوں میں ظاہر نہیں کرتے اور ہر حال میں حق سبحانہ تعالی کے حکم کی بجا آوری کرتے ہیں۔

کلمہ ۲۹ صحابہ کرام کے زمانے میں خوارق و کرامات کا اتنا ظہور نہ تھا، جتنا بعد کے زمانے میں نظر آتا ہے۔ کیونکہ انتہائے کمال کی شرط یہ ہے کہ سوائے حکم الہی کے منتہی اپنے تصرفات ظاہر نہ کرے۔ چنانچہ ہم دیکھتے ہیں کہ پیغمبروں سے بغیر ان کی خواہش کے خوارق ظہور میں آئے اور کبھی کبھی وقت اور حالات کے تحت جب کفار نے پیغمبروں کا انکار کیا تو ان کی خواہش اور تصرف کے بغیر معجزے ظہور میں آئے۔

کلمہ ۳۰ ملفوظات[۵۶۱] میں ہے کہ لوگ اکثر مشایخ کو ان کی زندگی میں زندیق کہتے تھے۔ جیسے ذوالنون[۵۶۲] مصری کہ لوگ انھیں زندیق کہتے تھے لیکن مرنے کے بعد انھیں قبولیت عامہ حاصل ہوئی کیونکہ وہ دنیا سے بے تعلق تھے۔ اگر وہ دنیا سے متعلق ہوتے تو موت کے بعد بھی لوگوں کے طعن و ملامت سے نہ بچتے۔ اسی طرح صحابہ کے باب میں اختلاف ہے تو اس کا سبب بھی یہی ہے کہ منصب خلافت کی جہت سے متعلق بہ دنیا ہوئے (ورنہ وہ دنیا سے قطعی طور پر بے تعلق تھے)

کلمہ ۳۱ شرح[۵۶۳] رباعیات میں قلم حقایق رقم سے تحریر فرمایا ہے کہ مشایخ کا اقرب و اعلیٰ سلوک حضرت خواجہ احرار نقشبند کا طریقہ علیہ ہے۔ اس طریقے کے سالک پہلے ادراک بسیط میں آتے ہیں جو خلقیت

پر جہت حقیقت کا غلبہ ہے۔ نیز ذات کے انوار کی تجلی کا مقام ہے اور خاص جہت کا ظہور ہے۔ اس حقیقت کی ابتدا کو جس میں ادراکات مرکبہ مغلوب ہو جاتے ہیں اور وصول کی صبح سعادت کے اجالے کا ظہور ہوتا ہے، حضور و آگاہی کہتے ہیں۔ جب کشش اور انجذاب کے غلبے میں تمام ادراکات مرکبہ درمیان سے اٹھ جاتے ہیں، بلکہ آگاہی کا شعور تک باقی نہیں رہتا تو اسے فنا یا فناء الفنا سے تعبیر کرتے ہیں۔ اس نسبت کو وجود عدم بھی کہتے ہیں اور اس دوامی نسبت کے ظہور کی استعداد کو عظیم خیال کرتے ہیں۔

کلمہ ۳۲ جب محب صادق کو ذات حق کا قرب حاصل ہوتا ہے اور محبوبان مجازی کا پردہ درمیان سے اٹھ جاتا ہے تو اس حال میں صرف محبت کے جلوے نظر آتے ہیں۔ اس مقام سے نزول کے بعد بھی ذوق محبت کا غلبہ مجازی حسن کو نگاہوں سے دور کر دیتا ہے اور اس قول کے مصداق کہ "محبت غایب کو شاہد بنا دیتی ہے" مرتبہ وحدت کا غیب اپنے مرتبے سے نزول کر کے بیرنگ نور کے پردے میں تجلی کرتا ہے۔

کلمہ ۳۳ شرح رباعیات[564] میں فرمایا ہے، سیر نزولی کے منتہی کہتے ہیں کہ تدلّی[**] کے کمال سے مقصود یہ ہے کہ محسوسات مثالی اور شہودی صورتیں کامل طور پر حقیقت کی ترجمان ہو جائیں اور نور بے رنگ کا فیض پہنچائیں۔ ہر ایک نظر کی کمی کی دوا بن جائے اور ہر ایک یہ نغمہ گانے لگے۔ **سبحان الذی لم یبصر فمنّا من جهل و قال العجز عن درک الادراک ادراک و منا من علم فلم یقل بمثل هذا القول** ای اعلی[565] اعلم باللہ است۔ (پاک ہے وہ ذات جو دیکھی نہیں گئی۔ چنانچہ ہم میں سے جو ناواقف ہے، وہ کہتا ہے کہ ادراک کے حصول سے عاجزی ہی ادراک ہے اور ہم میں سے کچھ ایسے ہیں جو جان گئے ہیں تو انھوں نے اس قول جیسی کوئی بات نہیں کہی کہ یہ طبقہ (جو اظہار عجز کرتا ہے) اللہ تعالی کا بہت زیادہ جاننے والا ہے) لیکن اس کمال کا حصول چند دوسرے مقدمات پر ہے۔ اول یہ کہ صورتوں کا بطن البطون کی جہت میں نیچے آنا، دوسرے اسما و شئون کے مظاہر کی صورتوں کا موجود ہو جانا اور تیسرے ظاہر کا طرح طرح کے رنگ میں رنگ جانا۔

ممکن ز تنگنای عدم ناکشیده رخت — واجب بجلوه گاه عیاں نانساده گام
در حیر تم که این همه نقش عجیب چیست — بر لوح صورت آمده مشهود خاص و عام[566]

(ترجمہ) ممکن نے عدم کے تنگ میدان سے سفر نہیں کیا، واجب نے ظاہر کی جلوہ گاہ میں قدم نہیں رکھا۔ میں حیرت میں ہوں کہ پھر یہ تمام عجیب نقش کیا ہیں جو خاص و عام کے سامنے لوح صورت پر نمایاں ہوئے

** تدانی و تدلی : تدانی معراج مقربین کو کہتے ہیں اور تدلی نزول مقربین کو (سر دلبراں ص ۱۱۶)

ہیں۔

کلمہ ۳۴ حق سبحانہ تعالیٰ اپنی صفات ذاتیہ کے ساتھ تمام مراتب اجسام میں ساری ہیں۔ اجسام کی صفات وہمیہ کو قایم رکھنے والی سوائے واجب تعالیٰ کی صفات حقیقی کے کوئی نہیں۔

بان تا نہ کنی غلط کہ از کم دانی — این باطن رابرون ز ظاہر دانی

ظاہر بدنی کہ بی خیالِ روحش — ہرچند کنی تخیلش نتوانی

(ترجمہ) اے مخاطب اپنی کم علمی کے سبب یہ غلطی نہ کرنا کہ ظاہر کو باطن سے علاحدہ سمجھ بیٹھو۔ ظاہر جسم کو اس کی روح کے خیال کے بغیر، ہرچند تم اس کا تخیل کرو لیکن کامیاب نہیں ہو سکتے۔

کلمہ ۳۵ شرح رباعیات میں یہ بھی ہے کہ ممکنات کا وجود ممکنات پر زاید ہے لیکن جس طرح متکلمین کہتے ہیں اس طرح نہیں۔ اس کے برخلاف وجود معروض ہے اور ماہیات عارض ہیں۔

کلمہ ۳۶ اسی کتاب قدسی القاب میں ہے کہ علم کے عروج کی انتہا مرتبہ وحدت تک ہے اس سے آگے حیرت و نادانی ہے۔ پس " اللہ تعالیٰ کی ذات میں غور مت کرو " کے معنی کسی طرح سمجھ میں نہیں آتے۔ حاصل یہ ہے کہ ذات جیسی کہ وہ ہے کسی نوع کے ادراک میں آتی، **سواء اضیف الی الحق او الی الخلق** (خواہ اس کی اضافت حق طرف ہو یا خلق کی طرف ہو)

کلمہ ۳۷ آپ کے تحریر کردہ بعض مسودات میں ہے کہ اس سعادت کی علامت یہ ہے کہ تمام دنیوی اور اخروی نعمتوں سے دل سرد ہو جائے اور بارگاہ احدیت میں تمام احوال، مشاہدات، انجذاب اور قلق سے بے نیاز ہو جائے۔

کلمہ ۳۸ اس مقام کا حاصل سلوک اور جذبہ ہے۔ جذبہ جو ذات کے ساتھ ربط و محبت ہے۔ طالب تعلق خاص کی برکت سے حاصل کرتا ہے اور قوت پاتا ہے۔ سلوک صفات بشری کی نفی ہے۔ اس قول کے مطابق کہ جذبہ من جذبات الرحمن (جذبہ رحمن کے جذبات میں سے ہے) جذبہ سے دونوں جہان کے مساوی عمل میسر ہوتے ہیں۔ یہ روش سلوک کی روش سے جس میں لوازم بشریہ کی نفی کی جاتی ہے زیادہ اچھی ہے۔ صفات میں حد اعتدال کی احتیاط کرنا واقعی بڑا کام ہے۔ محض سالک کی قوت بازو سے کام نہیں بنتا۔

کلمہ ۳۹ اللہ تعالیٰ کے برگزیدہ بندوں کی عنایت اور ان کے دل کا التفات تمام سعادتوں کا راز ہے۔ برگزیدہ بندوں کی عنایت و التفات سالکین کو راہ سلوک میں رہنمائی کرتی ہیں اور مستعد لوگوں کو آگاہ کرتی ہیں۔ خاص طور پر جب یہ توجہ ان کی صحبت میں حاضر رہنے سے حاصل ہوتی ہے تو رفتہ رفتہ بارگاہ محبوب تک پہنچا دیتی ہے۔ یہ اطوار و اسرار کی مقناطیس ہے۔

نار خندان باغ را خندان کند　　　صحبت مردانت از مرداں کند

(ترجمہ) جس طرح پھولوں کی شگفتگی باغ کو شگفتہ کرتی ہے اسی طرح اہل ہمت کی صحبت تجھے صاحب ہمت بنا دیتی ہے۔

کلمہ ۴۰　　بعض مکتوبات میں بھی تحریر فرمایا ہے کہ سنت اللہ واسطہ کے اعتبار اور اس کی برزخیت☆ پر جاری ہے۔ واسطے سے چشم پوشی کرنے اور اس کو درمیان نہ دیکھنے سے راہ سلوک میں ترقی رک جاتی ہے۔ اگر اچانک واسطے کی حقیقت سے انحراف پیدا ہو جائے تو درمیان سے برکت بھی اٹھ جاتی ہے۔ ہرچند کہ **الفانی لا یردالیٰ اوصافہ** (فانی اپنے اوصاف کی طرف نہیں لوٹایا جاتا) بے شبہ یہ طریق خدا اور رسول کی بارگاہ میں ناپسندیدہ اور نامقبول ہے۔ بچوں کے معلم کا ادب جب تک وہ سامنے ہے واجب ہے۔ (اس کی بہ نسبت) طریقت کا استاد جو چشمۂ فیض اور کشف و شہود کا دبستاں ہے۔ بہرصورت الوہیت کا برزخ رہے گا۔

پیر من و خدای من، از تو بحق رسیده ام

میرا پیر اور میرا خدا، تیری بدولت میں حق تک پہنچا ہوں۔

من لم یشکر الناس لم یشکر اللہ[۵۶۸] (جو بندوں کا شکر ادا نہیں کرتا وہ اللہ کا شکر ادا نہیں کرتا)

کلمہ ۴۱　　بعض مکتوبات[۵۶۹] میں تحریر فرمایا ہے کہ شاہد دل کے بہت سے رخ ہیں۔ ہر رخ دیکھنے والے کو اپنی جانب مایل کرتا ہے۔ لطیفہ روحی وہ ہے جس کی خاص راہ سوائے احدیت صرف کے اور کچھ نہیں ہے۔ انسانوں کی زندگی اور موت اسی رفتار کے ساتھ وابستہ اور مربوط ہے۔

کلمہ ۴۲　　یہ بھی[۵۷۰] مکتوبات میں ہے کہ پراگندہ لقمے میں احتیاط اور نفس کی برائیوں سے پرہیز اس نسبت کو قوی کرتے ہیں، اس لیے اس امر کی سعی و کوشش کرنی چاہیے کہ حرام اور مشتبہ لقمہ پیٹ میں نہ جائے اور نفس کے رذائل مثلاً غیظ و غضب، بد خلقی اور نامناسب خواہشیں سر نہ اٹھائیں۔ ان ہلاکت میں ڈالنے والے رذایل سے چھٹکارا پانے کا واحد طریقہ یہ ہے کہ حق سبحانہ تعالیٰ کی بارگاہ میں حسن نیت کے ساتھ عاجزی اور التجا کی جائے۔ ہمیشہ خاکسار اور نیازمند بنا رہے اور اپنے آپ کو ایک ذرہ سے بھی کمتر خیال کرے۔

کلمہ ۴۳　　اسی کتاب[۵۷۱] حقایق اسلوب میں ہے۔ جب قلبی حرکت، وردی حرکت سے ہم آہنگ

☆ برزخ۔ وہ چیز جو دو مختلف چیزوں کے درمیان حایل ہو اس طور پر کہ دونوں میں واصل و فاصل ہو۔ ایک جہت سے ایک چیز اور دوسری جہت سے دوسری چیز سے متصل ہو۔ عالم مثال کو برزخ کہتے ہیں کیونکہ وہ اجسام کثیفہ اور ارواح مجردہ کے درمیان ایک عالم وسطی ہے۔

شیخ کی صورت محسوسہ کو بھی برزخ کہتے ہیں کیونکہ وہ فیضان قدس اور طالب کے درمیان واسطہ ہے۔

(سر دلبراں صص ۸۹۔ ۹۰)

ہوتی ہے یا سماعت خیال میں کلمہ "اللہ" سنائی دیتا ہے تو اس ذکر سے صنوبری پارہ گوشت کا ذکر مراد لیتے ہیں۔ اسے ذکر قلبی بھی کہتے ہیں۔ یہ صورت حال زیادہ معتبر نہیں ہے۔ حقیقی ذکر قلبی حق سبحانہ کی جناب میں حضور و شہود ہے۔ جس وقت یہ کیفیت پیدا ہوتی ہے تو (سالک کو) خیال غیر سے رہائی حاصل ہو جاتی ہے۔ اس صورت میں ذکر کو چھوڑ کر اس کیفیت کی حفاظت کرنی چاہیے اور جب اس کیفیت میں کمی ہونے لگے تو پھر سے ذکر شروع کر دینا چاہیے اور اس وقت تک اسے جاری رکھے جب تک اس دولت کو ثبات حاصل نہ ہو جائے۔ اس مدت میں اس کیفیت کو ذکر کے ساتھ شامل کر کے حق تعالی کے بے انتہا الطاف کا منتظر رہے۔ اس کے بعد اسے جو کچھ ملے گا، نہ تصور میں آسکتا ہے اور نہ بیان کیا جا سکتا ہے۔

کلمہ ۴۴ مسلمانی[۵۰۲] احکام الٰہی کے سامنے سر جھکانا ہے۔

خواہی کہ بصوفی گری از خود برہی بایدکہ ہوا و ہوس از سر بنہی

آں چیز کہ داری بکف از کف بدہی ہر سنگ بلا کہ برتو آید نجہی

(ترجمہ) اگر تو صوفی گری کے ساتھ اپنے آپ سے آزاد ہونا چاہتا ہے تو تجھے چاہیے کہ ہوا و ہوس کو اپنے سر سے نکال دے۔

جو چیز تیرے ہاتھ میں ہے، اسے خیرات کر دے اور اگر تجھ پر سنگ بلا آئے تو اس سے بچنے کی کوشش نہ کرے۔

کلمہ ۴۵ حضور[۵۰۳] ذاتی اور وحدت صرف میں استغراق و استہلاک ظہور میں نہیں آتا، اس سلسلہ کے حضرات اسے فنا کہتے ہیں۔

کلمہ ۴۶ اہل حقوق[۵۰۴] خصوصاً والدین کی خاطر داری سے متعلق مولانا زین الدین کمان گر کی باتیں مکتوبات میں نقل فرمائی ہیں کہ مولانا علاء الدین مکتب دار بیان کرتے تھے کہ ایک دفعہ فقیر کے والد کا دل فقیر سے کسی بات پر رنجیدہ تھا، باوجود اس کے کہ شریعت کے لحاظ سے حق میری جانب تھا، میں نے ان کی خوشنودی حاصل کرنے لیے گردن میں پگڑی ڈال کر زمین پر سر رکھ دیا اور عذر خواہ ہوا۔ تیس برس ہو چکے ہیں لیکن اس ناراضی کا نقصان اب تک محسوس کرتا ہوں۔

کلمہ ۴۷ مکتوبات[۵۰۵] کے اسی باب میں آپ نے نفحات کے حوالے سے تحریر فرمایا ہے کہ اکابر میں سے کسی بزرگ کے ذکر میں مذکور ہے کہ انھوں نے اپنے بعض مریدین کو جن سے ماں کی خدمت کرنے میں کوتاہی ہوئی تھی اور حج کر چکے تھے، نصیحت کرتے ہوئے فرمایا کہ میں نے زاد سفر کے بغیر پا پیادہ تیس حج کیے ہیں، ان کا ثواب میں تمھیں دیتا ہوں، تم اس کے بدلے میں ماں کی خوشنودی مجھے دے دو۔

کلمہ ۴۸ آپ[۵۰۶] کے معارف آیات تحریروں میں ہے۔ جان لیں کہ سالک طریق کا پہلا قدم بھی توبہ

اور اہل سنت و الجماعت کے مذہب پر اپنے اعتقاد کو صحیح اور درست کرنا ہے۔ چونکہ ان امور کا تعلق علم سے ہے اس لیے تم پر لازم ہے کہ بقدر ضرورت باعمل اور پاکیزہ اعتقاد علما کی خدمت میں حاضری کا موقع ہاتھ سے نہ جانے دو اور جتنا ہو سکے دین و ملت کی تحقیق میں لگے رہو۔ حقیقت کے ظہور کا دار و مدار حق تعالی کے جذب و کشش پر ہے اور جذب و کشش اس پر موقوف ہے کہ حق تعالی تم کو وصف محبوبی کے ساتھ قبول فرمائیں اور یہ عنایت سید اولین و آخرین صلی اللہ علیہ وسلم کی ظاہراً اور باطناً اتباع سے مشروط ہے۔ ارشاد باری تعالی ہے۔ **قل ان کنتم تحبون اللہ فاتبعونی یحببکم اللہ**[577] (آپ فرما دیجیے کہ اگر تم خدا سے محبت رکھتے ہو تو تم لوگ میرا اتباع کرو، خدا تعالی تم سے محبت کرنے لگیں گے)

کلمہ ۴۹ مکتوبات[578] ہی میں ہے کہ ہمیشہ باوضو رہنا اور باوضو ہونے کا شکر ادا کرنا چاہیے۔ (حرام) لقمہ سے احتیاط اور گناہوں سے بالکلیہ پرہیز کرنا چاہیے۔ غیبت، عیب جوئی، بندہ مومن کی خواہ آزاد ہو یا غلام تحقیر کرنے، مسلمان سے بغض و کینہ رکھنے اور کمزور لوگوں پر سختی کرنے سے اجتناب ضروری ہے۔ جن سے محفوظ ہوئے بغیر بنیاد عمل مضبوط نہیں ہوتی اور اگر اتفاقاً ان امور میں خلل واقع ہو جائے تو اس عمل کو ترک نہ کیا جائے بلکہ توبہ و استغفار کر کے زیادہ سے زیادہ کوشش کی جائے تاکہ **ان الحسنٰت یذھبن السیّاٰت**[579]☆ کا نور کامل ظاہر ہو جائے۔

کلمہ ۵۰ یہ بھی مکتوبات[580] میں ہے کہ آپ نے ایک عالم کو تحریر فرمایا، **نعوذ باللہ من علم لا ینفع**[581] (اللہ ایسے علم سے جس کا کوئی نفع نہ ہو پناہ میں رکھے)۔ آخرت شناس عالم پر لازم ہے کہ ان علوم کی تحصیل کے بعد، جو عمل کے لیے ضروری ہیں، تمام عمر دل کی صفائی اور نفس کے تزکیہ میں بسر کرے۔ کیونکہ بندے اور خالق عزشانہ کے درمیان کوئی پردہ سوائے وساوس و خطرات، مخلوق پر توجہ، خواہش نفس اور بے فائدہ آرزو کے نہیں ہے، جب کہ حق تعالی تمام چیزوں سے زیادہ بندے کے قریب ہیں:

او بما از ما بسی نزدیک تر   داند آن کس کو ز خود دارد خبر

(ترجمہ) حق تعالی ہمارے وجود سے ہم سے بھی زیادہ قریب ہے لیکن یہ حقیقت اسی کو معلوم ہے جو اپنے آپ سے باخبر ہے۔

محرومی اور دوری طرح طرح کے اندیشوں کے باعث ہے اور اندیشوں کا پیدا ہونا بشری صفات میں سے ہے۔

کلمہ ۵۱ ان ہی مکتوبات میں ہے کہ باطن کو مہلکات سے چھٹکارا دلانے اور فارغ کرنے کا سب

☆ بے شک نیک کام (نامہ اعمال سے) مٹا دیتے ہیں برے کاموں کو۔

سے قوی ذریعہ یہ ہے کہ اپنے آپ سے آزاد ہو کر، رد و قبول کا مظہر بن کر دل کی توجہ پسندیدہ امور کی طرف رکھے۔ اس کی قبولیت باطن میں قبولیت پیدا کر دے گی۔

کلمہ ۵۲ اس مکتوب[582] کے آخر میں تحریر کیا ہے کہ ہر اس شخص کے ساتھ جس کے باطن میں معرفت الٰہی کی طلب نہیں ہے، صحبت نہ رکھو اور دنیادار عالموں سے جو علم کو فخر کرنے اور زبان کی تیزی دکھانے کا وسیلہ بنائے ہوئے ہیں، اس طرح بھاگو جیسے آدمی شیر سے بھاگتا ہے۔ ہمیشہ اور مسلسل قرب الٰہی کا وسیلہ تلاش کرو، عبادات میں مشغول رہو اور سید کائنات صلی اللہ علیہ وسلم پر درود بھیجتے رہو اور بارگاہ الٰہی میں التجا کرو کہ بارالٰہا! میرے دل سے اپنے غیر کی آرزو نکال کر **لمن الملک الیوم ط للہ الواحد القہار**[583]☆ کا جلوہ دکھا دے!

کاری کہ در و منفعتی نیست مکن یاری کہ در و معرفتی نیست مگیر

(ترجمہ) وہ کام جس میں نفع نہیں ہے اسے نہ کر۔ ایسے شخص سے دوستی نہ کر جسے معرفت حاصل نہیں ہے۔

کلمہ ۵۳ اگر اچھی طرح[584] غور کرو تو معلوم ہو گا کہ تم سے یہی طلب، نیاز مندی اور بیتابی مطلوب ہے۔ محبت کی انتہا یہ ہے کہ سوائے محبت کے کوئی مقصود نہ رہے:

عشق عاشق چو سر کشد بکمال باشد از غیر عشق فارغ بال

عشق را قبلہ گاہ خود سازد دل ز معشوق ہم بپردازد

(ترجمہ) عاشق کا عشق جب حد کمال کو پہنچتا ہے تو وہ عشق کے غیر سے بے تعلق ہو جاتا ہے۔

وہ عشق ہی کو اپنا قبلہ گاہ بنا لیتا ہے حتیٰ کہ اپنے دل کو بھی محبوب سے فارغ کر لیتا ہے۔

اسی کو عین مراد میں مراد سے نامراد ہو جانا کہتے ہیں۔

کلمہ ۵۴ طریقہ عالیہ[585] نقشبندیہ کے اکابر کا ارشاد ہے کہ ہمارے طریقے کی خصوصیت عزیمت کی پراگندگی اور خلل انداز فتور کے بغیر دوامی حضور اور آگاہی ہے، خواہ ذکر کی مشغولیت ہو یا توجہ اور رابطے کی حالت ہو۔ ہر حال کا مقصود اللہ تعالیٰ کے ساتھ حضوری ہے۔ جب حضور کی یہ کیفیت جس میں غیر اللہ کا خیال مزاحم نہ ہو تو اس حضور کو "وجود عدم" کہتے ہیں اور جب یہ حال سالک کی استعداد بن جائے تو اسے "مشاہدہ" کہتے ہیں۔ جب باطن میں صفت حضور کا شعور باقی نہ رہے اور حقیقی فنا سے مشرف ہو جائے تو اس مقام پر **لا یعرف اللہ الا اللہ**[586] (اللہ کو سوائے اللہ کے کسی نے نہ جانا) کے معنی کی تحقیق ہوتی ہے۔ اس مقام پر نہ

☆ آج کے روز کس کی حکومت ہوگی، بس اللہ ہی کی ہوگی جو یکتا (اور) غالب ہے۔

ارواح ہیں نہ اجسام، دیکھنے والا حق ہی کو دیکھتا ہے اس کے غیر کو نہیں دیکھتا۔

کلمہ ۵۵ آپ کی بعض تحریروں میں درج ہے کہ بعضوں نے تجلیات الٰہی کو تین انواع میں تقسیم کیا ہے۔ اول تجلی صوری ہے، اس کا تعلق مبتدیوں سے ہے۔ دوم تجلی معنوی ہے، اس کو متوسطین سے منسوب کرتے ہیں۔ سوم تجلی ذاتی ہے یہ منتہی حضرات کا مقام ہے۔ اسی طرح بعضوں نے اسے چار انواع میں تقسیم کیا ہے، وہ اس طرح کہ پہلی قسم کی دو قسمیں کر دی ہیں اور ان کا نام تجلی صوری اور تجلی نوری رکھا ہے۔ بہرحال تجلی الٰہی کے یہ انواع اور تقسیم ہمارے اکابر کے طریقے میں قطعاً نہیں ہیں۔ ہمارے حضرات اتحاد و حلول اور تشبیہ کی ہلاکت خیزیوں سے محفوظ ہیں۔

فصل

ہمارے خواجہ قدس سرہ تمام تر عظمت، بزرگی اور کمال کے باوصف جو خدائے بزرگ و برتر نے آپ کو عطا فرمائے تھے، کبھی کبھی بمقتضائے **کلمینی یا حمیرا**[☆][۵۸۶] جب چاہتے کہ نسبت حضوری میں کچھ سستی واقع ہو اور غفلت پیدا ہو، اور وہ بھی اس لیے کہ بشری خصوصیات برقرار رکھنے کے لیے غفلت بھی ضروری ہے تو شعر کہنے کی جانب مایل ہوتے۔ چونکہ ان اشعار میں بعض حقایق و معارف بیان ہوئے ہیں، اس لیے حضرت کی مثنوی سے چند اشعار بطور تبرک نقل کیے جاتے ہیں تاکہ ان اشعار کی برکت سے یہ کتاب عام لوگوں میں رواج پا جائے، نیز برگزیدہ حضرات کے قبول خاطر ہو:

چنین گویند دانایانِ اسرار ز اصل و فرع ہر معنی خبردار
کہ معشوق ازل در ہر شعوری ز غمازان نہان دارد ظہوری
سر ہر ذرہ بینای جمال است دل ہر قطرہ دریای کمال است
شہود دوست پنہان ہر دل راست ہوای وصل ہر جی حاصلی راست
مدار بودشش از نور شہود است شہودش مایہ چندین نمود است

☆ اے عائشہ مجھ سے باتیں کرو۔

دلی افگندہ بر جانش حجابی | گرفتاری بہر خاکی و آبی
شدہ بنیاد این دیوانہ گشتن | پی ہر رنگ و بو طفلانہ گشتن
نہادہ اصل این بازار و تزویر | نقوش علمی از ہر سو نظر گیر
سراسر رنگ این مرآت علم است | سراپا کشور آفات علم است
ز آسیب خیال و فکر و وسواس | رود برباد حسرت گنج انفاس[588]

اسرار الٰہیہ کے جاننے والے کہتے ہیں کہ اصل و فرع کے ہر معنی سے واقف ہونا چاہیے۔
محبوب ازل شعور کے ہر درجے میں غمازوں سے ظہور کو پوشیدہ رکھتا ہے۔
ہر ذرے کی آنکھ جمال حقیقی کو دیکھتی ہے اور ہر قطرے کا دل کمال کا سمندر ہے۔
دوست کا شہود ہر دل سے پوشیدہ ہے، ہر بیحاصل کو وصل کی ہوس ہے۔
عالم کی ہستی کا انحصار نور شہود پر ہے۔ جو کچھ نظر آتا ہے اس کی اصل شہود ہے۔
بات یہ ہے کہ انسان کی جان پر پردہ ڈال دیا گیا ہے، وہ خاکی اور آبی جسم کی دید میں گرفتار ہے۔
اس کے دیوانے ہونے کی اصل حقیقت یہی ہے۔ ہر رنگ، کے پیچھے بچوں کی طرح دوڑتا ہے۔
نمود بے بود کی بنیاد ہنگامے اور فریب پر ہے۔ علم میں آنے والی صورتیں نظر کو گرفتار رکھتی ہیں۔
علم کا آئینہ رنگ ہی رنگ ہے۔ علم تمام آفتوں کا ملک ہے۔
خیال، فکر اور وسوسوں کے آسیب سے انفاس کا خزانہ برباد ہو جاتا ہے۔

یہ بھی حضرت قدس سرہٗ کا کلام ہے

بیانم راچو توفیقی رفیق است | بیارم آنچہ لابدِ طریق است
گذشتن اول از خود شرط کار است | فراغ خویشتن بی اعتبار است
ہمہ لذات روحانی حرام است | حظوظ نفس ظلمانی کدام است
حجاب تست در راہ خرابات | چہ ذوق علم و چہ حظ مقامات
بران سوکز ہوس آزادہ باشی | مراد دوست را آمادہ باشی[589]

جب توفیق الٰہی میرے بیان کے شامل حال ہے تو میں وہ باتیں بیان کرتا ہوں جو سلوک میں لازمی ہیں۔
سلوک کی پہلی شرط اپنے آپ سے گزر جانا ہے۔ یہاں اپنی ذات کا فراغ معتبر نہیں ہے۔

جہاں تمام روحانی لذتیں حرام ہوں وہاں نفس ظلمانی کی مسرتوں کی کیا حیثیت ہے۔

میخانہ (عشق) کی راہ میں ذوق علم ہو یا لذت مقامات، یہ سب پردے ہیں۔

اس جانب جانے کے لیے ہوا و ہوس سے رہائی حاصل کر، تب دوست کی عنایت تجھے قبول کرنے کے لیے آمادہ ہوگی۔

یہ بھی حضرت قدس سرہ کا کلام ہے۔

حضور ذات اگر در خلوت جان — بود بی پردہ کشف ذاتی است آن

وگر علمی بود علم حضوری است — ولی در پردہ کان امر ضروری است

وگر علم حصولی شد مقامش — تجلی معنوی دانند نامش

وگر در صورت مرئی کند روی — تجلی صوریش خوانند سخن گوی

دوجا لیکن ظہور این جمال است — یکی در حسن و دیگر در مثال است

اگر خلوت جان میں جلوہ ذات بغیر حجابات کے ہو تو وہ "کشف ذاتی" ہے۔

اور اگر ذات و صفات کی معرفت علمی ہے تو یہ "علم حضوری" ہے لیکن اس کا پس حجاب ہونا ضروری ہے۔

جب یہ علم حصول کے درجہ میں ہو تو اسے "تجلی معنوی" کے نام سے جانتے ہیں۔

اگر یہ محسوس صورتوں میں نمایاں ہو تو اہل معرفت اسے "تجلی صوری" کہتے ہیں۔

لیکن تجلی صوری کا ظہور دو جہتوں سے ہوتا ہے۔ ایک حسن میں اور دوسرے مثال میں۔☆

اگرچہ ہمارے خواجہ کا مرتبہ، آپ کے ان کشف و کرامات سے، جن کا یہاں ذکر کیا جا رہا ہے، بہت بلند ہے اور جس شخص نے آپ کی زیارت کی ہے یا آپ کی خدمت میں حاضر رہا ہے اسے آپ کی ولایت میں کسی طرح کا شبہ نہیں ہے۔ اس لیے وہ کرامات اور خارق عادات کا محتاج نہیں ہے۔ درحقیقت خواجہ عبداللہ انصاری قدس سرہ العالی کا قول جو انھوں نے اپنے زمانے کے اکابر اولیا میں سے ایک بزرگ کے بارے میں ارشاد فرمایا تھا، ہمارے حضرت خواجہ پر صادق آتا ہے:

"جو لوگ ان کی کرامات کا ذکر نہیں کرتے، وہ خود احوال و مقامات کی عظمت سے ناواقف ہیں۔ ان کا مرتبہ تو یہ تھا کہ حال و مقام ان کی مٹھی میں تھے"۔

☆ ان اشعار میں احوال و مقامات بیان کیے گئے ہیں۔ ترجمہ نگار ایک بے حال بلکہ بدحال شخص ہے۔ جیسا کچھ بن سکا لفظی ترجمہ کر دیا ہے۔ اس لیے ترجمے کے نقص و ابہام کے سلسلے میں معذرت خواہ ہے۔

حاصل کلام یہ ہے کہ ہمارے خواجہ کا وجود تمام تر کرامت تھا۔ اپنی کرامات اور خوارق کو پوشیدہ رکھنے کے جو طریقہ نقشبندیہ میں امر لازمی ہے۔ آپ کی ذات سے اس قدر کرامات، خوارق عادات اور انفسی آفاقی تصرفات ظہور میں آتے تھے کہ ان کی تفصیل حد تحریر سے باہر ہے۔

علاوہ ازیں وہ حضرات جو آپ کی صحبت میں رہتے تھے اور جن پر آپ کی دنیا و مافیہا سے بے التفاقی کا پرتو پڑ چکا تھا، ان امور میں جن کی عوام میں بہت زیادہ قدر و قیمت ہوتی ہے۔ کبھی گرفتار نہیں ہوئے اور نہ وہ باتیں ان کے نزدیک کسی درجے میں قابل اعتبار تھیں، اس لیے انھوں نے یہ ضرورت محسوس نہیں کی کہ وہ آپ کی کرامات اور خوارق عادات کے واقعات معلوم کرتے۔

آپ کی ان کرامات میں سے جو خاص و عام میں مشہور ہیں۔ ایک یہ ہے کہ:

ایک عزیز جو شہر کے صاحب اختیار لوگوں میں سے تھے، ان کی عمر پچاس سال کے قریب ہو گئی تھی۔ لیکن شادی نہیں کی تھی۔ انھوں نے اپنے شیخ کے حکم کی تعمیل میں ایک دوشیزہ سے نکاح کر لیا۔ نکاح کے بعد بہت کچھ جتن کیے، دوائیں استعمال کیں، علاج معالجے کیے لیکن مقصدبراری کی صورت پیدا نہ ہوئی، نہ کسی قسم کا فائدہ حاصل ہوا۔ تقریباً ایک سال اسی خلجان میں گزر گیا۔ آخر کار غیرت و حیا کے باعث ارادہ کیا کہ شہر چھوڑ کر چلے جائیں اور مسافرت اختیار کر لیں۔ آپ کو بھی ان کے ارادے کی اطلاع ہوئی تو ان کی بے چارگی پر رحم آیا اور ان کے حال پر افسوس کیا۔ ایک دن آپ کسی جگہ تشریف لے جا رہے تھے کہ اچانک وہ عزیز سامنے آ گئے۔ چونکہ وہ عالم بھی تھے اس لیے آپ ان کی تعظیم کے لیے سواری سے اترے۔ وہ بھی نہایت نیازمندی سے پیش آئے اور آپ کے قدموں میں گر پڑے۔ آپ نے انھیں اٹھایا اور بغل گیر ہوئے۔ دو تین مرتبہ ان کو اپنے سینے سے لگایا اور اچھی طرح جکڑ لیا، پھر آہستہ سے ان کے کان میں فرمایا کہ آج شب اپنی اہلیہ کے ساتھ رہنا۔ ان عزیز کا بیان ہے کہ جب میں حضرت خواجہ سے جدا ہوا، اسی لمحے میں نے اپنے اندر قوت کا احساس کیا۔ گھر آ کر اہلیہ کو بتایا کہ ایک بزرگ نے ایسا فرمایا ہے۔ اس نے میرا خوب مذاق اڑایا اور استہزا کیا۔ بہرحال آپ کے حکم کی تعمیل میں، میں نے خلوت کی اور کامیاب رہا۔

آپ کی کرامات میں سے ایک واقعہ یہ بھی ہے کہ ایک دفعہ ایک بچہ فیروز آباد کے قلعے کی دیوار سے جس کی اونچائی نو قد آدم سے زیادہ ہے، دریا کی طرف گر پڑا۔ اس کے کان اور ناک سے خون بہنے لگا، سانس رک گیا اور وہ موت کے قریب پہنچ گیا۔ لوگ اس کی زندگی سے مایوس ہو گئے۔ اس بچے کی ماں، بچے کو آپ کی خدمت میں لے آئی اور رونا دھونا شروع کر دیا۔ اپنی بے بسی کا واسطہ دیا۔ اپ نے اس کے حال پر شفقت فرمائی۔ کچھ دیر اپنے باطن کی جانب جو حق کی جگہ ہے، متوجہ رہے۔ اس وقت آپ کے ہاتھ میں کوئی کتاب تھی، اسے کھول کر فرمایا، اس کتاب سے ظاہر ہوتا ہے کہ بچہ زندہ رہے گا۔ آپ کے نفس کی برکت سے بچے نے صحت پائی۔

آپ کا دستور تھا کہ جب آپ چاہتے کہ کوئی تصرف یا خرق عادت ظاہر ہو تو کبھی اپنی ذات سے نسبت نہیں دیتے تھے بلکہ کسی کتاب یا قصے کے حوالے سے کرامات ظاہر فرماتے تھے ۔ مثلاً کسی مریض میں تصرف کرنا چاہتے تو فن طب سے متعلق کتاب طلب فرماتے اور دوا تجویز فرماتے ۔ اس دوران "ہمت"☆ مریض کی جانب مرکوز رکھتے ۔ چنانچہ کبھی دوا کے استعمال کرتے ہی اور کبھی استعمال سے پہلے مریض صحت یاب ہو جاتا ۔

خواجہ محمد عبداللہ سلمہ اللہ آپ کے چھوٹے فرزند ہیں ۔ کلام ربانی کے حافظ ہیں ۔ حق تعالی کے کرم اور فیض کے باعث ایام طفولیت ہی سے ہدایت کے آثار ان کی پیشانی سے عیاں ہیں ۔ گیارہ سال کی عمر میں قرآن مجید حفظ فرمایا اور اب جب کہ ان کی عمر شریف چودہ سال ہے ، کامل استعداد کے ساتھ "تلویح"☆☆ پڑھ رہے ہیں ۔ امید ہے کہ بہت کم عرصے میں ظاہری علوم کی تحصیل کے بعد ، علوم باطنی سے آراستہ ہو جائیں گے ۔ آمین
ان چھوٹے فرزند کی والدہ سے آپ کی خرق عادت کا ایک واقعہ سننے میں آیا ہے ، آپ نے فرمایا کہ

جب میں نکاح کے بعد آپ کے گھر آئی تو ابتدائی دنوں میں ، آپ مختلف صورتوں میں مجھے نظر آتے ۔ میں سخت حیران اور سہمی ہوئی رہتی تھی ۔ ایک دن آپ کے ہاتھ میں آئینہ تھا ۔ مجھ سے فرمایا کہ اس میں اپنا چہرہ دیکھو ۔ میں اپنا چہرہ آئینے کے سامنے لائی تو آپ بھی اپنا چہرہ میرے چہرے کے برابر لے آئے ۔ میں نے آئینے میں ایک سفید ریش شخص کو دیکھا ، پھر میں نے آپ کی طرف دیکھا تو آپ اپنی صورت میں موجود تھے ۔ میں نے دوبارہ آئینہ دیکھا تو آپ سفید ریش تھے ۔ اسی گھبراہٹ میں ، میں نے کئی مرتبہ آپ کو اور آئینے کو دیکھا تو اسی طرح آپ کو دو مختلف صورتوں میں دیکھا ۔ میں سخت پریشان اور خوف زدہ ہوئی ۔ (میری یہ حالت دیکھ کر) آپ نے دریافت فرمایا ، تم کیوں ڈرتی ہو ، میں نے عرض کیا کہ مجھے آپ کے ان کاموں سے خوف آنے لگا ہے ۔ آپ مجھے نہ دکھائیں ۔ آپ نے تبسم فرمایا ۔ اس کے بعد پھر کبھی ایسا واقعہ پیش نہ آیا ۔

آپ کی کرامت کا ایک واقعہ ایک مخلص نے بیان کیا کہ جن دنوں آپ طالبوں کے احوال پر توجہ فرما رہے تھے ، ایک مخلص کو ، جس کے اسلاف چشتیہ سلسلے کے بزرگ تھے ، ایسی بیماری لاحق ہو گئی کہ وہ موت کے قریب پہنچ گیا ۔ اس میں اتنی بھی جان نہ رہی کہ بات کر سکے یا بول سکے ۔ سب اس کی زندگی سے ناامید ہو گئے ۔ میں نے آپ کی خدمت میں اس کا حال عرض کیا ۔ فرمایا ، اس سے کہو کہ اس کے دل میں یہ خیال پیدا ہوا تھا کہ اپنے بزرگوں کے سلسلے سے نسبت قایم کی جائے ۔ اس کے اس خیال سے ہمارے دل میں گرہ پڑ گئی اور غیرت اپنا کام کر گئی ۔ اسے اپنے خیال سے توبہ کرنی چاہیے ، تاکہ اس ہلاکت سے گلو خلاصی ہو ۔ میں

☆ ہمت : اپنے لیے یا کسی اور کے لیے حصول کمالات کی غرض سے اپنی پوری قوتوں اور جمیع قوائے روحانیہ کے ساتھ حق تعالی کی طرف متوجہ ہونا (سر دلبراں ص ۳۳۰)

☆☆ تلویح : اصول فقہ کے موضوع پر ایک کتاب (غیاث اللغات) مترجم

اس کے پاس گیا اور ساری حقیقت اس پر ظاہر کر دی ۔ اس نے اسی وقت توبہ کی، بہت شرمسار ہوا اور اپنے اندر خفت محسوس کی ۔ کچھ دنوں بعد بالکل صحت مند ہو گیا ۔

ہمارے حضرت خواجہ کے تصرفات میں سے ایک یہ ہے ۔ ایک عزیز نے بیان کیا کہ ایک مرتبہ میری اہلیہ بیمار ہو گئی ۔ چونکہ مرض بہت سخت تھا مجھے اس کی صحت یابی کی امید کم تھی ۔ میں نے آپ کی خدمت میں اس کی بیماری کا حال عرض کیا ۔ فرمایا، جاؤ اس کو چادر اڑھا دو ۔ میں گھر آیا اور اہلیہ پر چادر ڈال دی ۔ وہ اسی طرح بیہوش پڑی تھی ۔ اچانک آپ اس کمرے میں، جس میں وہ پڑی تھی، داخل ہوئے ۔ تھوڑی دیر کھڑے رہے، اس پر نظر ڈالی اور باہر تشریف لے آئے ۔ میں بھی باہر آ گیا اور آپ کو رخصت کرنے کے لیے تھوڑی دور تک ساتھ گیا ۔ جب گھر واپس پہنچا تو بیوی کو تندرست پایا ۔ اس کی طبیعت میں کسی طرح کی گھبراہٹ یا گرانی نہ تھی ۔

آپ کے تصرفات میں سے ایک یہ ہے کہ ایک دفعہ حاکم شہر کے نائب نے آپ کے پڑوسی پر ظلم کیا ۔ اس کا ارادہ تھا کہ اس کو گھر سے نکال باہر کرے ۔ جب آپ کو اس بات کی اطلاع ہوئی تو آپ بے حد برافروختہ ہوئے اور بے تاب ہو کر نائب حاکم کے پاس گئے اور اس ظالم سے فرمایا کہ اس محلے میں فقرا آباد ہیں، جہاں تک ہو سکے درگزر سے کام لو ۔ اس نے آپ کے فرمانے کا کوئی اثر نہ لیا اور شدت ظلم میں کوئی کمی نہ کی ۔ آپ کو اس کی اس حرکت پر سخت غصہ آیا اور باوجود اس کے کہ آپ آزار خلق پر تحمل فرماتے تھے، اس ہمسایے کا ستایا جانا برداشت نہ کر سکے اور اس شخص سے جو آپ کے ہمراہ گیا تھا، مخاطب ہو کر فرمایا، ہمارے خواجگان بہت غیور ہیں اور کمال غیرت رکھتے ہیں ۔ اس مخلص کا بیان ہے کہ مجھے انتظار رہا کہ وہ ظالم کس مصیبت میں گرفتار ہوتا ہے ۔ کچھ عرصے بعد وہ چور کی رازداری کے جرم میں گرفتار کر لیا گیا اور بصد ذلت و رسوائی قتل کر دیا گیا ۔ اس واقعے سے مولوی روم قدس سرہ کے بیان کردہ مضمون کی حقیقت ثابت ہوتی ہے ۔

بی ادب تنہا نہ خود را داشت بد   بلکہ آتش در ہمہ آفاق زد

(ترجمہ) بے ادب شخص تنہا اپنی بدی میں مبتلا نہیں ہوتا بلکہ سارے عالم کو بے چین کر دیتا ہے ۔

ایک مخلص بیان کرتے تھے کہ ایک دفعہ آپ نے مجھے طریقہ رابطہ بتایا، میرے دل میں خیال گزرا کہ میں آپ کو کس جگہ دیکھوں ؟ معاً آپ نے مجھ پر نگاہ ڈالی اور مسکراتے ہوئے فرمایا، ایک دن خواجہ احرار قدس سرہ تشریف فرما تھے اور اپنے چھوٹے فرزند خواجہ یحییٰ کو، جو ان کے منظور نظر تھے، طریق رابطہ بتا رہے تھے ۔ خواجہ یحییٰ کے دل میں خیال آیا کہ میں ان کے روئے مبارک پر توجہ رکھوں یا آنکھوں پر ۔ خواجہ احرار کو کشف ہو گیا ۔ انھوں نے اپنی شہادت کی انگلی دونوں ابروؤں پر رکھی ۔ خواجہ یحییٰ سمجھ گئے کہ ان کا اشارہ دونوں ابروؤں کے درمیان توجہ رکھنے کا ہے ۔

اس مخلص کا بیان ہے کہ جب آپ نے بہ طریق قصہ میری مشکل حل فرما دی اور میرے خیال پر مطلع ہو گئے تو میں سخت حیران اور ششدر ہوا ۔ اس کے بعد میں نے طے کر لیا کہ آئندہ آپ کی مجلس عالی میں پراگندہ خیالات اور پریشان کن خطرات کی نگاہ داشت کروں گا ۔

ایک مخلص نے آپ کے تصرف کا یہ واقعہ بیان کیا کہ ایک دفعہ میں متعدد اور مختلف قسم کے امراض میں مبتلا ہو گیا ۔ مجھے اس صورت حال سے خوف آنے لگا ۔ میں نے ارادہ کیا کہ آپ کی خدمت میں حاضر ہوں ۔ بمشکل تمام خدمت عالی میں حاضر ہوا ۔ اس وقت آپ کھانا تناول فرما رہے تھے ۔ مجھے بھی کھانے میں شریک ہونے کے لیے فرمایا ۔ میں نے عرض کیا کہ حضرت میرا یہ حال ہے ۔ مجھے قریب بلایا اور بائیں ہاتھ سے میری نبض دیکھی اور فرمایا ، کوئی بات نہیں تم کھانا کھاؤ ۔ میں حکم تعمیل میں شریک طعام ہو گیا ۔ اس دوران خود کو دم بدم بہتر محسوس کرنے لگا ۔ تھوڑی دیر بعد وہاں سے اٹھ کر باہر آیا تو بیماری کا کوئی اثر باقی نہ تھا ۔

آپ کے ایک اور مخلص نے جن کے قول پر پورا یقین ہے ۔ بیان کیا کہ رمضان کا مہینہ شروع ہو گیا اور آپ پر جسمانی ضعف اور بیماری کا اثر غالب تھا ۔ ایک عزیز نے جن کا نام حافظ جلال الدین تھا اور جو حد درجے خوش الحان تھے ، خواہش ظاہر کی کہ انھیں ختم قرآن کی اجازت عطا ہو ۔ انھوں نے پہلی شب چند سیپارے پڑھے ۔ آپ کا ضعف اور بڑھ گیا ۔ لیکن آپ نے یہ پسند نہ فرمایا کہ جماعت ترک ہو ، چنانچہ طے فرمایا کہ جب تک صحت و قوت بحال ہو فی الحال تراویح میں الم ترکیف[591] پڑھا جائے ، بعد میں پورا قرآن سنا جائے ۔ حافظ صاحب چاہتے تھے کہ تراویح میں قرآن جاری رہے تاکہ وہ جلد از جلد ختم سے فارغ ہو جائیں ۔ چنانچہ اسی بنا پر انھوں نے پہلی شب خاصے حصے کی تلاوت کی ۔ دوسرے دن آپ نے حافظ سے مزاحاً فرمایا ، "تم نے ہمیں بیمار کر دیا ۔ پھر بھی وہ متنبہ نہ ہوئے اور تاخیر سے ختم قرآن پر راضی نہ ہوئے ۔ جب آپ وہاں سے واپس ہوئے تو مسکراتے ہوئے اس مخلص سے جو اس واقعے کے راوی ہیں ، فرمایا ۔ اگر حافظ آج کی شب تلاوت کرے تو مرد ہے ۔ اسی وقت جب حافظ صاحب اپنے گھر پہنچے تو بیمار پڑ گئے اور رمضان کا پورا مہینہ بیماری میں گزر گیا ۔ جب رمضان المبارک کا مہینہ ختم ہوا تو انھیں صحت ہوئی ۔ یہ واقعہ جہاں تک " حافظ تم نے ہمیں بیمار کر دیا " ضبط تحریر میں آیا ہے ، خود حافظ صاحب نے سنایا اور اپنی بیماری کا ذکر بھی کیا ۔ بعض دوسرے عزیزوں نے بیان کیا کہ جب حافظ جلال بیمار پڑ گئے تو ایک اور حافظ کو بھی یہی ہوس پیدا ہوئی ، وہ بھی بیمار ہو گیا ۔

ان ہی مخلص عزیز نے بیان کیا کہ آپ کی وفات سے سات آٹھ ماہ پیشتر ، جناب میاں شیخ احمد سرہندی جو آپ کے خلفا میں سے ہیں ، وہ اور بعض دوسرے عزیز آپ کی خدمت شریف میں حاضر تھے ۔ محل کی خادمائیں خواجہ عبیداللہ اور خواجہ عبداللہ کو جو آپ کے فرزند تھے اور جن کی عمریں اس وقت دو سال اور ڈیڑھ سال تھیں (اب چودہ سال کے ہیں) آپ کی خدمت میں لے کر حاضر ہوئیں ۔ خواجہ کلاں ، خواجہ خورد سے

چار ماہ بڑے ہیں۔ چنانچہ خود آپ نے اس شعر میں دونوں کی تاریخ ولادت کا اشارہ کیا ہے۔

مابین ظہور این دو گوہر
بگزشت چہار ماہ و اکثر

ان دونوں گوہروں کی پیدائش کے درمیان چار مہینے یا زیادہ گزرے

(جب خادمائیں صاحبزادوں کو لے آئیں تو) حضرت خواجہ نے باوجود اس کامل بے تعلقی کے جو حق تعالیٰ نے آپ کو عطا فرمائی تھی، دونوں صاحبزادوں سے التفات فرمایا اور آخر میں حاضرین مجلس سے مخاطب ہو کر فرمایا "یہ یتیم ہیں"۔ اس کے بعد بھی آپ نے اپنی زبان الہام بیان سے بعض موقعوں پر اسی طرح کی بات کہی۔

آپ کی کرامات اور آپ کے انفسی اور آفاقی تصرفات، جو یہاں تحریر ہوئے، ان سے بہت زیادہ ہیں۔ فی الوقت جو باتیں یاد آئیں اور ثقہ حضرات سے سنی تھیں، انھیں لکھنے کی جرات کی گئی۔ یہ بھی حسن اتفاق ہے و لقد آتینا موسیٰ تسع آیات بینات (اور ہم نے موسیٰ کو کھلے ہوئے نو معجزے دیے) آپ کی نو کرامات ضبط تحریر میں آئیں اور نو خوارق سے جو زیادہ ہیں وہ تصرفات انفسی کی قسم سے ہیں، آفاقی سے نہیں۔

آپ کے بعض اصحاب کا ذکر جو آپ کی حیات میں مسند ارشاد تک پہنچے اور جنھوں نے اجازت کامل حاصل کی

اگرچہ ہمارے خواجہ قدس سرہ کے اصحاب میں سے اکثر حضرات صاحب ولایت تھے اور آپ کی نظر عنایت کی بدولت مقامات تک پہنچ چکے تھے لیکن وہ پہلے شخص جنھیں آپ نے ارشاد و ہدایت کی اجازت مرحمت فرمائی اور جن کی توجہ نے مریدین میں اثر کیا، وہ جناب تاج العارفین میاں شیخ تاج تھے۔ ان کا وطن مالوف سنبھل تھا۔ جب کبھی شیخ تاج وہاں سے آپ کی خدمت میں حاضر ہوتے، آپ ہی کے ہاں قیام کرتے اور سعادتوں سے بہرور ہوتے۔ جس وقت آپ نے شیخ تاج کو طالبوں کی تربیت کی اجازت مرحمت فرمائی، اس وقت ان کا حال اس درجے اثر انگیز ہو چکا تھا کہ جب چاہتے کسی بھی شخص کے باطن میں تصرف فرماتے اور اسے عالم شعور سے عالم بے خودی میں لے جاتے اور غیبت و فنا کے مرتبے تک پہنچا دیتے۔ چنانچہ حضرت خواجہ قدس سرہ کی حیات میں شیخ تاج کا دستور رہا کہ کچھ عرصے سنبھل میں گزار کر دہلی آ جاتے اور آپ کے فیوض سے مستفیض ہوتے۔ شیخ کے بعض خواب جو انھوں نے سنبھل سے آپ کی خدمت میں تحریر کیے تھے اور جن میں آپ کے واقعہ وفات کی جانب اشارہ تھا، کاتب حروف نے پڑھے ہیں لیکن اس تحریر کے پہنچنے سے قبل آپ کا وصال ہو چکا تھا۔

مختصر یہ کہ شیخ تاج اکابر میں سے ہیں ۔ حرمین شریفین کی زیارت سے بھی مشرف ہوئے تھے ۔ ہمارے حضرت خواجہ بھی شیخ سے غایت درجے کا التفات فرماتے تھے، جیسا کہ ان مکتوبات سے ظاہر ہوتا ہے جو آپ نے وقتاً فوقتاً شیخ کو تحریر فرمائے ۔ ان ہی سے یہ مکتوب بطور شہادت یہاں پیش کیا جاتا ہے ۔

برادر ارشد شیخ تاج الدین! [594] دعائے مخلصانہ اور سلام مشتاقانہ قبول کریں ۔ اور صحرائے تعلق و گرفتاری کے عاجزوں کی جانب متوجہ ہوں ۔

صد ملک دل بہ نیم نگہ می توان خرید [595] خوبان دریں معاملہ تقصیر می کنند

(ترجمہ) ایک نیم نگاہ کے بدلے سو ملکِ دل خریدے جا سکتے ہیں، محبوب اس معاملہ میں ہمیشہ غلطی کرتے ہیں ۔

عزیز من! مطلق ہدایت مازاغ البصر و ما طغٰی☆ کے سایے میں ہے کہ سالک کا باطن ذات بحت کا گرفتار رہے ۔ اس کی علامت یہ ہے کہ باوجود حسرت دوری کے، تمام مقامات، مشاہدات اور درجات سالک کی ہمت کے سامنے حقیر نظر آئیں ۔

رندی چندند کس نداند چندند برنسیہ و نقد ہر دو عالم خندند

(ترجمہ) رند کتنے ہیں کوئی نہیں جانتا کتنے ہیں ۔ ان کی شان تو یہ ہے کہ دونوں جہان ادھار یا نقد خریدنے پر راضی نہیں ہوتے بلکہ اس بات پر ہنستے ہیں ۔

اس حالت کا حامل، جذبے کی توفیق سے، اس حالت سے نکل کر مقام بندگی میں آتا ہے اور اسم "الغنی"☆☆ کا مظہر ہو جاتا ہے ۔ اس کا فقر انتہا تک پہنچ جاتا ہے ۔ **الفقر اذا تمّ ھو اللہ** کا یہی مفہوم ہے ۔ یہ حقیقت بغیر استغراق و جذب الٰہی کے، بغیر اس معرفت کے کہ یہ کشش اسی سے ہے اور بغیر اس یقین کے کہ صورت کائنات اور اجسام عالم محض سراب ہے، منکشف نہیں ہوتی ۔

آپ کے نہایت عظیم اور کامل احباب میں سے ایک خواجہ حسام الدین احمد بھی ہیں ۔ اس زمانے میں ان کا وجود شریف، سلسلہ شریفہ نقشبندیہ احراریہ باقیہ کی تنظیم کے حق میں رحمت الٰہی کا مظہر اور اس کے استحکام کا باعث ہے ۔ ان کی ذات سے اس سلسلے کو قبول عام حاصل ہوا ۔ حضرت خواجہ کی وفات کے بعد آپ کے فرزندان صوری و معنوی کی خیر خواہی اور آپ کے آستانے سے نسبت رکھنے والوں کی ظاہری اور باطنی تربیت جس قدر انھوں نے فرمائی، اس قدر خیر طلبی اور کوشش حضرت خواجہ کے خلفا میں سے کسی سے ظاہر نہ ہوئی نہ شاید ہوگی ۔ ان کی تربیت کی برکت سے مخدوم زادے مقام ہدایت پر فائز ہوئے اور امید ہے کہ آئندہ

☆ نگاہ نہ تو ہٹی اور نہ بڑھی ۔

☆☆ جب فقر تمام ہوا تو اللہ رہ جاتا ہے ۔

مزید ترقی کریں گے۔ اس خانوادے کی برکت اور جمعیت ان کی توجہ سے وابستہ ہے۔ میں ان کے مراتب عالیہ کیا بیان کر سکتا ہوں۔ (حقیقت یہ ہے کہ) ان کے پسندیدہ اوصاف و اخلاق، ان کی ذات و صفات کی خوبیاں، دنیا سے ان کی بے تعلقی، فنا و نیستی، صبر و توکل، رضا و تسلیم اور وہ تمام خوبیاں جو اہل طریقت کے ہاں اعتبار رکھتی ہیں، ان کی ذات و صورت میں اس سے کہیں زیادہ ہیں کہ انھیں زمین و آسمان کے صفحات میں تحریر کیا جاسکے۔ وہ محاسن و محامد کا مجموعہ ہیں۔

اپنی رحلت کے قریب ایام میں حضرت خواجہ نے چاہا کہ ان کو اپنا نائب مناب مقرر فرمائیں لیکن اپنی بلندی ہمت کے باعث انھوں نے انتہائی عجز و نیاز اور خاکساری کے ساتھ عذر کر کے معاملے کو رفع کر دیا۔ حضرت نے ان کے اس رویے کو پسند کیا اور فرمایا، تم نے اچھا کیا کہ اس دوکان داری سے چھٹکارا حاصل کر لیا۔

ایک صاحب سے جن کے قول پر مجھے اعتماد کلی ہے، سننے میں آیا کہ ایک دن میں نے حضرت خواجہ سے آپ کے اصحاب کے احوال کے بارے میں فرداً فرداً دریافت کیا۔ آپ نے اپنی زبان مبارک سے ہر ایک کی تعریف کی۔ جب میں نے جناب خواجہ حسام الدین سے متعلق سوال کیا تو آپ نے بڑے ذوق سے فرمایا کہ وہ ان تمام اوصاف کا جن کو ہم نے بیان کیا، مجموعہ ہیں۔ ہمارے خواجہ نے بارہا فرمایا کہ ہم نے محض ان کی خاطر تلقین و ہدایت کا کام اختیار کیا اور حقیقت بھی یہی ہے کہ جیسی کچھ تربیت آپ نے خواجہ حسام الدین کی فرمائی، اس کے عشر عشیر مریدوں اور مخلصوں میں سے کسی ایک کی بھی جلالاً یا جمالاً نہیں فرمائی۔ اسی باعث خواجہ حسام الدین کو آپ کی ذات سے جو اخلاص ہے، اس پایے کا اخلاص شاید ہی کسی مخلص کو ہو گا۔ اسی ایک بات سے ان کی عظمت و بزرگی کا اندازہ لگایا جا سکتا ہے (اور حقیقت بھی یہی ہے کہ) مرید کے مرتبہ ہدایت کو پرکھنے کے لیے اخلاص سے بہتر کوئی کسوٹی نہیں ہے۔

ابتدا میں خواجہ حسام الدین امرائے سلطنت میں منسلک تھے۔ ان کے والد بھی بڑے امیروں میں شمار ہوتے تھے۔ چونکہ ان کی ذات میں ہدایت کا نور موجود تھا اور فطرت پاکیزہ تھی اس لیے انھیں امیرانہ وضع کے ساتھ زندگی بسر کرنا بار محسوس ہوتا تھا، جسے وہ طوعاً و کرہاً برداشت کر رہے تھے، لیکن جب حضرت خواجہ کی خدمت میں حاضر ہوئے تو اپنے اختیار سے سب باتوں سے چھٹکارا حاصل کر لیا۔ دنیا سے بے تعلق ہو گئے اور فقر و فاقہ اختیار کر کے فقرا کی طرح زندگی بسر کرنے لگے۔ چنانچہ اس روش کو اختیار کرنے کی وجہ سے بعض امیروں اور بادشاہ وقت کے ہاتھوں، جو یہ چاہتے تھے کہ وہ پھر سے پرانی ڈگر پر آ جائیں، انھیں تکلیفیں بھی پہنچیں۔ بالآخر حضرت خواجہ کی توجہ سے تمام آفتوں اور بلاؤں سے محفوظ ہو گئے۔

ایک مخلص سے منقول ہے کہ بادشاہ کے مقربوں سے ایک شخص کو جسے آپ سے قرابت بھی تھی یہ بات پسند نہ تھی کہ وہ قایم شدہ روش کو ترک کریں اور اس امر کی کوشش کی کہ وہ پھر سے اپنے منصب

پر آ جائیں اور اسی ضد میں انھیں تکلیفیں بھی پہنچائیں۔ ایک دن خواجہ حسام الدین نے اپنے حالات حضرت خواجہ کی بارگاہ مقدس میں عرض کیے۔ حضرت خواجہ نے خواجہ احرار کا وہ قول جو انھوں نے ایک بے ادب کے بارے میں فرمایا تھا کہ "اس مردود کا کام چند روز میں درہم برہم ہو جائے گا" نقل فرمایا۔ اس مخلص کا بیان ہے کہ یہ بات سن کر مجھے پورا یقین ہو گیا کہ بادشاہ کے مقرب کے شامت آنے والی ہے؛ چنانچہ یہی ہوا کہ چند روز نہ گزرے تھے کہ سلطان کسی سبب سے اپنے مقرب سے اس حد تک خفا ہو گیا کہ اس کی جان کے لالے پڑ گئے۔ بالاخر ہلاکت سے تو بچ گیا لیکن بادشاہ کے حضور جو اعتبار اسے حاصل تھا وہ ختم ہو گیا۔

حاصل کلام یہ ہے کہ جناب خواجہ حسام الدین، حضرت خواجہ محمد الباقی کی درگاہ ولایت منقبت کے محبوبوں اور مقبولوں میں سے تھے اور آپ کے تمام اصحاب سے محبت و اخلاص کے ضمن میں انھیں امتیاز حاصل تھا۔ ان کی عظمت و بزرگی کی تفصیل بیان کرنا کاتب حروف کے حوصلے سے باہر ہے۔

اللہ تعالی کے کرم سے وہ اس شکستہ پر عاجز کے حال پر بے حد عنایت فرماتے ہیں۔ یہ عاجز اس بات سے ڈرتا ہے کہ لوگ جن کی عقل لباسِ ادراک سے عاری ہے، اس بات کو اغراض پر محمول کر کے خودستائی خیال کریں۔ اس گرفتار پر ان کی جو دلی عنایت اور ظاہری و باطنی توجہ ہے اس کا اندازہ ان چند خطوط سے، جو انھوں نے مختلف اوقات میں اس مبتلائے دنیا کو ارسال کیے، لگایا جا سکتا ہے۔ یہاں دو مکتوب بطور تبرک درج کیے جاتے ہیں جو انھوں نے اپنے دست مبارک سے تحریر فرمائے۔

> برادر عزیز اور فرزند خوش نصیب میاں محمد صادق، بے ریا دوستوں کی مراد کے ساتھ اپنی آفرینش سے بہرہ ور ہو کر زمانے کی آفتوں سے محفوظ رہیں۔ حضرت پیر دستگیر قدس سرہ سے عنصری اور معنوی نسبت رکھنے والوں کی نیازمندی میں حد درجے کوشش کرتے رہیں اور اس باب میں ہرگز تساہل نہ کریں۔

یہ خط اور دوسرا خط جو آگے درج کیا جا رہا ہے، ان دنوں موصول ہوئے جب یہ عاجز دنیاوی معاملات کی کشاکش میں گرفتار تھا اور اس کی تمنا تھی کہ ایسی معاش حاصل ہو جس کے باعث ظاہری اسباب میسر ہو جائیں۔ یہ صورت حال ان کے فیض اثر دل پر منکشف ہو گئی اور انھوں نے اس عاجز کو اشارۃً اس داعیے سے منع فرمایا۔ ان کی توجہ اور التفات کی برکت سے معاً ساری پریشانی دور ہو گئی اور دل کو اطمینان میسر ہو گیا۔
اسی کیفیت میں یہ قصیدہ اپنے حسب حال نظم کیا اور ایک عریضے کے ساتھ ان کی خدمت میں ارسال کیا۔

من مست و لاابالی و رند و قلندرم — یعنی اسیر جام و صراحی و ساغرم
از فکر ہای بیہدہ آسودہ گشتہ ام — پیوستہ در غم دگر و فکر دیگرم

قطع امید کرده ام از مفرش حریر
خشت است بالش و خاک است بسترم ☆

دیروز اگرچہ بود ہزار آرزو بدل
امروز از ہزار یکی نیست در سرم

از جان ہوای مسند کیخسروی گزشت
درد دل نماند آرزوئ ملک سنجرم

آن دلق حرص و آز برون کردم از بدن
این کسوت قناعت و فکر است در برم

دیں را بہ ہیچ کس پی دنیا نمی دہم
آں رانمی فروشم و ایں رانمی خرم

شکر خدا کہ چشم طمع دوختم ز خلق
فارغ ز منتِ فلک و چرخ چنبرم

در ملک فقر سکہ بنامم درست شد
یعنی کہ ملک فقر بہ از ہفت کشورم

از گردش زمانہ تہی کیسہ نیستم
از دوستی آل محمد توانگرم

منت خدای را کہ غلام محمدم
شکر خدا کہ بندۂ آل پیمبرم

آں خواجۂ کہ ہردو جہان شد طفیل او
در مدح او چگونہ رسد فکر قاصرم

نتواں نگاشت حرفی از اوصاف حضرتش
کاغذ اگر بود بمثل چرخ اخضرم

آں بہ کہ بعد ازیں بہ ہزاراں امید عفو
روی نیاز بر در یاران او برم

بر رغمِ رافضی کہ زبانش بریدہ باد
از جان و دل محب ابوبکر و عمرم

بر رغمِ خارجی کہ نصیبش جہنم است
از بندگان درگہ عثمان و حیدرم

(ترجمہ) میں مست، بے پرواہ، رند اور قلندر ہوں یعنی (حب الٰہی کے) جام، صراحی اور ساغر کا اسیر ہوں۔
مجھے بے ہودہ فکروں سے چھٹکارہ مل گیا ہے، اب میں کسی اور غم کسی اور فکر میں ہوں۔
اب مجھے حریر کے بستر کے خواہش نہیں رہی۔ اینٹ مرا تکیہ اور خاک مرا بستر ہے۔
کل تک ہزاروں آرزوئیں دل میں تھیں۔ آج ہزار میں ایک میرے خیال میں نہیں ہے۔
کیخسرو کے تخت کی ہوس جان سے جاتی رہی، دل میں شاہ سنجر کے ملک کی آرزو نہیں ہے۔
میں نے حرص کی گدڑی بدن سے اتار دی ہے اور فقر و قناعت کی پوشاک پہن لی ہے۔
دین کو دنیا حاصل کرنے کے لیے کسی کو نہ دوں گا۔ اُسے نہیں بیچوں گا اِسے نہیں خریدوں گا۔

☆ مصرع وزن سے گرا ہوا ہے، بہرحال متن میں اسی طرح درج ہے۔ شاید یہ مصرع یوں ہو:
خشت است بالشِ من و خاک است بسترم
(مترجم)

خدا کا شکر ہے کہ میں نے مخلوق سے امید قطع کر لی ہے ۔ اب آسمان اور اس کے محیط کی منت سے فارغ ہو چکا ہوں ۔

زمانے کی گردش سے میں مفلس نہیں ہوا بلکہ آل محمد کی محبت سے مالا مال ہوں ۔

خدا کا احسان ہے کہ میں محمد صلی اللہ علیہ وسلم کا غلام ہوں اور آل نبی کا بندہ ہوں ۔

وہ آقا جن کے طفیل مجھے دونوں جہان ملے ۔ میری ناقص فکر آپ کی مدح کا حق کیونکر ادا کر سکتی ہے ۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے اوصاف میں سے ایک حرف بھی تحریر نہیں ہو سکتا خواہ آسمان کی مثل ہی کاغذ حاصل ہو جائے ۔

اس کے بعد یہی بہتر ہے کہ بخشش کی ہزاروں امید کے ساتھ اپنا روئے نیاز آپ کے اصحاب کے آستانے پر رکھ دوں ۔

رافضی کے برخلاف خدا اس کی زبان کاٹے میں ابوبکرؓ و عمرؓ سے جان و دل سے محبت کرتا ہوں ۔

خارجی کے برخلاف جس کا نصیب ہی دوزخ ہے میں عثمانؓ و علیؓ کی بارگاہ کا غلام ہوں ۔

جب یہ عریضہ ان کے ملاحظے سے گزرا تو اس کے جواب میں یہ رقعہ عنایت فرمایا ۔

اس برادر و فرزند خوش نصیب کا قصیدہ اور مکتوب ملا ۔ بے حد مسرت ہوئی ۔ استقامت مبارک ہو ۔ ہمیشہ ان نغموں سے خیر خواہوں کو خوش حال کرتے رہو ۔ اسی کے ساتھ یہ خبر بھی ملنی چاہیے کہ ہمارے پیر دستگیر کے اصحاب میں سے کسی سے (تمھارے) میل جول اور ہم نشینی سے تمام مریدین خوش ہوئے ہیں اور اس صورت حال میں نفس و طبیعت سے کوئی مانع خلل انداز نہیں ہے ۔ اس عزیمت کا استحکام اور اس مہم کا انجام عظیم بشارت ہوگی ۔

شکر تنہا مخور باگل در آمیز ۔ کہ در ترکیب باشد نفع بسیار

(ترجمہ) خالی شکر نہ کھاؤ ، اسے گلاب کے ساتھ ملا لو کیونکہ مرکب شے میں زیادہ نفع ہوتا ہے ۔

مگو ارباب دل رفتند و شہر عشق خالی ۔ جہاں پر شمس تبریز است کو مردی چو مولانا

(ترجمہ) ایسا نہ کہو کہ اہل دل رخصت ہو گئے اور شہر عشق سونا ہو گیا ہے ۔ عالم تو اب بھی شمس تبریز سے پر ہے لیکن مولانا جیسا مرد طلب گار کہاں ہے ۔

خبردار اہل صدق کی اس بارگاہ کے خورد و بزرگ سے مدد طلب کرو اور

نفس کو اندیشوں سے محفوظ رکھو، کیونکہ ان فکروں کے خاتمے کے لیے بزرگوں کی نگاہ توجہ سے تھوڑی مدد حاصل ہونا کافی ہے۔ اس ایک نظر سے تمام کائنات مقصود تک راہنمائی کرتی ہے۔

گویند کہ چوں رسد تدلی بکمال گردد دو جہاں ز ترجمان مالا مال
چشم از ہمہ سو سرمۂ مازاغ کشد گواش از ہمہ جانب شنود بانگ تعال *

(ترجمہ) کہتے ہیں کہ جب قربت کمال کو پہنچتی ہے تو دونوں جہان ترجمان سے مالا مال ہو جاتے ہیں۔ آنکھ تمام اطراف سے سرمۂ مازاغ کھینچتی ہے اور کان ہر جہت سے "آؤ" کی صدا سنتے ہیں۔

آپ کے نہایت کامل اصحاب اور عظیم خلفا میں سے ایک میاں شیخ احمد سرہندی فاروقی ہیں۔ ان کی ظاہری و باطنی خوبیاں اور کمالات بے حد و حساب ہیں۔ بہت سے کامل اور فاضل حضرات ان کے رشتہ ارادت میں منسلک ہیں۔ شیخ کی بابرکت صحبت کے باعث، ان حضرات کی پیشانیٔ حال سے رشد و کمال کے آثار نمایاں ہیں۔ بہت سے طالبین ان کی توجہ کی برکت سے، خودی، خود پرستی اور بشری صفات کی تنگنائے سے نکل کر نیستی، نامرادی اور ولایت کے درجات تک پہنچ چکے ہیں۔ شیخ احمد کی عظمت و بزرگی کے عظیم شواہد وہ مکتوبات ہیں جو حضرت خواجہ نے انھیں وقتاً فوقتاً تحریر کیے ہیں۔

اگرچہ ہمارے حضرت خواجہ قدس سرہ کے زمانہ رحلت کے قریب شیخ احمد کا مشرب شیخ علاء الدولہ سمنانی کے مشرب سے موافقت پر مایل ہو گیا تھا، اور وہ شیخ اکبر محی الدین ابن عربی قدس سرہ کے معارف سے بری ہونے کا اظہار کر چکے تھے اور حضرت خواجہ کی وفات کے بعد ان پر اس مشرب کا (علاء الدولہ سمنانی کا) بہت غلبہ رہا لیکن جیسا کہ حضرت خواجہ نے اپنی زبان الہام بیان سے ارشاد فرمایا تھا کہ بالاخر انھیں اس مقام کا مرتبہ معلوم ہو جائے گا، اس پیش گوئی کے مطابق آج کل شیخ اس روش کی جانب کامل میلان رکھتے ہیں۔ **

---

* چوتھے مصرعے کا ترجمہ یہ بھی ہو سکتا ہے۔ اور کان ہر جہت سے اللہ اللہ کی صدا سنتے ہیں۔ واللہ اعلم۔ مترجم

** اس پیرے کا فارسی متن یہ ہے:

"اگرچہ قریب بایام رحلت حضرت خواجہ ما قدس سرہ مشرب شیخ مایل بموافقت مشرب شیخ علاء الدولہ سمنانی شد و از معارف شیخ اکبر محی الدین ابن العربی قدس سرہ تبری می نمودند، اما بمقتضای آنکہ حضرت ایشاں بزبان الہام بیان گزراندہ کہ آخر ایشاں را مرتبہ ایں مقام معلوم خواہد شد، دریں ایام خدمت شیخ میلانی تمام بایں روش دارند" (ص ۱۸۷)

مصنف رحمۃ اللہ علیہ کے بیان سے، جو یقیناً عصری شہادت ہے، یہ ظاہر ہوتا ہے کہ ابتدا میں حضرت مجدد الف ثانی قدس سرہ ابن عربی قدس سرہ کے مشرب کی تائید میں تھے۔ بعد میں آپ ایسے مقام پر متمکن ہوئے کہ ابن عربی قدس سرہ سے بری ہونے کا اظہار فرمایا اور ان کے معارف کو غلط قرار دیا۔ آخر میں آپ پھر ابن عربی سے متفق ہو گئے۔ واللہ اعلم۔ بہرحال اہل علم کے لیے محمد صادق دہلوی رحمۃ اللہ علیہ نے ایک نئی اطلاع فراہم کی ہے۔ مترجم۔

حاصل کلام یہ ہے کہ شیخ اس سلسلے کے برگزیدہ حضرات میں سے ہیں۔ انھوں نے طریقت کی استقامت، بدعت سے پرہیز اور شریعت کے التزام کو بہت اعلیٰ پایے تک پہنچایا۔ خود حضرت خواجہ نے بہت سے طالبوں کو ان کی صحبت عزیز کے سپرد فرمایا۔

اس نفسانی کشاکش کے ہاتھوں درماندہ کو حضرت شیخ کی نسبتِ التفات حاصل ہے اور کبھی کبھی اپنے مکتوبات سے اس عاجز کو سرفراز فرماتے ہیں۔ یہ مکتوب منجملہ ان مکتوبات کے ہیں جو انھوں نے اس مخلص کو اپنے دست مبارک سے تحریر فرما کر ارسال فرمایا۔

مکتوب

مکتوب مرغوب جو غلبہ محبت اور کمال الفت پر مبنی ہے موصول ہوا۔ اللہ سبحانہ، اس پر اللہ تعالیٰ کا شکر و احسان ہے۔ اس جماعت کی محبت جو (شجر) معرفت کی شاخ ہے، اللہ تبارک و تعالیٰ کے انعامات میں سے سب سے بڑا انعام ہے۔ کوئی شخص کس قدر خوش نصیب ہو گا جسے یہ نعمت میسر آتی ہو گی۔ شیخ الاسلام ہروی فرماتے ہیں، "الٰہی! آپ نے اپنے دوستوں کے ساتھ کیسا معاملہ فرمایا ہے کہ جو ان کو پہچان لیتا ہے، وہ آپ کو پا لیتا ہے اور جب تک آپ کو نہیں پاتا ان کو نہیں پہچانتا" اس جماعت سے بغض رکھنا موجب ہلاکت ہے اور ان پر طعن و ملامت کرنا دائمی محرومی کا باعث ہے۔ اللہ سبحانہ نے ہمیں اور تمھیں اس ابتلا سے بچا لیا۔ شیخ الاسلام نے فرمایا ہے، "الٰہی! جسے آپ تباہ کرنا چاہتے ہیں اسے ہمارا مخالف بنا دیتے ہیں"۔

بی عنایات حق و خاصان حق گر ملک باشد سیا ہستش ورق [۵۹۶]

(ترجمہ) حق اور خاصان حق کی عنایتوں کے بغیر اگر کوئی فرشتہ ہو تو بھی س کا ورق سیاہ ہے۔

حضرت شیخ کے مکتوبات ان کی بارگاہ کے خادموں میں سے ایک صاحب نے جمع کیے ہیں، جن کی تعداد دو سو چالیس سے زیادہ ہے۔ ہر مکتوب طالبان ہدایت کے لیے گویا ایک کتاب ہے۔ ان مکتوبات میں جو حقایق و معارف بیان ہوئے ہیں شاید ہی فن کی معتبر کتابوں اور رسالوں میں تحریر ہوئے ہوں۔ مکتوبات کے علاوہ شیخ نے تصوف میں رسایل بھی تحریر فرمائے ہیں۔ یہ تمام رسایل رواج پا چکے ہیں۔ یہ گیارہ کلمات ان کے بعض رسالوں سے بطور تبرک نقل کیے جاتے ہیں، جن سے حضرت کے درجات کی بلندی، جس کے بیان کرنے کی استطاعت ہم عاجزوں میں نہیں ہے، مکشوف ہوتی ہے۔

کلمہ ۱ پہلا دروازہ جو حق تعالیٰ نے اس فقیر پر کھولا، وہ ذوق یافت کا تھا، یافت کا نہ تھا۔

دوسری بار یافت میسر ہوئی اور ذوقِ یافت ناپید ہو گیا۔ تیسری بار جس صورت میں ذوقِ یافت ناپید ہوا تھا، یافت بھی مفقود ہو گئی۔ تو دوسری حالت کمال اور ولایت خاصہ کے درجے تک پہنچنے کی حالت ہے۔ تیسرا مقام تکمیل اور دعوت کے لیے خلق کی طرف رجوع کرنے کا مقام ہے۔ اور پہلی حالت صرف جذب کی جہت میں کمال ہے۔ سو جب اس کے ساتھ سلوک بھی شامل ہو جائے تو حالت ثانیہ پھر حالت ثالثہ کا حصول مکمل ہوتا ہے۔ صرف مجذوب کے لیے جو سلوک سے مبرا ہے، دوسری اور تیسری حالت سے کوئی حصہ نہیں اور کامل و مکمل مجذوب سالک یا سالک مجذوب ہے۔ ان دونوں کے سوا نہ کوئی کامل ہے نہ مکمل ہے۔ اے مخاطب تم کوتاہی کرنے والے نہ بنو۔ **والصلوۃ والسلام علی خیر البشر سیدنا محمد و آلہ الاطہر**

کلمہ ۲ **و اما بنعمۃ ربک فحدث**[۵۹] (اور اپنے رب کے انعامات مذکورہ کا تذکرہ کرتے رہا کیجیے) یہ فقیر ایک دن اپنے اصحاب کے حلقے میں بیٹھا ہوا تھا اور اپنی خرابیوں پر نظر تھی۔ یہ نظر اس حد تک غالب ہوئی کہ میں نے اپنے آپ کو اس وضع کے نامناسب خیال کیا۔ اسی حالت میں بمصداق **من تواضع للہ رفعہ اللہ**☆ اس عاجز کو خاک ندامت سے اور اس کے باطن میں یہ آواز القا ہوئی، **غفرت لک و لمن توسل بک بواسطہ او بغیر واسطہ الی یوم القیامہ** (میں نے تجھے بخش دیا اور اسے بھی قیامت تک بخش دیا جو واسطے یا بغیر واسطے کے تیرا وسیلہ اختیار کرے) اور بار بار اس معنی سے اس حد تک نوازا کہ شک کی کوئی گنجائش نہ رہی۔

کلمہ ۳ **سیر الی اللہ** سے مراد اللہ جل شانہ، کے اسما میں سے اس اسم تک سیر ہے۔ جو سالک کے تعین کا مبدا ہے اور **سیر فی اللہ** سے مراد اس اسم کے اندر سیر ہے، جس کی انتہا بارگاہِ ذاتِ احدیت ہے جو اسما و صفات اور شئون و اعتبارات سے مبرا ہے۔ یہ تفسیر اس حیثیت سے درست ہو گی جب اسم مبارک "اللہ" سے مراد مرتبہ وجوب ہو جس میں اسما و صفات جمع ہیں، لیکن اگر اس سے اسم مبارک ذات بحت مراد لی جائے تو **سیر فی اللہ** مذکورہ معنوں میں **سیر الی اللہ** ہو گی۔ اس پر **سیر فی اللہ** کا اطلاق نہیں ہوتا کیونکہ انتہا کی انتہا کے نقطے میں سیر محال ہے۔ اس نقطے پر پہنچنے کے بعد بغیر توقف کے پھر عالم کی طرف واپسی ہوتی ہے۔ اسے **سیر عن اللہ باللہ** سے تعبیر کرتے ہیں۔ یہ ایسی معرفت ہے جو نہایت النہایت کے واصلوں سے مخصوص ہے۔ اس فقیر کے علاوہ اولیا میں سے کسی نے بھی اس معرفت کے بارے میں کلام نہیں کیا ہے۔ **اللہ یجتبی الیہ من یشاء**☆☆ (اللہ اپنی طرف جس کو چاہے کھینچ لیتا ہے)۔

کلمہ ۴ کمالات ولایت کے مختلف درجے ہیں۔ کچھ لوگ ہیں جو ولایت کے درجات سے استعداد حصول کا ایک درجہ رکھتے ہیں۔ بعض دو درجے استعداد کے حامل ہیں۔ کسی جماعت کی تین درجے استعداد

☆ جس نے اللہ کے لیے تواضع اختیار کی اللہ اس کو بلند فرماتا ہے۔

☆☆ سورۃ شوریٰ آیت ۱۳۔

ہے۔ کسی گروہ کی قابلیت چار درجے ہے اور کچھ لوگ ہیں جو پانچ درجے استعداد رکھتے ہیں۔ لیکن ایسے لوگ بہت کم ہیں۔ ان پانچ درجات میں سے پہلا درجہ تجلی افعال سے اور دوسرا درجہ تجلی صفات سے وابستہ ہے۔ باقی کے تین درجے علی الترتیب فرق کے ساتھ تجلیاتِ ذاتیہ سے مربوط ہیں۔ اس فقیر کے بیشتر مریدین تیسرے درجے سے مناسبت رکھتے ہیں، ان سے کم چوتھے درجے سے اور معدودے چند پانچویں درجے سے مناسبت رکھتے ہیں جو درجات ولایت کا آخری درجہ ہیں۔ اس فقیر کے نزدیک وہ کمال جو معتبر ہے وہ ان تمام درجات سے ماورا ہے۔ اصحاب کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کے زمانے کے بعد اس کمال کا ظہور نہیں ہوا۔ فوقِ کمال جذبہ و سلوک ہے۔ انشاء اللہ آنے والے دور میں اس کمال کا ظہور حضرت مہدی کی ذات میں ہو گا۔

کلمہ ۵ حقیقت قرآن اور حقیقت کعبۂ ربانی، حقیقت محمدیہ سے بالاتر ہیں (اس کے مظہر پر صلوٰۃ و سلام ہو) لہذا حقیقت قرآن، حقیقت محمدیہ کی امام ہوئی اور حقیقت کعبہ ربانی، حقیقت محمدیہ کی مسجود ہوئی۔ اسی طرح حقیقت کعبہ ربانی، حقیقت قرآن سے برتر ہے۔ اس مقام پر تمام تر بے صفتی اور بے رنگی ہے۔ شئون اور اعتبارات کی اس مقام میں گنجائش نہیں ہے۔ اس بارگاہ میں تنزیہہ و تقدیس کی مجال نہیں ہے۔

آنجا ہمہ آنست کہ برتر زبیان ست

اس مقام پر جو کچھ ہے، اس کا بیان کرنا محال ہے۔

یہ ایسی معرفت ہے کہ اہل اللہ میں سے کسی نے اس کے بارے میں لب کشائی نہیں کی اور اس معرفت کے حوالے سے، انھوں نے رمز و اشارے کے پیرایے میں بھی کوئی گفتگو نہیں کی۔ اس فقیر کو اس معرفت عظمیٰ سے مشرف فرمایا گیا اور ہم جنسوں میں ممتاز کیا گیا ہے۔

کلمہ ۶ آدمی جب تک علم و دانش میں گرفتار اور ماسویٰ کے نقوش سے منقش ہے، خوار و بے اعتبار ہے۔ ماسویٰ کو فراموش کر دینا طریق کی شرط ہے اور فنائے کلی اگلا قدم ہے۔ جب تک باطن کے آئینے سے ممکن کا زنگار دور نہیں ہوتا، واجب کا ظہور محال ہے کیونکہ تمام ممکنات کے علوم وجوبی معارف کے سامنے ایسے ہیں جیسے اضداد کا مجموعہ ہوتا ہے۔

کلمہ ۷ اولیا اللہ کے قبۂ ان کی بشری صفات ہیں۔ سارے انسان جن جن چیزوں کے محتاج ہیں، یہ حضرات بھی ان کے محتاج ہیں۔ ان کی ولایت کو احتیاج سے چھٹکارا نہیں اور ان کا غصہ بھی تمام وگوں کی طرح کا غصہ ہوتا ہے۔ جب کہ سید الانبیا علیہ و علیہم الصلوٰۃ و التسلیمات فرماتے ہیں، اغضب کما یغضب البشر ☆ [598] تو اولیا کی کیا حیثیت ہے۔ اسی طرح یہ حضرات کھانے پینے میں، اہل و عیال کے ساتھ زندگی

☆ میں اسی طرح غصہ کرتا ہوں جس طرح انسان غصہ کرتا ہے۔

گزارنے اور ان کے ساتھ انس و محبت میں، دوسرے تمام انسانوں کے ساتھ شریک ہیں۔ جسمانی ضروریات جو لازمۂ بشریت ہیں، عوام اور خواص سے زایل نہیں ہوتی ہیں۔ حق تعالیٰ انبیا علیہم الصلوٰت والتسلیمات کی شان میں فرماتا ہے۔ **و ما جعلنٰھم جسدا لا یاکلون الطعام**[599] (اور ہم نے ان رسولوں کو ایسے جثے نہیں بنائے تھے جو کھانا نہ کھاتے ہوں) اور ظاہر بیں کفار کا اعتراض تھا، **مال ھذا الرسول یاکل الطعام و یمشی فی الاسواق**[600] یعنی اور یہ (کافر) لوگ (رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی نسبت) یوں کہتے ہیں کہ اس رسول کو کیا ہوا کہ وہ ہماری طرح کھانا کھاتا ہے اور بازاروں میں چلتا پھرتا ہے۔ پس جس کسی نے اہل اللہ کے ظاہر پر ہی نظر رکھی وہ محروم رہا اور دنیا و آخرت کا نقصان اس کا مقدر بن گیا۔ اسی ظاہر بینی کے باعث ابوجہل اور ابولہب دولت اسلام سے محروم کر دیے گئے اور ابدی خسران میں ڈال دیے گئے۔ (اس اعتبار سے) سعادت مند وہ ہے، جس کی نظر اہل اللہ کے ظاہر تک محدود نہ رہی۔ اس کی وحدت نظر ان بزرگوں کی صفات باطنہ میں نفوذ کر گئی اور ان کے باطن پر مرکوز رہی۔ **فھم کنیل مصر بلاء للمحجوبین وماء للمحبوبین** (پس وہ مصر کے دریائے نیل کی طرح ہیں جو محجوبوں کے لیے آزمائش ہے اور محبوبوں کے لیے آب حیات ہے)۔

کلمہ ۸ جو کچھ عقل و مشاہدے میں آتا ہے وہ مقید ہے اور اطلاق کی خالصیت سے نچلے درجے میں ہے اور مطلوب وہ ہے جو تمام قیود سے منزہ اور مبرا ہو۔ پس اس حقیقت کی جو دید و دانش سے ماورا ہے جستجو کرنی چاہیے اور یہ معاملہ عقل کے طور نظر سے باہر ہے کیونکہ عقل ہر اس حقیقت کو جو علم و مشاہدے سے ماورا ہو، محال تصور کرتی ہے۔

راز درونِ پردہ ز رندانِ مست پرس　　　کیں حال نیست صوفیِ عالی مقام را

(ترجمہ) درون پردہ راز معلوم کرنا ہے تو مست رندوں سے پوچھو، صوفی کیا بتا سکے گا اس کا یہ حال ہی نہیں ہے۔

کلمہ ۹ بعض مشائخ قدس اللہ اسرارہم نے فرمایا ہے، جس نے اللہ کی معرفت حاصل کر لی اسے کوئی گناہ نقصان نہیں پہنچا سکتا۔ وہ گناہ بھی جو معرفت سے پہلے اس سے سرزد ہوا کیونکہ اسلام لانا جو کچھ اسلام سے پہلے تھا اسے ختم کر دیتا ہے اور اسلام کی حقیقت صوفیہ کے طریقے پر فنا اور بقا کے بعد حق تعالیٰ کی معرفت ہی ہے۔ پس اس معرفت کا حصول ان تمام گناہوں کو ختم کر دیتا ہے جو اس سے پہلے سرزد ہوئے تھے۔

کلمہ ۱۰ یادداشت سے مراد ذات تعالیٰ و تقدس کا دوامی حضور ہے۔ یہ حقیقت قلب کی جامعیت کے واسطے سے کبھی کبھی اہل دل کے تخیل میں آتی ہے کیونکہ جو کچھ کلیت انسان میں ہے وہی کچھ تنہا قلب میں ثابت ہے، فرق صرف اجمال و تفصیل کا ہے، چنانچہ مرتبہ قلب میں بھی ذات تعالیٰ و تقدس کا دوامی حضور میسر ہے لیکن یہ خوبی یادداشت کی صورت ہے۔ یادداشت کی حقیقت نہیں ہے۔

کلمہ ۱۱   شیخ کی نظر میں قبول ہونا سعادت اور رد ہونا بد بختی ہے ۔ اللہ تعالی اس سے پناہ میں رکھے ۔ حق سبحانہ کی رضا شیخ کی رضا میں پوشیدہ ہے ۔ جب تک مرید ، اپنے آپ کو مرضیات شیخ میں گم نہ کر دے ، اسے حق سبحانہ کی رضا حاصل نہیں ہو سکتی ۔ شیخ کو تکلیف پہنچانے سے مرید آفت میں مبتلا ہو جاتا ہے ۔ ہر قسم کی ذلت کا تدارک ممکن ہے لیکن شیخ کے آزار کا کوئی تدارک نہیں ہو سکتا ۔ مرید کے لیے آزارِ پیر شقاوت کی اصل ہے ۔ اللہ تعالی اس سے پناہ میں رکھے ۔ عقاید میں خلل اور احکام شرعیہ میں فتور اس کے نتایج و ثمرات ہیں ۔ شیخ کو آزار پہنچانے کے باوصف کسی شخص میں احوال و مواجید کا اثر ، جو ایک باطنی معاملہ ہے ، اگر باقی رہتا ہے تو اسے استدراج☆ خیال کرنا چاہیے جو بالاخر اسے تباہی کی طرف لیجائے گا اور سوائے نقصان کے کوئی نتیجہ بر آمد نہ ہو گا ۔ **والسلام علی من اتبع الھدی** (اور ایسے شخص کے لیے سلامتی ہے جو (سیدھی) راہ پر چلے) ۔

آپ کے عظیم خلفا میں سے ایک جناب میاں شیخ الہ داد ہیں جو فنا و نیستی کی صفت سے موصوف اور بے خودی اور استغراق کی کیفیت سے معروف ہیں ۔ یہ حضرت خواجہ کے بہت ہی سابق اور قدیم مریدین میں سے تھے ۔ اہل خانقاہ اور مسافروں کی خدمت ان سے متعلق تھی ۔ یہی نہیں بلکہ حضرت خواجہ کے دنیاوی امور کے وکیل مطلق بھی تھے ۔ ان ہی کی تگ و دو سے دنیاوی معاملات کی تکمیل ہوتی تھی ۔ ان تمام کاموں میں مصروفیت کے باوجود شیخ الہ داد باطنی نسبت اور معنوی شغل سے غافل نہ ہوتے ۔ شیخ کے پسندیدہ اوصاف و اخلاق ظاہر و باہر ہیں اور کسی منصف مزاج سے پوشیدہ نہیں ہیں ۔ ان کی زبان سے کسی شخص کی غیبت یا لایعنی بات کبھی نہ سنی گئی ۔ وہ اس قسم کی تمام مذموم باتوں سے پاک اور اچھے اخلاق سے آراستہ تھے ۔

حضرت خواجہ کو بھی ان سے بہت زیادہ التفات تھا جیسا کہ ان خطوط سے جو آپ نے وقتاً فوقتاً تحریر فرمائے معلوم ہوتا ہے ۔ ان ہی میں سے یہ مکتوب ہے جو حضرت خواجہ نے ان دنوں تحریر فرمایا تھا جب آپ سیر ولایت کی جانب متوجہ تھے ۔

> برادر ارشد میاں شیخ الہ داد اپنے معتقد اور دعاگو کی توجہ اور فاتحہ سے امداد فرماتے رہیں ۔ طور طریق کی اس پراگندگی اور بے استقامتی کے ہوتے ہوئے یہ بات ہم کو زیب نہیں دیتی کہ ہم مسایل تصوف پر گفتگو کریں اور طریق انجذاب کے دقایق اور منتہائے کشف کے حقایق تحریر کریں ۔

☆ کشف کونی یعنی کشف صوری کی وہ انواع جن سے مغیبات دنیوی پر اطلاع یابی ہوتی ہے ۔ خلاف شرع لوگوں کے لیے استدراج بن جاتی ہے ۔ مجاہدات و ریاضات کے سبب سے جوگیوں اور راہبوں وغیرہ کو اس نوع کا کشف ہونے لگتا ہے ۔ اہل سلوک ایسی باتوں کی طرف التفات نہیں کرتے ۔ (سر دلبراں ص ۲۸۷) استدراج کے بارے میں مذکورہ تشریح ضروری تھی ورنہ سیدھے سادے لفظوں میں استدراج کا مطلب ہے ، خرق عادت جو فاسق یا کافر سے ظاہر ہو ۔

از خود بطلب ہر آنچہ خواہی ہستی*

البتہ ایک وصیت تم کو کرتا ہوں۔ تمھیں چاہیے کہ اس سے کبھی غفلت نہ کرو اور وہ یہ ہے کہ ہماری طرح دشت پیمائی اور ہرزہ گردی نہ کرو۔ خود کو اپنی نسبت سے پیوستہ کرلو اور اس تعلق کو عزیز رکھو کہ یہ کبریت الاحمر سے بھی زیادہ عزیز ہے۔

حاصل کلام یہ ہے کہ حضرت خواجہ علیہ الرحمتہ والرضوان کی خدمت میں بہت سے عالم، فاضل اور صالح حضرات رہتے تھے۔ آپ کے طریقہ خاص کو علما، فضلا اور مشایخ نے اختیار کیا اور آپ کے حلقہ ارادت میں داخل ہوئے اور آثار برکات کا مشاہدہ کیا۔ اگر میں ہر بزرگ کا حال علاحدہ علاحدہ تحریر کروں تو اس رسالے میں اس کی قطعی گنجایش نہیں ہے۔ اس رسالے کے اتمام پر اللہ تعالی کا شکر ادا کرتا ہوں۔ والصلوۃ علی خیر الانام و علی آلہ و اصحابہ العظام۔

بندہ گنہ گار شرمسار محمد صادق عفی اللہ سبحانہ عنہ، عرض کرتا ہے کہ جمعہ ۲۲ رجب المرجب ۱۰۲۳ھ کو اس رسالے کی تحریر سے، جس میں دہلی کے بعض مشایخ اور سلاطین کا ذکر ہے، فارغ ہوا۔ چونکہ اس سلسلہ کی تحریر کا اصل مقصد خواجہ کے مجمل حالات بیان کرنا تھا، اس رسالے کے آخر میں ایک مربع جو اس انفسی و آفاقی تصرف کی حامل ذاتِ بابرکات کی رحلت کے قریب ایام میں، کہ طبیعت پر سوز و گداز کا اثر تھا، کاتب حروف نے آپ کی منقبت میں لکھا، یہاں اس کا درج کرنا مناسب معلوم ہوتا ہے۔

خواجۂ زندہ دلان خواجہ محمد باقی — واقفِ سرِ نہان خواجہ محمد باقی
پادشاہ دو جہان خواجہ محمد باقی — سببِ امن و امان خواجہ محمد باقی

مہرومہ مقتبس از پرتو انوار ویست
نہ فلک دایرہ نقطہ پرکار ویست

از فلک می گزرد کوکبۂ شاہی او — رفتہ جائی کہ ملک ماندہ ز ہمراہی او
جای آنست کہ از مرتبۂ جاہی او — شیر گردوں کند اقرار بروباہی او

از جمالِ رخ او شد ہمہ دہلی پرنور
شعلۂ ز آتش وی بود تجلی برطور

وای آن دل کہ درو فکر و خیالش نبود — آرزومند و گرفتار جمالش نبود
روز و شب درغم و اندوہ و ملالش نبود — دمبدم طالب و خواہان وصالش نبود

خستہ بادا جگری کان ہدف تیرش نیست
بستۂ سلسلۂ حلقۂ زنجیرش نیست

---

* جو چاہتا ہے اپنے آپ سے طلب کر، تو ایسا ہی ہے۔

من کہ بی حاصلم و رندم و رسوا و دغل　　نیست نقدی بکفِ دست من از علم و عمل
بندۂ حلقہ بگوش ویم از روز ازل　　غیر او ہر کہ بود کردم از و قطعِ امل

یا رب از بادۂ مستانہ وی مستم کن
در بغل جام و صراحی بکفِ دستم کن

بکن از جرعۂ خمخانۂ وی مست مرا　　عقل و ہوش و خردمن ببراز دست مرا
ساز در حلقۂ آن سلسلہ پا بست مرا　　برسرِ راہِ خرابات بکن پست مرا

ای خوش آں کس کہ پی تربیتش روح توشد
مرہم آلودہ بہ آن دل کو نہ مجروح توشد

چشم لطفی ز تودارم طمع ای مایہ ناز　　سوی من بنگر و یک لحظہ بحالم پرداز
میتوانی کہ نجاتم دہی از سوز و گداز　　رحم کن رحم خلاصم دہ و آزادم ساز

یک نگاہی دگر امروز بکارم فرمای
بادۂ لطف خودم بخش و خمارم بربای

ای شہنشاہ جہان از تو مدد می خواہم　　راہ بنمای کہ آوارہ ام و گمراہم
باکہ گویم غمِ خود بندۂ ایں درگاہم　　از کہ جویم مددی چاکر شاہنشاہم

نیست غیر از تو مرا ہیچ کسی پشت و پناہ
دست من گیر و بردن آر ازین ظلمت چاہ

ای چمن برگ گلستانِ جمالت خورشید　　مطرب بزم گہ عیش وصالت ناہید
زایر کعبۂ درگاہ جلالت امید　　صد چومن حلقہ بگوشانِ کمالت جاوید

تابکی دربدر و مایل ہرسو باشم
چند آوارہ و سرگشتۂ ہرکو باشم

وقت آنست کہ آشفتہ و دیوانہ شوم　　لای می در کشم و ساکن میخانہ شوم
کنج بگزینم و چوں جغد بویرانہ شوم　　رو بصحرا کنم و از ہمہ بیگانہ شوم

وہ کہ از دست من خستہ نمی آید ہیچ
از عدم نامدمی ای کاش درین مہچا ہیچ

خواجہ محمد باقی زندہ دلوں کے سردار ہیں ۔ وہ راز حقیقت سے آشنا ہیں ، دونوں جہان کے بادشاہ اور امن و راحت کا منبع ہیں ۔ چاند اور سورج نے ان کے انوار کے پرتو سے روشنی حاصل کی ہے ۔ نو آسمان ان کے نقطہ پرکار کا دائرہ ہیں ۔

ان کا شاہانہ جلوس آسمان سے گزرتا ہے ۔ وہ اس مقام تک پہنچے ہیں کہ فرشتہ ان کی ہمراہی سے عاجز ہے ۔ وہ ایسا مقام ہے کہ ان کے مرتبہ شان کے آگے شیر گردوں اپنی روباہی کا اقرار کرتا ہے ۔ ان کے چہرے کے جمال سے دلی پرنور ہو گئی ۔ طور کی تجلی ان کی آتش کا ایک شعلہ تھی ۔

اس دل پر افسوس ہے جس میں ان کی یاد نہ ہو ۔ جو ان کے جمال کی آرزو میں گرفتار نہ ہو ۔ رات دن ان کے عشق کے غم میں تڑپتا نہ ہو اور دمبدم ان کے وصال کا خواہشمند نہ ہو ۔ وہ جگر جو ان کے تیر کا ہدف نہ ہو اور ان کے حلقہ زنجیر میں جکڑا نہ ہو خستہ ہو جائے ۔

میں جو کہ ایک فضول قسم کا رند اور تباہ حال و رسوا شخص ہوں ، میری گرہ میں علم و عمل کی کوئی پونجی نہیں ہے ۔ ازل سے ان کا حلقہ بگوش غلام ہوں اور ان کے غیر سے امید قطع کر لی ہے ۔ الٰہی! ان کی شراب مستانہ سے مجھے مست کر دے ۔ میرے دل میں ان کے عشق کا جام انڈیل دے اور میرے ہاتھ میں ان کی محبت کی صراحی دے دے ۔

ان کے شراب خانے کی گھونٹ سے مجھے مست کر دے ۔ مجھ سے عقل و خرد و ہوش چھین لے ۔ میرے پاؤں ان کے سلسلے کے حلقہ میں جکڑ دے ۔ میخانے کے راستے میں مجھے ذلیل و رسوا کر دے ۔ وہ شخص کتنا خوش نصیب ہے جس کی تربیت آپ کی روح نے کی ۔ وہ دل جو تیرا مجروح نہیں ہے ، مرہم آلودہ رہنے کا سزاوار ہے ۔

اے مایہ ناز میں تیری چشم لطف کی طمع رکھتا ہوں ۔ ایک لحظہ میری جانب نگاہ کر اور میرا حال بہتر کر دے ۔ تو مجھے سوز و گداز سے نجات دے سکتا ہے ۔ مجھ پر رحم کر اور قید سے چھڑا کر آزاد کر دے ۔ آج مجھے میرے مقصود تک پہنچا دے ۔ اپنی شراب لطف مجھے عطا کر اور میرا خمار مٹا دے ۔

اے شہنشاہ جہاں میں تجھ سے مدد کا طالب ہوں ۔ میں آوارہ اور گمراہ ہوں ۔ مجھے راہ دکھا ۔ میں اس درگاہ کا غلام ہوں کس سے اپنا غم بیان کروں ۔ میں شہنشاہ کا غلام ہوں کس سے مدد مانگوں ۔ تیرے سوا کوئی اور میرا سہارا نہیں ہے ۔ میرا ہاتھ پکڑ کر ظلمت کے کنویں سے نکال لے ۔

اے چمن ! خورشید تیرے گلستان جمال کا ایک پتہ ہے ۔ ناہید تیرے عیشِ وصال کی بزم کی مطرب ہے ۔ امید تیرے جلال کے کعبہ درگاہ کی زایر ہے ۔ مجھ جیسے ہزاروں تیرے لازوال کمال کے حلقہ بگوش ہیں ۔ میں کب تک دربدر پھرتا رہوں ۔ کب تک ہر کوچے میں آوارہ اور سرگشتہ رہوں ۔

یہ وقت ہے کہ میں تیرا آشفتہ اور دیوانہ ہو جاؤں ۔ تلچھٹ پی کر میخانے میں ڈیرہ ڈال دوں ۔ چغد کی مانند ویرانے کے گوشے میں رہنے لگوں ۔ صحرا کی جانب نکل جاؤں اور ہر ایک سے بیگانہ ہو جاؤں ۔ ہائے افسوس میرے زخمی ہاتھوں سے کچھ بن نہیں پاتا ۔ اے کاش اس حقیر حالت میں ، میں عدم سے وجود میں نہ آتا ۔

بخط فقیر عبداللہ کاتب ، بتاریخ ۱۹ رمضان المبارک ۱۱۲۳ھ

ضمیمہ

میر نظام الدین احمد
المشتہر بہ غازی خاں بدخشی قدس سرہٗ

آپ اپنے زمانے کے بہت بڑے عالموں اور دانشمندوں میں تھے۔ ظاہری اور باطنی علوم کے حامل تھے۔ سیر و سیاحت کے دوران آپ مختلف ملکوں اور شہروں میں بہت سے اللہ والوں عالموں اور زاہدوں کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ نقشبندی اکابر میں سے، حضرت خواجہ خاوند محمود، خواجہ عبدالحق، خواجہ عبدالشہید، خواجہ کاشانی قدس اللہ اسرارہم اور ان کے اکثر خلفا سے آپ نے ملاقات کی۔ سلسلہ کبرویہ کے مشائخ میں سے آپ شیخ حسن خوارزمی، مخدومی جامی، شیخ عبداللطیف جامی اور شیخ خلیل اللہ علیہم الرحمۃ کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ سلسلۂ جہریہ کے حضرت مولانا ولی کوہ زرین سے ملاقات کی سعادت آپ کو حاصل ہوئی۔ سلسلۂ چشتیہ کے شیخ جلال الدین تھانیسری، شیخ نظام نارنولی اور شیخ الہدیہ خیر آبادی وغیرہ قدس اللہ اسرارہم حضرات کے ہاں بھی آپ نے حاضری دی۔

وہ علما جو ظاہری اور باطنی علوم کے جامع تھے اور جن سے آپ نے استفادہ کیا، ان میں میر خلیل میدانی، مولانا محمد امین زاہد اور مولانا محمد صلاح قابل ذکر ہیں۔ مولانا احمد جندی، مولانا سعید ترکستانی اور مولانا مصطفےٰ رومی جیسے جید علما سے آپ کو نسبت شاگردی حاصل ہوئی۔ اس کا ذکر آئندہ کیا جائے گا۔ مولانا حسین ترکستانی، حافظ تاشکندی اور مولانا کیبک سے اگرچہ آپ نے استفادہ نہیں کیا تاہم آپ نے ان سے ملاقات کا شرف ضرور حاصل کیا۔ بہرحال جس زمانے میں آپ تحصیل علم اور اہل اللہ کی طلب کے سلسلے میں سفر کر رہے تھے، ماورالنہر میں بہت سے مشائخ اور علما موجود تھے جن سے آپ کی ملاقات ہوئی۔ اس کی تفصیل باعث طوالت ہوگی۔

آپ کو اپنے اساتذہ اور مشائخ سے اس قدر اخلاص و اعتقاد تھا کہ نہ بیان کیا جا سکتا ہے نہ احاطہ تحریر میں آسکتا ہے۔ آپ نے دایرہ ارشاد کے مرکز اور ارباب صدق و صفا کے قبلہ حضرت شیخ حسین خوارزمی المعروف بہ شیخ محمد زاہد قدس سرہ سے بیعت کی۔ ان کی وفات کے بعد فلک ہدایت کے قطب اور آسمان ہدایت کے آفتاب حامل عرفان حضرت شیخ خلیل اللہ سے آپ کو اخلاص پیدا ہوا۔ چنانچہ ان سے رجوع کامل رکھا اور اسی اعتقاد و اخلاص کے ساتھ زندگی بسر کی۔

آپ کا جمال ذات جس طرح دینی بزرگی اور اکتسابی کمالات کے زیور سے آراستہ تھا اسی طرح عالی نسبی اور آبا و اجداد کی عظمت کے شرف سے پیراستہ تھا۔ آپ کا سلسلہ نسب خیرالتابعین حضرت خواجہ حسن

بصری رضی اللہ عنہ تک جو سلاسل طریقت کے مرجع ہیں پہنچتا ہے اور حضرت امام زاہد رحمۃ اللہ جو علمائے دین میں اپنی علمی شان اور رتبے کی بنا پر مشہور ہیں آپ کی والدہ کے اجداد میں سے تھے۔ آپ کے جدی بزرگوں میں بعض حضرات سلاطین تیموریہ کے مصاحب اور ہم نشین تھے، ان میں سے بعض امرائے سلطنت کے عہدوں پر بھی فائز رہے۔

آپ کی ولادت باسعادت علاقۂ جرم میں، جو بدخشان کے مضافات میں ہے، ہوئی۔ یہ علاقہ اپنے قدرتی حسن، پاکیزگی، خوش گوار آب و ہوا اور باغات کی پاکیزگی کے سبب مشہور ہے۔ آپ نے تعلیم کی ابتدا اپنے وطن ہی میں کی۔ یہیں ابتدائی صرف و نحو اور منطق کے اسباق مکمل کیے۔ جب رشد و تمیز کی عمر کو پہنچے تو طالقان میں جو صوبہ بدخشاں کا سب سے بڑا شہر ہے منتقل ہوگئے۔ وہاں کے علما مثل مولانا مرند دری جو مولانا محمود سرخ کے شاگرد ارشد تھے اور جناب سید جمیل بلخی سے بعض علوم کا اکتساب کیا۔ اس کے بعد سمرقند چلے آئے جہاں آپ نے مولانا وحید الدین احمد جندی، مولانا فرید الدین سعید ترکستانی اور مولانا مصطفےٰ رومی رحمۃ اللہ علیہم سے مروجہ معقولات و منقولات کی تکمیل کی اور اعلیٰ مرتبے پر فائز ہو کر علاقے کے سرآمد لوگوں میں شمار ہونے لگے اور اطراف و جوانب میں آپ کی شہرت پھیل گئی۔ تحصیل علوم میں آپ نے زیادہ تر استفادہ مولانا سعید ترکستانی قدس سرہ سے کیا تھا۔

اسی اثنا میں وطن سے کچھ ایسی خبریں آئیں کہ آپ کو وطن واپس آنا پڑا۔ اس شہر کے چھوٹے بڑوں نے آپ کی تشریف آوری کو اپنی خوش بختی خیال کیا اور نہایت ادب اور تواضع سے پیش آئے۔ مملکت کے سلاطین اور نامور امیروں نے آپ کی تعظیم کی لیکن آپ کی عالی ہمتی اور کمال استعداد نے ان امور کو التفات کے قابل نہ سمجھا اور علم و آگہی کی طلب مزید نے پھر ماوراء النہر جانے کا شوق پیدا کیا۔ چونکہ ان دنوں بدخشاں اور ماوراء النہر کے درمیان آمد و رفت کے راستے بند ہوگئے تھے، مجبوراً آپ نے کاشغر کے راستے وہاں جانے کا عزم کیا۔ کاشغر کے پایہ تخت میں وہاں کے عالموں اور معزز لوگوں سے ملاقاتیں ہوئیں۔ بعض مسائل پر مباحثے ہوئے جن میں اکثر آپ ہی غالب رہے۔ وہاں کے علما اور معززین نے آپ سے وہیں رہنے کے لیے اصرار کیا لیکن طلب علم کی شدید تشنگی کی وجہ سے آپ وہاں قیام کرنے پر راضی نہ ہوئے اور ان لوگوں سے رخصت ہو کر ماوراء النہر روانہ ہوگئے۔ جس روز آپ سمرقند پہنچے اسی دن سے آپ کے درس کی مجلسوں کا انعقاد ہوا۔ سمرقند میں آپ کامل استغنا کے ساتھ رہے، باوجود اس کے کہ سلاطین و امرا آپ کی صحبت کے طالب تھے لیکن آپ نے قطعی طور پر ارباب دولت سے میل جول پیدا نہ کیا۔ چنانچہ بعض موقعوں پر یہ بھی ہوا کہ آپ کے پاس یومیہ گزارے کے لیے پیسے نہ ہوتے لیکن آپ نے فقر و فاقے پر صبر کیا۔

حاجی غیاث الدین محمد، جو اپنے زمانے کے ممتاز صاحب علم و دانش تھے، آپ کے شاگردوں میں تھے۔ انھوں نے آپ کے حالات و مناقب میں ایک رسالہ تحریر کیا ہے۔ اس رسالے میں ہے کہ آپ نے

فرمایا کہ ایک رمضان ہم نے یہ طے کیا کہ کسی کے ہاں نہیں جائیں گے ۔ چنانچہ یکم رمضان کو روزہ ختم ہونے پر ہم نے افطار کیا ، اس کے بعد حجرے میں چراغ جلا کر دروازہ بند کر کے بیٹھ گئے ۔ اس دوران میرے ایک دوست کے حجرے سے ، جو میرے حجرے سے ملحق تھا کسی چیز کی آواز میرے کان میں آئی ۔ میرے دل میں خیال آیا کہ چراغ روشن کرنے کے بہانے سے میں اس کے حجرے میں جاؤں اور اس کے ساتھ کھانے میں شریک ہو جاؤں ۔ چنانچہ میں نے اپنا چراغ گل کر دیا اور دروازہ کھولنے کے لیے آگے بڑھا ۔ معاً مجھے خیال آیا کہ تو نے تو طے کیا تھا کہ بغیر بلائے کسی کے ہاں نہیں جائے گا ۔ میں دروازے سے واپس لوٹ آیا اور چقماق سے اپنے چراغ کو جلایا ۔ پھر دوسری جانب سے وہی آواز آئی ، مجھے بھوک کی شدت کے احساس نے بے تاب کر دیا ۔ میں نے اپنے جی کو سمجھایا کہ یہ سب نفس کے وسوسے ہیں اور صبر کا دامن پکڑ کر اپنے حجرے میں جم کر بیٹھ گیا ۔ ابھی ایک گھڑی بھی نہ گزری تھی کہ کسی آدمی نے ندا دی ، جو شخص مجھ پر یہ دروازہ کھولے گا ، اللہ تعالیٰ اس پر بہت سے دروازے کھولے گا ۔ میں نے دروازہ کھول دیا تو دیکھا کہ قطب العارفین مولانا عبدالرحمن جامی قدس سرہ کے خادموں میں سے ایک عزیز جنھیں مولانا جامی نے اپنے فرزند خواجہ ضیاء الدین یوسف کی تربیت سپرد کی تھی کھڑے ہوئے ہیں ۔ انھوں نے ایک برتن جو آش سے بھرا ہوا تھا ، نہایت تکلف سے میرے آگے رکھا ۔ میں نے بقدر ضرورت تناول کیا ۔ اس کے بعد ان عزیز نے فرمایا ، اگر تم نے اپنے لیے جو کچھ طے کیا ہے اس پر جمے رہو گے تو ہر شب اسی طرح کھانا تمھیں پہنچتا رہے گا ۔ اپنے کہنے کے مطابق وہ بزرگوار ہر شب لذیذ کھانے لاتے رہے اور کسی کو کانوں کان خبر نہ ہوئی ۔

اسی رسالے میں مذکور ہے کہ جب آپ بلخ آئے تو مولانا کمال الدین ابوالخیر کے درس میں ، جو اپنے عہد کے نامور عالموں میں سے تھے ، تشریف لے گئے ۔ حضرت مولانا آپ کی اعلیٰ درجے کی استعداد اور مزاج کی پاکیزگی سے واقف ہو گئے اور انتہائی توجہ سے بلخ میں آپ کی نگہداشت کی ۔ محض آپ کی خاطر سے درس کی مجالس منعقد کیں ۔ آپ نے حضرت مولانا کی خدمت میں فقہ کی کتاب ہدایہ اور حاشیہ مطالع شروع کیا ۔ اہل بلخ کی ایک اچھی خاصی جماعت درس میں حاضر رہتی تھی ۔ جب آپ مولانا کی خدمت میں حاضر ہوتے اور مولانا کی نظر آپ پر پڑتی تو باوجود اس کے کہ مولانا کا ایک پاؤں بیکار ہو گیا تھا اور بیٹھتے تو سخت تکلیف کے ساتھ ایک پاؤں دراز کر کے بیٹھتے لیکن آپ کو دیکھ کر تعظیماً کھڑے ہو جاتے ۔ اہل شہر اور شرفا کو اس بات سے سخت حسد پیدا ہوا اور انھوں نے مولانا سے عرض کیا کہ یہ کیا بات ہے کہ مخدوموں میں سے کسی ایک کی بھی آپ تعظیم نہیں کرتے لیکن جب فلاں شخص دور سے نظر آتا ہے تو آپ اس کی تعظیم کرتے ہیں ۔ مولانا نے جواب دیا کہ میری نظر جب ان پر پڑتی ہے تو میں بے اختیار کھڑا ہو جاتا ہوں لیکن جب دوسرے لوگ آتے ہیں تو میرا جی چاہتا ہے کہ دوسرا پاؤں بھی پھیلا دوں ۔

اسی رسالے میں یہ بھی لکھا ہے کہ جب بلخ سے سمرقند تشریف لائے تو کچھ عرصے درس و تدریس میں

مشغول رہے ۔ اسی مصروفیت کے عین زمانہ عروج میں ، اچانک آپ کے دل میں اہل حال حضرات کی صحبت اختیار کرنے کا شوق پیدا ہوا ۔ چنانچہ تدریس کو خیرباد کہہ کر آپ عارف حقیقت ، صاحب ہدایت قبلہ اہل ارشاد حضرت مخدومی خوارزمی قدس سرہ کی خانقاہ میں حاضر ہوئے اور ان سے بیعت کر کے صوفیہ کے حلقے میں داخل ہو گئے اور سرگروہ جماعت ہوئے ۔ ہرچند آپ کے ساتھیوں اور اساتذہ نے آپ سے سابقہ طریق اختیار کرنے کے لیے اصرار کیا ، لیکن وہ اپنی کوششوں میں کامیاب نہ ہو سکے ۔ جب حضرت مخدومی بخارا تشریف لائے تو یہاں بعض عزیزوں کے ذریعے آپ کے حالات سے واقف ہوئے تو آپ دوبارہ درس و تدریس میں مصروف ہوئے ۔ بخارا اور بلخ میں آپ کی بے حد شہرت ہوئی ۔ عبدالعزیز خاں جو حاکم وقت تھا ، آپ سے ملاقات کا طالب ہوا اور اشارۃً دربار کے علما پر اپنا عندیہ ظاہر کیا ۔ چنانچہ تقریب ملاقات کی ایک صورت پیدا کی گئی ۔ اس مجلس عالی میں آپ کی گرمی طبع ، باریک بینی اور باطنی کیفیت و استحضار کی حقیقت اہل مجلس پر منکشف ہوئی اور سب آپ کے معتقد ہو گئے اور خان کو بھی حد درجہ اخلاص پیدا ہو گیا ۔

کچھ عرصے بخارا میں مصروف افادہ رہے پھر سمرقند واپس آ گئے ۔ وہاں مولانا علاء الدین لاری کی خدمت میں رہ کر ، جو شیراز کے مشاہیر علما میں شمار ہوتے تھے ، اپنے وطن بدخشاں تشریف لے آئے ۔ اس وقت بدخشاں پر میرزا سلیمان شاہ اور اس کا فرزند ابراہیم شاہ حکومت کر رہے تھے ۔ میرزا ابراہیم میں غایت درجے کی فہم تھی اور اس کے مزاج میں لطافت بھی تھی ۔ اسے ارباب علم اور اہل فضل کی مجلسوں میں بیٹھنے کا شوق تھا ۔ وہ آپ کی صلاحیتوں سے واقف ہوا تو اس نے خواہش کی کہ آپ اس کے پاس رہیں لیکن بعض مناسبتوں کے سبب اپ نے میرزا سلیمان سے تعلق رکھا ۔ کچھ عرصے اس کے پاس رہ کر مولانا علاء الدین کی رفاقت میں ، بلاد مغرب کے علما سے ملنے کے لیے نکلے ۔ جب دونوں کابل پہنچے تو آپ کے کابل آنے کی خبر حضرت جنت آستانی (شہنشاہ نصیر الدین ہمایوں) کو ملی ۔ اس نے ملاقات کا شرف حاصل کرنے کے لیے ، اپنے بعض معتمد سرداروں کو ، آپ کی خدمت میں بھیجا ۔ جب آپ کی ملاقات جنت آستانی سے ہوئی تو اس نے ہر نوع کے سوال آپ سے کیے ۔ آپ نے جو جواب دیے ان سے بادشاہ بے حد متاثر ہوا ۔ اسی ملاقات میں اس نے ایک گھوڑا اور خلعت خاص مع ایک ہزار سکہ تیموری انعام دیے اور دن بدن اعزاز و اکرام میں اضافہ کرتا رہا ۔ پھر حسب الحکم جنت آستانی آپ میرزا سلیمان شاہ کے پاس واپس آ گئے اور اعلم خان کے خطاب سے نوازے گئے ۔ اس کے بعد بعض موقعوں پر میرزا سلیمان شاہ سے حرمین شریفین کی اجازت حاصل کر کے عازم ہند ہوئے ۔ جب کابل پہنچے تو میرزا محمد حکیم آپ کی ہندوستان روانگی کے لیے راضی نہ ہوا ۔ اس نے تین سال تک آپ کو بے حد عزت و اکرام کے ساتھ کابل میں رکھا اور آپ کے ادب و احترام میں کوئی دقیقہ فرو گزاشت نہ کیا ۔ وہ آپ سے شاگردوں کی مانند پیش آتا تھا ۔ چونکہ والی ہندوستان ، پادشاہ عالی جاہ جلال الدین اکبر بادشاہ کے مکرر احکامات ہندوستان آنے کے لیے مل چکے تھے اور حرمین شریفین کی زیارت کی تمنا بھی دل میں تھی ، اس لیے

بست اصرار کے ساتھ میرزا محمد حکیم سے اجازت حاصل کر کے ۹۸۱ ھ میں آپ وارد ہندوستان ہوئے ۔ دربار شاہی میں باریابی ہوئی ۔ بادشاہ نے بے حد الطاف و عنایات کا اظہار کیا اور خان کا لقب عطا کیا ۔ اس کے علاوہ " مہر پروانہ " جو سب سرداروں کی مہروں میں مخصوص ہوتی ہے ، آپ کو بخشی گئی ۔

کچھ عرصے کے بعد بادشاہ نے آپ کو رانا پر ، جس کا بڑا دبدبہ اور فوج تھی اور جس کے اسلاف نے کسی بادشاہ کی اطاعت قبول نہ کی تھی ، حملہ کرنے پر مامور کیا ۔ عالیشان سرداروں کی ایک جماعت لشکر کے ساتھ بھیجی گئی ۔ آپ کافرستان میں جہاد کی نیت سے نکلے اور بڑی بہادری سے لڑے یہاں تک کہ زخمی ہو گئے ۔ اس شاندار کارنامے پر آپ کو غازی خاں کا خطاب عطا ہوا ۔ جب آپ جنگ سے فارغ ہو کر بادشاہ کی خدمت میں پہنچے تو آپ کے مراتب میں روز بروز اضافہ ہوتا گیا حتیٰ کہ بادشاہ نے فرمان جاری کیا کہ مملکت کے تمام عالم ، سید ، قاضی اور وہ لوگ جو شرعی مناصب پر فائز ہیں آپ کی خدمت میں حاضر ہوں تاکہ آپ ان کے معاملات و مسائل کی تحقیق کریں اور ان کی اہمیت کے مطابق احکامات جاری کریں جن پر عمل درآمد کیا جائے ۔ چنانچہ کچھ عرصے اس نئی ذمہ داری کی تکمیل میں مصروف رہے ۔ اس زمانے میں بادشاہ کی طرف سے اجازت تھی کہ دربار میں جو طریقہ آپ کو پسند ہو اس پر عمل فرما سکتے ہیں ۔ اگر دربار میں کھڑے ہونے سے تکلیف ہو تو تشریف رکھیں ۔ چاہیں تو سہارے کے لیے تکیہ لگائیں نیز آپ کی مہر میں " غازی خاں میر فراغت " کے الفاظ کندہ کرنے کا حکم صادر ہوا ۔ باوجود اس دولت و عظمت اور جاہ و شوکت کے آپ کو دنیا سے کوئی لگاؤ نہ تھا اور یہ حقیقت کہ

کمر بخدمت سلطاں بہ بند و صوفی باش ☆

آپ پر صادق آتی تھی ۔

آپ نے اپنے شب و روز کے اوقات تقسیم کر لیے تھے ۔ ہر کام کے لیے ایک وقت مقرر تھا ۔ تہجد کے بعد رات کے پچھلے حصے میں گریہ و زاری کرتے تھے ۔ چنانچہ بعض عزیزوں سے سننے میں آیا کہ بجز آپ کے گریہ و زاری کا ورد کسی کو کرتے ہوئے نہیں دیکھا ۔ صاحب فضل ، حاجی الحرمین حاجی غیاث الدین نے بیان کیا ہے کہ اودھ میں آپ مرض میں مبتلا ہوئے ۔ میں اس مرض کے دوران رات دن آپ کی خدمت میں حاضر رہا ۔ حالت مرض میں آپ نے قطعی طور پر دنیاوی معاملات پر کوئی توجہ نہ دی ۔ مسلسل قرآن کی تلاوت اور ذکر میں مشغول رہتے تھے اور عزیزوں سے جو آپ کے ساتھ تھے ، کہہ رکھا تھا کہ اگر مجھے اس شغل سے غافل دیکھو تو یاد دلا دیا کرو ۔ شدت مرض میں یہ شعر ورد زبان رہا :

ہر کہ در راہ محمد رہ نیافت　　　عاقبت گردی ازاں درگہ نیافت

(ترجمہ) جس نے محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے طریق پر عمل نہیں کیا وہ انجام کار اس درگاہ کی خاک سے بھی

☆ بادشاہ کے دربار میں کمربستہ بھی رہو اور صوفی بھی رہو ۔

محروم رہا۔

اس کیفیت میں کچھ عزیزوں نے آپ سے سوال کیا کہ آپ کس چیز میں مشغول ہیں۔ فرمایا، مقام اثبات میں ہوں۔ اس کے بعد اللہ اللہ کے ذکر میں مشغول ہو گئے اور اسی کیفیت ذکر میں آپ کی روح پر فتوح قالب خاکی سے پرواز کر گئی۔ یہ ۹۹۲ھ کا واقعہ ہے۔ اس وقت آپ کی عمر شریف .... تھی۔

آپ کی میت کو اس مقام پر جس کے بارے میں مشہور ہے کہ وہاں حضرت شیث اور حضرت صالح علیہما السلام مدفون ہیں، سپرد خاک کیا گیا۔ بعد ازیں آپ کے فرزند رشید خواجہ حسام الدین احمد سلمہ اللہ سبحانہ جن کے حالات مختصر طور پر بیان کیے جائیں گے، آپ کی میت کو وہاں سے دہلی لے آئے اور حضرت رسالت پناہ صلی اللہ علیہ وسلم کی قدم بارگاہ کے نزدیک، ہمارے خواجہ قدس سرہ کے جوار میں دفن کیا اور مقبرہ تعمیر کرایا۔ اس عہد کے بعض فاضلوں نے "رفتہ رواج زمن" سے آپ کے سال وفات کی تاریخ لکھی اور جب آپ کی نعش دہلی لائی گئی تو اس حقیر کاتب حروف نے بعض عزیزوں کی فرمائش پر اس تاریخ کو نظم کیا، جو آپ کے مقبرے کے دروازے پر تحریر ہے۔ وہ قطعہ یوں ہے۔

رفتہ بملک بقا غازیِ خاں بحر علم — قدوۂ ارباب فضل زبدۂ اہل زمان

آں کہ بدانش وری بود فلاطون وقت — غاشیہ بردار او صد چو ارسطو بجان

آں کہ بہنگام درس نور فشاندی چو مہر — شعشعۂ رای او بر سر صد دودمان

آں کہ بوقت سخا حاتم طائی و معن — ہم دودش در رکاب ہم دودش در عنان

در صدد دید او باصرہ کوتہ نظر — در صفت ذات او ناطقہ قاصر بیان

نیست بجز مدح او ولولہ در ضمیر — نیست بجز مدح او زمزمہ برزبان

در پیِ تاریخ او پیر خرد شد بفکر — "رفتہ رواج زمن" آمدہ تاریخ آن

غازی خاں جو علم کا سمندر تھے ملک بقا کو رخصت ہوئے، آپ ارباب فضل کے پیشوا اور اہل زمانہ میں برگزیدہ تھے۔
آپ دانشوری میں اپنے وقت کے فلاطوں تھے۔ ارسطو جیسے سینکڑوں آپ کے گھوڑے کی زین اٹھانے والے تھے۔
آپ درس میں چاند کی طرح نور افشانی کرتے تھے۔ آپ کی رائے کی روشنی سینکڑوں قبیلوں پر بھاری تھی۔
آپ سخاوت میں حاتم طائی اور معن بن زائدہ تھے آپ کے بے شمار کرم رکاب اور بے شمار کرم عناں میں تھے۔
آپ کی دید کے لیے بینائی کم نظر ہے آپ کی صفات بیان کرنے میں گویائی قاصر ہے۔
باطن میں آپ کی مدح کے شوق کے سوا کچھ نہیں ہے۔ زبان پر آپ کی مدح کے سوا کوئی زمزمہ نہیں ہے۔
آپ کی تاریخ لکھنے کے لیے جب پیر خرد نے فکر کیا تو "رفتہ رواج زمن" تاریخ برآمد ہوئی۔

آپ کی تصنیفات یہ ہیں۔

۱۔ تفسیر سورۂ والضحیٰ و الم نشرح

۲۔ حاشیۂ شرح عقاید نسفی

۳۔ حاشیۂ شرح مولانا جلال الدین دوانی

۴۔ مراصد العنایت بمالیونیہ (در مراتب عقول و نفوس و حواس)

۵۔ شرح رسالۂ توحید مولانا جلال الدین

۶۔ رسالۂ بحث ایمان

۷۔ رسالۂ بحث کلام

۸۔ رسالۂ عدم مطالعہ در تصورات

۹۔ شرح رسالۂ احمد جندی (بر تمام مشترک)

۱۰۔ رسالۂ بحث الفاظ

۱۱۔ رسالۂ اجوبۂ ابحاث میر سید محمد امین کاشانی

ان کے علاوہ بھی بہت سے رسایل ہیں۔ وہ تمام خاص باتیں اور دقیق نکتے جو ان رسالوں میں آپ کی قلم بدیع سے تحریر ہوئے ہیں، متاخرین کی تصنیفات میں سے ایک کتاب میں بیان کیے گئے ہیں۔ آپ کا ایک مکتوب بھی ہے جو آپ نے اپنے فرزند ارشد خواجہ حسام الدین احمد کو، اللہ سبحانہ تعالیٰ انھیں سلامت رکھے، تحریر کیا ہے۔ اس مکتوب میں آپ نے خوب خوب داد سخنوری دی ہے۔ اس کا ایک ایک حرف ارباب فہم و فراست کے لیے توکل، قناعت اور اہل ولایت کے اوصاف پیدا کرنے کے لیے رہبر کامل ہے۔ وہ مکتوب یہاں بطور تبرک نقل کیا جاتا ہے۔

مکتوب

راحت دل فرزند خردمند خواجہ حسام الدین احمد کو علم و عمل کی توفیق کے ساتھ بابرکت زندگی نصیب ہو۔ اس کے بعد تمھیں معلوم ہو کہ ایک بہت خوش گفتار طوطی کو بظاہر تمھارے نشاط خاطر اور ذوق افزائی کے لیے اور بباطن پسندیدہ احوال کے حصول اور ان کی اصلاح کے خیال سے بھیجا جاتا ہے کہ میرے نور نظر ہو۔ تم سے توقع

ہے کہ عوام کالانعام کی طرح محض ظاہری باتوں پر قناعت نہ کرو گے۔ کیونکہ حق تعالی نے عالم کو اپنی صفت خلاقیت سے علم کے لیے پیدا فرمایا۔ اسی بنا پر اس کا نام عالم رکھا (اس حقیقت کے پیش نظر) تم پر لازم ہے کہ اس طوطی کی حالت پر اچھی طرح غور و فکر کرو اور اسے اپنے لیے معنوی زبان میں تعلیم الٰہی پر مامور استاد جانو۔ نیز یہ بات بھی ذہن نشین کر لو کہ یہ طوطی اپنے سے افضل کی بات کو سننے اور اس پر عمل پیرا ہونے کے باعث اتنی ترقی کر گیا ہے کہ اس میں قوت گویائی پیدا ہو گئی، جو انسان کی خاص فطری صفت ہے۔ اس خصوصیت کے ہاتھ آ جانے کے بعد اس طوطی میں یہ قابلیت پیدا ہو گئی اور اسے یہ سعادت نصیب ہوئی کہ وہ ملک علام کے نام سے پکارنے کے قابل ہو گئی اور یہ کلمات جو اپنی خلقت کے اعتبار سے اس کی طبیعت کا لازمہ نہیں تھے، فضا میں اپنی جبلت کے مطابق اپنی مرضی سے آزادانہ پرواز کی خواہش سے دست بردار ہونے کے بعد حاصل ہوئے۔

دست بردار ہونے کے باوجود جو اس کی جبلت کا تقاضا ہے، وہ پرواز ترک نہ کرتی، لیکن اس وجہ سے کہ انسان بہرصورت اس سے اشرف ہے وہ از خود اس کے تصرف اور ملکیت میں آ گئی۔ پس اے فرزند معلوم ہوا کہ خواہش نفس اور طبیعت کے تقاضوں کو فنا کرنا طوطی کے معنوی کمالات کا موجب ہوا۔

ظاہری طور پر دیکھا جائے تو ہوا میں پرواز نہ کرنے کی صورت میں بھی اسے کوئی ضرر نہیں پہنچا کیونکہ اولاد آدم میں سے ایک شخص کے ذریعے، جو خلیفہ زادۂ عالم ہے، اس کو لطیف غذائیں بے زحمت فکر میسر آتی ہیں اور سردی گرمی کی تکلیف سے حفاظت بھی اسے حاصل ہے۔ (بعینہٖ تم بھی) اشرف کلام سے لوگوں کو آگاہ کرتے ہوئے اطاعت گزار بن کر رہو، انشاء اللہ تمھیں کامیابی نصیب ہو گی اور وہ چیز جو انسان کی خلقت کے مطابق اس کی طبیعت کا لازمہ نہیں ہے، وہ بھی حاصل ہو گی اور وہ حق تعالی کی ہستی کا علم اور اس کی معرفت ہے۔ اس کے علاوہ اعمال کی قسم میں سے وہ عمل جو حق تعالی کی رضا کا سبب ہو سکتے ہیں، ان کی توفیق بھی تمھیں حاصل ہو گی۔ جب تم اس مرتبے پر پہنچ جاؤ گے تو حق سبحانہ و تعالی تمھاری سعی و کاوش کے بغیر تمھیں ظاہری اور باطنی رزق عطا فرمائیں گے اور تمام آفات سے تم کو محفوظ رکھیں گے۔

اے فرزند تمھیں معلوم ہونا چاہیے کہ اگرچہ طوطی کی نوع میں فطری طور پر

بولنے کی صلاحیت نہیں ہے ، اگر وہ کسی دوسری طوطی سے تھوڑا تھوڑا سیکھے تو کمال حاصل کر لے کیونکہ دوسری طوطی نے اپنے سے اشرف مخلوق انسان سے بولنا سیکھا ہے جس کی طبیعت میں گویائی کی صلاحیت ودیعت کی گئی ہے ۔ اس مقام پر تمھیں معلوم ہو گیا ہو گا کہ تمھیں کیا معلوم ہوا ۔ (تمھیں معلوم ہوا کہ) ایسے امور جو عالم بشریت میں وقوع پذیر نہیں ہوتے اور جنھیں تم نے لایق توجہ خیال نہیں کیا جیسے عالم آخرت کے احوال جو موت کے بعد پیش آئیں گے یا وہ باتیں جو اُس جہان میں کام آنے والی ہیں ، انھیں اِس دنیا میں سیکھنا اور حاصل کرنا چاہیے ، خواہ استاد یا پیغمبر سے معلوم کی جائیں لیکن منتہی خالق کی تعلیم ہی سے ہوتا ہے ، کیونکہ مخلوق بالطبع اُس عالم کے احوال اور ضروریات کو نہیں جانتی ۔ پس دینی مسایل میں خدا ہی کو اپنا حقیقی معلم جانو اور ان مسایل پر غور و فکر کے وقت خدائے تعالی سے التجا کرو کہ حقیقت حال جو کچھ بھی ہے ، وہ اپنے کرم سے تم پر منکشف کر دے ۔

اے فرزند دل پسند تمھیں معلوم ہو کہ حق تعالی نے آدمی کو پاک احاطے سے اس تاریک عالم میں اس لیے بھیجا ہے کہ عالم عناصر کے شہرستان میں ، سرمایہ عشق سے نفع کمائے ۔ یہ عارضی زندگی فانی ہے ۔ اس لیے ابدی زندگی کے اسباب کی تحصیل اس پر موقوف ہے کہ انسان کمال تعلق اور عشق کے ساتھ محبوب حقیقی کو اپنی روح کا نذرانہ پیش کرے ۔

هرگز نمیرد آنکه دلش زنده شد بعشق
ثبت است برجریدهٔ عالم دوام ما

جس کا دل عشق سے زندہ ہو گیا وہ مرتا نہیں ہے ، اے مخاطب صفحہ عالم پر ہمارے بقا کی مہر ثبت ہے ۔

اے فرزند ، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی حدیث ہے کہ دنیا آخرت کی کھیتی ہے ۔ روح کو دار دنیا میں آنے کی وجہ سے نفع حاصل ہوتا ہے ، اس کی صورت یہ ہے کہ اس کے کمال اور جمال میں اضافہ ہوتا رہے ۔ علاوہ ازیں چونکہ خاک کو بے انتہا احتیاج ہے ، اس لیے اس کی استعداد میں ہر روز بلکہ ہر ساعت ترقی ناگزیر ہے ۔ اگر اسے مطلوبہ ترقی حاصل نہیں ہوتی تو اسے نقصان ہو گا جیسے کہ مخبر صادق صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ **من استوی یوماہ فھو مغبون** یعنی جس شخص کے دو دن یکساں گزرے وہ گھاٹے میں رہا ۔ بنابریں ایسا فائدہ درکار ہے جو دوسرے دن کے

فائدے سے زیادہ ہو، کیونکہ پہلے دن کا فائدہ پچھلے دن کے سرمایے میں شامل ہو جاتا ہے ۔ پس اگر سرمایے کی نسبت سے فائدہ حاصل نہیں ہوتا اور مقدار سے زیادہ فائدہ نہیں ہوتا تو ذاتی نقصان لازم آتا ہے ۔ نتیجہ یہ نکلا کہ اگر پچھلے دن کا فائدہ پہلے دن کے فائدے سے زیادہ نہ ہو تو فائدے میں اضافے کی استعداد باقی نہیں رہی، چنانچہ ایسا شخص (جو مطلوبہ فائدے سے محروم رہے) نقصان زدہ کہلاتا ہے ۔

اے بیٹے تمھیں معلوم ہونا چاہیے کہ قوت اور استعداد کے زمانے میں ضعف اور بیچارگی کے زمانے کا ذخیرہ جمع کر لیا جائے (جوانی میں عمل سے غفلت اختیار نہ کی جائے) ۔ ہر کام کا ایک وقت مقرر ہے، اسے مقررہ وقت ہی میں انجام دیا جائے ۔ جب وقت گزر جاتا ہے تو اس کا حصول نہ صرف دشوار بلکہ ناممکن ہوتا ہے ۔ مثال کے طور پر اس زمانے میں جب کہ رگیں اور پٹھے ابھی مضبوط نہیں ہوئے، خوش خطی میں کمال حاصل کیا جا سکتا ہے ۔ جب وقت گزر گیا تو خوش خطی کے فن میں کمال کی تحصیل ناممکن ہے ۔ اسی طرح مجازی اشعار کے اسلوب میں ترقی ابتدائے جوانی کے سوا کسی اور زمانے میں نہیں ہو سکتی کیونکہ جوانی میں طبیعت میں حرارت اور نرمی ہوتی ہے ۔ بعینہ ظاہر و باطن کے علم کی تحصیل حرارت غریزی میں ضعف واقع ہو جانے کے بعد فرسودہ ہو جاتی ہے اور خواہش کے مطابق مقصود حاصل نہیں ہوتا، چنانچہ ہر وقت جو کام اس کے مناسب ہے کیا جائے اور جوانی کے اوقات کو نعمت خیال کیا جائے کیونکہ بڑھاپے کا زمانہ تو بے چارگی کا زمانہ ہے جیسا کہ خود ہمارا اپنا حال ہے ۔

پس جوانی میں دنیوی اور اخروی زندگی کے اسباب کی فکر کرنی چاہیے کہ بڑھاپے میں عام لوگوں کا جسم اور جسمانی قوتیں کمزور ہو جاتی ہیں (اور حالت یہ ہو جاتی ہے کہ) عمل کے بارے میں باتیں تو کر سکتے ہیں لیکن عملاً کچھ نہیں کر سکتے ۔ وہ لوگ جن کی روح نے جسم اور جسمانیات سے قوی تعلق قایم کیا ہو اور ریاضتوں وغیرہ کی وجہ سے یہ تعلق کمزور نہ ہوا ہو، ان کی عقل میں بھی بعض اوقات پورا پورا فتور اور خلل واقع ہو جاتا ہے، کیونکہ جوانی میں ان کی عقل شاید جسمانی قوتوں کے ذریعے اعلیٰ مراتب میں سے بعض تک پہنچ جاتی لیکن (جوانی میں بھی) وہ خود کو کسی درجے میں اس حد تک نہ پہنچا سکی کہ حواس اور جسمانی قوتوں کی مدد کے بغیر کلام کے بعض مراتب ہی اسے حاصل ہو جاتے ۔ بڑھاپے میں جب کہ جسم اور جسمانی قوتیں کہ

متقوی روح ہیں ، کمزور ہو جاتی ہیں تو حسب خواہش مرتبہ کلام تک رسائی اور بھی مشکل ہو جاتی ہے ۔ (اس سے زیادہ ستم ظریفی یہ ہے کہ) قوت کے ذریعے اپنی استعداد بڑھانے کے لیے بعض عمر رسیدہ حضرات ، افراط کی حد تک ، جسمانی اور مادی ذرائع کا سہارا لیتے ہیں ، نعوذ باللہ ! زنگ خوردہ لوہے میں ہرگز یہ صلاحیت نہیں ہوتی کہ اس کا زنگ اس قدر صاف ہو جائے کہ اس میں عکس حقیقت نظر آ جائے ۔ پس اے بیٹے اچھی طرح سمجھ لو کہ اخروی مقاصد کی تحصیل کا وقت آج کا دن ہے کیونکہ آنے والا دن روز جزا ہے نہ کہ روز عمل :

امروز کار کن کہ بسی روز گار ہست
فردا کہ روز گار درازست کار نیست

اے مخاطب ! جو کچھ کرنا ہے آج کر لے کہ ابھی بہت فرصت ہے ۔ آنے والا زمانہ اگرچہ طویل ہو گا لیکن اس میں عمل کی گنجائش نہ ہو گی ۔

اے بیٹے چونکہ زمانہ آخرت کی کوئی حد نہیں ہے ۔ اس لیے اسباب آخرت کی فکر بھی بے انتہا کرنی چاہیے ۔ تمھیں یہ بھی معلوم ہونا چاہیے کہ عمل کی فکر دیوار کی بنیاد کے مانند ہے ۔ اگر دیوار کی بنیاد اپنی جگہ پر مضبوطی کے ساتھ نہیں رکھی جائے گی تو اس دیوار کو استحکام حاصل نہ ہو گا ۔ پس جوانی اور عافیت کے زمانے میں اگر دنیا اور آخرت کے معاملات میں پوری پوری فکر نہ کی گئی تو جو عمل بھی کیا جائے گا بے بنیاد ہو گا ، نتیجتہً اس صورت میں سوچ سمجھ کر کوئی کام بھی سرانجام نہ دے سکو گے ۔ یہ حقیقت خود مجھ پر گزر چکی ہے اس لیے پورے یقین کے ساتھ کہہ رہا ہوں کہ ابتدا میں جب میں نے تحصیل علوم کی وادی میں قدم رکھا تو میں نے فکر کامل کو دین اور دنیا کے شامل حال نہ کیا تھا ۔ طلب علم سے میرا مقصد خاص علم حقیقت اور روحانی ذوق نہ تھا کیونکہ میں لذت حاصل کی طلب میں سراسر آلودہ تھا ۔ اسی بنا پر علمی مباحث میں فریق مخالف پر غالب آنے کے لیے مجبورا ایسے لوگوں کی صحبت اختیار کی جو علوم عقلیہ کی طلب میں اس درجہ غرق تھے کہ رسمی علوم کے مباحثوں ہی کو مقصود اصلی خیال کرتے تھے ۔ کیونکہ عقلی علوم میں یہ جماعت رسمی امور میں بہت کم دلچسپی لیتی تھی اور ہمہ وقت مطالعے اور مباحثے میں مشغول رہتی تھی ، اس لیے ایک عظیم شان رکھتی تھی ۔ یہ حضرات حیرت انگیز دقیق باتیں بیان کرتے تھے ، چنانچہ نفس روح کے ساتھ شامل ہو کر علمی مباحث کی لذتوں سے پوری طرح لذت یاب ہوا

اور میں اس گروہ سے محبت کرنے، ان کے اطوار اختیار کرنے اور بحث و مباحثے میں دلچسپی لینے کے سبب، باوجود اولیا اور اصفیا کی خدمت میں حاضر ہونے کے، مقاصد علوم کی تحصیل کے باب میں افراط و تفریط کے گرداب سے نہ نکل سکا۔ انجام کار میری یہ حالت ہو گئی کہ میں اہل اللہ کے باطنی احوال سے نفع حاصل کرنے اور استقامت کے ساتھ ان کے اعمال صالحہ کی پیروی کرنے سے محروم ہو گیا بلکہ ہر روز منزل سے دور تر ہوتا چلا گیا حتی کہ اس مقام تک آ گیا جس کا تم مشاہدہ کر رہے ہو کہ بیشتر اوقات امیری کے لوازمات میں صرف ہوتے ہیں اور پھر اس مصروفیت کا حاصل موجودہ حالت پر پشیمانی اور انجام کی حسرت کے سوا اور کچھ نہیں۔ احوال کی جملہ خرابیوں میں سے، جس کے باعث نفس امارہ کی نحوست اور اس کے اعمال و افعال اس عذاب پر آمادہ ہوئے، ایک خرابی یہ ہے کہ گناہوں اور بری باتوں سے چھٹکارا حاصل کرنے کے خیال سے، جس لذت کا احساس ہوتا ہے اس سے بھی محروم ہوں کیونکہ وہ اسباب جنھیں فراہم کر کے، اگر یہ چاہوں کہ ان مشاغل کو ترک کر کے ایک گوشے میں بیٹھ جاؤں تاکہ مقصد دلی حاصل ہو تو وہ میسر نہیں ہوتے۔

ہم نے کہا تھا کہ فکر دیوار کی بنیاد کی طرح ہے۔ پس فکر کی وسعت کو پہلے ہر درجے میں اس درجے کے مناسب قوی نتیجہ حاصل ہونا چاہیے۔ اس لیے ضروری ہے کہ ایسے کام کی جانب قدم نہ بڑھایا جائے جو خراب اور نقصان رساں اغراض سے آلودہ ہو، تاکہ اللہ تعالی کا غضب تمھیں غیر کی غلامی کے زنداں میں مقید نہ کر لے۔ بہرحال ان تمام باتوں سے مقصود یہ ہے کہ علم وغیرہ کی طلب میں تمھاری نظر حق پر رہے اور تم ایسی بات نہ سوچو جو میں نے سوچی۔ نعوذ باللہ اس کنویں میں نہ گرو جس میں میں گرا اور وہ کنواں طلبِ جاہ ہے۔

اے بیٹے، وہ بات یاد کرو اور اس کی حقیقت کو سمجھنے کی کوشش کرو کہ ابھی تمھاری عمر پانچ سال کی نہ تھی کہ حق تعالی نے تمھاری زبان سے وہ بات کہلوائی۔ میرے اس دریافت کرنے پر کہ دنیا کی چیزوں میں سے کون سی چیز تمھیں بہتر اور خوشتر معلوم ہوتی ہے۔ تم نے کہا تھا اللہ کا نام اور اسی نام کا ذکر۔ چونکہ تم انشاء اللہ تعالی، بقدر استعداد معرفت الہی کی حقیقت سے بہرہ مند ہو چکے ہو گے، امید ہے آیہ کریمہ **الیس اللہ بکاف عبدہٗ**☆ کا آفتاب اللہ تعالی کی معرفت سے تمھارے

☆ کیا اللہ اپنے بندے کے لیے کافی نہیں۔ سورۂ زمر آیت ۳۶۔

دل کو روشن کرے گا۔ پھر تفکر کے بعد تم جان لو گے کہ حق تعالی کے غیر سے نہ فائدہ حاصل ہو سکتا ہے اور نہ نقصان پہنچ سکتا ہے۔ گو کہ زمانہ کم عمری کا ہے تاہم امید ہے کہ اللہ تعالی کی عنایت سے یہ بات سمجھ میں آ گئی ہو گی کہ فطری طور پر بہ نسبت اور لوگوں کے تمھیں اپنے باپ سے منفعت پہنچانے اور نقصان سے بچانے کی زیادہ توقع ہے لیکن جب خدا نہ چاہے تو کچھ بھی نہیں ہو سکتا۔ چنانچہ میرا اور تمھارا یہی حال ہے بلکہ تم نقصان میں ہو، کیونکہ اگر تم کسی فقیر کے بیٹے ہوتے تو تمھارا نفس زیادہ امور کی خواہش جو تم اس وقت کر رہے ہو اور حاصل بھی نہیں کر رہے، ہرگز نہ کرتا۔ نتیجتہً تم غم اور افسوس سے محفوظ ہوتے اور ظاہر بھی یہی ہو رہا ہے کہ باپ کی رفاقت کی خواہش کے سبب اور اس رفاقت کے ساتھ جو فائدے اور نقصان لازم ہیں میں مفلس ہوتا تو تمھیں زیادہ غم نہ ہوتا، حالانکہ کسی شخص سے اپنی ذات کے لیے فائدے کی امید رکھنا فی نفسہ خود کو پورا پورا نقصان پہنچانا ہے اس لیے خود کو نقصان پہنچانا معقول بات نہیں ہے۔ میں مدت دراز سے اسی بات کو بہت زیادہ مبالغے کے ساتھ سمجھا رہا ہوں، اس وقت اس سے زیادہ کہنے کی ضرورت نہیں ہے۔

اس کے علاوہ اے بیٹے، حق تعالی نے دو فرشتے بطور محافظ کے کیوں مقرر کیے؟ اور شفقت پدری خدا کی عنایت اور رحمانیت کی مظہر کیوں ہے؟ (ان سوالوں کو) ان دو پرندوں پر منطبق کرو، جو اپنے سے اشرف (یعنی انسان) کی تعلیم و تعلم اور پیروی و گرفتاری کے باعث، بولنے کی صلاحیت پیدا کرنے کی بنا پر اپنے جیسے پرندوں سے ممتاز ہو گئے۔ اس لیے تم پر لازم ہے کہ اپنے معنوی محافظوں کی بہت زیادہ محافظت کرو۔ اس طرح درحقیقت تم اپنی حفاظت کرنے کا فرض انجام دو گے۔ کیونکہ جس وقت یہ محافظ نہ ہوں گے تو وہ محافظت بھی باقی نہ رہے گی جو غفلت کے نقصان سے تم کو بچا سکتی تھی۔ اسی نہج پر تمھیں سمجھنا چاہیے کہ شریعت و طریقت تمھارے باطنی اور ظاہری نگہبان ہیں۔ اگر شریعت کی کہ ظاہراً تم ہی اس عالم ظاہر میں اس کا مصدر ہو، حفاظت کرتے رہے تو شریعت و طریقت ہر طرح دن رات تمھارے ظاہر اور باطن کی محافظ ہوں گی اور تم کو حق تعالی کی حفاظت کے سپرد کریں گی اور اگر نعوذ باللہ تم ان کی محافظت میں جنھوں نے درحقیقت تم کو حق تعالی کی حفاظت میں دیا ہے، کوتاہی کرو گے تو سمجھ لو کہ شریعت و طریقت کی حفاظت نہ کرنے کا کیا نتیجہ ہو گا۔ اللہ ہی بہتر جانتا ہے۔

بہرحال چونکہ آپ کے مکتوبات بلاغت اسلوب کے حقایق واضح ہو گئے ہیں، چند باتیں جو آپ کی تصنیف مراصدالعنایت ہمایونیہ سے اخذ کی گئی ہیں، گیارہ کلمات میں تحریر کی جاتی ہیں جو اہل دانش اور ارباب بینش کے لیے یادگار رہیں گی۔

کلمہ ۱ حکما کہتے ہیں کہ واجب تعالیٰ ایک اکیلا ہے۔ اس میں اصلاً تکثر نہیں ہے۔ نہ ذات کے اعتبار سے نہ صفت کے اعتبار سے لیکن بہ اعتبارِ ذات اس کا عدم تکثر اس بنا پر ہے کہ اس نے تکثر یعنی احتیاج کو اپنے اوپر لازم نہیں کیا اور جو اپنے اوپر کوئی چیز لازم کرے اس کی ذات میں احتیاج کا امکان ہے۔ بہ اعتبار صفت اس کا عدم تکثر اس طرح پر ہے کہ اگر اس کی کوئی صفت ہو تو لازم آتا ہے کہ وہ صفت یا فاعل ہو گی یا منفعل ہو گی۔ کیونکہ واجب تعالیٰ تمام اشیا کا فاعل ہے پس فاعل ہونا اس کی صفت ہو گی۔ یہ نہیں ہو سکتا کہ ایک شے فاعل بھی ہو اور منفعل بھی (ایسا ہونا محالات سے ہے)۔

کلمہ ۲ حکما کے محققین اس پر متفق ہیں کہ موجودات ممکنہ کا اول عقل اول ہے اور حدیث **اول ما خلق اللہ العقل** (اللہ نے پہلے عقل کو پیدا کیا) اس جانب اشارہ کرتی ہے۔ بعض حضرات اس سے "نور محمدی" اور "قلم اعلیٰ" مراد لیتے ہیں اور کہتے ہیں کہ امور ثلاثہ (عقل، نور اور علم) کے درمیان جو فرق ہے وہ اعتباری ہے۔ لیکن صوفیہ کہتے ہیں چونکہ ذات باری تعالیٰ نے بمقتضائے **کنت کنزا مخفیا فاجبت ان اعرف فخلقت الخلق*** اپنے عین کو خارج میں ظاہر کیا، پس اس کے سوا کوئی موجود حقیقی نہیں ہے۔ اس مرتبے میں وہ عین کے ساتھ ملحوظ ہوا۔ فلسفی اس کو عقل قرار دیتا ہے اور اول ماخلق اللہ العقل اسی کی جانب اشارہ ہے اور جو کچھ فہم میں آتا ہے وہ یہ ہے کہ اس سے "حقیقت محمدی" اور "نور محمدی" مراد ہے۔

کلمہ ۳ واجب تعالیٰ تمام اشیا کے (ان کی ابتدا سے) انتہا تک بلاواسطہ فاعل ہیں۔ موجودات میں سے بعض کو عقل اول سے فیض حاصل ہوتا ہے (اس اعتبار سے) موجودات میں سے بعضوں میں واسطہ اور ذریعہ ہونے کی صلاحیت ہے۔ اس بنا پر بعض کا بعض کے لیے واسطہ ہونا دلیل اس بات کی نہیں ہے کہ خدائے تعالیٰ کی فاعلیت میں کسی طرح کا نقص ہے۔ **تعالیٰ عن ذلک علوا کبیراً**** بلکہ اس جہت سے ہے کہ بعض چیزوں کو بلاواسطہ فیض حاصل نہیں ہوتا اور بعض کو بلاواسطہ حاصل ہو جاتا ہے۔ مثال کے طور پر چمگادڑ کو نور آفتاب کے فیض کی احتیاج ہے۔ اس کی یہ احتیاج بواسطہ نور قمر پوری ہوتی ہے۔ اس کے یہ معنی نہیں ہیں کہ آفتاب افاضہ نور میں ناقص ہے بلکہ سبب یہ ہے کہ چمگادڑ میں براہ راست نور آفتاب کے زبردست ظہور کو برداشت کرنے کی طاقت نہیں ہے:

* میں ایک چھپا ہوا خزانہ تھا، پس میں نے چاہا کہ میں پہچانا جاؤں تو میں نے خلق کو پیدا کیا۔

** اللہ تعالیٰ اس سے برتر اور بڑا ہے۔

گر نہ بیند بروز شپرہ چشم
چشمۂ آفتاب را چہ گناہ

اگر چمگادڑ کی آنکھ دن میں نہیں دیکھ سکتی تو اس میں آفتاب کی روشنی کا کیا گناہ ہے۔

کلمہ ۴ حواس سے غایب بعض جوہروں میں سے، جنھیں فرشتے جن اور شیطان کہا جاتا ہے، بعض حکما کے نزدیک ارضی نفوس ہیں۔ ان ہی میں سے بعض کو ملایکہ ارضی کہتے ہیں اور حضور خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وسلم نے اسی جانب اشارہ فرمایا ہے کہ **اتانی ملک الجبال و ملک الامطار و ملک السحاب**☆۔ بعض لوگ دوسروں کو جن اور شیطان کا نام دیتے ہیں۔ یہ سب ربانی لشکر ہیں۔ بعضوں کا خیال ہے کہ روحوں کو جسم سے جدا ہونے کے بعد جن کا نام دیا جاتا ہے۔ اگر اس جسم میں، جن سے یہ متعلق تھے، انھوں نے نیکیاں حاصل کی ہیں اور ان کا تعلق نیک لوگوں سے ہو گیا ہے تو نیک کاموں میں ان لوگوں کی مدد کرتے ہیں اور اگر جسم سے تعلق کی حالت میں انھوں نے نیکیاں حاصل نہیں کیں تو جسم سے جدا ہونے کے بعد یہ شیطان اور اشرار سے متعلق ہو جاتے ہیں اور برائیوں میں ان کے معاون بن جاتے ہیں۔

کلمہ ۵ متکلمین کہتے ہیں کہ جن اور شیطان لطیف اجسام ہیں جو مختلف شکلوں میں متشکل ہو جاتے ہیں، حیوانات کے باطن میں سرایت کر جاتے ہیں اور ایسی جگہوں میں داخل ہو جاتے ہیں جن میں داخل ہونے کا کوئی راستہ نہیں ہوتا، جیسے دماغ میں خوشبو کے داخل ہونے کی کیفیت ہوتی ہے۔ اگرچہ ملایکہ نوری مخلوق ہیں اور جن و شیطان ناری ہیں لیکن متکلمین کا اس بارے میں اختلاف ہے کہ جن و شیطان ایک نوع ہیں یا دو علاحدہ علاحدہ نوع ہیں۔ فلاسفہ نے جن و شیطان کے وجود کو ان معنوں میں قبول نہیں کیا ہے جن معنوں میں متکلمین ان کے قایل ہیں۔ ان کا اعتراض یہ ہے کہ اگر جن و شیطان لطیف اجسام ہیں تو لازمی ہے کہ وہ سخت اور دشوار کام انجام دینے پر قادر نہ ہوں بلکہ ادنی خارجی سبب کے محتاج ہوں۔ یہ دونوں اعتراض ان کے عقیدے کے مخالف ہیں کیونکہ بقول ان کے اگر جن و شیطان غیر لطیف ہیں تو لازم آتا ہے کہ وہ سب لوگوں کو ہر وقت نظر آئیں (لیکن ایسا فی الواقع نہیں ہے) اس لیے فلاسفہ کا قول مردود ہے۔ ملایکہ شفاف لطافت کے ساتھ لطیف ہیں اور یہ حقیقت سخت اور دشوار کاموں پر ان کی قدرت اور تصرف کے منافی نہیں ہے۔

کلمہ ۶ انسانی نفوس دوسری زندگی میں اس روحانی سعادت یا شقاوت کے مطابق، جو بلند درجات اور پست مقامات کے اعتبار سے مقدر ہوں گی لذت و نفرت کے احساس کے ساتھ ایک دوسرے سے بہت مختلف ہوں گے کیونکہ لذت و نعمت مراد ہے اس ادراک سے جو مدرک کے عقیدے میں اس کے موافق ہو اور نفرت و غم مراد ہے اس ادراک سے جو مخالف ہو۔ اس اعتبار سے ملایم اور ناملایم لوگوں کی تعداد حد شمار

☆ میرے پاس پہاڑوں کا فرشتہ اور بارشوں اور بادلوں کا فرشتہ آیا۔

سے باہر ہے۔ لازمی طور پر نیک بخت اور بد بخت بھی بے حد شمار ہونے چاہئیں لیکن اجمالاً چار قسمیں ہیں۔ سعید، اسعد السعدا، شقی اور اشقی الاشقیا (یعنی نیک بخت، نیک بختوں میں سے سب سے زیادہ نیک بخت، بد بخت اور سب سے زیادہ بد بخت)

کلمہ، سعید مراد ہے اس سادہ روح کے حامل انسان سے، جو دینی اور دنیاوی کاموں کے اہتمام میں کمی کے ذریعے جاہلانہ رویوں اور غلط کیفیتوں سے علماً اور عملاً مبرا ہو۔ فطرت ذاتی کی تمام تر سلامتی کے ساتھ اور جسمانی قوتوں کے غلبے کے نہ ہونے یا مہلت و فرصت ہونے کے سبب اہل اسلام کے پاگلوں اور بچوں جیسا ہو۔ ارباب شرع اور حکما کے نزدیک اس طرح کے لوگوں کو بے عقل کہتے ہیں۔ (لیکن) لوگوں کی یہ قسم باطل اعتقادات اور غلط کیفیات سے مبرا ہوتی ہے اور ان لوگوں کو دوسری زندگی میں عذاب نہیں دیا جائے گا۔ اس مضمون کی تائید سید امام علیہ افضل الصلوٰۃ والسلام کے حقیقت سے آگاہ کرنے والے کلام سے ہوتی ہے کہ اکثر اہل الجنۃ بلہ (یعنی اکثر اہل جنت بے عقل ہوں گے)

کلمہ ۸ **اسعد السعدا** (نیک بختوں میں زیادہ نیک بخت) سے مراد وہ روحیں ہیں جو علم و عمل میں درجہ کمال تک پہنچی ہوں اور ہر طرح کے نقصان اور حرمان سے محفوظ ہوں۔ یہ روحیں لازمی طور پر اپنی خواہش کے مطابق نعمت راحت سے فیض یاب ہوتی ہیں۔ اس گروہ کا ہر شخص جسمانی مشاغل اور مادی مکروہات سے جو جسم کی قربت اور مصاحبت سے حاصل ہوتے ہیں چھٹکارا پا کر اخلاق عالیہ کا حامل ہو جاتا ہے۔ گویا اس کی جبلت میں چوپایوں اور درندوں کی مکروہ صفات بلکہ وہ ملکات جو باعث نقصان ہو سکتے ہیں۔ باقی نہیں رہتے اور وہ اپنے اندر اخلاق الٰہی کو پیدا کر کے اپنے مبادی بلکہ مبدالمبادی سے جو اس کا اصل مقام اور مقصد ذاتی ہے واصل اور متصل ہو جاتا ہے۔ اس جماعت عالیہ کو اخروی زندگی میں اللہ تعالیٰ کے قرب، عالم انوار میں استغراق اور اسرار کے عجائبات سے آگاہی کے واسطے سے مسرت و شادمانی کے اعلیٰ درجات حاصل ہوتے ہیں اور ابدالآباد تک **سرر مرفوعۃ**[1] کے مراتب عالیہ اور **فی مقعد صدق عند ملیک مقتدر**[2] سے سرفراز ہو کر حضرت ذوالجلال کے مشاہدہ وصال کا آب شیرین جو حیات جاودانی کا موجب ہے ساقی باقی کے ہاتھ سے پی کر کبھی **لمن الملک**[3] کا نعرہ لگاتے ہیں اور کبھی ان کی زبان حال اس کلام سے مترنم ہوتی ہے:

ہرگز نمیرد آں کہ دلش زندہ شد بعشق　　　　ثبت است برجریدہ عالم دوام ما

(ترجمہ) جس کا دل عشق سے زندہ ہو گیا وہ مرتا نہیں ہے۔ اے مخاطب صفحہ عالم پر ہمارے بقا کی مہر ثبت

۱۔ اونچے اونچے تخت۔ سورۃ غاشیہ آیت ۱۳

۲۔ ایک عمدہ مقام میں قدرت والے بادشاہ کے پاس۔ سورۃ قمر آیت ۵۵

۳۔ آج کے روز کس کی حکومت ہوگی۔ سورۃ مومن آیت ۱۶

ہے۔

ذلک فضل اللہ یوتیہ من یشاء واللہ ذوالفضل العظیم (یہ اللہ تعالی کا فضل ہے وہ جس کو چاہے دے دے اور اللہ بڑا فضل والا ہے) ۔

کلمہ ۹ شقی سے مراد وہ شخص ہے جس کی روح کو علم واجب سے متعلق امور کے حقایق کا علم، جس حد تک ممکن ہے، حاصل ہو، لیکن وہ خود پاک اور آراستہ نہ ہوا ہو اور اس میں نفسانی خواہشوں اور فانی لذتوں کا میلان حد اعتدال سے زیادہ موجود ہو اور وہ نعوذ باللہ ان برائیوں کا تدراک کیے بغیر دنیا سے رخصت ہو جائے۔ چنانچہ دوسری زندگی میں اس قسم کے لوگوں کو سزا ملے گی کیونکہ وہ نفس کو بھلی لگنے والی باتوں میں گم رہے اور انھوں نے ان خرابیوں سے بچنے کی کوشش نہیں کی۔ یہ وہی بات ہے جو خیرالبشر صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمائی کہ کل قیامت کے دن صحرائے پشیمانی میں بے علم لوگوں کی بہ نسبت غیر متقی عالموں پر زیادہ قوی اور شدید عذاب ہو گا کیونکہ اخروی عذاب کی قسموں میں سب سے شدید قسم حسرت و ندامت کا احساس ہے۔ اس احساس کی شدت یا ضعف اس مقدار علم کی نسبت سے محسوس ہو گا جو لطائف کی پاکیزگی، معائب کی برائی نیز ان امور کے حکم اور ان کی اہمیت کے بارے میں کسی نے حاصل کی ہو گی۔ بلاشبہ وہ لوگ جو علم میں درجہ کمال تک پہنچے ہیں، ان کے علوم ان علوم سے قوی تر ہوں گے جو ناروا ادراک سے اخذ کیے گئے ہیں۔ اس لیے ان پر عذاب بھی زیادہ سخت ہو گا لیکن یہ لوگ بہ اتفاق عقل و نقل بالآخر ان آلام سے چھوٹ جائیں گے کیونکہ یہ لوگ افعال کے نتائج اور سزا پا چکے۔ یہ لوگ اسی قدر عذاب میں رہیں گے جس قدر متعلقہ امور میں ان کا حصہ تھا اس سے زیادہ عذاب ان پر نہ ہو گا۔

کلمہ ۱۰ اشقی سے مراد وہ لوگ ہیں جو فاسد عقیدوں کو ماننے اور کذب کی تصدیق کرنے میں راسخ اور پکے ہو جاتے ہیں (ان میں قبولیت حق کی صلاحیت باقی نہیں رہتی) اللہ تعالی ان سے پناہ میں رکھے۔ پھر اسی حالت (کفر) میں دار الآخرہ کو انتقال کر جاتے ہیں۔ اس بات پر سب کا اتفاق ہے کہ یہ گروہ حیرانی کے دریا میں ڈوبا ہوا اور حسرت کی آگ میں پڑا ہوا، ابد الآباد تک عذاب میں بتلا رہے گا۔ یہ اس لیے کہ (جب تک دنیا میں رہا) ہمیشہ بتلائے جہالت رہا۔ اس نے کذب کی تصدیق کی۔ فاسد عقیدوں میں موافقت کی۔ فطری نیکیوں کی طرف مایل نہ ہوا اور خود ساختہ اطوار اختیار کیے۔ چنانچہ عالم آخرت میں رنجیدہ اور پشیمان ہوا۔ اس حالت الم و پشیمانی میں اس پر یہ حقیقت عیاں ہو گی کہ دنیا میں اسے بہت سے کمالات حاصل ہو سکتے تھے لیکن اس نے اس مہلت سے فایدہ نہ اٹھایا بلکہ کمالات کے برعکس کاموں میں مشغول رہ کر وہ راحت سے محروم ہو گیا اور اب ان ہی بداعمالیوں کے باعث عذاب میں گرفتار ہے۔

کلمہ ۱۱ نسبت عشقیہ میں جو تفاوت ہے وہ مظاہر کی قوت اور ضعف کے اعتبار سے ہے۔ مثال کے طور پر بلبل کی استعداد اسی قدر ہے کہ پھول میں مظہریت کا اثر دیکھ کر اس سے محبت کرے اور انوار حقیقی

کے پرتو کا مشاہدہ صرف پھول کے آئینے میں کرے۔ پروانے کی استعداد مظہر شمع میں مطلوب حقیقی کی محبوبیت کے ظہور کے بقدر ہوتی ہے اس سے زیادہ نہیں ہوتی۔ اسی طرح کاہ ربا کے جذب کی استعداد میں، مجذوبیت اور محبوبیت کے ظہور کے موافق گھاس کا پتہ ہی ہوتا ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ محب اور محبوب کی استعداد کو ایک دوسرے سے کلی مناسبت اور موافقت درکار ہے۔ مثلاً عالم ملکوت کے فرشتوں کے محبوب اسمائے[1] و صفات کلیہ ہوتے ہیں اور ارضی فرشتوں کے محبوب اسمائے[2] کونیہ ہی ہوتے ہیں۔ عالم محبت میں فرشتوں میں سے ہر ایک کو خاص مقام حاصل ہے۔ دوسرا اس مقام تک نہیں پہنچ سکتا اور ملایکہ مطلق طور پر محبت ذات کے رتبے تک نہیں پہنچ سکتے۔ صرف انسان[3] کو اس مرتبہ اعلیٰ تک رسائی حاصل ہوتی ہے۔ اس نسبت میں بھی بہت سے تفاوت اور بے شمار امتیازات ہیں۔

۱۔ اسمائے الٰہی کلی سے مراد وہ معنی اور استعدادات خاص ہیں جو حق تعالیٰ کے ساتھ قایم ہیں۔

۲۔ اسمائے کونی سے مراد وہ معنی اور استعدات خاص ہیں جن کا قیام خلق کے ساتھ ہے۔

(سر دلبراں مصنف شاہ محمد ذوقی۔ کراچی ۱۳۷۱ھ ص ۲۵۷)

۳۔ فارسی متن کی عبارت یہ ہے "و ملایکہ مطلقا برتبہ محبت ذاتی نتوانند رسید وصول بایں مرتبہ عالیہ جز ایشاں را میسر نہ گردد" ایشاں غالباً کتابت کی غلطی ہے۔ یہاں "انسان" ہونا چاہیے۔ چنانچہ ترجمے میں "ایشاں" کے بجائے "انسان" رکھا گیا ہے۔ مطلب یہ ہے کہ محبت ذات کے رتبے تک فرشتے تو پہنچ نہیں سکتے، انسان البتہ پہنچ سکتا ہے، بلکہ پہنچا ہے۔ صلی اللہ علیہ وسلم۔ (مترجم)

حواشی و تعلیقات

(" کلمات الصادقین " کے فارسی متن سے متعلق یہ حواشی ڈاکٹر محمد سلیم اختر صاحب نے انگریزی میں تحریر فرمائے ہیں۔ یہاں ان کا اردو ترجمہ پیش کیا جاتا ہے)

۱۔ احیاء العلوم، جلد چہارم ص ۲۵۶ نیز کشف المحجوب ص ۰۰

۲۔ سورہ یونس، آیت ۶۲

۳۔ تذکرہ الاولیا عطار (فارسی) ص ۹

۴۔ " کلمات الصادقین " کے دستیاب خطی نسخوں کے ناقص ہونے کے باعث تاریخ کا استخراج ممکن نہیں ہے۔

۵۔ مثنوی قران السعدین (مطبوعہ نول کشور ۱۸۸۱ء) صص ۲۲ تا ۲۵

۶۔ سیر العارفین کے مطابق جب آپ کے والد کا انتقال ہوا تو آپ ڈیڑھ سال کے تھے۔[1]

۷۔ شیخ جلال الدین تبریزی۔ آپ شیخ ابو سعید تبریزی کے مرید تھے۔[2] شیخ ابو سعید اس درجے کے تارک الدنیا بزرگ تھے کہ کسی سے کوئی چیز قبول نہ کرتے تھے۔[3] ان کی وفات کے بعد شیخ جلال الدین نے شیخ شہاب الدین سہروردی سے تعلق پیدا کر لیا[4] اور بڑے ذوق و شوق سے ان کی خدمت کی۔ شیخ شہاب الدین سہروردی نے آپ کے اخلاص و ایثار کے پیش نظر بڑی فراخدلی سے آپ کو روحانی نعمتیں عطا کیں۔ شیخ سہروردی کے زمانہ حیات ہی میں آپ نیشاپور اور ملتان کی راہ سے[5] ہندوستان چلے آئے۔ ملتان سے آپ دہلی آئے اور یہاں شیخ قطب الدین بختیار کاکی سے آپ کے گہرے مراسم محبت قایم ہو گئے۔[6] دہلی میں آپ کا عارضی قیام بہت ہی افسوسناک واقعے پر ختم ہوا۔ نجم الدین صغریٰ نے جو دہلی کے شیخ الاسلام تھے، آپ کو جنسی بے اعتدالی کے ایک جھوٹے واقعے میں ملوث کرنے کی کوشش کی لیکن شیخ الاسلام کی یہ سازش کامیاب نہ ہو سکی اور آپ

۱۔ سیر العارفین (فارسی) ص ۱۱

۲۔ فواید الفواد، ص ۱۱۳، خیر المجالس ص ۱۵۱

۳۔ فواید الفواد، صص ۱۹۳ - ۱۹۵، خیر المجالس ص ۱۵۱

۴۔ فواید الفواد، ص ۱۹۳

۵۔ ایضاً ص ۱۲۱

۶۔ فواید الفواد ص ۱۹۵

اس تہمت بے جا سے محفوظ رہے۔ اس ناخوشگوار واقعے کے دوران آپ دہلی سے بدایوں آ گئے[7]۔ یہاں قاضی کمال الدین جعفری سے آپ کے دوستانہ مراسم پیدا ہو گئے[8]۔ بدایوں میں آپ نے علی مولا[9] اور علاء الدین اصولی کو جو بعد میں شیخ نظام الدین اولیا کے استاد ہوئے[10]، روحانی نعمتوں سے نوازا، ورنہ قاضی حمید الدین ناگوری کی طرح آپ بھی کسی کو مرید کرنا پسند نہ کرتے تھے[11]۔ اپنی عمر کے آخری دنوں میں آپ بنگال تشریف لے گئے اور وہیں آپ کی وفات ہوئی[12]۔

۸۔ مطبوعہ فارسی متن ص ۶ سطر ۱۹۔ حضرت عثمان ہرونی کے اسم گرامی پر حاشیے کا نشان موجود ہے لیکن سہواً حاشیہ درج نہ ہو سکا، تاہم حاشیہ ۹ پر "دلیل العارفین" مطبوعہ لکھنؤ ۱۸۹۰ء کا حوالہ درج کیا گیا ہے۔ (مترجم)

۹۔ دلیل العارفین (مطبوعہ لکھنؤ ۱۸۹۰ء) صص ۶۷ - ۶۸

۱۰۔ سیر الاولیا ص ۴۸۔

۱۱۔ امام ابواللیث نصر بن محمد بن احمد بن ابراہیم بن الخطاب السمرقندی چوتھی صدی ہجری / دسویں صدی عیسوی کے مشہور روایت پسند حنفی عالم اور مفتی تھے۔ آپ کی ولادت ۲۰۹ ہجری / ۳ - ۹۰۲ء میں ہوئی۔ آپ نے اپنے والد گرامی اور دیگر مشایخ سے تعلیم حاصل کی۔ ان کے علاوہ آپ نے ان اساتذہ کے نام بھی "تنبیہہ الغافلین" میں بیان کیے ہیں جن سے آپ نے رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی احادیث اور دوسرے بزرگوں کے اقوال کی سند حاصل کی۔ آپ ایک مصنف کی حیثیت سے بہت کامیاب شخص تھے جن کی تصانیف مراکش سے انڈونیشیا تک اہل علم کے زیر مطالعہ رہیں۔ آپ کا انتقال غالباً ۳۷۳ھ / ۸۴ - ۹۸۳ء اور ۳۹۳ھ / ۳ - ۱۰۰۲ء کے درمیان ہوا۔ تاہم آپ کی سب سے پہلی معروف سوانح عمری میں آپ کا سال وفات ۳۷۳ھ / ۸۴ - ۹۸۳ء درج کیا گیا ہے اور تذکرہ نگاروں نے عام طور سے بکثرت اسی سال کے حوالے دیے ہیں۔ آپ کی دو تصانیف جن کے نام "بستان العارفین" اور "تنبیہہ الغافلین" ہیں، خدا بخش پبلک لائبریری پٹنہ میں محفوظ ہیں[13]۔

۱۲۔ شیخ ابو حامد اوحد الدین کرمانی شیخ رکن الدین سنجاسی کے مرید تھے۔ جن کا سلسلہ طریقت شیخ قطب الدین

۷۔ فواید الفواد صص ۱۵۸ - ۱۵۹۔ اخبار الاخیار ص ۳۳۔ فواید الفواد ص ۱۳۷

۸۔ فواید الفواد ص ۲۴۹ - ۲۵۰۔ خیر المجالس صص ۲۱۱ - ۲۱۲

۹۔ فواید الفواد ص ۱۳۷۔ اخبار الاخیار صص ۳۳ - ۳۴

۱۰۔ فواید الفواد ص ۱۶۹

۱۱۔ ایضاً ص ۳۸

۱۲۔ اخبار الاخیار ص ۳۵

۱۳۔ فہرست مخطوطات عربی و فارسی، اورینٹل پبلک لائبریری بانکی پور، جلد سیزدہم صص ۲ - ۳۔ نیز دایرہ المعارف اسلامیہ، عنوان ابواللیث السمرقندی۔

ابہری کے واسطے سے شیخ ابوالنجیب سہروردی تک پہنچتا تھا[۱۴]۔ شیخ اوحد الدین کرمانی کے دوستانہ مراسم اپنے معاصرین میں شیخ شہاب الدین سہروردی[۱۵] اور شیخ محی الدین ابن عربی جیسے بزرگوں سے قایم رہے ۔ موخرالذکر نے اپنی بعض تصانیف میں آپ کا ذکر بھی کیا ہے[۱۶]۔ بعض مستند تذکرہ نگاروں نے مولانا جلال الدین رومی کے مشہور مرشد شمس تبریزی سے آپ کے مباحثے کی تفصیلات دی ہیں ۔ بیان کیا گیا ہے کہ شیخ اوحد الدین مظاہر خارجی کے مشاہدے کے ذریعے حقیقت پر غور و فکر کے عادی تھے اور حسن مطلق کو مقید صورتوں میں دیکھتے تھے۔ شمس تبریزی نے دریافت کیا کہ آپ یہ کیا کر رہے ہیں ۔ آپ نے جواب دیا کہ میں پانی سے لبریز پیالے میں چاند کا مشاہدہ کر رہا ہوں ۔ اس پر شمس تبریزی نے فرمایا کہ ایسا مشاہدہ تو اس صورت میں ہوتا ہے جب آپ گردن کے پیچھے پھوڑا نکل آنے کی تکلیف میں مبتلا ہو جائیں ۔ آپ آسمان میں چاند کا مشاہدہ کیوں نہیں کرتے[۱۷]۔ آپ شاعرانہ کیفیت کے لمحات میں تصوف و سلوک کے مضامین نظم کرتے تھے جن کے اقتباسات بعد کی سوانحی تصانیف میں مرقوم ہیں[۱۸]۔ صدیوں تک تمثیلی مثنوی " مصباح الارواح " کا جو غیر معمولی حد تک دانتے کی "طربیہ خداوندی " سے مطابقت رکھتی ہے ، مصنف ہونا آپ سے منسوب رہا ہے[۱۹] لیکن جدید تحقیق نے قطعی طور پر واضح کر دیا ہے کہ یہ مثنوی آپ کی نہیں بلکہ شمس الدین محمد بردسیری کرمانی کی تخلیق ہے[۲۰]۔ اسی طرح عہد حاضر کے محققین[۲۱] نے اس تسلیم شدہ خیال کو سہو زمانی کی بنا پر رد کر دیا ہے کہ اوحدی مراغی آپ کے مرید تھے[۲۲]۔ عام طور پر یہ باور کیا جاتا ہے کہ آپ کا انتقال ۶۳۵ ـ ۶۳۶ ھ / ۱۲۳۸ ـ ۳۹ ء میں ہوا[۲۳]۔

۱۳ ـ رجال الغیب یا غیر مرئی لوگوں کے بارے میں یہ عقیدہ تھا کہ وہ پراسرار مخلوق ہیں جو اپنے پسندیدہ پاک باطن لوگوں کی توجہ حاصل کر لیتے ہیں ۔ ان سے بغیر نظر آئے باتیں کرتے ہیں اور انھیں اپنی جائے قیام پر بھی اپنے ساتھ لے جاتے ہیں ۔ ہم فوائد الفواد[۲۴] میں شیخ شہاب الدین سہروردی کے ایک معاصر نوجوان کے حالات پڑھتے ہیں جس کے پاس یہ روحانی مخلوق بلاتکلف آمد و رفت رکھتی تھی ۔ جب فرض نماز کا وقت ہوتا تو نوجوان

۱۴ ـ نفحات الانس ص ۵۸۸ ـ تذکرۃ الشعرا، دولت شاہ ص ۲۳۲ ـ لٹریری ہسٹری آف پرشیا ، براؤن جلد سوم ص ۱۳۹ ـ

۱۵ ـ فوائد الفواد ص ۳۹ ـ اخبارالاخیار ص ۵۰ ـ

۱۶ ـ نفحات الانس صص ۵۸۸ ـ ۵۸۹ ـ

۱۷ ـ ایضاً نیز لٹریری ہسٹری آف پرشیا براؤن ص ۱۳۹

۱۸ ـ فوائد الفواد ص ۳۰ ، نفحات الانس ص ۵۹۱ ،لٹریری ہسٹری آف پرشیا براؤن ص ۱۳۰

۱۹ ـ نفحات الانس ص ۵۹۱ ،لٹریری ہسٹری آف پرشیا براؤن ص ۱۳۰ ، ہسٹری آف ایرانین لٹریچر ص ۲۵۳ ـ

۲۰ ـ " مصباح الارواح " مرتبہ بدیع الزمان فروز انفر (تہران ۱۳۴۹ ش) مقدمہ

۲۱ ـ تذکرۃ الشعرا ، صص ۲۳۲ ـ ۲۳۳ ـ نفحات الانس ص ۶۰۶ ـ لٹریری ہسٹری آف پرشیا ص ۱۴۱ ـ ہسٹری آف ایرانین لٹریچر ص ۲۵۴ ـ

۲۲ ـ تاریخ ادبیات در ایران ، جلد سوم ص ۸۳۳

۲۳ ـ ایضاً ـ

۲۴ ـ خواجہ نظام الدین اولیا فوائد الفواد جمع کردہ امیر حسن سجزی علا ، مترجمہ محمد سرور لاہور ۱۹۷۳ ، صص ۶۹ ـ ۷۰

کے مکان میں موجود سب لوگ باقاعدہ صف قایم کر لیتے اور مردان غیب میں سے کوئی امامت کے فرایض انجام دیتا ۔ مقتدی حضرات اس مرد غیب کی قرآت اور تکبیرات سنتے اور اس کی اقتدا میں نماز ادا کرتے ۔ لیکن وہ اسے دیکھ نہیں سکتے تھے ۔ اُن مردانِ غیب میں سے ایک نے اس نوجوان کے توسط سے شیخ شہاب الدین سہروردی کی خدمت میں ایک تحفہ بھی پیش کیا تھا۔

اسی طرح ایک دوسری حکایت کے مطابق جو خواجہ (نظام الدین اولیا قدس سرہ) نے بیان فرمائی[۲۵]، ایک بزرگ جن کا نام خواجہ علی تھا ۔ ان سے بھی یہ پاک روحیں ملاقات کے لیے آتی تھیں اور خواجہ علی اسلامی طریقے کے مطابق ان کا استقبال کرتے تھے ۔ ایک مرتبہ خاصی تعداد میں مردان غیب ان کے ہاں آئے اور السلام علیکم کہہ کر انھیں مخاطب کیا ۔ خواجہ علی اس دن طیش میں آ گئے اور کہا کہ آپ لوگ اس طرح کب تک ملاقات کریں گے آخر میرے سامنے کیوں نہیں آتے ۔ مردان غیب نے خواجہ علی کی اس بات کو پسند نہیں کیا اور واپس چلے گئے پھر ان سے ملاقات کرنے نہیں آئے ۔

مغل شہنشاہ ہمایوں[۲۶] اور اکبر بھی اس مخلوق کے وجود کے قایل تھے ۔ اکبر کے بارے میں تو بیان کیا جاتا ہے کہ ایک جنگ میں مردان غیب نے دعا کر کے اس کی مدد کی تھی[۲۷]۔ ۱۱۴۳ھ / ۳۱ - ۱۷۳۰ء میں ایک جنگ میں جو نواب سربلند خاں اور راجہ ابھے سنگھ راٹھور کے درمیان ہوئی تھی ، سادات بلگرام کے بہت سے آدمی ہلاک ہوئے ۔ سید محمد کا بیان ہے کہ سید غلام مصطفےٰ کی نعش باوجود تلاش کے میدان جنگ میں نہ مل سکی ۔ غالباً ان کی نعش مردانِ غیب لے گئے تھے[۲۸]۔

۱۴ ۔ اسلامی تصوف کے روحانی سلسلوں میں خواجہ حسن بصری کو حضرت علی تک کا اہم واسطہ ہونے کے باعث امتیازی حیثیت حاصل ہے ۔ آپ اسلامی تصوف کے سرخیل اور نسلاً بعد نسلٍ اولیاء صوفیہ کے مقتدا ہیں ۔ اگرچہ بعض مصنفین جنھوں نے صوفیہ کو ہدف ملامت بنایا ہے جیسے کہ ابن جوزی ہیں ، حضرت علی سے آپ کی ملاقات کے بارے میں شکوک و شبہات کا اظہار کیا ہے[۲۹]، اس کے باوجود آپ کو متفقہ طور پر حضرت علی کے روحانی جمال ، برکات اور ورثے کا جو بعد کے لوگوں تک پہنچا ، واسطہ تسلیم کیا گیا ہے[۳۰]۔ آپ کی ولادت مدینہ

---

۲۵ ۔ خواجہ نظام الدین اولیا فواید الفواد جمع کردہ امیر حسن سجزی علا ، مترجمہ محمد سرور لاہور ۱۹۷۳ ، صص ۶۰ - ۷۰

۲۶ ۔ خواجہ نعمت اللہ ، تاریخ خان جہانی و مخزن افغانی مرتبہ سید محمد امام الدین ، ڈھاکہ ۱۹۶۰ ، جلد اول صص ۳۱۱ - ۳۱۲

۲۷ ۔ حاجی محمد عارف قندھاری ، تاریخ اکبری ، مرتبہ سید معین الدین ندوی و سید اظہر علی دھلوی ، نظر ثانی امتیاز علی عرشی رامپور ۱۹۶۲ ، ص ۱۰۹

۲۸ ۔ سید محمد بلگرامی ، تبصیرات الناظرین ، مخطوطہ مملوکہ پیر حسام الدین راشدی کراچی (۱۹۷۹ ، ص ۱۰۹)

۲۹ ۔ تلبیس ابلیس مطبوعہ قاہرہ ۱۹۲۸ ، ص ۱۹۱ بحوالہ The Sufi Order in Islam مصنفہ جے ۔ اسپنسر ٹرمنگھم (آکسفورڈ ۱۹۷۱) ص ۲۶۳ حاشیہ ۱

۳۰ ۔ مثال کے طور پر ملاحظہ فرمائیں ۔ ابو طالب مکی کی تصنیف " قوت القلوب " قاہرہ ۱۳۱۰ھ جلد اول ص ۱۴۹ بحوالہ دایرہ المعارف اسلامیہ " حسن بصری "

طیبہ میں ہوئی اور حضرت عمر کی ہدایت کے مطابق آپ کا نام حسن رکھا گیا[۳۱]۔ بچپن میں آپ کی تربیت ام المومنین ام سلمہ رضی اللہ عنہا نے فرمائی جن کے مکان میں آپ کی والدہ خادمہ کی حیثیت سے رہتی تھیں[۳۲]۔ آپ نے بصرے میں تعلیم حاصل کی اور صف اول کے عالم دین، مختلف علوم کے ممتاز فاضل، مستند محدث اور اعلیٰ درجے کی فصیح البیان واعظ کی حیثیت سے نمودار ہوئے[۳۳]۔ آپ کے چہرے سے کرب و غم کے آثار اس درجہ نمایاں نظر آتے تھے کہ جو شخص آپ دیکھتا، وہ یہ گمان کرتا کہ کوئی ناقابل قیاس حجم کی مصیبت آپ پر آن پڑی ہے[۳۴]۔ آپ کا اپنے نفس کو تنبیہ کرتے رہنا، تقوے پر ثابت قدم رہنا اور دنیا طلبی کی بے باک مذمت کرنا ایسے اوصاف تھے جو ضرب المثل بن گئے تھے اور جن کے سبب طبقۂ امرا میں آپ کے خلاف غم و غصے کی لہر دوڑتی رہتی تھی[۳۵]۔ جب آپ وعظ بیان فرماتے خواہ رسوائے زمانہ ظالم حجاج بن یوسف اپنی محافظ فوج کے ساتھ جو جنگی زرہ بکتر سے لیس رہتی تھی موجود ہوتا، تب بھی آپ اس بات کے کہنے سے باز نہ رہتے جس کے درست، مبنی برانصاف اور حق ہونے کا آپ کو یقین ہوتا[۳۶]۔ اسی طرح آپ یہ محسوس کرتے کہ فلاں شخص اپنی غلطی پر بضد ہے اور اپنے عقیدے اور عمل کو درست کرنا نہیں چاہتا تو آپ اسے اپنی مجلس سے باہر نکال دیتے۔ چنانچہ رئیس معتزلہ واصل بن عطا الغزہ کے معاملے میں فی الواقع یہی ہوا[۳۷]۔ آپ کی وفات یکم رجب ۱۱۰ھ / ۱۰ اکتوبر ۷۲۸ء کو بصرے میں ہوئی[۳۸]۔

۱۵۔ شیخ نصیر الدین چراغ دہلیؒ کی تصریح کے مطابق صحیح لفظ "ہارونی" نہیں بلکہ بغیر الف کے "ہرونی" ہے۔ یہ تصریح حضرت خواجہ عثمانؒ کے وطن مالوف کے سلسلے میں کی گئی تھی[۳۹]۔

۱۶۔ جیسا کہ "شامی" کی نسبت سے ظاہر ہے خواجہ ابو اسحاق شامیؒ ملک شام (سیریا) کے باشندے تھے۔ مولانا جامی کے بیان کے مطابق آپ شیخ ابو ممشاد علوی دینوریؒ کے اصحاب میں سے تھے، جن کی نسبت روحانی شیخ

۳۱۔ تذکرہ الاولیا عطار صص ۳۰۔۳۱

۳۲۔ ایضاً نیز وفیات الاعیان جلد دوم ص ۶۹، بیوگرافیکل ڈکشنری (ترجمہ وفیات الاعیان) جلد اول ص ۳۷۰

۳۳۔ ملاحظہ فرمائیں، ابونصر السراج کی تصنیف "کتاب اللمع فی التصوف" مرتبہ آر۔ اے نکلسن (لندن ۱۹۶۳ اشاعت ثانی) صص ۱۷۔ ۲۲۔ ۲۵۔ ۱۳۲۔ ۳۳۳۔ ۳۲۲۔ ۳۲۵، کشف المحجوب (فارسی) ص ۱۰۳ مترجمہ نکلسن ص ۸۰، تذکرہ الاولیا صص ۳۰ تا ۳۸، وفیات الاعیان صص ۶۹۔ ۷۳، بیوگرافیکل ڈکشنری (ترجمہ وفیات الاعیان) جلد اول صص ۳۷۰۔ ۳۷۳

۳۴۔ رسالہ قشیریہ ص ۲۱۰

۳۵۔ ملاحظہ فرمائیں، دایرہ المعارف اسلامیہ، عنوان حسن بصری

۳۶۔ تذکرہ الاولیا عطار ص ۳۳

۳۷۔ الفرق بین الفرق مصنفہ ابو منصور عبدالقاہر ابن طاہرالبغدادی مترجمہ کیٹ چیمبرس سیلے (نیو یارک ۱۹۶۶) ص ۱۲۱

۳۸۔ وفیات الاعیان ص ۷۲، بیوگرافیکل ڈکشنری (ترجمہ وفیات الاعیان) جلد اول ص ۳۷۳

۳۹۔ خیرالمجالس، اردو ترجمہ، کراچی مطبوعہ واحد بک ڈپو سال اشاعت ندارد، تاریخ سیستان مرتبہ ملک الشعرا بہار ۱۳۱۴ ش ص ۳۲۷ جہاں سیستان میں ہرون نامی ایک مقام کا ذکر کیا گیا ہے۔ ظاہر ہے کہ شیخ عثمان اسی قصبے سے تشریف لائے تھے۔

ہبیرہ بصری اور شیخ حذیفہ مرعشی کے واسطوں سے شیخ ابراہیم ادہم سے منسلک تھی[۴۰]۔ آپ کا مقبرہ بھی شام میں عکہ کے مقام پر ہے[۴۱] لیکن اس حقیقت کے پیش نظر کہ صوفیہ اپنی روایت کے مطابق دنیا کے ایک سرے سے دوسرے سرے تک سیر وسفر کرتے رہے ہیں۔ قیاس ہے کہ آپ نے بھی دور و دراز مقامات کے سفر کیے ہوں گے۔ آپ اپنے مستقبل کے مرید اور جانشین خواجہ ابو احمد ابدال چشتی کی پیدائش سے پہلے ۲۶۰ ھ / ۰۴-۸۷۳ء میں چشت میں قیام پذیر تھے جن کی ولادت اور ایک ولی کی حیثیت سے فضیلت اور صوفیہ کے ایک ممتاز سلسلے کے بانی ہونے سے متعلق پیش گوئی کی گئی تھی[۴۲]۔ قیاس ہے کہ خواجہ ابو اسحاق شامی طویل عرصے تک چشت اور اس کے قرب و جوار میں قیام پذیر رہے کیونکہ جب خواجہ ابو احمد ابدال کی عمر بیس سال تھی اور وہ شکار کی مہم پر نکلے ہوئے تھے تو چالیس دوسرے اہل اللہ کی موجودگی میں ان کی آپ سے ملاقات ہوئی اور انھوں نے دنیا سے قطع تعلق کر کے آپ کی صحبت اختیار کی[۴۳]۔ خواجہ ابو احمد ابدال کی سوانحی تفصیلات بھی کمیاب ہیں تاہم ان کے والد کے بارے میں کہا گیا ہے کہ وہ اپنے زمانے کے برسر اقتدار گروہ کے ایک رکن تھے، جنھوں نے اس امر کی بے حد کوشش کی کہ ان کا فرزند صوفیہ کا طرز زندگی اختیار نہ کرے لیکن ان کی یہ کوشش بارآور نہ ہوئی۔ خواجہ ابو احمد کا وصال ۳۵۵ ھ / ۶۶-۹۶۵ء میں ہوا، اور چشت میں مدفون ہوئے۔ ان کے چوبیس سالہ فرزند خواجہ ابو محمد جن کو انھوں نے خاص طور پر منصب رشد و ہدایت کی تربیت دی تھی ان کے جانشین ہوئے۔ خواجہ ابو محمد، محمود غزنوی ۳۸۸ تا ۴۲۱ ہجری / ۹۹۸ تا ۱۰۳۰ عیسوی کے ہمعصر تھے لیکن مولانا جامی کا بیان کہ وہ ستر سال کی عمر میں سومناتھ کی مہم میں شریک ہوئے[۴۴]۔ تاریخی حقایق کی روشنی میں تاریخی طور پر خلاف واقعہ اور غیر متعلق ہے کیونکہ اگر وہ اپنے والد کی وفات کے وقت یعنی ۳۵۵ ھ / ۶۶-۳۶۵ء میں چوبیس سال کے تھے تو ان کی عمر ۴۰۱ ھ / ۱۱-۱۰۱۰ء میں ستر سال ہونی چاہیے جب کہ البیرونی، گردیزی اور ابن اثیر کے بیانات کے مطابق سومناتھ کی مہم کا سال ۴۱۶ ھ / ۱۰۲۵ء ہے[۴۵]، البتہ ۴۰۱ ھ / ۱۰۱۰ء محمود کی حتمی فتح ملتان سے مطابقت رکھتا ہے[۴۶]۔

خواجہ ابو محمد بن ابو احمد کے بعد ان کے بھانجے خواجہ یوسف صاحب سجادہ ہوئے جن کی خواجہ ابو محمد نے بڑی توجہ سے پرورش اور نگرانی کی تھی۔ خواجہ یوسف نے نسبتاً زیادہ تاخیر سے دنیا سے بے تعلقی اور سب

۴۰۔ نفحات الانس صص ۳۲۲-۳۲۳

۴۱۔ ایضاً

۴۲۔ ایضاً ص ۳۲۳ نیز ”مقصد الاقبال سلطانیہ“ مصنفہ سید اصیل الدین عبداللہ واعظ، مرتبہ مایل ہروی (تہران ۱۳۵۱ ش) صص ۱۱۹-۱۲۰

۴۳۔ نفحات الانس ص ۳۲۳، مقصد الاقبال ص ۱۲۰

۴۴۔ نفحات الانس ص ۳۲۳، نیز مقصد الاقبال ص ۱۲۱

۴۵۔ محمد ناظم، THE LIFE AND TIMES OF SULTAN MAHMUD OF GHAZNA (کیمبرج ۱۹۳۱ء) ص ۲۱۳

۴۶۔ ایضاً ص ۹۹

سے کنارہ کش ہو کر سخت زاہدانہ سادگی کی زندگی اختیار کی۔ ان کی زندگی کا یہ دور بارہ سال تک جاری رہا۔ جب خواجہ عبداللہ انصاری چشت کے مزارات کی زیارت کے لیے آئے تو خواجہ یوسف سے بھی ان کی ملاقات ہوئی اور وہ خواجہ یوسف کی روحانیت اور ان کے زہد سے بے حد متاثر ہوئے اور بعد میں انھوں نے اپنی مجلس میں اس ملاقات کا ذکر کیا اور خواجہ یوسف کے تقدس کی بے حد تعریف کی۔ خواجہ یوسف کا چوراسی سال کی عمر میں انتقال ہوا۔ ان کے فرزند خواجہ قطب الدین مودود ان کے جانشین ہوئے۔[47]

اپنی جانشینی کے وقت خواجہ مودود کی عمر چھبیس سال کی تھی۔ انھوں نے سات سال کی عمر میں قرآن حفظ کر لیا تھا اور جس وقت صاحب سجادہ بنائے گئے، اس وقت بھی حصول تعلیم میں مصروف تھے۔ بظاہر ایسا معلوم ہوتا ہے کہ جب تک ان کے ایک ہمعصر بزرگ شیخ احمد جام نے ان کے اندر گداز کی کیفیت اجاگر نہ کی تھی وہ ایک حد تک مغرور اور احساس برتری میں مبتلا شخص تھے۔ ایک مرتبہ شیخ احمد جام ہرات تشریف لائے شہر کے تمام باشندوں نے جن میں خواجہ عبداللہ انصاری کے جانشین حضرات بھی شامل تھے، ان کا والہانہ استقبال کیا۔ خواجہ مودود نے جو شیخ احمد جام سے آٹھ سال بڑے تھے، اس پذیرائی کو اپنی برتری کے خلاف حریفانہ اعلان اور اپنی روحانی مملکت میں مداخلت بے جا سے تعبیر کیا اور شیخ احمد جام کی مقبولیت کو درہم برہم کرنے کی کوشش کی۔ پہلے اپنے روحانی تصرف سے کام لیا۔ جب اس میں ناکام ہو گئے تو جسمانی طاقت کو استعمال کرنے کا ارادہ کیا لیکن شیخ احمد کے غیر معمولی تحمل نے ان کے منصوبوں کو ناکام کر دیا اور انھیں شیخ کی روحانی برتری تسلیم کرنے پر مجبور کر دیا۔ خواجہ مودود تین روز تک شیخ احمد جام کی صحبت میں رہے اور ان سے روحانی فیوض حاصل کیے۔ رخصت ہونے سے قبل شیخ احمد جام نے ان کو مکمل تعلیم حاصل کرنے کی تاکید کی کیونکہ بغیر علم کے ایک صوفی شیطان کے قبضے میں رہن کردہ شے کی مانند ہوتا ہے۔ اس کے بعد نصیحت کی کہ اپنے آبا و اجداد کے روحانی ورثے سے اپنے اندر نئی قوت پیدا کریں۔ چنانچہ اس نصیحت پر عمل کرتے ہوئے خواجہ مودود نے حصول علم کے لیے بلخ اور بخارا کا سفر اختیار کیا اور وہاں چار سال مقیم رہے۔ بعدازاں چشت واپس آئے اور سلسلہ چشتیہ کے احیاء اور اس کو مستحکم کرنے میں مسلسل مصروف رہے۔ ان کی وفات ۵۲۷ھ / ۱۱۳۲ - ۳۳ء میں ہوئی۔ خواجہ احمد مودود ان کے جانشین ہوئے۔[48]

خواجہ مودود چشتی کے دو اور ممتاز مرید شاہ سنجان رکن الدین محمد متوفی ۵۹۷ھ / ۱۲۰۰ - ۰۱ء اور حاجی شریف زندنی تھے۔ مولانا جامی[49] نے اول الذکر کے حالات بہت اختصار سے بیان کیے ہیں اور موخر الذکر کا نام صرف ہندوستانی تاریخ کے ذریعے علم میں آتا ہے۔[50] ان دونوں حضرات نے اپنے بارے میں زیادہ معلومات فراہم

---

۴۷ - نفحات الانس صص ۳۲۵ - ۳۲۹، مقصد الاقبال صص ۱۲۲ - ۱۲۳

۴۸ - خواجہ سدید الدین محمد غزنوی، "مقامات ژندہ پیل" مرتبہ حشمت اللہ معیدی سنندجی (تہران ۱۳۴۰ ش) صص ۹۳ تا ۹۵، نفحات الانس صص ۳۲۶ تا ۳۲۹، مقصد الاقبال صص ۱۲۳ - ۱۲۴، طرایق الحقایق جلد دوم ص ۱۳۳

۴۹ - نفحات الانس صص ۳۲۹ - ۳۳۰

۵۰ - عصامی، "فتوح السلاطین" مرتبہ اے - ایس - اوشا (مدراس ۱۹۴۸ء)، خیر المجالس ص ۸

نہیں کی ہیں۔ اسی طرح خواجہ حاجی شریف کے مرید خواجہ عثمان ہرونی سے متعلق بھی جو خواجہ معین الدین چشتی کے روحانی مرشد تھے، بہت کم معلومات دستیاب ہیں۔

۱۷۔ حذیفہ بن قتادہ مرعشی ابراہیم بن ادہم کے مرید تھے۔ قیاس ہے کہ آپ اپنے مرشد کے بعض سفروں میں ان کے ساتھ رہے تھے۔[۵۱] آپ کے معاصرین آپ کے بارے میں بہت اچھی رائے رکھتے تھے اور آپ کو زہد و تقویٰ کا کامل نمونہ خیال کرتے تھے۔[۵۲] آپ کا وصال ۲۰۷ھ / ۲۲-۸۲۲ء میں ہوا۔[۵۳]

۱۸۔ ابو اسحاق ابراہیم بن ادھم بن منصور کے بارے میں کہا جاتا ہے کہ آپ بلخ کے فرمانروا تھے لیکن آپ نے تاج و تخت چھوڑ کر زہد و خلوت کی زندگی اختیار کر لی۔[۵۴] آپ نے ابتدائی روحانی تعلیم خضر علیہ السلام سے اور دینی آگاہی امام ابو حنیفہ نعمان بن ثابت سے حاصل کی۔[۵۵] آپ کے بارے میں بیان کیا گیا ہے کہ آپ اپنے زمانے کے بہت سے صوفیہ کے ساتھ جن میں فضیل بن عیاض، سفیان ثوری[۵۶]، سہل بن ابراہیم[۵۷]، محمد بن مبارک الصوری[۵۸] اور ابو ابراہیم یمنی شامل تھے[۵۹]، رہتے اور سفر کرتے تھے۔ آپ سادہ اور عیش سے خالی زندگی بسر کرتے اور اپنے ہاتھوں کی کمائی سے ضروریات زندگی مہیا کرتے تھے۔[۶۰] اپنی ذات سے اس قدر بے نیازی کے باوجود آپ کا دوسروں کی بھلائی اور راحت کا خیال رکھنا بہت ہی اعلیٰ درجے کا اخلاق تھا۔ آپ کے دوسروں کو راحت رسانی کے کردار کی اس خوبی نے لیہ ہنٹ (LEIGH HUNT) کے تخیل کو اپنی گرفت میں لیا جس نے آپ کے بارے میں مندرجہ ذیل نظم تحریر کی۔[۶۱]

Abou ben Adhem (may his tribe increase!)
Awoke one night from a deep dream of peace,
And saw within the moonlight in his room,

۵۱۔ رسالہ قشیریہ صص ۲۵۹-۲۶۰

۵۲۔ ایضاً ص ۱۶۷

۵۳۔ طبقات الکبریٰ۔ حصہ اول۔ ص ۶۲

۵۴۔ طبقات الصوفیہ ص ۲۷، رسالہ قشیریہ ص ۲۵، کشف المحجوب (فارسی) ص ۱۲۸ نیز انگریزی ترجمہ از نکلسن ص ۱۰۳، تذکرہ الاولیا عطار ص ۱۰۲، دایرہ المعارف اسلامیہ، عنوان "ابراہیم ادہم"۔

۵۵۔ کشف المحجوب (فارسی) ص ۱۲۸ نیز انگریزی ترجمہ از نکلسن ص ۱۰۳

۵۶۔ طبقات الصوفیہ ص ۲۷

۵۷۔ رسالہ قشیریہ ص ۲۶

۵۸۔ ایضاً ص ۶۵۷

۵۹۔ ایضاً ص ۶۲۹

۶۰۔ ایضاً ص ۲۵

۶۱۔ MYSTICS AND SAINTS OF ISLAM, CLAUD FIELD (لندن ۱۹۱۰ء) صص ۳۳-۳۵

Making it rich and like a lily in bloom,
An angel writing in a book of gold,
Exceeding peace had made Ben Adhem bold,
And to the presence in the room he said
"What writest thou," The vision raised his head,
And with a look made all of sweet accord,
Answered "The name of those who love the Lord",
"And is mine one?" said Abou "Nay not so",
Replied the angel. Abou spoke more low
But cheerily still, and said "pray thee then
Write me as one that loves his fellow men"
The angel wrote and vanished. The next night
He came again with a great wakening light,
And showed the names whom love of God had blest,
And lo! Ben Adhem's name led all the rest.

ترجمہ ☆

ابراہیم بن ادہم (ان کا قبیلہ بڑھتا رہے)
ایک شب ایک گہرے خواب راحت سے بیدار ہوئے
اور اپنے کمرے میں چاند کی روشنی میں
جو اسے شاداب اور گل سوسن کی مانند شگفتہ کر رہی تھی، دیکھا کہ
ایک فرشتہ ایک زریں کتاب میں کچھ لکھ رہا ہے
ابن ادہم کو بے انتہا (قلبی) سکون نے باہمت کر دیا تھا
اور کمرے میں فرشتے کی موجودگی پر انھوں نے فرمایا
"تم کیا لکھ رہے ہو"؟ اس تصوراتی ہستی نے اپنا سر اٹھایا
اور ایک نظر سے تمام (ماحول) کو شیریں ہم آہنگی سے معمور کر دیا
اور جواب دیا "ان لوگوں کے نام جو خدا سے محبت کرتے ہیں"

☆۔ خاکسار مترجم نے ABOU BEN ADHEM اور BEN ADHEM کے بجائے ابراہیم بن ادہم اور ابن ادہم تحریر کیا ہے جو آپ کا صحیح نام ہے۔

ابراہیم بن ادہم نے پوچھا " کیا ان لوگوں میں میرا نام ہے " " نہیں قطعی نہیں "

فرشتے نے جواب دیا ، ابراہیم بن ادہم نے ذرا دھیمے لہجے میں

لیکن شادمانی سے کہا ، " تب میں التجا کرتا ہوں

مجھے اس شخص کے زمرے میں لکھ دو جو خدا کے بندوں سے محبت کرتا ہے "

فرشتے نے یہ تحریر کیا اور نظر سے پنہاں ہو گیا ، دوسری شب

وہ فرشتہ بیدار کر دینے والی ایک عظیم روشنی کے ساتھ پھر ظاہر ہوا

اور ابراہیم بن ادہم کو ان لوگوں کے نام دکھائے جنھیں خدا نے اپنی برکت سے نوازا تھا

اور حیرت کی بات ہے کہ ابن ادہم کا نام سب سے پہلا لکھا ہوا تھا

آپ کی وفات ۱۶۱ھ / ۷۷۷ - ۷۷۸ء میں ہوئی ۔

۱۹ ۔ فضیل بن عیاض بن مسعود بن بشر جن کا تعلق قبیلہ تمیم سے تھا ، اپنی زندگی کے ابتدائی دور میں رہزنی کرتے تھے لیکن بعد میں اپنے گناہوں سے تائب ہو کر زہد و تقوی کے راستے پر گامزن ہوئے[۶۲] ۔ آپ اپنے گزشتہ طور حیات پر اس قدر پشیمان تھے کہ توبہ کرنے بعد بقیہ زندگی حق تعالی کی معرفت اور صوفیانہ حقایق معلوم کرنے میں صرف کر دی ۔ آپ نہ کبھی دل کھول کر ہنسے نہ کبھی آپ کے چہرے پر مسکراہٹ ظاہر ہوئی ، سوائے ایک مرتبہ کے جب آپ کے فرزند علی کا انتقال ہوا ۔ جب آپ سے اس بظاہر نامناسب عمل کے بارے میں دریافت کیا گیا تو آپ نے جواب دیا ، " حق تعالی کی یہی مرضی تھی کہ لڑکے کو موت آ جائے چنانچہ میں اس کی رضا پر راضی ہو گیا[۶۳] " ۔ آپ کا ہارون[۶۴] الرشید کو اصرار کے ساتھ نصیحت اور فہمائش کرنا اس امر کا واضح ثبوت ہے کہ آپ کی نظر میں دنیا اور اسباب دنیا کی کوئی وقعت نہ تھی ۔ اس کے برعکس آپ کی زندگی پر روحانی اذیت و غم ۱۸۷ھ[۶۵] / ۸۰۳ء تک جب آپ کا انتقال مکہ مکرمہ[۶۶] میں ہوا ، چھائے رہے ۔ آپ کے انتقال پر ایک مشہور ہمعصر بزرگ ابن مبارک[۶۷] نے بے ساختہ فرمایا (دنیا سے) اداسی رخصت ہو گئی ۔

۲۰ ۔ اخبار الاخیار ص ۲۴

۶۲ ۔ رسالہ قشیریہ ص ۲۸ ، کشف المحجوب (فارسی) ص ۱۲۰ ، انگریزی ترجمہ از نکلسن ص ۹۷

۶۳ ۔ رسالہ قشیریہ ص ۲۸

۶۴ ۔ کشف المحجوب (فارسی) صص ۱۲۲ تا ۱۲۳ ، انگریزی ترجمہ از نکلسن صص ۹۸ تا ۱۰۰

۶۵ ۔ طبقات الصوفیہ ص ۸ ، رسالہ قشیریہ ص ۲۸

۶۶ ۔ رسالہ قشیریہ ص ۲۸

۶۷ ۔ ایضاً ص ۲۸

۲۱ ۔ ایضاً ص ۲۴۱

۲۲ ۔ سیرالاولیا ص ۴۹

۲۳ ۔ فواید الفواد ص ۲، سیرالاولیا ص ۴۹

۲۴ سیرالاولیا صص ۴۰ تا ۵۰

۲۵ ۔ فواید الفواد صص ۱۲۰ تا ۱۲۱، سیرالاولیا ص ۵۰

۲۶ ۔ سیرالاولیا ص ۱۵

۲۶ الف ۔ اسلامی ادب میں ہژدہ ہزار (اٹھارہ ہزار) عالم کا تصور ان یہودیوں کے ذریعے متعارف ہوا جو شروع شروع میں داخل اسلام ہوئے ۔ خاص طور پر ابو عبداللہ وہاب بن منبہؓ نے اس تصور کو عام کرنے میں بڑا حصہ لیا۔[۶۸]

۲۷ ۔ ملاحظہ فرمائیں تذکرہ الاولیا عطار ص ۸۶

۲۸ ۔ سیرالاولیا صص ۴۸ ۔ ۴۹

۲۹ ۔ کاک ایک قسم خاص قسم کی روٹی کو کہتے ہیں ۔ کاک اور کیک علی الترتیب اس لفظ کو عربی اور انگریزی میں ڈھالنے کی شکلیں ہیں ورنہ حقیقت یہ ہے کہ ان دونوں زبانوں میں خاص طور پر انگریزی میں یہ لفظ قطعی طور مختلف مفہوم رکھتا ہے۔[۶۹]

۳۰ ۔ سیرالاولیا ص ۵۰

۳۱ ۔ شیخ بہاء الدین زکریا ملتانی کوٹ کروڑ میں جو ملتان کے نزدیک ہے ، پیدا ہوئے ۔ آپ نے اپنے والد کے زمانہ حیات ہی میں قرآن شریف حفظ کیا اور قرآت کے ساتوں معیاری اسالیب (قرآت سبع) سے بھی آگاہی حاصل کی ۔ والد کی وفات کے بعد جب آپ کی عمر بارہ سال تھی آپ نے کئی سال تک دور و دراز مقامات کے سفر کیے جن میں مکہ مکرمہ ، مدینہ طیبہ ، ماورالنہر ، خراسان ، بیت المقدس اور بغداد شامل ہیں ۔ اس تمام مدت سفر میں آپ ظاہری علوم اور روحانی مشاہدات کی تکمیل میں مصروف رہے ۔ جب آپ بغداد میں شیخ شہاب الدین کی خدمت میں حاضر ہوئے تو آپ ہر اعتبار سے رشد و ہدایت کی ذمہ داری پوری کرنے کے اہل ہو گئے تھے ۔ شیخ بزرگ نے آپ کو سترہ دن اپنے پاس رکھا اور آپ کو اپنی خلافت سے مشرف فرمایا۔[۷۰] جس پر شیخ رحمۃ اللہ علیہ

۶۸ ۔ تفصیلات کے لیے ملاحظہ فرمائیں " یاد نامہ علامہ امینی " میں " ہژدہ ہزار عالم " از محمد پروین گونا بادی مرتبہ سید جعفر شہیدی و محمد رضا حکیمی ۔ تہران ۱۳۶۱ ش صص ۲۱ تا ۳۲

۶۹ ۔ ملاحظہ فرمائیں " لغت نامہ دہخدا " زیر لفظ " کاک " ۔ " فرہنگ واضحیائے فارسی در زبان عربی " مصنفہ سید محمد علی امام شستری تہران ۱۳۴۰ ش زیر لفظ " کاک " ص ۵۸۵

۷۰ ۔ سیرالعارفین صص ۱۰۳ ۔ ۱۰۴

کے بعض قدیم مرید سخت حیران ہوئے ۔ شیخ شہاب الدین نے آپ کو ملتان واپس جانے اور اس علاقے میں سلسلہ سہروردیہ کو مقبول بنانے کی ہدایت فرمائی[1]۔ ملتان پہنچنے کے بعد حضرت بہاء الدین اپنی وفات ۶۶۱ ھ / ۱۲۶۲ء تک سلسلے کی ترویج و اشاعت کا کام سرانجام دیتے رہے[2]۔ آپ کی حیات میں ملتان سلسلہ سہروردیہ کا مشہور و معروف مرکز بن گیا ۔ اس امر کو پیش نظر رکھتے ہوئے کہ آپ کا کام اولین اور بنیادی نوعیت کا تھا نیز آپ نے اسے معاصر سلسلہ چشتیہ کے فروغ کے بعد شروع کیا ۔ اس سلسلے میں جو حیرت انگیز محنت اس کی کامیابی کے لیے آپ نے کی ہوگی اس کا اندازہ کرنا زیادہ دشوار نہیں ہے ۔

حضرت بہاء الدین زکریا نے قرآنی احکامات کی تعمیل کرنے اور اسلام کے بنیادی عقاید کو لفظ و معنی دونوں اعتبار سے تسلیم کرنے پر بے حد اصرار کیا ۔ اپنے معاصر چشتی بزرگوں کے برعکس آپ نے خاصی امیرانہ زندگی بسر کی اور آپ کی خانقاہ بھی اپنے خوش حال اور دولت مند ہونے کی شہرت رکھتی تھی[3]۔ موخر الذکر کو اپنے معاصرین[4] اور بعد میں آنے والوں کی خاصی تنقید کا سامنا کرنا پڑا[5]۔

سلطان شمس الدین کے عہد حکومت میں آپ کو شیخ الاسلام کے منصب پر فائز کیا گیا ۔ یہ منصب منفعت بخش بھی تھا اور باوقار بھی تھا اور عرصہ دراز تک آپ کے مریدین کی تکالیف میں جو معمولی درجے کے سرکاری عہدے داروں کے ہاتھوں پہنچتی رہتی ہیں، کمی کا باعث رہا ۔

اگرچہ عراقی آپ کے تمام خلفا[6] میں سب سے زیادہ نمایاں اور معروف شخص تھے لیکن آپ کی جانشینی کا شرف آپ کے فرزند شیخ صدر الدین عارف کو حاصل ہوا ،جن کے مرید اور خلیفہ شیخ صلاح الدین درویش تھے جو شیخ نصیر الدین محمود کے معاصر تھے ۔ ان کے علاوہ شیخ جمال خنداں رو اوچ ، درویش صدر الدین سیستانی ، شیخ احمد بن شیخ محمد معشوق[7]، مولانا علاالدین خجندی[8] اور مولانا حسام الدین[9] ملتانی بھی آپ کے مرید بیان کیے گئے ہیں ۔ جنھوں نے آپ سے روحانی برکات حاصل کی تھیں ۔ صدر الدین عارف کے بعد ان کے فرزند اور خلیفہ شیخ رکن الدین ابوالفتح جانشین ہوئے ۔ شیخ رکن الدین نے علاء الدین خلجی کے عہد حکومت میں دو مرتبہ اور

۱۔ ایضاً ص ۱۰۶

۲۔ اخبار الاخیار ص ۲۷

۳۔ ملاحظہ فرمائیں فواید الفواد صص ۲۳۶ - ۲۳۷

۴۔ ملاحظہ فرمائیں اخبار الاخیار صص ۲۹ - ۳۰

۵۔ ملاحظہ فرمائیں سکینۃ الاولیا مصنفہ دارا شکوہ مرتبہ تارا چند و سید محمد رضا جلالی نائینی (تہران سال اشاعت ندارد) ص ۹۱

۶۔ سیر العارفین صص ۱۰۸ - ۱۱۰

۷۔ ایضاً ص ۱۲۹

۸۔ ایضاً ص ۱۳۱

۹۔ ایضاً ص ۱۳۷

اس کے بیٹے قطب الدین کی حکومت کے زمانے میں تین مرتبہ دہلی کا سفر کیا۔[80] موخرالذکر کے تعلقات شیخ نظام الدین دہلوی سے گرم جوشی کے نہ تھے۔۔ اس نے شیخ رکن الدین کی دہلی تشریف آوری پر شیخ نظام الدین دہلوی کو دارالحکومت سے نکالنے کی کوشش کی[81] لیکن اس قلبی ربط و تعلق نے جو ان دونوں بزرگوں کے مابین تعلقات کی بنیاد تھا اس کی تمام کوششوں کو ناکام کر دیا۔ شیخ رکن الدین جب آخری بار قطب الدین کے عہد حکومت میں دہلی تشریف لائے تو تین سال سے زاید یہاں مقیم رہے۔ اسی قیام دہلی کے دوران شیخ نظام الدین کا وصال ہوا تو شیخ رکن الدین ہی نے حضرت کی نماز جنازہ پڑھائی۔[82] شیخ وجیہہ الدین عثمانی سنامی اور سید جلال مخدوم جہانیاں دونوں شیخ رکن الدین کے ممتاز مرید تھے۔ آپ نے ۷۳۵ھ / ۳۵ - ۱۳۳۴ء میں انتقال فرمایا اور ملتان میں مدفون ہوئے۔

۳۲ - فواید الفواد صص ۱۲۰ - ۱۲۱ نیز سیرالاولیا ص ۵۰

۳۳ - سیرالاولیا ص ۵۰ نیز گلزار ابرار ص ۲۲

۳۴ - سیرالاولیا ص ۵۲

۳۵ - سیرالاولیا ص ۵۳

۳۶ - سیرالاولیا صص ۵۳ - ۵۴

۳۷ - شیخ نجم الدین صغریٰ کے مزار کے بارے میں ملاحظہ فرمائیں۔ LIST OF MUSLIM AND HINDU MONUMENTS جلد سوم ص ۱۱۰ - نمبر شمار ۱۸۴

۳۸ - سیرالاولیا ص ۵۵

۳۹ - فواید الفواد ص ۲۶۳ ، سیرالاولیا ص ۵۵

۴۰ - شیخ احمد جام المعروف بہ ژندہ پیل مشہور صوفی بزرگ تھے۔ آپ کی حیات کا زمانہ سلجوقی سلاطین کا عہد حکومت ہے۔ آپ خراسان میں بمقام ترشیز ۴۴۱ھ / ۱۰۴۹ - ۵۰ء میں پیدا ہوئے اور کسی حد تک ہنگامہ خیز زندگی بسر کرتے رہے۔ حتیٰ کہ ۴۶۳ھ / ۱۰۷۰ - ۷۱ء میں جب آپ کی عمر بائیس سال تھی جذبہ الٰہی نے آپ کو اپنی جانب کھینچ لیا اس وقت سے آپ کی زندگی کا رخ صلاح و فلاح کی جانب مڑ گیا۔ آپ نے کسی بزرگ سے باقاعدہ باطنی تربیت حاصل نہیں کی بلکہ خلوت گزینی اختیار کر کے جس کی مدت اٹھارہ سال ہے، اپنی راہ خود تلاش کی۔ اس کے بعد آپ خلوت سے باہر آئے اور لوگوں کی ہدایت کا کام انجام دینا شروع کر دیا، جو آپ کی

۸۰ - ایضاً ص ۶۲

۸۱ - اخبارالاخیار ص ۶۴

۸۲ - ایضاً ص ۶۵

وفات یعنی ۵۳۶ ھ / ۱۱۴۱ ۔ ۴۲ ۔ تک جب کہ آپ کی عمر چھیانوے سال تھی جاری رہا ۔ آپ کو معد آباد میں دفن کیا گیا جو آج کل " تربت شیخ جام " (ایران) کے نام سے مشہور ہے ۔[۸۳]

۴۰ الف ۔ فواید الفواد ص ۱۵۹ ، سیر الاولیا ص ۵۵ ، گلزار ابرار ص ۲۲

۴۱ ۔ آپ کے مزار کی تفصیلات کے لیے ملاحظہ فرمائیں LIST OF MUSLIM AND HINDU MONUMENTS جلد سوم ص ۴۷ ۔ نمبر ۵۹

۴۲ ۔ فواید الفواد ص ۱۵۹ ، سیر الاولیا ص ۵۵

۴۳ ۔ طبقات ناصری جلد اول صص ۴۴۰ ۔ ۴۴۲ نیز آپ کے مزار کے بارے میں ملاحظہ فرمائیں LIST OF MUSLIM AND HINDU MONUMENTS جلد سوم ص ۲۰ ۔ نمبر شمار ۹

۴۴ ۔ تذکرۃ الاولیا عطار ص ۴۶۴

۴۵ ۔ سیر الاولیا صص ۵۶ ۔ ۵۷

۴۶ ۔ آپ کے مزار کی تفصیلات کے لیے ملاحظہ فرمائیں LIST OF MUSLIM AND HINDU MONUMENTS جلد سوم ص ۷۰ ۔ نمبر شمار ۱۳۵

۴۷ ۔ اخبار الاخیار ص ۲۸

۴۸ ۔ سیر العارفین ص ۱۲

۴۹ ۔ شیخ محمد اجل شرزی ۔ آپ کی زندگی سے متعلق مستند سوانحی تفصیلات دستیاب نہیں ہیں ۔ آپ کے بارے میں ہماری معلومات کا واحد ذریعہ شیخ نظام الدین اولیا ہیں جنھوں نے اپنے ملفوظات میں آپ کے معجزانہ کارناموں کے منتشر حوالے دیے ہیں[۸۴] بعد کے تذکرہ نگاروں نے ان ہی واقعات کو کسی نئے عنصر کا حقیقی اضافہ کیے بغیر بیان کر دیا ہے[۸۵] ۔ بہرحال آپ کے بارے میں جو کچھ معلوم ہو سکا ہے وہ یہ ہے کہ آپ غزنی کے رہنے والے تھے اور آپ کا زمانہ حیات چھٹی صدی ہجری / بارھویں صدی عیسوی ہے اور آپ نے کم از کم ایک مرتبہ تو یقیناً بلخ کا سفر کیا تھا جہاں مولانا برہان الدین محمود بن اسعد البلخی سے آپ کی ملاقات ہوئی ۔ آپ کے بلند قد و قامت اور توانا ڈیل ڈول کے پیش نظر مولانا برہان الدین سخت حیران ہوئے کہ شاید یہ شخص رجال اللہ میں سے ہے لیکن آپ نے ان کے قریب جا کر اپنی طرف متوجہ کرتے ہوئے کہا کہ میں نے اپنے والد کا ورثہ

۸۳ ۔ آپ کی زندگی اور تصانیف کے بارے میں ملاحظہ فرمائیں ۔ نفحات الانس ص ۳۵۰ نیز مقامات ژندہ پیل ، خیر المجالس ص ۱۰۰ ، دایرۃ المعارف اسلامیہ زیر عنوان " احمد جام "

۸۴ ۔ فواید الفواد صص ۹ ۔ ۶۵ ۔ ۶۶ ۔ ۷۶ ۔ ۱۶۹ ۔ ۲۰۴ ، سیر الاولیا صص ۵۴۲ ۔ ۵۴۳

۸۵ ۔ خیر المجالس صص ۲۲۵ ۔ ۲۲۶

خرید لیا ہے اسی باعث میرا جسم اس قدر مضبوط و توانا ہے۔[86]

۵۰۔ خیر المجالس صص ۲۲۵۔ ۲۲۶، اخبار الاخیار ص ۲۸

۵۱۔ آپ کی قبر کے متعلق ملاحظہ فرمائی ں LIST OF MUSLIM AND HINDU MONUMENTS جلد سوم ص ۵۶۔ نمبر شمار ،،

۵۲۔ گلزار ابرار، ورق ۱۹ ب۔ تمام بیان "گلزار ابرار" ورق ۱۹ ب سے ماخوذ ہے۔

۵۳۔ اخبار الاخیار ص ۳۶

۵۴۔ اخبار الاخیار کے مطبوعہ نسخے میں اس قسم کا کوئی ذکر نہیں ہے۔ ملاحظہ فرمائیں اخبار الاخیار صص ۳۶ تا ۴۳

۵۵۔ سیر العارفین ص ۲۱

۵۶۔ فوائد الفواد ص ۸

۵۷۔ سیر الاولیا صص ۲۵۶ اور ۵۱۹

۵۸۔ فوائد الفواد ص ۲۵۳ نیز سیر الاولیا ص ۵۲۶

۵۹۔ فوائد الفواد ص ۲۵۲

۶۰۔ "طوالع شموس" کا ایک قلمی نسخہ مسلم یونیورسٹی علی گڑھ کے ذخیرہ حبیب گنج میں محفوظ ہے۔

۶۱۔ آپ کے مزار سے متعلق ملاحظہ فرمائیں LIST OF MUSLIM AND HINDU MONUMENTS جلد سوم ص ۴۵۔ نمبر شمار ۵۶

۶۲۔ سیر الاولیا صص ۵۶۔ ۵۷

۶۳۔ اخبار الاخیار ص ۳۶، فوائد الفواد ص ۲۵۳، سیر الاولیا ص ۵۰۳

۶۴۔ اخبار الاخیار ص ۳۶

۶۵۔ فوائد الفواد صص ۱۶۴ اور ۱۶۵، سیر الاولیا ص ۵۰۲

۶۶۔ شیخ بدرالدین بن علی اسحاق، شیخ فرید الدین گنج شکر کے مخلص مرید اور داماد تھے۔ آپ کا وطن دہلی تھا۔ یہاں اپنی تعلیم مکمل کرنے کے بعد آپ نے مزید فضل و کمال کے حصول کے لیے بخارا جانے کا ارادہ کیا جو اس دور کی اسلامی دنیا میں ایک عظیم علمی مرکز کی حیثیت سے مشہور تھا۔ اسی باعث ہر طالب علم اور شاگرد

۸۶۔ سیر الاولیا ۵۴۲

وہاں تعلیم حاصل کرنے کا آرزومند رہتا تھا۔ بخارا جاتے ہوئے آپ اجودھن سے گزرے اور ایک دوست کے اصرار پر آپ نے شیخ فرید الدین سے ملاقات کرنے اور ان چند سوالوں کے جواب حاصل کرنے کا فیصلہ کیا جو کچھ عرصے سے آپ کے ذہن کو پریشان کیے ہوئے تھے اور دہلی کے اہل دانش کی تصریحات کے باوصف حل طلب تھے۔ جب آپ شیخ کی خدمت میں حاضر ہوئے تو ان سوالوں کے جواب آپ کی توقع سے زیادہ واضح طور پر مل گئے۔ حضرت فرید الدین گنج شکر کے بے پناہ علم کے ساتھ ساتھ ان کی بے حد سادگی اور کامل زہد نے آپ کے دل پر اس قدر اثر کیا کہ آپ اسی ملاقات میں ان کے سلک ارادت میں منسلک ہوگئے۔ بالآخر آپ نے اپنے مرشد کی خدمت انجام دینے میں ایسا ممتاز مقام حاصل کر لیا کہ نہ صرف شیخ نے آپ کو خانقاہ کی نگرانی سپرد کی بلکہ اپنی ایک صاحبزادی سے آپ کا نکاح کر دیا۔ شیخ کے وفات کے بعد ان کے رشتے دار بشمول وارثوں کے آپ کے خلاف ہوگئے۔ آخر کار سید محمد کرمانی کی ایما پر جو شیخ فرید الدین کے دوسرے ممتاز خلیفہ تھے، آپ خانقاہ ان کے سپرد کر کے اجودھن کی جامع مسجد کے جوار میں منتقل ہوگئے۔

آپ نے ایک کتاب بھی تصنیف فرمائی تھی جس کا نام "تصریف البدری" تھا۔ شیخ نظام الدین اولیا نے یہ کتاب آپ سے پڑھی تھی اور دوسروں کو پڑھانے کی اجازت حاصل کی تھی۔

شیخ بدرالدین اسحاق نے اجودھن میں وفات پائی اور مذکورہ مسجد میں جہاں آپ (بچوں کو) قرآن پڑھاتے تھے، دفن کیے گئے۔[۸۷]

۶۷۔ فواید الفواد ص ۱۶۵

۶۸۔ اخبار الاخیار ص ۳۸

۶۹۔ اخبار الاخیار ص ۳۹

۷۰۔ ابو زکریا یحیی بن معاذ بن جعفر الواعظ الرازی[۸۸] اپنے عہد کے مشہور تارک الدنیا درویش اور ممتاز واعظ تھے۔ آپ جماعت صوفیہ میں پہلے شخص تھے جنھیں خلفائے راشدین[۸۹] کے بعد منبر سے وعظ کہنے کا شرف حاصل ہوا۔ آپ کے مواعظ ہمیشہ سامعین کے گرد امید اور زندگی کے روشن پہلو حلقہ کیے رہتے۔ آپ متعدد کتابوں کے مصنف تھے اور آپ کے اقوال عمدگی اور تازگی کے احساس سے لبریز ہوتے تھے۔ حضرت علی ہجویری اپ کے اقوال کے بے حد شایق تھے۔ جن کے بقول آپ کی باتیں لطافت میں ڈھلی ہوئی، کانوں کے لیے خوش گوار، اظہار حقیقت میں لطیف اور اخلاص میں اضافہ کرنے والی ہیں۔[۹۰] آپ اپنے جائے پیدایش رے سے خراسان آئے

۸۷۔ سیر الاولیا صص ۲۶۹ تا ۲۷۸ نیز ایضاً ص ۱۹۲

۸۸۔ طبقات الصوفیہ ۱۰۷، آپ کے بڑے بھائی اسماعیل اور چھوٹے بھائی ابراہیم بھی زاویہ نشین درویش تھے۔

۸۹۔ کشف المحجوب (فارسی) ص ۱۵۳، انگریزی ترجمہ از نکلسن صص ۱۲۲۔۱۲۳

۹۰۔ ایضاً

آپ کے بھائی ابراہیم جو اس سفر میں آپ کے ہمراہ تھے، ان کا نیشاپور اور بلخ کے راستے میں انتقال ہو گیا۔[91] بہرصورت آپ بلخ پہنچ گئے اور کچھ عرصہ وہاں قیام کرنے کے بعد واپس نیشاپور آ گئے جہاں ۲۵۸ ھ / ۸۷۲ء میں آپ کا انتقال ہو گیا۔[92]

۷۱ ۔ ملاحظہ فرمائیں، کشف المحجوب ص ۷۰، تذکرہ الاولیا عطار ص ۱۱۹، احیاء العلوم جلد چہارم ص ۲۵۶، صوفی نامہ ص ۱۸۳، مصباح الہدایہ ص ۳۷۸

۷۲ ۔ ملاحظہ فرمائیں، کشف المحجوب ص ۷۵

۷۳ ۔ فواید الفواد ص ۱۸۷ نیز سیر الاولیا ص ۳۴۳

۷۴ ۔ گلزار ابرار ورق ۱۳

۷۵ ۔ گلزار ابرار ورق ۲۳

۷۶ ۔ گلزار ابرار ورق ۲۴

۷۷ ۔ فواید الفواد صص ۲۰۵ ۔ ۲۰۶

۷۸ ۔ فواید الفواد صص ۲۰۶ اور ۲۷۱

۷۹ ۔ بی بی سارہ کے مزار سے متعلق ملاحظہ فرمائیں LIST OF MUSLIM AND HINDU MONUMENTS جلد سوم ص ۳۰، نمبر ۔ ۴۶

۸۰ ۔ آپ کے مزار سے متعلق ملاحظہ فرمائیں LIST OF MUSLIM AND HINDU MONUMENTS جلد سوم ص ۳۰، نمبر ۔ ۴۵

۸۱ ۔ اخبار الاخیار (ص ۳۰) پر یہ شعر اس طرح درج ہے ۔

گر کرمت عام شد زفت زرہاں عذاب
در بعمل حکم شد وہ کہ چہا دیدنی است

۸۲ ۔ مشارق الانوار النبویہ فی صحاح الاخبار المصطفویہ[93] مصنفہ حسن بن محمد الصغانی (م ۶۵۰ ھ / ۱۲۵۲ء) ان احادیث کا مجموعہ ہے جو مصنف رحمتہ اللہ علیہ کی دو تصانیف " مصباح الدجی " اور " شمس المنیرہ " نیز " الشہاب[94] " مصنفہ

۹۱ ۔ طبقات الصوفیہ ص ۱۰۷

۹۲ ۔ ایضاً نیز رسالہ قشیریہ ص ۳۳ ۔ طبقات الکبری جلد دوم ص ۸۱، نفحات الانس ص ۵۶

۹۳ ۔ یہ کتاب سنگی چھاپے میں مولوی خرم علی کے ترجمے کے ساتھ لکھنو سے ۱۳۱۹ ھ میں شایع ہوئی ۔

۹۴ ۔ " الشہاب " صدیوں سے اہل علم میں مقبول رہی ہے اور اس کی متعدد شرحیں، ترجمے اور خلاصے

(بقیہ اگلے صفحے پر)

قضاعی (م ۴۵۴ ھ / ۱۰۶۴ ء) اور " النجم " مصنفہ اقلیشی (م ۵۵۰ ھ / ۱۱۵۵ ء) سے ماخوذ ہے ۔ تمام احادیث ایک سو نحوی عامل[۹۵] کے مطابق ترتیب دی گئی ہیں اور ہر حدیث بخاری اور مسلم کی سند کے ساتھ درج کی گئی ہے ۔ حاجی خلیفہ نے " مشارق الانوار " کی چند شرحیں دیکھی ہیں ۔[۹۶]

مشارق الانوار کے مصنف ابوالفضایل امام حسن بن محمد بن حسن بن حیدر بن علی العدوی الصغانی[۹۷] جو عام طور سے رضی الدین کے نام سے معروف ہیں ، ۵۷۷ ھ / ۱۱۸۱ ء میں بدایوں میں پیدا ہوئے ۔ ابتدائے عمر میں آپ کو غزنہ لے جایا گیا جہاں آپ نے اپنے والد اور دیگر اساتذہ سے تعلیم حاصل کی اور بہت جلد حدیث اور لغت کے عالم کی حیثیت سے خود کو تسلیم کرا لیا ۔ سلطان قطب الدین ایبک نے آپ کے تقدس کا شہرہ سنا تو آپ کو لاہور کے قاضی کے عہدہ پیش کیا لیکن آپ نے اس پیش کش کو قبول نہیں کیا[۹۸]۔ حج ادا کرنے اور بہت عرصہ مکہ مکرمہ اور عراق کے ارباب علم کی صحبت میں رہنے کے بعد جن میں نظام المرغینانی بھی شامل تھے آپ بغداد آگئے اور دربار خلافت سے تعلق رکھنے والوں میں اپنا ایک مقام پیدا کر لیا[۹۹]۔ خلیفہ ناصر الدین اللہ (۵۷۵ ۔ ۶۲۲ ہجری / ۱۲۲۵ ۔ ۱۱۸۰ عیسوی) نے آپ کو شاہی اعزازات سے نوازا اور ۶۱۷ ھ ۲۱ ۔ ۱۲۲۰ ء میں اپنے ذاتی سفارتی نمائندے کی حیثیت سے سلطان شمس الدین التتمش (۶۰۷ ۔ ۶۳۵ ھ / ۳۶ ۔ ۱۲۱۱ ء) کے دربار میں ہندوستان بھیجا جہاں آپ نے دو عشروں سے ذرا سا کم عرصے تک قیام کیا ۔ ہندوستان سے رخصت ہونے کے بعد آپ نے دوسرا حج ادا کیا اور یمن کے راستے بغداد واپس آگئے ۔ اس وقت زمام خلافت مستنصر باللہ (۴۰ ۔ ۶۲۵ ھ / ۴۲ ۔ ۱۲۲۶ ء) کے ہاتھوں میں تھی ، جس نے بڑے اعزاز سے آپ کا استقبال کیا اور آپ کو دوسری مرتبہ سفارت پر ہندوستان بھیجا ۔ امام صغانی ۶۳۷ ھ / ۴۰ ۔ ۱۲۳۹ ء میں واپس بغداد آگئے اور اپنی وفات ۶۵۰ ھ / ۱۲۵۲ ء

(گذشتہ سے پیوستہ)

تحریر کیے جا چکے ہیں ۔ ملاحظہ فرمائیں شرح فارسی شہاب الاخبار مرتبہ محمد تقی دانش پژوہ (تہران ۱۳۴۹ ش) مقدمہ صص II ۔ IV ۔ شہاب الاخبار کا شارح بھی دبی ہے جو مشارق الانوار کا شارح ہے ۔ اس کا نام نمبر شمار ۱۳ اور ۱۸ پر درج ہے ۔ (مقدمہ ص III) لیکن دانش پژوہ نے غلطی سے دو مختلف شخص گمان کیے ہیں ۔

۹۵ ۔ فہرست کتب خانہ بانکی پور ، جلد پنجم ص ۹۳ ، نیز مولانا عبدالحی کی تصنیف نزہتہ الخواطر بہجتہ النواظر حیدر آباد ، بھارت جلد اول ۱۹۶۲ ء ص ۱۰۷

۹۶ ۔ نزہتہ الخواطر ص ۱۰۷

۹۷ ۔ صغانی یعنی صغانیان سے نسبت رکھنے والا ، جو چغانیان کا معرب ہے ۔ یہ ماوراالنہر کا ایک قصبہ ہے (صمعانی ورق ۳۵۲ ب) شیخ اکرم (آب کوثر صص ۷ اور ۸۱) اور دانش پژوہ (شرح فارسی شہاب الاخبار مقدمہ ص III) دونوں حضرات حقیقت سے آگاہ ہونے میں ناکام رہے اور اس کا بالترتیب " صنعانی " اور " صفائی " تلفظ کیا جو درست نہیں ہے ۔

۹۸ ۔ نزہتہ الخواطر جلد اول ص ۱۰۵

۹۹ ۔ جلال الدین عبدالرحمان سیوطی ، بغیتہ الوعاۃ فی طبقات اللغوین و النحاۃ مرتبہ محمد ابوالفضل ابراہیم قاہرہ (؟) ۱۹۶۴ ء حصہ اول صص ۵۱۹ ۔ ۵۲۰

تک یہیں رہے[100]۔ بعد میں آپ کی نعش کو مکہ مکرمہ لیجا کر دفن کیا گیا[101]۔ آپ بہ یک وقت ایک کامل ادیب اور مستعد استاد تھے۔ اپنی بہت سے تصانیف[102] کے علاوہ آپ نے بے شمار شاگرد اپنی یادگار کے طور پر چھوڑے جن میں برہان الدین محمود بن ابی الخیر اسعد البلخی، شرف الدین الدمیاطی، نظام الدین محمود بن عمرالھروی، محی الدین ابوالبقا، صالح بن عبداللہ بن جعفر بن علی بن صالح الاسدی الکوفی جو ابن صباغ کے نام سے مشہور ہیں شامل تھے[103]۔

۸۳ - فواید الفواد ص ۲۵۱، سیر الاولیا صص ۵۲۳ - ۵۲۴

۸۴ - ایضاً

۸۵ - سیر الاولیا صص ۵۲۳ - ۶۲۴

۸۶ - آپ کے مزار سے متعلق ملاحظہ فرمائیں LIST OF MUSLIM AND HINDU MONUMENTS جلد سوم ص ۱۱۰، نمبر - ۱۸۳

۸۷ - حضرت ترک بیابانی کے مزار کے بارے میں ملاحظہ فرمائیں LIST OF MUSLIM AND HINDU MONUMENTS جلد اول ص ۵۶، نمبر ۱۰۲

۸۸ - سلطان معز الدین بہرام شاہ کے مقبرے کے بارے میں ملاحظہ فرمائیں LIST OF MUSLIM AND HINDU MONUMENTS جلد چہارم ص ۵۰، نمبر ۱۰۶

۸۹ - گلزار ابرار ورق ۳۸ ب، آپ کا صحیح لقب "سدید الدین" تھا۔ ملاحظہ فرمائیں محمد نظام الدین کی تصنیف "تعارف جوامعُ الحکایات و لوامعُ الروایات" (لندن ۱۹۲۹ء) صص ۳ اور ۴

۹۰ - اس کتاب کا صحیح نام "جوامعِ الحکایات و لوامعِ الروایات" ہے۔ ملاحظہ فرمائیں "جوامع الحکایات و لوامع الروایات" مصنفہ محمد نظام الدین (لندن ۱۹۲۹ء) صص ۳ - ۴

۹۱ - امام ابوالحسین احمد بن محمد القدوری البغدادی (م ۴۲۸ھ / ۱۰۳۰ء) کی تصنیف "قدوری" کی مشہور شرح علی بن ابی بکر بن عبدالجلیل الفرغانی المرغینانی (م ۵۳۹ھ / ۱۱۹۷ء) نے تحریر کی۔ "قدوری" کا موضوع حنفی فقہ ہے اور یہ ۱۲۳۴ھ میں کلکتے سے شایع ہوئی۔ نیز ملاحظہ فرمائیں اس کا ترجمہ جو سی ہملٹن (C.HAMILTON) نے (ایک فارسی متن سے) سے کیا تھا اور ۱۷۹۱ء میں لندن سے شایع کیا۔ لندن ہی سے ۱۸۷۰ء میں اس کی

---

۱۰۰ - نزہتہ الخواطر ص ۱۰۵

۱۰۱ - خواندمیر، حبیب السیر، جلد دوم حصہ سوم ص ۹۰

۱۰۲ - حبیب السیر صص ۱۰۶ تا ۱۰۸ نیز بغیتہ الوعاۃ ص ۵۲۰

۱۰۳ - نزہتہ الخواطر ص ۱۰۶ نیز ملاحظہ فرمائیں، بغیتہ الوعاۃ صص ۵۲۰ - ۵۲۱

دوسری اشاعت سی گریڈی (C.GRADY) کے ذریعے عمل میں آئی۔[۱۰۴]

۹۲۔ کنزالدقایق جسے عام طور پر "کنز" کہا جاتا ہے، ابوالبرکات عبداللہ بن احمد النسفی (م ۷۱۰ھ / ۱۳۱۰ء) کی تصنیف ہے۔ اس کی وجہ شہرت حنفی فروعی مسایل پر مباحث کی جامع تدوین ہے۔ یہ کتاب کئی بار شایع ہو چکی ہے۔ قاہرہ سے ۱۳۰۹ھ، دہلی سے ۱۸۷۰ء، لکھنؤ سے ۱۸۷۴ء اور بمبئی سے ۱۸۷۷ء میں۔[۱۰۵]

۹۳۔ مصباح علم نحو پر امام ابوالفتح ناصر الدین مطرزی خوارزمی (م ۶۱۰ھ / ۱۲۱۳ - ۱۴ء) کی مشہور و معروف تصنیف ہے۔[۱۰۶]

۹۴۔ المنتخب فی اصول المذہب جو عام طور پر "حسامی" کے نام سے مشہور ہے، حسام الدین حنفی اخسیکتی (م ۶۲۴ھ / ۱۲۲۶ - ۲۷ء) کی تصنیف ہے۔ یہ حنفی اصول فقہ پر ایک مختصر رسالہ ہے۔[۱۰۷]

۹۵۔ قاضی عضد الدین عبدالرحمن ایجی (م ۷۵۶ھ / ۱۳۵۵ء) ایران کے مشہور ماہر زبان، منطق داں اور قانون کے عالم تھے۔ علاوہ ان مشہور اور معتبر تلامذہ[۱۰۸] کے جو آپ کے حلقۂ درس میں رہے، آپ کی تصنیفات کی شرحیں اور حاشیے تحریر کیے جانے کا سلسلہ طویل عرصے تک جاری رہا۔ آپ کے شاگردوں اور ان کے بعد آنے والی نسلوں کے اہل علم نے یہ شروح اور حواشی تحریر کیے۔ سلطان محمد تغلق نے آپ کی اعلیٰ دانش اور بہترین علمی کامرانیوں کا حال سن کر، جس کے متعلق یہ روایت بھی ہے کہ اس کی یہ خواہش تھی کہ آپ اپنی تصنیف "مواقف" اس کے نام معنون کر دیں۔ آپ کو اپنے ذاتی سفیر مولانا معین الدین عمرانی کے توسط سے ہندوستان آنے کی دعوت دی۔ جب والی شیراز شاہ شیخ ابو اسحاق کو اس دعوت کا علم ہوا تو اس نے آپ کو ذاتی طور پر اپنے ہاں بلایا اور ہندوستان جانے سے منع کیا بلکہ جس طرح یہ قصہ بیان کیا گیا ہے، شاہ نے علاوہ دوسری اشیا پیش کرنے کے یہ پیش کش بھی کی کہ وہ آپ کے حق میں تخت شیراز سے دست بردار ہونے کو تیار ہے۔ شاہ کے بے پناہ خلوص نے آپ کو بے حد متاثر کیا اور آپ نے اپنا ارادہ بدل دیا اور ہندوستان جانے کا فیصلہ منسوخ کر دیا۔[۱۰۹] وہ اعلیٰ قدر و منزلت جو آپ کو شیراز میں حاصل تھی اس کی شہادت مشہور فارسی شاعر حافظ شیرازی نے بھی دی ہے۔ انھوں نے اپنے ایک قطعے میں جہاں شاہ ابو اسحاق انجو (۷۵۴ - ۷۴۳ ہجری / ۱۳۵۳ -

---

۱۰۴۔ فہرست مخطوطات عربی، انڈیا آفس لائبریری، جلد دوم ص ۲۳۵

۱۰۵۔ فہرست مخطوطات عربی، انڈیا آفس لائبریری جلد دوم خطی نسخہ ۲۵۴

۱۰۶۔ تاریخ ادبیات در ایران، جلد سوم ص ۲۹۰

۱۰۷۔ فہرست مخطوطات عربی، انڈیا آفس لائبریری جلد اول ص ۳۷

۱۰۸۔ مثلاً مولانا معین الدین یزدی، شمس الدین کرمانی، سیف الدین ابہری، سعدالدین تفتازانی، قطب الدین شیرازی، شاہ نعمت اللہ ولی ماہانی اور شاہ شجاع بن امیر مبارز الدین محمد آپ کے شاگرد تھے۔ (ملاحظہ فرمائیں، تاریخ ادبیات در ایران، جلد سوم صص ۲۷۰۳، ۳۷، ۹۶، ۲۲۳، ۲۲۹، ۲۳۳، ۲۳۳، ۲۳۶، ۲۹۵، ۲۹۶، ۱۰۸۹، ۱۲۹۸)

۱۰۹۔ اخبارالاخیار ص ۱۳۲، گلزار ابرار، ورق ۳۹، مآثرالکرام صص ۱۶۷ - ۱۶۸

۱۳۴۴ عیسوی) کے عہد زریں میں شیراز کی خوشحالی کو یاد کیا ہے۔ آپ کو شہنشاہ دانش کا لقب دیا ہے اور آپ کو ان پانچ ہستیوں میں شامل کیا ہے جن کے وجود کے باعث اس عہد کے شیراز نے شان و شوکت حاصل کی۔ وہ کہتے ہیں:[۱۱۰]

بنای کار مواقف بنام شاہ نہاد
دگر شہنشہ دانش عضد کہ در تصنیف

۹۶۔ اخبارالاخیار ص ۱۴۲، گلزار ابرار، ورق ۳۹

۹۷۔ فواید الفواد (ص ۲۶۳) سیرالعارفین (ص ۱۵) اخبارالاخیار (ص ۴۹) میں آپ کا اسم گرامی "خواجہ محمود موئینہ دوز" بیان کیا گیا ہے۔

۹۸۔ فواید الفواد ص ۲۶۲، سیرالعارفین ص ۱۵

۹۹۔ آپ کے مقبرے سے متعلق ملاحظہ فرمائیں LIST OF MUSLIM AND HINDU MONUMENTS جلد چہارم ص ۵۷، نمبر۔ ۱۰۶

۱۰۰۔ گلزار ابرار ورق ۲۳ ب

۱۰۱۔ اخبارالاخیار ص ۴۹

۱۰۲۔ شیخ شہاب الدین ابو حفص عمر بن محمد البکری السہروردی سلاسل تصوف میں سلسلۂ سہروردیہ کے بانی تھے۔ آپ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی اولاد اور شیخ ابوالنجیب عبدالقادر ضیاء الدین سہروردی کے بھتیجے اور مرید تھے۔[۱۱۱] ابن خلکان کے بیان کے مطابق جو آپ کا ہمعصر تھا، شیخ عبدالقادر جیلانی آپ کے مرشد ثانی تھے۔[۱۱۲] آپ ایک عظیم صوفی، متبحر عالم، شافعی مذہب کے حامل شہرت فقیہہ اور پرجوش مبلغ اسلام تھے۔[۱۱۳] بیان کیا گیا ہے کہ ہندوستان میں آپ کے متعدد خلفا تھے[۱۱۴] جن میں شیخ بہاء الدین زکریا ملتانی[۱۱۵]، قاضی حمید الدین ناگوری[۱۱۶]، شیخ ترک بیابانی[۱۱۷]، مولانا مجد الدین حاجی جاجرمی[۱۱۸] اور شیخ ضیاء الدین رومی[۱۱۹] شامل تھے۔ لیکن ہندوستان میں سہروردی

۱۱۰۔ دیوان خواجہ شمس الدین محمد حافظ شیرازی ص ۳۶۳

۱۱۱۔ وفیات الاعیان جلد سوم صص ۴۴۶، ۴۵۰۔ بیوگرافیکل ڈکشنری (ترجمہ وفیات الاعیان) جلد دوم صص ۳۸۲، ۱۵۱

۱۱۲۔ وفیات الاعیان جلد سوم، ص ۴۴۶ نیز بیوگرافیکل ڈکشنری (ترجمہ وفیات الاعیان) جلد سوم، ص ۳۸۲، اخبارالاخیار ص ۱۶

۱۱۳۔ وفیات الاعیان جلد سوم صص ۴۴۶۔ ۴۴۷۔ بیوگرافیکل ڈکشنری (ترجمہ وفیات الاعیان) جلد سوم، صص ۳۸۲۔ ۳۸۳

۱۱۴۔ اخبارالاخیار ص ۳۶

۱۱۵۔ ایضاً ص ۲۶

۱۱۶۔ ایضاً ص ۳۶

۱۱۷۔ ایضاً ص ۳۷ ۱۱۸۔ ایضاً ص ۳۹ ۱۱۹۔ ایضاً ص ۴۷

سلسلے کی تنظیم و اشاعت کا حقیقی کارنامہ شیخ بہاء الدین زکریا، ان کے اخلاف اور مریدین نے انجام دیا۔
شیخ شہاب الدین سہروردی کی وفات ۶۳۲ھ / ۱۲۳۴ء میں بغداد میں ہوئی۔[۱۲۰]

۱۰۳۔ آپ کی قبر سے متعلق ملاحظہ فرمائیں LIST OF MUSLIM AND HINDU MONUMENTS جلد سوم ص ۹۹، نمبر۔ ۱۵۷

۱۰۴۔ سیرالاولیا ص ۱۶۴، اخبارالاخیار ص ۵۰

۱۰۵۔ سیرالاولیا ص ۶۲

۱۰۶۔ سیرالاولیا ص ۵۰۵

۱۰۷۔ فواید الفواد صص ۱۵۹۔ ۱۶۰ نیز سیرالاولیا ص ۵۶

۱۰۸۔ اس کے مقبرے کے بارے میں ملاحظہ فرمائیں LIST OF MUSLIM AND HINDU MONUMENTS جلد سوم ص ۲۱، نمبر۔ ۱۰

۱۰۹۔ اخبارالاخیار ص ۵۰

۱۱۰۔ آپ کے مزار کے بارے میں ملاحظہ فرمائیں LIST OF MUSLIM AND HINDU MONUMENTS جلد سوم ص ۸۰، نمبر۔ ۱۲۸

۱۱۱۔ گلزار ابرار کے مصنف کے بیان (ورق ۳۰ ب) کے مطابق آپ کی وفات ۷۰۸ھ / ۱۳۰۸۔ ۹ء میں ہوئی

۱۱۲۔ گلزار ابرار، اوراق ۴۳ ب اور ۴۴ ب

۱۱۳۔ آپ کے مزار سے متعلق ملاحظہ فرمائیں LIST OF MUSLIM AND HINDU MONUMENTS جلد دوم ص ۱۳۳، نمبر۔ ۱۳۳

۱۱۴۔ گلزار ابرار، ورق ۶۵

۱۱۵۔ آپ کی قبر سے متعلق ملاحظہ فرمائیں LIST OF MUSLIM AND HINDU MONUMENTS جلد سوم ص ۸۴، نمبر۔ ۱۳۶

۱۱۶۔ گلزار ابرار ورق ۵۷

۱۲۰۔ وفیات الاعیان جلد سوم ص ۴۴۸۔ بیوگرافیکل ڈکشنری (ترجمہ وفیات الاعیان) جلد سوم ص ۳۸۴ نیز نفحات الانس ص ۴۷۳

۱۱۷ ـ سیر الاولیا صص ۹۴ اور ۱۰۱

۱۱۸ ـ مقامات حریری[۱۲۱] مصنفہ ابی محمد القاسم بن علی بن محمد بن عثمان الحریری البصری (م ۵۱۶ ھ / ۱۱۲۲ ـ ۲۳ ء) اپنے مصنف کی صلاحیت اور وسعت علم پر واضح دلیل ہے ـ یہ عربی زبان میں صنفِ " مقامہ " کا اولین کامل نمونہ ہے۔[۱۲۲] اس میں صحرائی بدوؤں میں بولی جانے والی عربی زبان سے متعلق وافر معلومات ہیں اور اس کے مطالعے سے اس زبان کے محاورات، ضرب الامثال اور دوسری لسانی باریکیوں کو بھی معلوم کیا جا سکتا ہے۔[۱۲۳]

۱۱۹ ـ نفحات الانس ص ۵۰۴

۱۲۰ ـ سورہ حدید، آیت ۱۶ (انگریزی متن میں آیت ۱۱ کا حوالہ دیا گیا ہے جو درست نہیں ہے ـ مترجم)

۱۲۱ ـ اخبار الاخیار ص ۵۹

۱۲۲ ـ سیر الاولیا ص ۱۰۰ نیز ملاحظہ فرمائیں فواید الفواد صص ۱۶۳ ـ ۱۶۴

۱۲۳ ـ ذکر خواجہ قطب الدین بختیار کاکی اوشی قدس سرہ، حاشیہ ۳۱

۱۲۴ ـ ملاحظہ فرمائیں، فواید الفواد ص ۱۶۹

۱۲۵ ـ فواید الفواد، ص ۱۰۸

۱۲۶ ـ " عوارف العارف " مصنفہ شہاب الدین ابو حفص عمر السہروردی (م ۶۳۲ ھ / ۱۲۳۴ ء) اسلامی تصوف کے موضوع پر دائرۃ المعارف کی حیثیت رکھتی ہے اور کاشانی کی تصنیف " مصباح الہدایہ " کے ماخذ کا بنیادی ماخذ ہے جو اپنے موضوع پر ایک ممتاز مقام کی حامل ہے ـ قاہرہ سے ۱۲۸۹ اور ۱۳۵۰ ھ میں غزالی کی " احیاء العلوم " کے حاشیے پر طبع ہو چکی ہے۔[۱۲۴]

۱۲۷ ـ فواید الفواد میں بجائے " شش باب " کے " پنج باب " تحریر کیا گیا ہے ـ (ص ۸۰ ملاحظہ فرمائیں)

۱۲۸ ـ " التمہید فی بیان التوحید و ہدایت لکل مستر شد و رشید " جو " تمہید " کے نام سے معروف ہے ـ ابوبکر محمد

---

۱۲۱ ـ ۱۳۲۶ ھ میں قاہرہ میں طبع ہوئی ـ اس کی ایک مشہور شرح بھی قاہرہ سے شائع ہوئی ـ ملاحظہ فرمائیں ابی العباس احمد بن عبدالمومن القسی الشریشی کی " شرح مقامات الحریری " (قاہرہ ۱۳۷۲ ھ / ۱۹۵۲ ـ ۵۳ ء)

۱۲۲ ـ عربی زبان میں اس خالص ادبی تحریر کے وجود میں آنے، ترقی کرنے اور فارسی ادب پر اس کے اثرات مترتب ہونے کے سلسلے میں ملاحظہ فرمائیں، محمد تقی بہار کی تصنیف " سبک شناسی " (تہران ۱۳۴۹ ش) جلد دوم صص ۳۲۴ تا ۳۵۶ نیز فرس ابراہیمی حریری کی تصنیف " مقامہ نویسی در ادبیات فارسی " (تہران ۱۳۴۶ ش)

۱۲۳ ـ بیو گرافیکل ڈکشنری (ترجمہ وفیات الاعیان) جلد دوم صص ۴۹۰ تا ۴۹۶ نیز ملاحظہ فرمائیں احمد بن عمر بن علی نظامی عروضی سمرقندی کی تصنیف " چہار مقالہ " مرتبہ محمد معین (تہران ۱۳۳۳ ش) ص ۲۲

۱۲۴ ـ عزالدین محمود بن علی کاشانی کی تصنیف " مصباح الہدایہ و مفتاح الکفایہ " مرتبہ جلال الدین ہمائی (تہران ـ سال اشاعت ندارد)

بن عبدالسید بن شعیب حنفی سالمی کی تصنیف ہے جس کا موضوع سنی علم کلام ہے ۔ اس میں معتزلہ اور دیگر فلاسفہ کے مخالفانہ دلایل کے مناظرانہ جواب دیے گئے ہیں ۔ اس تصنیف کی داخلی شہادت کے مطابق مصنف کا زمانہ حیات پانچویں صدی ہجری / گیارھویں صدی عیسوی متعین ہوتا ہے ۔ یہ کتاب قاہرہ سے ۱۳۳۸ھ / ۲۰ - ۱۹۱۹ء میں شایع ہوئی ۔[۱۲۵]

(سیرالاولیا اور اخبارالاخیار کے بیانات کے مطابق حضرت سلطان المشایخ شیخ نظام الدین محبوب الٰہی قدس سرہ نے حضرت فرید الدین گنج شکر سے ابو شکور سالمی کی " تمہید المبتدی " پڑھی تھی ۔ اس کا ذکر اس خلافت نامے میں بھی ہے جو گنج شکر نے حضرت قدس سرہ کو عطا فرمایا تھا ۔ ملاحظہ فرمائیں سیرالاولیا (فارسی) لاہور ۱۹۷۸ء صص ۱۱۶ ، ۱۲۷ - اخبارالاخیار (اردو ترجمہ) از مولانا سبحان محمود و مولانا محمد فاضل کراچی سال اشاعت ندارد ص ۱۲۴ ، مترجم)

۱۲۹ ۔ فواید الفواد ص ۳۴ ، سیرالاولیا ص ۱۰۶

۱۳۰ ۔ اخبارالاخیار صص ۵۴ ۔ ۵۹

۱۳۱ ۔ سیرالاولیا ص ۲۹۲ ، اخبارالاخیار ص ۵۸

۱۳۲ ۔ سیرالاولیا ص ۳۲۴ ، اخبارالاخیار ص ۵۸

۱۳۳ ۔ سیرالاولیا ص ۳۹۲ ، اخبارالاخیار ص ۵۹

۱۳۴ ۔ فواید الفواد ص ۲۱۶ ، سیرالاولیا صص ۳۱۲ ۔ ۳۱۳ ، اخبارالاخیار ص ۵۹

۱۳۵ ۔ سیرالاولیا ص ۲۴۳ ، اخبارالاخیار ص ۵۹

۱۳۶ ۔ فواید الفواد ص ۱۳۱ ، سیرالاولیا ص ۳۵۴ ، اخبارالاخیار ص ۵۹

۱۳۷ ۔ فواید الفواد ص ۱۳۱ کے مطابق " بہشتا دوسہ " (تراسی) ہونا چاہیے

۱۳۸ ۔ سیرالاولیا ص ۳۲۱

۱۳۹ ۔ فواید الفواد ص ۲۰۳ ، سیرالاولیا ص ۳۰۳

۱۴۰ ۔ سیرالاولیا ص ۳۰۳

۱۴۱ ۔ فواید الفواد صص ۳۱ ۔ ۳۲ ، سیرالاولیا ص ۳۰۳

---

۱۲۵ ۔ فہرست عربی مخطوطات انڈیا آفس لائبریری ۔ جلد دوم ص ۲۳۹ ۔ S. YAN RONKEL, SUPPLEMENT TO THE CATALOGUE OF THE ARABIC MANUSCRIPT RESERVED IN THE BATAVIA SOCIETY OF ARTS AND SCIENCES ہیگ ۔ ۱۹۱۳ صص ۱۱۸ ۔ ۱۱۹

۱۴۲ - فواید الفواد ص ۲۱۴ ، سیر الاولیا ص ۴۰۳ ، نجات الرشید ص ۴۴۴

۱۴۳ - ابو سعید فضل اللہ بن ابی الخیر محمد بن احمد مہنی (ولادت ۳۵۷ھ / ۹۶۷ء وفات ۴۴۰ھ / ۱۰۴۹ء) سرزمین خراسان کے اکابر صوفیہ اور اعظم علما میں سے تھے ۔ آپ پر سب سے پہلے بچپن میں روحانی سرخوشی کا انکشاف سماع کی مجلسوں میں ہوا ، جن میں آپ اپنے والد کے ہمراہ جاتے تھے ۔ آپ نے باطنی مشغولیت کی اولین ہدایت شیخ ابوالقاسم بشر یاسین (م ۳۸۰ھ / ۹۹۰ء) سے حاصل کی جنھوں نے مملکت تصوف میں آپ کے جاہ و جلال اور عظمت کا قبل از وقت ادراک کر لیا تھا ، اس باب میں پیشین گوئی بھی کی تھی ۔ آپ نے قرآن شریف بو محمد عنازی سے پڑھا اور زبان کے استعمال میں مہارت بو سعید عنازی کے زیر تربیت حاصل کی ۔ اس کے بعد امام ابو عبداللہ الحُسری سے شافعی فقہ کی تعلیم حاصل کرنے کے لیے مرو چلے گئے جہاں آپ پانچ سال تک تعلیم حاصل کرتے رہے ۔ حتیٰ کہ امام موصوف نے وفات پائی ۔ تاہم آپ نے فقہ کی تعلیم کو جاری رکھا اور ایک دوسرے نامور عالم شیخ امام ابوبکر قفال سے مزید پانچ سال فقہ کی تعلیم حاصل کی ۔ بعدازاں آپ سرخس چلے گئے اور ابو علی ظاہر بن احمد سے تفسیر ، علم عقاید اور حدیث پڑھنا شروع کیا ۔ سرخس کے عارضی قیام کے دوران ایک مجذوب درویش لقمان سرخسی سے آپ کی ملاقات ہوئی جو آپ کو اپنے ایک دوست شیخ ابوالفضل الحسن کی خانقاہ میں لے گئے اور آپ کو ان کے سپرد کر دیا ۔ اس اتفاقی واقعے نے آپ کی زندگی کو روحانی نسبت کی نئی جہت سے آشنا کیا اور آپ نے تصفیہ باطن کی مشغولیت کے اوقات میں تدریجا اضافہ کرنا شروع کر دیا اور بالآخر ظاہر علوم سے کنارہ کش ہو گئے ۔ اس سے قبل کہ آپ خود کو خرقۂ خلافت ملنے کا اہل ثابت کرتے ، آپ نے سرخس میں اپنے مرشد کی نگرانی میں اور ان سے علاحدہ مہنہ میں تزکیۂ نفس کے لیے طویل زاہدانہ ریاضات و مجاہدات کیے ۔ آپ کے وقت کا ایک ایک لمحہ اور آپ کی زندگی کا ایک ایک سانس ذکر الٰہی ، مراقبہ خلوت اور دوسری زاہدانہ ریاضتوں میں بسر ہوتا تھا ۔ آپ مسلسل کئی دنوں تک گھر سے غایب ہو جاتے اور ویران مقامات میں کامل خلوت و حیرت میں گزارتے ۔ جب گھر واپس آتے تو رات کو چپکے سے نکل جاتے اور ایک ویران عمارت میں جسے "رباط کہن" کہتے تھے چلے آتے ۔ اندر سے دروازہ بند کر کے اپنے پاؤں میں رسی باندھ کر دوسرا سرا کسی شہتیر سے باندھ دیتے ۔ پھر اس شہتیر کو عمارت کے کنویں کے دہانے کے آر پار رکھ کر کنویں میں لٹک جاتے اور قرآن کی تلاوت شروع کر دیتے اور صبح ہونے سے پہلے پورا قرآن ختم کر دیتے ۔ اس کے بعد آپ کنویں سے باہر نکلتے ، تمام چیزوں کو ان کی جگہ رکھتے اور تازہ وضو کر کے گھر لوٹ آتے اور سو جاتے ۔ حتیٰ کہ آپ کے والد طلوع سحر کے وقت آ کر آپ کو نماز فجر کے لیے بیدار کرتے ۔ آپ نے روحانی خرقہ شیخ ابوالفضل حسن سے حاصل کیا ۔ ایک دوسری روایت میں بیان کیا گیا ہے کہ ابوالقاسم نصر آبادی کی سفارش پر جو شیخ ابو عبدالرحمن السلمی نیشاپوری (م ۴۱۲ھ / ۱۰۲۱ء) کے مشہور مرید تھے ۔ شیخ ابوالفضل حسن نے آپ کو خرقۂ خلافت عطا کیا ۔

دوسرا خرقۂ خلافت جو آپ کو زیادہ تاخیر سے ملا، وہ ابوالعباس القصاب آملی نے عطا کیا تھا۔
اسی طرح جب دوران سفر آپ کی ملاقات شیخ ابوالحسن خرقانی سے ہوئی تو انھوں نے آپ کو روحانی فیوض و برکات سے نوازا۔ تمام مسلمان اولیا و صوفیہ سے بعض کرامات کا صادر ہونا لوازمات ولایت سے ہے لیکن دوسرے بزرگوں کی بہ نسبت آپ کی ذات سے زیادہ کرامات ظہور میں آئی ہیں۔ آپ کی سوانح عمریاں آپ کی کرامات کے واقعات سے بھری ہوئی ہیں۔ خاص طور پر آپ کو یہ کمال حاصل تھا کہ لوگ اپنے دل میں جو باتیں سوچتے تھے آپ پر ظاہر ہو جاتی تھیں۔ آپ کے اس کشف کے باعث بے شمار مواقع پر آپ نے لوگوں کو مصیبت سے بچایا۔ اس وجہ سے آپ کے اکثر بدخواہ آپ کے مخلص دوست بن گئے۔

آپ کے کلام کی فصاحت، بیان کی زیبائی اور لطیف پیرایہ اظہار آپ کی روحانی مجلسوں میں شریک ہونے والے بڑے مجمع کو اپنے اندر جذب کر لیتے تھے۔ آپ کا خدا کی راہ میں مال و دولت صرف کرنا اس قدر مشہور ہوا کہ لوگ اسے بے جا اسراف سے تعبیر کرتے تھے۔ آپ بڑی شاندار ضیافتوں کے میزبان بنتے اور اس بات کی پروا کیے بغیر بے دریغ روپیہ صرف کرتے کہ لوگ اس بات پر غصے سے بھڑک جاتے ہیں اور ہمعصروں میں بہت سے حاسد پیدا ہو گئے ہیں۔[۱۲۶]

۱۴۴۔ فوایدالفواد صص ۹، ۱۰، سیرالاولیا ص ۳۲۵

۱۴۵۔ ملاحظہ فرمائیں، متن ترجمہ ذکر نورالدین مبارک غزنوی قدس سرہ، حاشیہ ۴۹

۱۴۶۔ سیرالأولیا ص ۳۲۷

۱۴۷۔ سیرالاولیا ص ۳۲۸

۱۴۸۔ سیرالاولیا ص ۳۲۹

۱۴۹۔ سیرالاولیا ص ۳۶۶

۱۵۰۔ سیرالاولیا ص ۳۶۸

۱۵۱۔ فوایدالفواد ص ۲۲۲، سیرالاولیا ص ۴۰۰

۱۲۶۔ مزید تفصیلات کے لیے ملاحظہ فرمائیں، محمد بن منور بن ابو سعد بن ابی طاہر بن ابی سعید مہنی کی تصنیف - اسرار التوحید فی مقامات ابی سعید - مرتبہ ذبیح اللہ صفا (تہران ۱۳۴۸ ش)، کتاب الانساب، ورق ۵۵۰، تذکرہ الاولیا عطار صص ۸۰۰ تا ۸۱۵، نفحات الانس صص ۳۰۰ تا ۳۰۷، آتش کدہ آذر مصنفہ لطف علی بیگ آذر مرتبہ حسن سدات ناصری (تہران ۱۳۳۶ - ۴۰ ش) جلد دوم صص ۶۶۳ تا ۶۶۷ مع سوانح عمری، آر۔ اے۔ نکلسن STUDIES IN ASLAMIC MYSTICISM (کیمبرج ۱۹۶۷، اشاعت ثانی) صص ۱ تا ۷۶، دایرہ المعارف اسلامیہ زیر نام ابو سعید فضل اللہ بن ابی الخیر۔

۱۵۲ ۔ عین القضاۃ ہمدانی ۔ تمہیدات ص ۱۹ ، بحوالہ رحیم فرنش ، احوال و آثار عین القضاۃ ہمدانی (تہران ۱۳۳۸ ش) ص ۳۶۹

۱۵۳ ۔ سیر الاولیا ص ۴۰۰

۱۵۴ ۔ فواید الفواد ص ۸۷ ، سیر الاولیا ص ۴۰۰

۱۵۵ ۔ امام ابی حامد محمد بن محمد الغزالی (۴۵۰ھ / ۱۰۵۸ء تا ۵۰۵ھ / ۱۱۱۱ء) کی تصنیف "احیاء علوم الدین"[۱۲۷] خصوصیت کے ساتھ زہد و تصوف اور عمومی اعتبار سے اسلامی عقاید کا لب لباب ہے ۔ اپنی ضخامت اور مطالب کے اعتبار سے یہ تصنیف اس قدر جامع اور مشرح ہے کہ بعض مسلمان برگزیدہ اہل علم کا قول ہے کہ اگر تمام دوسری تصانیف قطعی طور پر تلف ہو جائیں تو تنہا احیاء العلوم ، اسلامی عقاید اور تصوف کی تعلیمات کو علیٰ حالہ برقرار رکھنے کے لیے کافی ہے ۔[۱۲۸]

۱۵۶ ۔ احیاء العلوم ، جلد اول ص ۲۳۱ ، عوارف المعارف جلد سوم ص ۲۴۷ ، مصباح الہدایہ ص ۳۳۴

۱۵۷ ۔ سیر الاولیا ص ۴۰۸

۱۵۸ ۔ سیر الاولیا ص ۴۱۱

۱۵۹ ۔ سیر الاولیا ص ۴۱۰

۱۶۰ ۔ سیر الاولیا ص ۴۱۱

۱۶۱ ۔ ملاحظہ فرمائیں متن ترجمہ ذکر شیخ نظام الحق والدین کلمہ ۱۲ حاشیہ ۱۴۳

۱۶۲ ۔ فواید الفواد ص ۸۲ ، سیر الاولیا ص ۴۳۶

۱۶۳ ۔ سیر الاولیا ص ۴۳۷

۱۶۴ ۔ سیر الاولیا ص ۴۴۳

۱۶۵ ۔ سیر الاولیا ص ۴۵۵

۱۶۶ ۔ سیر الاولیا ص ۴۶۴

۱۶۷ ۔ فواید الفواد ص ۲۶۴ ، سیر الاولیا ص ۵۰۳

---

۱۲۷ ۔ بولاق ۱۲۸۹ھ ، قاہرہ ۱۲۸۹ اور ۱۳۵۷ھ نیز چاپ سنگی لکھنو ۱۸۶۴ء ۔

۱۲۸ ۔ فہرست مخطوطات فارسی و عربی اورینٹل پبلک لائبریری بانکی پور جلد ۱۳ ص ۱۸ نیز ملاحظہ فرمائیں ، جلال الدین ہمائی کی تصنیف ۔ غزالی نامہ ۔ ترمیم شدہ اشاعت ثانی (تہران ۱۳۴۲ ش ، صص ۲۴۳ تا ۲۴۷

۱۶۸ ۔ حکیم مجدالدین مجدود بن آدم السنائی الغزنوی (م ۵۴۵ ھ / ۵۱ - ۱۱۵۰ ء) عارفانہ مثنویاں لکھنے میں خواجہ عطار (م ۶۲۷ ھ / ۳۰ - ۱۲۲۹ ء) اور مولانا رومی (م ۶۷۲ ھ / ۱۲۷۳ ء) کے پیشرو ہیں اور فارسی شاعری کی قلمرو میں ۔ دونوں حضرات کے ساتھ شامل ہو کر رہنمایان طریقت کا سہ شخصی گروہ تشکیل کرتے ہیں ۔ آپ اپنی تصنیفات میں روحانی اور اخلاقی نکات بیان کرنے کے علاوہ اس اخلاقی بگاڑ اور معاشرتی انحطاط کا ماتم کرتے ہیں ، جو آپ کے زمانے میں ہر طرف پھیلا ہوا تھا اور انتہائی سخت الفاظ میں ان لوگوں پر ملامت کرتے ہیں جو ان خرابیوں کے ذمہ دار تھے ۔ فارسی زبان کے معدودے چند شعرا شاید اس امر میں آپ کے ہمسر ہوں کہ ان کا آنے والی نسلوں پر صدیوں تک ایسا مسلسل اور مستقل اثر رہا ہو جیسا کہ آپ کا رہا۔[۱۲۹] آپ کی تمام تصنیفات شایع ہو چکی ہیں[۱۳۰]۔

۱۶۹ ۔ فواید الفواد ص ۱۷

۱۷۰ ۔ ایضاً

۱۷۱ ۔ فواید الفواد ص ۲۱ ، خیر المجالس ص ۸۳

۱۷۲ ۔ ملاحظہ فرمائیں متن ترجمہ ذکر شیخ نظام الحق والدین قدس سرہ ، کلمہ ۱۲ حاشیہ ۱۴۳

۱۷۳ ۔ نفحات الانس ص ۵۰۵

۱۷۴ ۔ سیر الاولیا ص ۱۴۲

۱۷۵ ۔ سیر الاولیا صص ۱۴۲ - ۱۴۳

۱۷۶ ۔ قاضی محی الدین کاشانی ، قاضی قطب الدین کاشانی کے پوتے تھے ۔ آپ کا علمی تبحر ، تحمل ، تقوی اور خشیت الہی زبان زد خاص و عام تھا ۔ آپ جب کبھی شیخ نظام الدین کی خدمت میں حاضر ہوتے تو شیخ رحمتہ اللہ علیہ آپ کے استقبال کے لیے کھڑے ہو جاتے ۔ آپ کے حق میں یہ رعایت خاص ایسی تھی جس کے بارے میں حضرت کا کوئی مرید تصور بھی نہیں کر سکتا تھا ۔ حتی کہ حضرت کے بعض مرید جن کو شیخ کی مجلس میں بیٹھنے کی جرات نہ ہوتی تھی ہمیشہ آپ کی آمد کے منتظر رہتے تھے کیونکہ آپ کی آمد پر مختلف موضوعات پر علمی گفتگو ہوتی ، اس وقت ہر شخص مجلس میں بیٹھ سکتا تھا اور شیخ کی خدمت میں باریابی کا شرف حاصل کر سکتا تھا ۔

---

۱۲۹ ۔ محمد سلیم اختر ۔ تحقیق در مثنویہائے حکیم سنائی ۔ غیر مطبوعہ مقالہ جو ڈاکٹریٹ کی سند کے لیے ۱۹۷۳ ء میں تہران یونیورسٹی میں پیش کیا گیا ۔ صص ۲۵ تا ۳۱ ، ۱۵۶ تا ۱۶۱

۱۳۰ ۔ ۔ دیوان حکیم سنائی ۔ مرتبہ مدرس رضوی (تہران سال اشاعت ندارد) ۔ دیوان حکیم سنائی ۔ مرتبہ مظاہر مصفا (تہران ۱۳۳۶ ش) ۔ حدیقۃ الحقیقہ و شریعۃ الطریقہ ۔ مرتبہ مدرس رضوی (تہران ۱۳۲۹ ش) ۔ مثنویہائے حکیم سنائی ۔ مرتبہ محمد تقی مدرس رضوی (تہران ۱۳۴۸ ش) ۔ مکاتیب سنائی ۔ مرتبہ نذیر احمد (علی گڑھ ۱۹۶۲ ء)

آپ کی وفات شیخ نظام الدین کی حین حیات میں ہوئی۔[۱۳۱] شیخ نصیر الدین محمود آپ کے قدیم شاگردوں میں سے تھے اور آپ سے "بزدوی" کا درس لیا تھا۔[۱۳۲]

۱۷۷۔ سیرالاولیا ص ۱۳۲

۱۷۸۔ اخبارالاخیار صص ۵۶ ۔ ۵۰، سیرالاولیا ص ۱۳۴

۱۷۹۔ سیرالاولیا ص ۱۲۴

۱۸۰۔ اخبار،لاخیار صص ۵۵ ۔ ۵۸

۱۸۱۔ سیرالاولیا ص ۱۲۸

۱۸۲۔ سیرالاولیا ص ۱۵۳

۱۸۳۔ آپ کے مقبرے اور جماعت خانے کی تفصیلات کے ملاحظہ فرمائیں LIST OF MUSLIM AND HINDU MONUMENTS جلد دوم ص ۱۳۶، نمبر۔ ۱۹۷ اور ص ۱۵۱، نمبر۔ ۲۰۰

۱۸۴۔ سیرالاولیا صص ۱۶۷ ۔ ۱۶۹

۱۸۵۔ فوایدالفواد صص ۱۶ ۔ ۱۷

۱۸۶۔ سیرالاولیا ص ۱۶۷

۱۸۷۔ آپ کے مزار کے متعلق ملاحظہ فرمائیں LIST OF MUSLIM AND HINDU MONUMENTS جلد سوم ص ۱۹۶، نمبر۔ ۳۳۱

(شیخ احمد بن شیخ نجیب الدین متوکل کے مزار سے متعلق مندرجہ بالا حاشیے میں غالبا کوئی تسامح ہوا ہے کیونکہ شیخ نجیب الدین متوکل کے مزار سے متعلق یہی حوالہ حاشیہ ۱۸۹ پر دیا گیا ہے۔ خاکسار مترجم کی دسترس میں متعلقہ ماخذ نہیں ہے۔ اس لیے اصل صورت کی نشان دہی سے قاصر ہے تاہم اتنا قیاس ضرور کیا جا سکتا ہے کہ حاشیہ ۱۸۷ اور ۱۸۹ کا صفحہ ۱۹۶ ہی ہو لیکن نمبر شمار علاحدہ علاحدہ ہوں گے۔ احقر مترجم)

۱۸۸۔ فوایدالفواد ص ۱۸۴

۱۸۹۔ آپ کے مزار کے بارے میں ملاحظہ فرمائیں LIST OF MUSLIM AND HINDU MONUMENTS جلد سوم ص ۱۹۶، نمبر ۳۳۱

۱۳۱۔ سیرالاولیا صص ۲۹۴ تا ۲۹۶ نیز ملاحظہ فرمائیں اخبارالاخیار صص ۹۶، ۹۷

۱۳۲۔ خیرالمجالس صص ۱۵۰، ۱۵۱

۱۹۰۔ فواید الفواد ص ۱۳۲، سیر الاولیا ص ۱۶۸

۱۹۱۔ سیر الاولیا صص ۱۶۷۔ ۱۶۸

۱۹۲۔ اخبار الاخیار ص ۶۶

۱۹۳۔ رشحات عین الحیات ص ۲۴

۱۹۴۔ خواجہ بہاء الدین نقشبند سلسلہ خواجگاں کے نمایاں نور افشاں میناروں میں سے تھے۔ آپ کی ذات گرامی کے زیراثر آگے چل کر یہ سلسلہ "سلسلۂ نقشبندیہ" کے نام سے معروف ہوا۔ آپ نے ابتدائی منازل سلوک سید امیر کلال کی زیرہدایت طے کیے[۱۳۳] لیکن آپ نے صراحتاً فرمایا ہے کہ میری حقیقی تربیت خواجہ عبدالخالق غجدوانی[۱۳۴] کی روحانیت پاک نے فرمائی۔ آپ کی ولادت محرم الحرام ۷۱۸ھ / فروری، مارچ ۱۳۱۹ء میں بخارا کے نواح میں ہوئی اور وفات بھی اسی مقام پر ۳ ربیع الاول ۷۹۱ھ / ۲ مارچ ۱۳۸۹ء کو ہوئی۔[۱۳۵] ان بے شمار مریدین کے علاوہ جو آپ کی وفات کے بعد زندہ رہے۔ آپ نے دو ممتاز خلیفہ خواجہ علاء الدین عطار اور خواجہ محمد پارسا اپنی یادگار چھوڑے۔[۱۳۶]

خواجہ بہاء الدین اپنے زمانہ حیات میں بھی طالبین کو تربیت کے لیے خواجہ علاء الدین کی خدمت میں بھیجتے تھے لیکن آپ کی وفات کے بعد بشمول خواجہ محمد پارسا[۱۳۷] (م ۲۴ جمادی الثانی ۸۲۲ھ / ۲۰ جون ۱۴۱۸ء) تمام مریدین بہ طیب خاطر خواجہ علاء الدین عطار کے روحانی فیوض و برکات کی پناہ میں آگئے۔[۱۳۸] مشہور و معروف عالم میر سید شریف جرجانی بھی خواجہ عطار کی روحانی برکات سے بے حد فیض یاب ہوئے اور وہ ہمیشہ اس امر کا اعتراف کرتے تھے کہ میرا عرفان و ایقان خواجہ علاء الدین عطار کا رہین منت ہے۔[۱۳۹] خواجہ علاء الدین کا وصال ۲۰ رجب ۸۲۰ھ / ۱۴ ستمبر ۱۴۱۶ء کو ہوا اور انھیں صغانیان میں دفن کیا گیا۔[۱۴۰] خواجہ علاء الدین کے مریدوں میں مولانا نظام الدین خاموش سب سے زیادہ ممتاز تھے۔ وہ خواجہ علیہ الرحمہ کی صحبت اختیار کرنے سے قبل بعض غیر مرئی

۱۳۳۔ آپ کے حالات زندگی کے لیے ملاحظہ فرمائیں، نفحات الانس ص ۳۸۲ اور رشحات عین الحیات صص ۳۲۔ ۴۲

۱۳۴۔ آپ کے حالات زندگی کے لیے ملاحظہ فرمائیں، نفحات الانس صص ۳۷۷ تا ۳۸۰ نیز رشحات عین الحیات صص ۱۸ تا ۲۷

۱۳۵۔ رشحات ص ۵۷۔ آپ کے حالات زندگی کے لیے ملاحظہ فرمائیں نفحات الانس صص ۳۸۴ تا ۳۸۹ نیز رشحات صص ۵۳ تا ۵۷

۱۳۶۔ رشحات ص ۵۷

۱۳۷۔ رشحات صص ۶۲۔ ۶۳۔ آپ کے حالات زندگی کے لیے ملاحظہ فرمائیں نفحات الانس صص ۳۹۲ تا ۳۹۶ نیز رشحات صص ۵۷ تا ۶۳

۱۳۸۔ نفحات الانس ص ۳۸۹، رشحات ص ۸۰۔ آپ کی زندگی کے حالات کی تفصیل کے لیے ملاحظہ فرمائیں نفحات الانس ۳۸۹ تا ۳۹۲ نیز رشحات صص ۷۹ تا ۹۰

۱۳۹۔ نفحات الانس ص ۳۸۹، رشحات ص ۱۰۶۔ آپ کے حالات زندگی کے لیے ملاحظہ فرمائیں رشحات صص ۱۰۶ تا ۱۰۸

۱۴۰۔ رشحات ص ۸۹

قوتوں کے حامل تھے اور انھوں نے اپنی طالب علمی کے زمانے میں خواجہ بہاء الدین نقشبند سے بھی ملاقات کی تھی۔[۱۳۱] مولانا خاموش کی وفات ۸۵۰ھ / ۵۶ - ۱۴۵۵ء میں ہوئی۔[۱۳۲] ان کی مسند ولایت کے وارث دو نامور شخص ہوئے ۔ ایک مولانا سعدالدین کاشغری[۱۳۳] اور دوسرے خواجہ عبیداللہ[۱۳۴] جنھیں خواجہ احرار کے لقب سے بھی یاد کیا جاتا ہے ۔ اپنے روحانی مشاہدات اور باطنی عرفان کو مزید ترقی دینے کے لیے خواجہ عبیداللہ اپنے زمانے کے دو صاحب عظمت بزرگوں شیخ بہاء الدین خراسانی[۱۳۵] اور مولانا یعقوب[۱۳۶] چرخی کی صحبت سے بھی فیض یاب ہوئے ۔ اپنی حیات ناسوتی کے آخری برسوں میں اپنے عہد کے سیاسی معاملات میں خواجہ احرار کے بھرپور حصہ لینے اور معاصر سماجی اور سیاسی حلقوں سے قریبی تعلق قایم کرنے نے سلسلہ نقشبندیہ کو ایک نئی جہت عمل سے آشنا کیا ۔ خلق خدا جو عام طور پر برگزیدہ حضرات کی پیروی کرتی ہے ۔ فطری طور پر خواجہ بہاء الدین نقشبند کے حلقۂ ارادت میں آ گئی ۔ خواجہ احرار کا وصال ۸۹۵ھ / ۱۴۹۱ء میں ہوا ۔

۱۹۵ ۔ ذکر خواجہ قطب الدین بختیار کاکی اوشی قدس سرہ ، حاشیہ ۳۱

۱۹۶ ۔ ذکر مولانا مجدد الدین حاجی جاجری حاشیہ ۱۰۲

۱۹۷ ۔ گلزار ابرار ، ورق ۴۵ ب

۱۹۸ ۔ ابو اسحق ابراہیم شہریار کازرونی شہر کازرون کے ایک قدیم علاقے نرد میں ، جو شیراز سے پچاس میل (بیس فرخ) مغرب میں واقع ہے ، پیدا ہوئے ۔ آپ نے شیراز ، بصرہ ، مکہ مکرمہ اور مدینہ منورہ کا سفر کیا اور ان شہروں کے بعض ارباب علم کی صحبت سے استفادہ کیا ۔ مکہ مکرمہ میں آپ نے شیخ ابوالحسن علی بن عبداللہ بن جہدم سے ملاقات کی ۔ بعد میں ان کی روایت کردہ احادیث کو دوسروں کو منتقل کیا۔[۱۳۷] اقلیم تصوف میں آپ نے ابتدا میں شیخ ابو علی حسین بن محمد الفیروز آبادی الاکار کی ہدایات پر عمل کیا لیکن حتمی طور پر ابو عبداللہ محمد بن خفیف (م ۳۷۱ھ / ۹۸۲ء) کے مرید ہوئے[۱۳۸] ۔ اس دور میں کازرون کا عامل ایک آتش پرست تھا اور شہر میں یہود اور

---

۱۳۱ ۔ نفحات الانس ص ۳۰۰ ، رشحات ص ۱۰۸ ، آپ کے حالات زندگی کے لیے ملاحظہ فرمائیں نفحات الانس صص ۳۰۰ ۔ ۳۰۲ ، رشحات صص ۱۰۸ تا ۱۱۷ نیز طرایق الحقایق جلد سوم ص ۹۲

۱۳۲ ۔ طرایق الحقایق ص ۹۰

۱۳۳ ۔ آپ کے حالات زندگی کی تفصیل کے لیے ملاحظہ فرمائیں ، نفحات الانس صص ۳۰۳ ۔ ۳۰۵ نیز رشحات صص ۱۱۷ تا ۱۳۳

۱۳۴ ۔ آپ کے سوانحی حالات سے متعلق ملاحظہ فرمائیں ، نفحات الانس صص ۳۰۶ تا ۳۱۳ نیز رشحات صص ۲۰۷ تا ۲۲۱

۱۳۵ ۔ رشحات صص ۲۲۹ تا ۲۳۱ ، نیز آپ کے سوانحی حالات سے متعلق ملاحظہ فرمائیں ، طرایق الحقایق صص ۶۵ ، ۶۶

۱۳۶ ۔ رشحات صص ۲۳۱ ، ۲۳۲ نیز آپ کے سوانحی حالات سے متعلق ملاحظہ فرمائیں ، طرایق الحقایق صص ۶۵ تا ۶۸

۱۳۷ ۔ نفحات الانس ص ۲۵۳

۱۳۸ ۔ ابو عبداللہ محمد خفیف کے سوانحی حالات سے متعلق ملاحظہ فرمائیں ، تذکرہ الاولیا (عطار) صص ۵۷۱ تا ۵۷۸

آتش پرست کثرت سے آباد تھے۔ آپ نے جیسا کہ بیان کیا گیا ہے کہ اپنی نصیحت آمیز منطق اور روحانی قوت سے ان لوگوں کی کثیر تعداد کو دین اسلام میں داخل کیا۔ آپ اپنے کشف اور کرامات کے اظہار کی بنا پر بے حد مشہور تھے۔ آپ کی یہ شہرت آپ کی وفات کے بعد بھی قایم رہی کہ آپ کے مزار کو احتراماً "تریاق اکبر" کہا گیا۔ آپ نے ۴۲۶ھ / ۱۰۳۴ء میں بہتر سال اور بعض روایتوں کے مطابق تہتر سال[149] کی عمر میں دنیا سے پردہ فرمایا۔ آپ کے مریدین میں سب سے پہلے شخص جنھوں نے آپ کے ایما پر ہندوستان آکر قیام کیا آپ کے خواہر زادے اور خلیفہ سید سیف الدین کازرونی تھے۔ انھوں نے ملتان کے قریب، اوچ نام کے قصبے کو آباد کیا۔ شیخ عبدالقادر ثانی بن مخدوم شیخ محمد الحسینی الجیلانی جو ہندوستان میں سلسلہ قادریہ کو رواج دینے والے بزرگوں کے پیشوا تھے، ان کا شجرہ مادری سیف الدین کازرونی ہی سے جا کر ملتا ہے۔[150]

شیخ اسحق کازرونی کے پراسرار کارناموں اور معجزانہ تصرفات کے روحانی اثر نے بتدریج آپ کی یاد کو اس قدر محفوظ کر دیا کہ لوگوں نے آپ کے مقبرے کے گرد ایک خانقاہ قایم کر دی جو ساتویں صدی ہجری / تیرہویں صدی عیسوی کے قریب شیخ عمر بن ابی الفرج الکازرونی (م ۷۰۳ھ / ۱۳۰۴ء) کی مستقل کوشش اور بے پناہ اثر کے باعث اس سلسلہ تصوف کا جو کازرونیہ اور اسحاقیہ کے نام سے مشہور ہوا، ایک ممتاز محور و مرکز بن گئی جس کے اثر اور عقیدت کا دایرہ ہندوستان اور چین تک پھیل گیا۔[151] اس بلند مقام عظمت کا ذکر کرتے ہوئے، جو شیخ اسحق کازرونی کو حاصل تھا، عرب نژاد افریقی سیاح ابن بطوطہ تحریر کرتا ہے:

> "جب بحر چین میں باد مخالف چلنے لگتی ہے یا بحری قزاقوں کا خوف دامن گیر ہوتا ہے تو مسافر شیخ ابو اسحق کی منت ماننے پر عمل کرتے ہیں۔ ہر مسافر اپنی مانی ہوئی منت تحریر کر کے رکھ لیتا ہے۔ جب وہ بحفاظت خشکی پر اترتے ہیں تو مسافروں کی طعام گاہ کا ملازم جہاز کے عرشے پر پہنچتا ہے اور ہر شخص سے اس کی فرد اور منت کی پوری رقم وصول کرتا ہے۔ یہاں چین یا ہندوستان کے جہازوں میں سے کوئی ایسا جہاز لنگر انداز نہیں ہوتا جس میں آپ کی نذر نیاز کے ہزاروں دینار جمع نہ ہو چکے ہوں اور طعام گاہ کے ناظم کے مقرر کردہ گماشتے وہ جمع شدہ رقم وصول نہ کرتے ہوں۔ بہت سے نادار بھائی آپ کی مانی ہوئی منت کی رقم میں سے خیرات لینے کے لیے آتے ہیں۔ ہر مسکین کچھ رقم کا تحریری حکم حاصل کرتا ہے جو آپ کے خاص نشان سے مہر کیا ہوا ہوتا ہے۔ یہ نشان ایک چاندی کے

۱۴۹۔ تذکرۃ الاولیا (عطار) صص ۶۳، تا ۶۶۔

۱۵۰۔ اخبار الاخیار ص ۱۹۹

۱۵۱۔ جے۔ اسپنسر ٹرمنگھم THE SUFI ORDERS IN ISLAM (آکسفورڈ ۱۹۷۱ء) صص ۲۳، ۱۷۲، ۲۳۶۔

ٹھپے پر کندہ ہوتا ہے۔ گماشتے اس ٹھپے کو سرخ لاکھ لگا کر حکم نامے پر اس طرح ثبت کر دیتے ہیں کہ مہر کا نشان نظر آتا رہے۔ حکم نامے کی عبارت یہ ہوتی ہے۔ "جس شخص کے پاس شیخ ابو اسحق کی منت کی رقم ہے وہ اتنی اتنی رقم حامل حکم ہذا کو ادا کرے" یہ حکم نامہ اس غریب بھائی کی ضرورت کے مطابق ہزاروں، سینکڑوں درہم یا درمیانی یا قلیل رقم ادا کرنے کے لیے ہوتا ہے۔ جب وہ مسکین درویش کسی ایسے شخص کو تلاش کر لیتا ہے جس کے پاس آپ کی نذر نیاز کی کوئی رقم ہوتی ہے تو وہ حکم نامہ دکھا کر مقررہ رقم وصول کر لیتا ہے اور حکم نامے کی پشت پر وصول کردہ رقم کی رسید لکھ دیتا ہے۔ ایک مرتبہ بادشاہ ہند نے دس ہزار دینار کی منت مانی جب یہ خبر عام ہوئی تو مسافروں کی طعام گاہ کا ایک درویش ہندوستان آیا اور یہ رقم وصول کر کے مسافروں کی طعام گاہ پر لوٹ آیا۔[۱۵۲]

۱۹۹۔ اخبار الاخیار، ص ۱،

۲۰۰۔ سیر الاولیا، ص ۱۴۳

۲۰۱۔ سلطان غیاث الدین بلبن کے مقبرے کے بارے میں ملاحظہ فرمائیں LIST OF MUSLIM AND HINDU MONUMENTS جلد سوم ص ۹۴، نمبر۔ ۱۴۷

۲۰۲۔ سیر الاولیا، ص ۵۰۰، نیز اخبار الاخیار ص ۲،

۲۰۳۔ آپ کے مزار کے بارے میں ملاحظہ فرمائیں LIST OF MUSLIM AND HINDU MONUMENTS جلد سوم ص ۱۵۹، نمبر ۲۷۶

۲۰۴۔ سیر الاولیا صص ۱۵۱ اور ۱۵۶

۲۰۵۔ جمال الدین ہانسوی شیخ فرید الدین (گنج شکر) کے منظور نظر خلیفہ تھے۔ یہ بھی آپ سے دلی محبت کا ایک مظہر تھا کہ شیخ فرید الدین ہانسی میں بارہ سال تک مقیم رہے۔ آپ ایک خوش بیان واعظ اور نکتہ رس شاعر تھے۔ آپ کے اشعار عشق الٰہی سے لبریز ہوتے تھے۔ ہر صاحب اجازت شخص کے لیے جسے شیخ فرید اپنی خلافت سے نوازتے تھے، ضروری تھا کہ وہ اپنے خلافت نامے کو قابل عمل سند ہونے کے لیے آپ کی تصدیق حاصل

۱۵۲۔ ایچ اے آر گب، THE TRAVELS OF IBN BATTUTA (کیمبرج ۱۹۷۱ء) جلد سوم صص ۳۲۰۔ ۳۲۱۔ شیخ ابو اسحق کے سوانحی حالات کی مزید تفصیل کے لیے ملاحظہ فرمائیں، محمود بن عثمان کی تصنیف "فردوس المرشدیہ فی اسرار الصمدیہ" مرتبہ ایرج افشر تہران ۱۳۳۳ ش، اور ایف میئر کی تصنیف، فردوس المرشدیہ DIE VITA DES SCHEICH ABU ISHAQ AL- KAZERUNI (لیزگ ۱۹۴۸ء) (BIBLIOTHECA ISLAMICA)

کرے ۔ اگر آپ کسی شخص کی خلافت کی تصدیق نہ کرتے تو شیخ فریدؒ اس معاملے میں ہرگز کسی طرح کی مداخلت نہ فرماتے اور بہ طیب خاطر آپ کے فیصلے کو قبول کر لیتے ۔ شیخ نظام الدین اولیاؒ اگرچہ شیخ فریدؒ کے عزیز مرید تھے لیکن جب انھوں نے اپنا خلافت نامہ حاصل کیا تو انھیں بھی یہی ہدایت کی گئی کہ وہ آپ سے اس کی تصدیق کرائیں ۔

جمال الدین ہانسویؒ کا وصال اپنے مرشد کی حیات میں ہوا ۔ آپ کی وفات کے بعد شیخ فرید نے آپ کے فرزند برہان الدین صوفیؒ کو اپنی خلافت سے مشرف فرمایا لیکن چونکہ وہ صغیر سن تھے اس لیے انھیں ہدایت فرمائی کہ وہ کچھ عرصہ شیخ نظام الدین اولیا کی تربیت میں رہیں ۔ چنانچہ انھوں نے بڑے اخلاص سے اس ہدایت پر عمل کیا ۔ برہان الدین کے فرزند قطب الدین منور بھی شیخ نظام الدین کے ممتاز خلیفہ تھے ۔

۲۰۶ ۔ سیر الاولیا ص ۱۸۸

۲۰۷ ۔ سیر الاولیا ص ۱۸۱

۲۰۸ ۔ شیخ ابوبکر طوسی کی قبر کے بارے میں ملاحظہ فرمائیں LIST OF MUSLIM AND HINDU MONUMENTS جلد دوم ص ۱۰۹ ، نمبر ۔ ۱۳۸

۲۰۹ ۔ ملک یار پراں کی قبر کے بارے میں ملاحظہ فرمائیں LIST OF MUSLIM AND HINDU MONUMENTS جلد دوم ص ۱۰۸ ، نمبر ۔ ۱۳۷

۲۱۰ ۔ سلطان التارکین شیخ حمید الدین محمد بن احمد بن محمد الصوفی الناگوری ۵۹۰ ھ / ۱۱۹۳ ء میں دہلی میں پیدا ہوئے ۔ مولانا شمس الدین حلوائی اور شیخ حمید الدین محمد جوینی سے علوم متداولہ کی تحصیل کے بعد آپ اجمیر تشریف لے گئے اور شیخ معین الدین سے بیعت کی اور بالآخر ان کے خلفا میں ایک ممتاز خلیفہ کی حیثیت سے اپنا مقام پیدا کیا ۔[155] آپ کی زندگی اعلیٰ درجے کے زہد ، دنیا سے قطعی بے تعلقی اور حق تعالیٰ کے لیے اپنی خواہشوں سے کامل دست برداری کے اوصاف سے متصف تھی ۔ آپ نے سختی کے ساتھ گوشت کا استعمال ترک کر دیا تھا اور صرف سبزی کھاتے تھے بلکہ اپنے ورثا کو بھی منع کر دیا تھا کہ میری تجہیز و تکفین کے دوران تقسیم ہونے والے کھانے میں یا آیندہ برسی کی فاتحہ میں کسی قسم کا گوشت استعمال نہ کریں ۔[156] آپ کی وفات ناگور میں ۲۹

---

۱۵۳ ۔ سیر الاولیا صص ۱۸۸ تا ۱۸۳ (شیخ جمال الدین ہانسوی کے حالات زندگی کے حاشیے میں عدد ۱۵۳ درج نہیں ہے ۔ ملاحظہ فرمائیں انگریزی متن ، ص ۱۲۹ ۔ مترجم)

۱۵۴ ۔ سیر الاولیا ، ص ۲۳۷ نیز اخبار الاخیار ص ۸۷ (شیخ جمال الدین ہانسوی کے حالات زندگی کے حاشیے میں عدد ۱۵۴ درج نہیں ہے ، ملاحظہ فرمائیں ، انگریزی متن ، ص ۱۲۹ ۔ مترجم)

۱۵۵ ۔ سرور الصدور ، تعارف ص ۱۱

۱۵۶ ۔ ایضاً ص ۲۲۱

جمادی الثانی ۶۷۰ھ / ۳۰ دسمبر ۱۲۷۱ء کو ہوئی اور آپ کے پوتے شیخ فرید الدین محمود صوفی ناگوری آپ کے جانشین ہوئے۔[157]

شیخ فرید الدین کے والد عزیز الدین سعید کا انتقال بہت پہلے ۲۲ رجب ۶۶۶ھ / ۷ اپریل ۱۲۶۸ء اور ۲۲ رجب ۶۷۲ھ / یکم فروری ۱۲۷۲ء کے درمیان کسی سال ایسی حالت میں ہو چکا تھا، جب ایک مجلس سماع میں ان کے والد کی غزل گائی جا رہی تھی۔ اور وہ جذبۂ وجد و حال سے از خود رفتہ ہو گئے تھے۔ انھوں نے اپنے پیچھے تین بیٹے چھوڑے۔ شیخ وحید الدین احمد، شیخ فرید الدین محمود اور شیخ نجیب الدینؒ۔[158] شیخ وحید الدین اپنے والد کی وفات کے بعد ان کی مسند پر بیٹھے۔

شیخ فرید الدین نے اپنی تمام تر تعلیم اپنے جد بزرگوار کی مستقل نگرانی میں پوری کی جو آپ کی اپنے ہونے والے جانشین کی حیثیت سے تربیت کر رہے تھے۔ اپنے جد بزرگوار کی توقع کے عین مطابق، آپ اعلی پایے کے عالم اور صاحب کمال مرشد ثابت ہوئے۔ آپ نے صفر ۷۲۹ھ / دسمبر ۱۳۲۸ء کی ایک مجلس میں فرمایا کہ میں پہلی مرتبہ سات سال کی عمر میں (وعظ کہنے کے لیے) منبر پر چڑھا اور اس کام کو ستر سال تک جاری رکھا۔[159] علاوہ ازیں آپ نے بہت سی عالمانہ تصانیف[160] کے حواشی تحریر فرمائے جو اسلامی علوم کے تمام تصورات متعلقہ دینیات، فقہ، تفسیر، حدیث اور تصوف پر حاوی ہیں۔ آپ کے تعلقات سلاطین اور صوفیہ دونوں سے یکساں سطح پر قایم تھے۔ آپ کے دلی کے مختصر سفروں کے دوران ایک سفر میں شیخ نظام الدین اولیا جن کی آپ بے حد تکریم کرتے تھے، آپ سے بے حد اصرار کیا کہ آپ ان کی خانقاہ میں قیام فرمائیں اور وہ جہاں بھی آپ مدعو کیے جائیں گے، اپنے ساتھ لے جائیں گے۔[161] سلطان محمد تغلق نے ناگور میں ایک گاؤں آپ کی نذر کیا[162] اور درخواست کی کہ اپنے پوتے سے اس کی بیٹی کا نکاح منظور کر لیں۔ آپ نے اس کی یہ درخواست منظور فرما لی اور اپنے پوتے شیخ فتح الدین بن شیخ اوحد الدین کا نکاح سلطان کی بیٹی سے کر دیا۔[163] آپ کی وفات ربیع الاول ۷۳۴ھ / اکتوبر۔ نومبر ۱۳۳۳ء میں ہوئی اور دلی میں مدفون ہوئے۔ اگرچہ آپ کے مکتوبات میں لفظ "فرزند" بلاامتیاز استعمال کیا گیا ہے تاہم مندرجہ ذیل چھ حضرات بلا شک و شبہ آپ کے فرزند تھے۔ شیخ محی الدین

۱۵۷۔ ایضاً ص ۱۶۱

۱۵۸۔ سرور الصدور ص ۳۰۱ نیز ملاحظہ فرمائیں، مقدمہ صص ۱۳۔ ۱۵

۱۵۹۔ ایضاً ص ۱۶

۱۶۰۔ ایضاً صص ۱۳۰، ۱۳۱، ۱۳۳، ۱۳۶، ۱۳۹، ۱۵۰، ۱۵۹

۱۶۱۔ ایضاً ص ۱۶۳

۱۶۲۔ ایضاً ص ۱۲۹ نیز ملاحظہ فرمائیں مقدمہ صص ۲۲ اور ۲۳

۱۶۳۔ ایضاً صص ۱۲۷ اور ۱۶۲

عبدالقادر، شیخ قطب الدین، شیخ اوحد الدین، شیخ ناصح الدین محمد، شیخ معین الدین اور شیخ عزیز الدین یحیی[۱۶۳]۔

۲۱۱ ۔ اخبارالاخیار، ص ۳، ۴۰، نیز گلزار ابرار، ورق ۳۶ ب

۲۱۲ ۔ ملاحظہ فرمائیں متن ترجمہ ذکر شیخ فرید الدین ناگوری قدس سرہ، حاشیہ ۲۱۱

۲۱۳ ۔ اخبارالاخیار صص ۸۰ تا ۸۶ نیز ملاحظہ فرمائیں سیرالاولیا ص ۲۳۰

۲۱۴ ۔ سیرالاولیا صص ۲۳۸ تا ۲۴۱

۲۱۵ ۔ گلزار ابرار، ورق ۶۸ ب

۲۱۶ ۔ اخبارالاخیار ص ۸۲

۲۱۷ ۔ آپ کے مزار مبارک سے متعلق ملاحظہ فرمائیں LIST OF MUSLIM AND HINDU MONUMENTS جلد سوم ص ۱۳۱، نمبر ۔ ۲۲۱

۲۱۸ ۔ سلطان فیروز شاہ کے مقبرے کے بارے میں ملاحظہ فرمائیں LIST OF MUSLIM AND HINDU MONUMENTS جلد سوم صص ۱۶۸ ۔ ۱۶۹ نمبر ۳۰۸ اور ۳۰۹

۲۱۹ ۔ خیرالمجالس، صص ۵۷، ۵۸ نیز اخبارالاخیار، ص ۸۲

۲۲۰ ۔ خیرالمجالس، ص ۶۰ نیز اخبارالاخیار ص ۸۳

۲۲۱ ۔ خیرالمجالس، صص ۶۵، ۶۶ نیز اخبارالاخیار ص ۸۳

۲۲۲ ۔ اخبارالاخیار، ص ۸۳

۲۲۳ ۔ خیرالمجالس، ص ۱۹۵ نیز اخبارالاخیار ص ۸۵

۲۲۴ ۔ کنز العمال مصنفہ علی متقی جلد اول ص ۲۰۳

۲۲۵ ۔ خیرالمجالس ص ۵۹

۲۲۶ ۔ اخبارالاخیار ص ۸۲

۲۲۷ ۔ اخبارالاخیار ص ۸۱

۲۲۸ ۔ گلزار ابرار، ورق ۳۸ ب (غالباً سہواً F.A.f. 38b درج ہو گیا ہے دراصل G.A.f. 38b ہونا چاہیے ۔ مترجم)

---

۱۶۳ ۔ ایضاً مقدمہ صص ۲۸ ۔ ۲۹

۲۲۹ ۔ شیخ نور ترکؒ ، جن کے متعلق کہا گیا ہے کہ آپ خواجہ عثمان ہرونیؒ کے یا بعض حضرات کے نزدیک حضرت معین الدین اجمیریؒ کے مرید تھے ، ترکستان کے باشندے تھے ۔ جب آپ ہندوستان تشریف لائے تو آپ نے نارنول میں سکونت اختیار کر لی ۔ آپ کی زندگی زہد و تقویٰ ، تجرد اور تسلیم و رضا کے اوصاف سے متصف تھی ۔ آپ نے بہت کم لوگوں کو مرید بنایا ۔ آپ کے زمانے میں نارنول میں ہندوؤں کی آبادی بہت زیادہ تھی ۔ ایک مرتبہ جب مسلمان مقامی عیدگاہ میں نماز عید ادا کرنے کی تیاری کر رہے تھے ، ہندوؤں کا ایک متشدد ہجوم عیدگاہ میں داخل ہو گیا اور بہت سے مسلمانوں کو شہید کر دیا ۔ آپ بھی اسی حادثہ جانکاہ میں شہید ہوئے ۔ آپ کی نعش کو گھاس سے بنی ہوئی اسی کٹیا میں دفن کیا گیا جس میں آپ اپنے زمانہ حیات میں رہتے تھے ۔[۱۶۵]

۲۳۰ ۔ سیر الاولیا ، ص ۲۹۸

۲۳۱ ۔ سیر الاولیا ، صص ۲۹۸ اور ۲۹۹

۲۳۲ ۔ اخبار الاخیار ، ص ۹۲

۲۳۳ ۔ خیر المجالس ، ص ۸۸ نیز سیر الاولیا ، ص ۲۹۹

۲۳۴ ۔ سیر الاولیا ، صص ۵۴۵ تا ۵۵۵ نیز اخبار الاخیار صص ۹۲ اور ۹۳

۲۳۵ ۔ سلطان غیاث الدین کے مقبرے کے بارے میں ملاحظہ فرمائیں LIST OF MULSIM AND HINDU MONUMENTS جلد چہارم ص ۲ ، نمبر ۔ ۲

۲۳۶ ۔ سیر الاولیا ، ص ۲۷۵ ۔ مولانا علاء الدین نیلیؒ اس قدر اعلیٰ پایے کے مقرر تھے کہ ممتاز ترین علما بھی آپ کی تقریر سننے کے اشتیاق میں رہتے تھے ۔ آپ اور مولانا شمس الدین یحییٰؒ دونوں ساتھ مل کر مولانا فرید الدین شافعی شیخ الاسلام اودھ کی درس گاہ میں جاتے تھے ، جہاں آپ بلند آواز سے کشاف[۱۶۶] کی قرآت کرتے تھے اور تمام حاضرین بشمول شمس الدین یحییٰ سنتے تھے ۔ آپ کے بارے میں خیال کیا جاتا تھا کہ آپ کشاف اور مفتاح پر سند کی حیثیت رکھتے ہیں ۔ جب کبھی شیخ نظام الدین اولیا کے اعلیٰ مریدوں میں دینیات اور تصوف کے کسی مسئلے میں اختلاف ہوتا تو وہ آپ کی خدمت میں اس اختلاف پر بحث کرتے اور آپ کی رائے کے متمنی ہوتے ۔ شیخ نظام الدین سے آپ کی عقیدت کا یہ حال تھا کہ آپ کے دیگر اوصاف اس کے مقابلے میں معدوم ہو گئے تھے ۔[۱۶۷]

---

۱۶۵ ۔ اخبار الاخیار صص ۳۶ ، ۳۷ ۔ گلزار ابرار ، ورق ۳۹ ۔ معارج الولایت اوراق ۶۶ ب ، ۶۷ ۔ مرآت الاسرار ، اوراق ۲۵۳ ب ۲۵۵

۱۶۶ ۔ کشاف کے بارے میں حضرت بہاء الدین زکریا ملتانیؒ کی رائے اچھی نہ تھی ۔ آپ اسے ناپسند فرماتے تھے ۔ ملاحظہ فرمائیں فواید الفواد صص ۱۲۲ ۔ ۲۳

۱۶۷ ۔ سیر الاولیا ، صص ۲۷۵ تا ۲۷۸

۲۳۷ ۔ اخبارالاخیار، ص ۹۳ نیز ملاحظہ فرمائیں سیرالاولیا، ص ۲۰۶

۲۳۸ ۔ سیرالاولیا، ص ۲۰۸

۲۳۹ ۔ فواید الفواد صص ۱۰۱،۱۰۲ ۔ سیرالاولیا ص ۲۰۴ ۔ اخبارالاخیار، ص ۹۶ ۔ گلزار ابرار، ورق ۶۵

۲۴۰ ۔ سیرالاولیا ص ۲۰۴

۲۴۱ ۔ سیرالاولیا ص ۲۰۴

۲۴۲ ۔ خواجہ تقی الدین نوحؒ کے بڑے بھائی خواجہ رفیع الدین ہارونؒ شیخ نظام الدین اولیاؒ کے حقیقی خواہر زادے کے فرزند تھے لیکن شیخ قدس سرہ آپ سے اپنے فرزند کی مانند محبت فرماتے تھے ۔ آپ حافظ قرآن تھے ۔ اگر اتفاقاً افطار کے وقت آپ موجود نہ ہوتے تو شیخ قدس سرہ مریدان اعلیٰ کی موجودگی کے باوصف کھانا تقسیم کرنے سے پہلے آپ کا انتظار فرماتے ۔ اسی طرح تحایف کی تقسیم میں بھی آپ کو فوقیت دی جاتی تھی ۔ آپ کو سیر و تفریح، تیراندازی اور کشتی کا بے حد شوق تھا اور شیخ قدس سرہ نہ صرف یہ کہ آپ کے ان مشاغل میں گہری دلچسپی کا اظہار فرماتے تھے بلکہ کبھی کبھی آپ کو اپنے مشوروں سے بھی مستفید فرماتے تھے۔[۱۶۸]

۲۴۳ ۔ سیرالاولیا، ص ۲۰۳

۲۴۴ ۔ سیرالاولیا، صص ۲۰۸ تا ۲۱۰

۲۴۵ ۔ سیرالاولیا، ص ۲۰۹

۲۴۶ ۔ سیرالاولیا، ص ۲۰۹

۲۴۷ ۔ سیرالاولیا، ص ۲۰۰

۲۴۸ ۔ سیرالاولیا، صص ۲۹۴ تا ۲۹۶

۲۴۹ ۔ سید شمس الدین خاموشؒ بن سید محمد، امیر خوردؒ کے چچا تھے ۔ امیر خوردؒ نے آپ کی عالمانہ افتاد طبع اور اللہ تعالیٰ کی راہ میں فیاضانہ مال خرچ کرنے کی بہت شاندار پیرایہ بیان میں ستایش کی ہے ۔ ان کے بیان کے مطابق سید خاموش شیخ نظام الدین اولیا کے منظور نظر مرید تھے اور شیخ قدس سرہ آپ کو تخلیے میں " خمسۂ نظامی " پڑھاتے تھے ۔ آپ نے قاضی محی الدین کاشانیؒ سے " مجمع البحرین " اور " ہدایہ " پڑھی تھیں ۔ وہ ملاقاتی جو شہر سے شیخ نظام الدین اولیاؒ کی خدمت میں حاضر ہوتے یا شیخ نصیر الدین محمودؒ اور مولانا علاء الدین نیلیؒ جب کبھی اودھ سے شیخ قدس سرہ کی زیارت کے لیے آتے تو شب بسری کے لیے آپ کے مکان پر قیام کرتے ۔ آپ تمام حضرات کی

---

۱۶۸ ۔ سیرالاولیا، ص ۲۰۳

خلوص دل سے خاطر مدارت کرتے اور انھیں اپنے گھر جیسے آرام کا احساس دلانے کے لیے ہر طرح سے دیکھ بھال کرتے ۔ آپ نے بہت قوال ملازم رکھے ہوئے تھے جو ہمیشہ آپ کے ممتاز مہمانوں کے ذوق سماع کو تسکین پہنچاتے تھے ۔ آپ کے شناساؤں کا حلقہ بہت وسیع تھا اور آپ کے مکان میں زندگی کے ہر شعبے سے تعلق رکھنے والوں کا ہجوم رہتا تھا ۔ علاوہ ازیں آپ کے خاندان کے افراد ، قریبی رشتے دار ، اعزا ، دوست[۱۶۹] اور دو سو درویش ہر روز آپ کے ہاں کھانا کھاتے تھے ۔ آپ کا انتقال دیوگیر میں ۷۳۲ھ / ۱۳۳۱ - ۳۲ء میں ہوا اور آپ کو اسی شہر میں "مقام خواجہ خضر" میں دفن کیا گیا ۔ سیر الاولیا کی تکمیل کے وقت تک لوگ اپنی مرادیں پانے کے لیے آپ کے مزار کی زیارت کو آتے تھے ۔[۱۷۰]

۲۵۰ ۔ سیر الاولیا ، صص ۲۱۹ ۔ ۲۲۰

۲۵۱ ۔ سید کمال الدین امیر احمد بن سید محمد کرمانی ، امیر خورد مصنف سیر الاولیا کے چچاؤں میں سے تھے ۔ آپ کے بارے میں امیر خورد کے بیان سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ محمد بن تغلق کے دربار کے عالی مرتبہ امیر اور لشکر میں اعلیٰ منصب پر فائز تھے ۔ باوجود اس درباری تعلق کے آپ کا تصوف و سلوک کی جانب قوی میلان تھا ۔ آپ مشکل ترین حالات میں بھی سچ بات کہنے سے گریز نہ کرتے تھے ۔ اس زمانے میں جب آپ بمقام تلنگ (تلنگانہ) لشکر میں خان کے عہدے پر فائز تھے ، دشمنوں کی سازش کے سبب آپ کو دیوگیر کے قریب بکسی میں قید کر دیا گیا ۔ قید خانے میں آپ سے بعض ایسی کرامتوں کا صدور ہوا جس کے باعث نہ صرف یہ کہ آپ قید سے رہا ہوئے بلکہ سلطان کی نظر میں آپ کی قدر و منزلت پھر سے بحال ہو گئی ۔ اس زمانے میں (شاہی ملازمت سے پہلے) آپ بالوں کی ایک چوٹی گوندھتے اور قبا پہنتے تھے لیکن جب سلطان کا فرمان ملازمت ملا تو دو چوٹیاں باندھنے اور صوفیوں کا لباس پہننے لگے جو اس بات کی علامت تھی کہ آپ نے دنیا سے بے تعلقی اختیار کر کے روحانی زندگی کو اپنا لیا ہے ۔ سلطان نے آپ کے اس عذر کو قبول نہیں کیا اور آپ کو مشیر دربار کا منصب پیش کیا جہاں آپ صوفیوں کا لباس پہن کر جاتے تھے ۔ اس زمانے میں جب شاہی لشکر کے ساتھ آپ لاہور میں تھے تو بیمار ہو گئے اور جمادی الثانی ۷۲۸ھ / اپریل مئی ۱۳۲۸ء میں اپنے خالق حقیقی سے جا ملے ۔ آپ کی نعش دہلی لائی گئی اور آپ کے والد کی قبر کے جوار میں اسے دفن کیا گیا ۔ آپ نے دو فرزند عماد الدین امیر صالح اور سید نور الدین اپنی یادگار چھوڑے ۔[۱۷۱]

۲۵۲ ۔ سیر الاولیا ، صص ۲۱۴ ، ۲۱۵

---

۱۶۹ ۔ مثلاً قاضی محی الدین کاشانی ، مولانا حجت الدین ملتانی ، مولانا بدر الدین یار ، مولانا شرف الدین یار ، مولانا شمس الدین یحییٰ اور مولانا حسام الدین رحمہم اللہ تعالیٰ علیہم

۱۷۰ ۔ سیر الاولیا صص ۲۱۹ ۔ ۲۲۰

۱۷۱ ۔ سیر الاولیا ، صص ۲۱۴ تا ۲۱۶

۲۵۳ ۔ سیر الاولیا ، ص ۱۹۹

۲۵۴ ۔ سیر الاولیا ، ص ۹۰

۲۵۵ ۔ گلزار ابرار ، ورق ۲۸

۲۵۶ ۔ سیر الاولیا ، صص ۱۹۰ ۔ ۱۹۱

۲۵۷ ۔ خواجہ یعقوب شیخ فرید الدین (گنج شکرؒ) کے سب سے چھوٹے فرزند تھے ۔ آپ اور سید کرمانی کے بیٹے سید مبارک جگری دوست تھے ۔ دونوں نے مولانا بدرالدین اسحق سے قرآن شریف پڑھا[۱۶۲] تھا اور اکثر و بیشتر ایک دوسرے کی رفاقت میں رہتے تھے ، چنانچہ ان واقعات کے وقت بھی دونوں ایک ساتھ تھے جن کی تفصیل متن میں آ چکی ہے[۱۶۳] ۔ چونکہ مولانا بدرالدین اسحق نے اپنے مرشد روحانی شیخ فرید الدین کی وفات محرم ۶۶۴ ھ / اکتوبر ۔ نومبر ۱۲۶۵ ء کے بعد اجودھن[۱۶۴] کی جامع مسجد میں قرآن شریف پڑھانا شروع کیا تھا اس لیے یہ استنباط قطعی درست ہو گا کہ آپ کا (مردان غیب کے ہاتھوں) غایب ہونا اس تاریخ کے بعد کا ہے ۔

۲۵۸ ۔ سیر الاولیا (ص ۱۹۰) عزیز الدین

۲۵۹ ۔ خواجہ نظام الدین اولیا نے دونوں بھائیوں کی تعلیم و تربیت میں گہری دلچسپی لی ۔ بعد میں خواجہ محمد مستقل طور پر آپ کی نمازوں کی امامت کرتے تھے ۔ اسی باعث عام طور پر لوگ آپ کو خواجہ محمد امام کہتے تھے ۔ روحانی مجالس میں آپ کے ساتھ یہ خصوصیت تھی کہ آپ شیخ کے انتہائی قریب بیٹھتے تھے ۔ اسی طرح سماع کی مجلسوں میں ، جب شیخ قدس سرہ خاص کیفیت کے ساتھ رقص میں آتے تو آپ ہی ان کے ساتھ موافقت کرتے تھے ۔ امیر خورد نے جنھیں چند بار آپ سے ملنے کا موقع ملا تھا ، بیان کیا ہے کہ اپ کی آنکھیں ہمیشہ اشک آلود رہتی تھیں ۔ آپ کی غیر موجودگی میں آپ کے برادر خواد خواجہ موسیٰ فرض نمازوں کی امامت کرتے تھے ، جو بہت شیریں لہجے میں قرآت کرتے تھے اور ان کی آواز مترنم اور دل پر اثر کرنے والی تھی ۔ خواجہ موسیٰ نے مولانا وجیہہ الدین پائلی سے بزدوی پڑھی تھی اور انھیں مختلف علوم میں بشمول طبابت کامل دستگاہ حاصل تھی ۔ خواجہ موسیٰ عربی اور فارسی میں شعر کہتے تھے اور اپنے برادر کلاں کی مانند سماع کا کامل ذوق رکھتے تھے ۔[۱۶۵]

۲۶۰ ۔ گلزار ابرار ، ورق ۲۸ ۔ سیر الاولیا ، صص ۱۶۲ ، ۱۶۳ ۔ ۱۹۲ ، ۱۹۳

۲۶۱ ۔ ملاحظہ فرمائیں متن ترجمہ حاشیہ ۶۶ ۔ (یہاں مطبوعہ متن کے ص ۱۱ سطر ۱۵ کا حوالہ دیا گیا ہے جو اس حاشیے

---

۱۶۲ ۔ ایضاً ص ۱۶۹

۱۶۳ ۔ ایضاً صص ۱۹۰ ۔ ۱۹۱

۱۶۴ ۔ ایضاً ص ۱۶۹

۱۶۵ ۔ سیر الاولیا صص ۲۰۰ ۔ ۲۰۲

سے غیر متعلق ہے۔ مترجم)

۲۶۲۔ اخبار الاخیار، ص ۹۵

۲۶۳۔ سیر الاولیا، ص ۲۰۱

۲۶۴۔ سیر الاولیا (ص ۲۰۱) اخبار الاخیار (ص ۹۵) نظام الدین پانی پتی

۲۶۵۔ ایک مرتبہ شیخ نظام الدین کی طعام گاہ میں (دستر خوان پر) کھانا لگایا جا رہا تھا، مولانا وجیہہ الدین پائلی جو شیخ نظام الدین کے اعلیٰ مریدوں میں سے تھے، طعام گاہ میں آئے اور غیر ارادی طور پر خواجہ عزیز الدین سے بالاتر جگہ پر بیٹھ گئے۔ شیخ نظام الدین نے جو تمام صورت حال کو ملاحظہ فرما رہے تھے، مولانا پائلی کو تنبیہہ کرتے ہوئے فرمایا، مولانا جس طرح میں کسی زلفوں والے کو عمامے والے سے برتر جگہ بیٹھنے کی اجازت نہیں دیتا، اسی طرح اس بات کو بھی پسند نہیں کرتا کہ کوئی عمامے والا میرے مخدوم کی اولاد سے برتر جگہ پر بیٹھے۔ مولانا وجیہہ الدین جو خواجہ عزیز الدین کی کاکلوں کے باعث مغالطے میں پڑ گئے تھے اور انھیں پہچان نہ سکے تھے کہ وہ شیخ فرید الدین گنج شکر کے نواسے ہیں، فوراً کھڑے ہو گئے اور شیخ قدس سرہ سے اپنے نادانستہ عمل کی معذرت کی۔[۱۰۶]

خواجہ عزیز الدین کے چھوٹے بھائی، خواجہ کبیر الدین بھی شیخ نظام الدین کے مخلص مرید تھے اور اپنی ساری زندگی بچپن سے وفات تک شیخ عالی مقام تک قدموں میں بسر کی۔ ان کی وفات بھی دہلی میں ہوئی اور چبوترہ یاراں میں دفن ہوئے۔[۱۰۷]

۲۶۶۔ سیر الاولیا، ص ۲۰۲، اخبار الاخیار ص ۸۵

۲۶۷۔ سیر الاولیا کے بیان کے مطابق "تحفۃ الابرار فی کرامۃ الاخیار" شیخ نظام الدین کے ملفوظات کا مجموعہ ہے اور اس کا بیشتر حصہ خود شیخ قدس سرہ کی نظر مبارک سے گزرا ہے۔[۱۰۸] اس کے جستہ جستہ اقتباسات ادھر ادھر مطالعے میں آتے ہیں لیکن یہ تصنیف اب ناپید ہو چکی ہے۔

۲۶۸۔ سیر الاولیا، ص ۳۴۹

۲۶۹۔ گلزار ابرار، ورق ۲۸ ب

۲۷۰۔ امیر خورد جو آپ کے ہمعصر تھے، آپ کی پرہیزگاری، پارسائی، خشیت، تواضع اور فیاضی کی تحسین کرتے ہیں اور لوگوں کو حق تعالیٰ کے راستے کی ہدایت کے ذریعے ان کے غموں کا مداوا کرنے اور ان کے دلوں کو

۱۰۶۔ ایضاً، ص ۲۰۲

۱۰۷۔ ایضاً، ص ۲۰۳

۱۰۸۔ ایضاً، ص ۲۰۲

اطمینان دلانے کی جو کوشش آپ کرتے تھے اس کی بے حد تعریف کرتے ہیں۔[۱۷۹]

۲۷۱۔ گلزار ابرار، ورق ۴۹

۲۷۲۔ گلزار ابرار، ورق ۵۰

۲۷۳۔ خواجہ کریم الدین سمرقندیؒ۔ آپ کے والد خواجہ کمال الدینؒ خراسان کے ایک فرماں روا کے وزیر تھے لیکن کسی ناگہانی آفت کے سبب انھیں ہندوستان منتقل ہونا پڑا، جہاں ہانسی سے ملتان تک پھیلے ہوئے علاقے کا انتظام بشمول دیپال پور اور اجودھن ان کے سپرد کیا گیا۔ خواجہ کمال الدین جو ایک مستعد شخص تھے، شیخ فریدؒ کے حلقہ ارادت میں شامل ہو گئے۔ بعد میں شیخ نظام الدینؒ نے یہ خیال فرما کر کہ آپ ان کے اور آپ کے والد شیخ کبیر کے مرید تھے، آپ کی شادی شیخ فریدؒ کی ایک نواسی سے طے کر دی۔

آپ سلوک و تصوف کی جانب میلان طبع کے لیے تو مشہور ہی تھے، اس کے علاوہ ان تمام اوصاف سے متصف تھے جس کی توقع ایک نوعمر شخص کی اعلیٰ نسبی سے کی جا سکتی ہے۔ آپ نے غیاث پور میں باعزت زندگی گزاری جسے سربر آوردہ شعرا اور علما کی کہکشاں نے اپنے حلقے میں لیا ہوا تھا، جس میں خسرو، حسن، ضیاء الدین برنی (رحمہم اللہ تعالیٰ) شامل تھے۔ شیخ نظام الدینؒ کی وفات کے بعد سلطان محمد بن تغلق نے آپ کو شیخ الاسلام اور انور رائے ملک ست گانوہ کے خطابات دے جو آپ نے قبول فرما لیے اور ست گانوہ منتقل ہو گئے۔ آپ کا انتقال ست گانوہ میں ہوا اور وہیں مدفون ہوئے۔ میر خورد کی روایت کے مطابق آپ کا مزار بستی والوں کے لیے بڑے احترام کی جگہ تھی۔[۱۸۰]

۲۷۴۔ گلزار ابرار، ورق ۵۰۔ سیر الاولیا صص ۳۰۶ تا ۳۰۸

۲۷۵۔ مولانا فصیح الدین۔ آپ شیخ نظام الدین کے قدیم ترین ارادت مندوں میں سے تھے۔ آپ علم فقہ میں مولانا شمس الدین قوشچہ کے شاگرد تھے اور اپنے تبحر علمی اور وسعت مطالعہ کے پیش نظر علمی حلقوں کی پسندیدہ شخصیت تھے۔ اپنی معاشی ضروریات کو پورا کرنے کے لیے آپ سلطان غیاث الدین بلبن کے ایک امیر کے فرزندوں کو پڑھاتے تھے لیکن ایک وقت ایسا آیا جب آپ نے تمام مادی تعلقات اور دنیاوی باتوں سے کنارہ کشی اختیار کر لی اور شیخ نظام الدین کے مریدوں میں شامل ہو گئے۔ آپ کی متجسس طبیعت نے آپ کو شیخ قدس سرہ کی صحبت سے علحدہ نہ ہونے دیا اور آپ ہمیشہ ان سے مختلف قسم کے علمی اور باطنی حقایق سے متعلق سوالات کرنے میں پیش پیش رہے۔ آپ کا وصال شیخ قدس سرہ کی حیات میں ہوا، جنھوں نے انتقال سے قبل آپ کو اجازت نامہ مرحمت فرمایا تھا۔[۱۸۱]

۱۷۹۔ ایضاً، ص ۲۰۳

۱۸۰۔ سیر الاولیا، صص ۳۰۶ تا ۳۰۸

۱۸۱۔ سیر الاولیا، صص ۲۹۹ تا ۳۰۱

۲۷۶ ۔ گلزار ابرار، ورق ۵۱ ۔ سیر الاولیا، صص ۲۹۹ ۔ ۳۰۱

۲۷۷ ۔ ملاحظہ فرمائیں، متن ترجمہ ذکر مولانا معین الدین عمرانی قدس سرہ، حاشیہ ۹۵

۲۷۸ ۔ سیر الاولیا ص ۲۹۴

۲۷۹ ۔ مولانا شہاب الدین امامؒ ۔ آپ خواجہ نوح کے استاد تھے لیکن ہمیشہ اس خیال کی پرورش کرتے رہے کہ آپ امام بن جائیں ۔ یہ منصب کلی طور پر خواجہ محمد امامؒ سے مخصوص رہا اور ان کی غیر موجودگی میں ان کے چھوٹے بھائی خواجہ موسیٰؒ از خود یہ فرض انجام دیتے تھے ۔ ایک مرتبہ جب یہ دونوں بھائی اجودھن گئے ہوئے تھے ۔ سید محمد خادم نے جو آپ کی شدید خواہش سے واقف تھے، اقبال خادم سے آپ کی سفارش کی جنھوں نے آپ کے لیے شیخ نظام الدینؒ سے امامت نماز کی اجازت حاصل کر لی ۔ ابتدا میں تو یہ ایک عارضی انتظام تھا لیکن بعد میں آپ مستقل امام بن گئے ۔

آپ کے بارے میں شیخ قدس سرہ کے خلیفہ ہونے کا کبھی رسمی اعلان نہیں ہوا، بلکہ منسلک مریدوں کے ذیل میں رہے ۔ اس سلسلے میں میر خورد کا استنباط یہ ہے کہ آپ کو شیخ قدس سرہ کی جانب سے خلیفہ بنائے جانے کی بشارت ضرور ملی ہوگی ۔ ورنہ آپ جیسے اوصاف حمیدہ رکھنے والے راست باز انسان یوں جاہ طلبی کی راہ اختیار نہ کرتے ۔[۱۸۲]

۲۸۰ ۔ گلزار ابرار، ورق ۵۲ ب ۔ سیر الاولیا ص ۲۹۰

۲۸۱ ۔ فہرست مخطوطات فارسی انڈیا آفس لائبریری میں آپ کا نام، احمد بن محمد نخشبی شیر خان تحریر کیا گیا ہے لیکن عام طور پر آپ مسعود بک کے نام سے معروف ہیں ۔ بک بخارا کے ماتحت ایک صوبے کا نام ہے، آپ نے اسی نام سے خود کو منسوب کیا ۔[۱۸۳]

۲۸۲ ۔ کنز العمال جلد ۱۳ صص ۱۸، ۲۰، ۲۴

۲۸۳ ۔ آپ کی قبر کے بارے میں ملاحظہ فرمائیں LIST OF MUSLIM AND HINDU MONUMENTS جلد سوم ص ۱۳۹، نمبر ۔ ۲۶۲

۲۸۴ ۔ گلزار ابرار، ورق ۶۰ ۔ سیر الاولیا ص ۳۱۴

۲۸۵ ۔ گلزار ابرار، ورق ۶۵

۲۸۶ ۔ آپ کی قبر سے متعلق ملاحظہ فرمائیں LIST OF MUSLIM AND HINDU MONUMENTS جلد

---

۱۸۲ ۔ سیر الاولیا، صص ۲۹۰ تا ۲۹۴

۱۸۳ ۔ فہرست مخطوطات فارسی، انڈیا آفس لائبریری جلد اول ۱۰۲۳

سوم ص ۱۲۰، نمبر ۲۰۶

۲۸۷ ۔ سیر الاولیا (صص ۲۰۴، ۲۰۵) میں " شیخ ابوبکر مصلے دارؒ " تحریر کیا گیا ہے ۔

۲۸۸ ۔ شیخ ابوبکر مصلے دارؒ ۔ آپ شیخ نظام الدینؒ کے قریبی رشتے دار تھے اور آپ نے خود کو اس عظیم ولی کی خدمت کے لیے وقف کر دیا تھا ۔ آپ کے ذمے ایک خدمت یہ تھی کہ آپ ہر جمعہ کو نماز فجر کے بعد شیخ کا مصلی کلوکھری کی جامع مسجد لے جاتے تھے ۔ باوجود اس سخت محنت اور جانفشانی کے جو آپ کو شیخ قدس سرہ کی خدمات بجا لانے میں اٹھانا پڑتی تھی ۔ آپ روز کے اوراد و وظایف اور مشغولی باطن کا ناغہ نہیں کرتے تھے بلکہ کئی دنوں تک مسلسل روزے بھی رکھتے تھے ۔ اسی کے ساتھ ساتھ آپ سماع کے بہت زیادہ شایق تھے ۔ سماع کی مجلسوں میں آپ وجد کی کیفیت سے اس قدر از خود رفتہ ہو جاتے تھے کہ اپنے جسم کر ہر کپڑا قوالوں کی نذر کر دیتے تھے ۔ ایسی کیفیت کے وقت آپ کے کندھوں کے گرد ایک ڈھیلا سا پیش بند باندھ دیا جاتا تھا لیکن آپ اس حالت میں بھی رقص کرتے رہتے تھے ۔ کبھی کبھی آپ ایسے نالے بلند کرتے تھے جو ہر شخص کے دل میں سرایت کر جاتے اور اسے غمگین کر دیتے ۔ شیخ نظام الدینؒ کے وصال کے بعد آپ کے بعض مریدوں نے سرکاری اراضی اور وظایف قبول کر لیے تھے لیکن باوجود انتہائی مفلسی کے اس قسم کی تحریص کی جانب مایل نہیں ہوئے ۔[۱۸۴]

۲۸۹ ۔ گلزار ابرار، ورق ۶۵ ب

۲۹۰ ۔ آپ کی قبر کے بارے میں ملاحظہ فرمائیں LIST OF MUSLIM AND HINDU MONUMENTS جلد دوم ص ۴۵، نمبر ۔ ۷

۲۹۱ ۔ خواجہ عزیز الدین ۔ آپ شیخ نظام الدین کے مرید تھے اور آپ نے شیخ قدس سرہ کے ملفوظات کا ایک مجموعہ بہ عنوان " مجمع الفواید " مرتب کیا تھا ۔ ایک مرتبہ جب شیخ قدس سرہ سے دریافت کیا گیا کہ کیا خواجہ عزیز الدین آپ کے مرید ہیں تو شیخ قدس سرہ نے جواب دیا اور فرمایا کہ مجھے اس فرزند پر ناز ہے ۔[۱۸۵]

۲۹۲ ۔ گلزار ابرار، ورق ۶۶

۲۹۳ ۔ اخبار الاخیار، صص ۹۶، ۹۷ نیز سیر الاولیا صص ۲۲۵، ۲۲۶

۲۹۴ ۔ سیر الاولیا، صص ۲۲۳، ۲۲۴

۲۹۵ ۔ " کنز الوصول الی معارف الاصول " جسے عام طور پر " اصول " کہتے ہیں، فخر الاسلام ابی العسر علی بن محمد

---

۱۸۴ ۔ سیر الاولیا، صص ۲۰۴، ۲۰۵

۱۸۵ ۔ سیر الاولیا، ص ۲۰۷

الحسین بزدوی (م ۴۸۲ھ / ۱۰۸۹ - ۹۰ء) کی تصنیف ہے اور یہ حنفی فقہ کی اہم کتاب ہے[۱۸۶]۔ اس کی شرحوں میں تفتازانی[۱۸۷] (م ۹۲ھ/ ۱۳۸۹ - ۹۰ء) کی شرح "تلویح" ممتاز مقام کی حامل ہے۔

۲۹۶۔ گلزار ابرار (ورق ۶۶) کے بیان کے مطابق یہ ہم سبق مولانا شمس الدین یحیی کے بھائی تھے۔

۲۹۷۔ سیر الاولیا کے مندرجات کے مطابق[۱۸۸]، مولانا شمس الدین یحییٰؒ نے اس علمی مباحثے کی تفصیلات بیان کرتے ہوئے جو ان کے اور شیخ نظام الدین کے مابین ہوا تھا، شیخ قدس سرہ کی اس انداز سے تعریف کی کہ ان کے استاد مولانا ظہیر الدین بھکریؒ شیخ سے ملاقات کرنے کے لیے بے تاب ہو گئے، جو بہرصورت مولانا نے کی اور بظاہر شیخ کے مرید ہو گئے۔

۲۹۸۔ مولانا صدرالدینؒ، مولانا شمس الدین یحییٰؒ کے رشتے کے بھائی تھے اور دونوں عموماً اپنے اسباق ایک ساتھ یاد کرتے۔ ایک دوسرے کو اپنے لکھے ہوئے خلاصے دکھاتے اور مختلف نکات پر، جو دینیات، فقہ اور بلاغت و بیان کے مطالعے کے دوران سامنے آتے، بحث کرتے تھے۔ دونوں اپنی طالب علمی کے زمانے ہی میں اپنی سخت کوشی، فطری تجسس اور تلاش حق کی بنا پر (اہل شہر) میں مشہور ہو گئے تھے۔ اگر کبھی ان کے استادوں کی تقریر میں کسی نوع کا ابہام ہوتا تو دوسرے طلبا کے برعکس دوران تقریر ہی اس کی وضاحت طلب کرتے۔ بعد میں مولانا شمس الدین یحییٰؒ نہ صرف یہ کہ اپنے ان رشتے کے بھائی سے بہت زیادہ فوقیت حاصل کر گئے بلکہ دوسرے تمام ارباب علم سے آب و تاب میں بڑھ گئے۔ بالآخر شہر کے تمام اہل علم نے آپ کی برتری تسلیم کر لی اور جس نے آپ کی شاگردی اختیار کی اس کا علمی ذخیرہ اپنے معاصرین سے فزوں تر ہو گیا[۱۸۹]۔ شیخ نصیر الدین محمودؒ[۱۹۰] اور ان کے خلیفہ سید محمد بن جعفر المکی الحسینیؒ[۱۹۱]، آپ کے دو شاگرد تھے جنھوں نے بعد میں تصوف کی قلمرو میں بڑی شہرت حاصل کی۔

۲۹۹۔ سیر الاولیا، ص ۲۲۵

۳۰۰۔ سنائی غزنوی "حدیقۃ الحقیقہ" مرتبہ مدرس رضوی (تہران ۱۳۲۹ش) ص ۳۲۰

۳۰۱۔ ملاحظہ فرمائیں، تذکرۃ الاولیا عطار، ص ۲۹۹

۱۸۶۔ تاریخ ادبیات در ایران جلد دوم صص ۲۶۲، ۲۶۳۔ اگنیس گولڈزیہر A SHORT HISTORY OF CLASSICAL ARABIC LITERATURE مرتبہ و مترجمہ جوزف ڈسوموگی (ہلڈشیم۔ جرمنی ۱۹۶۶ء) ص ۵۲

۱۸۷۔ A SHORT HISTORY OF CLASSICAL ARABIC LITERATURE، ص ۵۲

۱۸۸۔ سیر الاولیا، ص ۲۲۳

۱۸۹۔ سیر الاولیا، ص ۲۲۶

۱۹۰۔ ایضاً ص ۲۲۵

۱۹۱۔ ایضاً ص ۱۳۶

۳۰۲ ۔ ابو عبدالرحمن حاتم بن عنوان[۱۹۲] بن یوسف الاصم بلخیؒ[۱۹۳] کے صاحب حشمت حضرات اور خراسان کے اکابر اولیا میں سے تھے ۔ آپ شقیق بن ابراہیمؒ کے اصحاب میں سے تھے اور احمد بن خضرویہؒ کے مرشد تھے۔[۱۹۴] آپ نے ابتدائے زندگی سے آخر تک ہر طرح کے حالات میں کبھی خلاف حق کوئی کام نہیں کیا ۔ آپ کی اس خوبی کی بنا پر جنید نے فرمایا کہ حاتم الاصم ہمارے دور کے صدیق ہیں ۔ آپ نے نفس انسانی کے مختلف پہلوؤں سے متعلق بلند پایہ اقوال تحریر کیے ہیں۔[۱۹۵] آپ کی وفات ۲۳۷ھ / ۸۵۲ء میں ماوراء النہر میں وشجرد کے مقام پر جو ترمذ کے قریب ہے ، ہوئی۔[۱۹۶]

۳۰۳ ۔ ملاحظہ فرمائیں ، نظامی عروضی سمرقندی کی تصنیف " چہار مقالہ " مرتبہ محمد معین (تہران ۱۳۳۳ش) ص ۴۱ ۔ صغانی نے اسے مستند حدیث تسلیم نہیں کیا ہے ۔ ملاحظہ فرمائیں ، بہاء ولد کی تصنیف " معارف " مرتبہ بدیع الزماں فروزانفر (تہران ۱۳۵۲ش اشاعت ثانی) جلد دوم ص ۲۶۱

۳۰۴ ۔ شیخ قطب الدین منورؒ بن شیخ برہان الدین صوفیؒ بن شیخ جمال ہانسویؒ ، شیخ نظام الدین اولیا دہلویؒ کے نامور مرید اور خلیفہ تھے ۔ آپ اور شیخ نصیر الدین محمودؒ ایک ہی دن خلافت سے نوازے گئے ۔ پہلے آپ کو شیخ قدس سرہ کی خدمت میں بلایا گیا ، جنھوں نے ضروری ہدایات کے ساتھ آپ کو خرقۂ خلافت عطا فرمایا نیز آپ کو تحریری خلافت نامہ عنایت فرمانے کے بعد (جماعت خانے میں جا کر) دو رکعت نماز شکرانہ ادا کرنے کا حکم دیا ۔ اس دوران شیخ نصیرالدین محمودؒ طلب کیے گئے اور اسی طرح شیخ قدس سرہ نے ضروری ہدایات کے ساتھ ان کو بھی خرقۂ خلافت عطا کیا اور سند خلافت بھی ان کے سپرد کی ۔ اس کے بعد آپ دوبارہ طلب کیے گئے اور حکم ہوا کہ شیخ نصیر الدینؒ کو منصب خلافت پر فائز ہونے کی مبارک باد دیں ، اسی طرح شیخ نصیر الدینؒ نے بھی آپ کو مبارک باد دی ۔ بعدازاں شیخ قدس سرہ نے دونوں کو آپس میں گلے ملنے کا حکم دیا اور اس بات کو بھول جانے کے لیے کہا کہ ان میں سے کس کو پہلے خلافت حاصل ہوئی ۔

شیخ نظام الدینؒ نے آپ کو ہانسی رخصت کرتے وقت " عوارف " کا وہ نسخہ عنایت فرمایا جو آپ کے جد بزرگوار شیخ جمال الدین ہانسویؒ نے شیخ قدس سرہ کو اس زمانے میں ہدیہ کیا تھا جب وہ ان سے اپنا خلافت نامہ تصدیق کرانے کے لیے ہانسی آئے ۔ شیخ جمال الدینؒ کو یہ نسخہ شیخ فرید الدین گنج شکرؒ نے خلافت عطا فرمانے کے وقت دیا تھا ۔ آپ کی وفات کے بعد یہ نسخہ آپ کے فرزند نور الدین کو ترکے میں ملا۔[۱۹۷]

۱۹۲ ۔ طبقات الکبریٰ میں " عنوال " نقل کیا گیا ہے (ص ۸۰)

۱۹۳ ۔ طبقات الصوفیہ ، ص ۹۱

۱۹۴ ۔ کشف المحجوب (فارسی) ص ۱۳۲ نیز انگریزی ترجمہ از نکلسن ص ۱۱۵

۱۹۵ ۔ کشف المحجوب (فارسی) ص ۱۳۲ نیز انگریزی ترجمہ از نکلسن ص ۱۱۵

۱۹۶ ۔ طبقات الصوفیہ ص ۹۱ ، طبقات الکبریٰ ص ۸۰ ، نفحات الانس ص ۶۳

۱۹۷ ۔ سیر الاولیا صص ۲۳۵ ۔ ۵۰

۳۰۵ ۔ " قوت القلوب " مصنفہ ابو طالب محمد بن علی بن عطیہ الحارثی المکی (م ۳۸۶ ھ / ۹۹۶ ء) اسلامی تصوف کے موضوع پر قدیم اور اہم ترین تصانیف میں سے ہے[198]۔ امام محمد غزالی (م ۵۰۵ ھ / ۱۱۱۱ء) نے جیسے کہ خواجہ محمد پارسا م ۸۲۲ ھ / ۱۴۱۹ء نے " فصل الخطاب[199] " میں نشان دہی کی ہے " احیاء علوم الدین " کے اسلوب اور مواد کی تشکیل میں " قوت القلوب " سے بھرپور استفادہ کیا ہے۔

۳۰۶ ۔ سیرالاولیا، صص ۲۲۵ تا ۲۲۷

۳۰۷ ۔ اخبارالاخیار، ص ۹۷ نیز سیرالاولیا، صص ۲۲۷ ۔ ۲۲۸

۳۰۸ ۔ سیرالاولیا، صص ۲۲۸ ۔ ۲۲۹

۳۰۹ ۔ سیرالاولیا، ص ۲۹۶

۳۱۰ ۔ سیرالاولیا، صص ۲۹۷ ۔ ۲۹۸

۳۱۱ ۔ ملاحظہ فرمائیں، احیاء العلوم جلد اول ص ۳۲۶ نیز نفحات الانس، ص ۳۲۲

۳۱۲ ۔ گلزار ابرار، ورق ۴۹ ب

۳۱۳ ۔ اخبارالاخیار، صص ۹۸ تا ۱۰۰ نیز گلزار ابرار، ورق ۵۲

۳۱۴ ۔ اخبارالاخیار، ص ۹۸

۳۱۵ ۔ اخبارالاخیار، ص ۹۹

۳۱۶ ۔ نفحات الانس، ص ۶۱۰

۳۱۷ ۔ نفحات الانس، ص ۶۱۰

۳۱۸ ۔ سیرالاولیا (ص ۳۴) ملکیت

(" ملکیت ملک سخن " کا کوئی قرینہ نہیں ہے۔ علاوہ ازیں ملکیت کی قرآت سے مصرع کا وزن بھی ساقط ہو جاتا ہے۔ اس کے برعکس سیرالاولیا اور اخبارالاخیار میں یہ مصرع اس طرح تحریر ہے " ملکیتِ ملکِ سخن آں خسرو راست " یہی درست ہے چنانچہ اس کے مطابق ترجمہ کیا گیا ہے۔ مترجم)

۳۱۹ ۔ حکیم ابو معین حمید الدین ناصر بن خسرو بن حارث القبادیانی البلخی المروزی (م ۴۸۱ ھ / ۱۰۸۸ء) فارسی کا

---

۱۹۸ ۔ آر۔ اے۔ نکلسن A LITERARY HISTORY OF THE ARABS (کیمبرج ۱۹۶۶) صص ۳۲۸، ۳۲۹ ۔ نیز ملاحظہ فرمائیں A SHORT HISTORY OF CLASSICAL ARABIC LITERATURE ص ۵۰

۱۹۹ ۔ فہرست مخطوطات فارسی و عربی اورینٹل پبلک لائبریری بانکی پور، جلد ۱۳ صص ۱۸، ۱۹

مشہور و معروف شاعر،[200] سیاح[201] اور اسماعیلی مبلغ تھا۔[202]

۳۲۰۔ سیر الاولیا (ص ۳۰۴) بعد از مخالطت

۳۲۱۔ سیر الاولیا، صص ۳۰۱ تا ۳۰۳

۳۲۲۔ سیر الاولیا، صص ۳۰۴۔ ۳۰۵

۳۲۳۔ اخبار الاخیار، ص ۱۰۰

حضرت سلطان المشائخ قدس سرہ کا وصال بروز بدھ ۱۸ ربیع الثانی ۷۲۵ھ کو ہوا۔ ربیع الثانی کے بعد تیسرا مہینہ رجب کا آتا ہے اس لیے ذی قعد تحریر کرنا یا تو کسی کاتب کی غلطی ہے یا مصنف رحمۃ اللہ علیہ سے سہو ہوا ہے۔ مترجم

۳۲۴۔ آپ کے مزار سے متعلق ملاحظہ فرمائیں LIST OF MUSLIM AND HINDU MONUMENTS

۳۲۵۔ دیوان کامل، امیر خسرو مرتبہ م۔ درویش (تہران ۱۳۴۳ ش) ص ۱۴۵

۳۲۶۔ خواجہ شمس الدینؒ۔ آپ "فواید الفواد" کے مشہور جامع امیر حسن سجزی علاؒ[203] کے بھانجے تھے اور امیر خسروؒ کے بھانجے نہیں تھے، جیسا کہ "اخبار الاخیار"[204] اور "کلمات الصادقین"[205] میں منقول ہوا ہے۔ چونکہ آپ کے مقبرے کو عموماً "قبر خواہر زادہ میر" (میر کے بھانجے کی قبر) کہا جاتا تھا اور میر کا لقب حسن اور خسرو دونوں کے ساتھ مشترک تھا اس لیے مذکورہ بالا کتابوں کے مصنف اس مغالطے میں پڑ گئے کہ آپ امیر خسرو کے خواہر زادے تھے۔ حالانکہ ان کی دوسری تمام معلومات سراسر میر خورد کے بیانات کا اعادہ ہیں جو خواجہ شمس الدین کے والد کے ہمعصر تھے۔[206]

۲۰۰۔ اس کی شعری تصانیف تہران سے شائع ہو چکی ہیں۔ ملاحظہ فرمائیں "دیوان اشعار حکیم ابو معین حمید الدین ناصر بن خسرو قبادیانی مرتبہ حاجی سید نصر اللہ تقوی، تہران ۱۳۲۸ اشاعت ثانی

۲۰۱۔ اس کا سفرنامہ فارسی کا سب سے قدیم نمایاں باتصویر بیان ہے جو ان ممالک کے معاشرتی حالات سے متعلق بیش بہا معلومات فراہم کرتا ہے جن کی اس نے سیاحت کی تھی۔ ملاحظہ فرمائیں "سفرنامہ" اصل فارسی متن اور فرانسیسی ترجمہ کے ساتھ مدون کردہ M.CH. SCHEFER پیرس ۱۸۸۱ء اور "سفرنامہ حکیم ناصر خسرو" برلن ۱۳۴۰ ش، تہران سال اشاعت ندارد، اشاعت ثانی

۲۰۲۔ اس کی زندگی کے حالات اور تصانیف کے بارے میں ملاحظہ فرمائیں "دیوان اشعار" مقدمہ نیز HISTORY OF — IRANIAN LITERATURE صص ۱۸۵ تا ۱۸۹

۲۰۳۔ سیر الاولیا، ص ۳۱۴

۲۰۴۔ اخبار الاخیار، ص ۱۰۲

۲۰۵۔ متن اردو ترجمہ ذکر خواجہ شمس الدین قدس سرہ حاشیہ نمبر ۳۲۶

۲۰۶۔ سیر الاولیا ص ۳۱۴

۳۲۷ ۔ سیر الاولیا (ص ۳۱۴) نسبت خواہر زادگی بہ میر حسن داشت

۳۲۸ ۔ سیر الاولیا ، ص ۳۱۵

۳۲۹ ۔ سیر الاولیا ، ص ۱۰۲ نیز گلزار ابرار ، ورق ۱۱۱

۳۳۰ ۔ گلزار ابرار ، ورق ۳۸ ب

۳۳۱ ۔ نفحات الانس ، ص ۵۱۱

۳۳۲ ۔ اخبار الاخیار ، ص ۱۰۴

۳۳۳ ۔ ضیائے نخشبی (م ۷۵۱ ھ / ۱۳۵۰ ء) کے بارے میں کہا جاتا ہے کہ آپ شیخ حمید الدین ناگوری کے پوتے اور خلیفہ شیخ فرید کے مرید تھے ۔ آپ نے بدایوں میں تمام عمر کامل خلوت میں گزاری اور زندگی کا بیشتر حصہ ادبی مشاغل میں صرف کیا ۔ عشرہ مبشرہ کلیات ، جزئیات اور طوطی نامہ آپ کی تصنیفات ہیں ۔[۲۰۷]

۳۳۴ ۔ اخبار الاخیار ، ص ۱۲۷

۳۳۵ ۔ اخبار الاخیار ، ص ۱۰۸

۳۳۶ ۔ " نصاب الاحتساب فی الفتاویٰ " محتسب کے فرائض سے متعلق مشہور فقہی اسناد پر مبنی تصنیف ہے ۔ یہ کلکتے سے ۱۸۳۰ ء میں شائع ہوئی ۔[۲۰۸]

۳۳۷ ۔ اخبار الاخیار ، ص ۱۰۸ نیز سیر الاولیا ، ص ۳۱۱

۳۳۸ ۔ سیر الاولیا ، ص ۳۱۵ ۔ اخبار الاخیار ، ص ۱۰۹ نیز ملاحظہ فرمائیں گلزار ابرار ، ورق ۵۹ ب

۳۳۹ ۔ ملاحظہ فرمائیں ، اخبار الاخیار ص ۱۲۹

۳۴۰ ۔ امام ابی حامد محمدؒ کے چھوٹے بھائی مجدد الدین ابوالفتوح احمد بن محمد غزالی[۲۰۹] طوسیؒ ، اپنے زمانے کے مشہور صوفی ، واعظ اور شافعی مذہب کے عالم تھے ۔ تصوف و طریقت میں آپ شیخ ابوبکر نساجؒ (۴۸۷ ھ / ۱۰۹۴ ء) کے مرید تھے ۔ خود آپ کے ارادتمندوں میں شیخ ابوالنجیب سہروردیؒ[۲۱۰] کا نام خاص طور پر قابل ذکر ہے ۔ ابن خلکان (م ۶۸۱ ھ / ۸۳ ۔ ۱۲۸۲ ء) کے بیان کے مطابق آپ اعلیٰ پائے کے واعظ اور دل آویز شخصیت کے حامل

---

۲۰۷ ۔ اخبار الاخیار ، ص ۱۰۳

۲۰۸ ۔ فہرست عربی مخطوطات ، انڈیا آفس لائبریری ، جلد دوم ۔ ص ۲۰۵

۲۰۹ ۔ " غزالی " کے صحیح تلفظ کے لیے ملاحظہ فرمائیں " کتاب الانساب " ورق ۴۰۷ ب ۴۰۸ ۔ بیوگرافیکل ڈکشنری (ترجمہ وفیات الاعیان) جلد اول ص ۸۰ ۔ جلال الدین ہمائی کی تصنیف " غزالی نامہ " نظر ثانی شدہ اشاعت (تہران ۱۳۴۲ ش) صص ۲۱۹ تا ۲۲۳

۲۱۰ ۔ بیوگرافیکل ڈکشنری (ترجمہ وفیات الاعیان) جلد اول ص ۹۰

بزرگ تھے۔ آپ کی ذات میں کرامات اور مقبولیت کی علامات پیدائشی طور پر ودیعت کی گئی تھیں۔ آپ کے جذبہ عشق الٰہی نے عوام میں نیکی کی تحریک کو پروان چڑھایا، جس کے اظہار میں آپ نے اس ضابطے کو بھی نظرانداز کر دیا جس کے آپ عالم تھے، حتیٰ کہ بعد کے ایک تذکرہ نگار[211] کے مطابق یہ آپ ہی کی تبلیغ کا اثر تھا جس نے بالآخر آپ کے بھائی ابو حامد محمد غزالی کو متاثر کیا اور وہ دنیاوی تعلقات سے کنارہ کش ہو کر روحانی دنیا میں آ گئے۔ امام غزالی کی غیر موجودگی میں آپ نے نظامیہ بغداد میں درس کے فرائض انجام دیے۔[212] آپ کی تصانیف میں سے "سوانح"[213] نے جو عشق کے موضوع پر حکیمانہ تحریر ہے، بعد کے لکھنے والوں مثلاً عین القضاۃ ہمدانی، سنائی، نجم الدین دایہ، عراقی اور جامی وغیرہ پر گہرا اثر ڈالا۔ آپ کا انتقال ۵۲۰ ھ / ۱۱۲۶ میں قزوین میں ہوا۔[214]

۳۴۱۔ ابوالقاسم بن علی بن عبداللہ گرگانیؒ ابو علی رودباریؒ کے ممتاز مرید تھے۔[215] آپ شیخ ابو سعید ابوالخیرؒ کے ہمعصر اور ان سے انتہائی دوستانہ روابط رکھتے تھے۔[216] ہجویریؒ جو آپ سے نیاز مندانہ تعلقات رکھتے تھے، آپ کو قطب دوراں خیال کرتے تھے اور اکثر آپ سے ملاقات کے لیے طوس حاضر ہوتے اور آپ سے فیض روحانی حاصل کرتے تھے۔[217] آپ کشف کے ذریعے طالبین کے روحانی تجربات معلوم کرنے کی حیرت انگیز قوت رکھتے تھے۔ آپ نے مختلف شعبہ ہائے علم کی تحصیل کی تھی۔[218] اگرچہ آپ کے مریدین میں ابو علی فارمدیؒ[219] بہت ممتاز تھے تاہم آپ کے روحانی فیوض و برکات ابوبکر نساجؒ کے واسطے سے بھی پھیلے ہیں۔[220]

۳۴۲۔ نفحات الانس، ص ۳۰۰

۳۴۳۔ ان حضرات میں جنھوں نے جنیدؒ سے فیض صحبت حاصل کیا، احمد بن محمد بن قاسم بن منصورؒ کا نام خاص طور پر قابل ذکر ہے۔ جنھیں عام طور پر ابو علی رودباریؒ کہا جاتا ہے۔[221] سلسلہ سہروردیہ نے اپنا شجرۂ طریقت آپ ہی کی ذات گرامی کے واسطے سے حسن بصریؒ اور ان کے واسطے سے حضرت علیؓ بن ابی طالب سے ملایا ہے جو تمام مسلمان اولیا و صوفیہ کے مورث اعلیٰ ہیں۔ آپ نے جنیدؒ کے علاوہ ابوالحسین نوریؒ، ابو حمزہؒ،

۲۱۱۔ اتحاف السادہ، جلد اول ص ۸

۲۱۲۔ بیوگرافیکل ڈکشنری (ترجمہ وفیات الاعیان) جلد اول ص ۹،

۲۱۳۔ احمد غزالی۔ APHORISMEN UBER DIE LIEBE مرتبہ ہلمٹ رٹر (استنبول ۱۹۴۲، مخزن العلوم اسلامیہ)

۲۱۵۔ نفحات الانس، ص ۳۰۰

۲۱۶۔ مقامات ابو سعید، صص ۶۸، ۶۹

۲۱۷۔ کشف المحجوب، صص ۵۵، ۳۰۱، ۳۳۱

۲۱۸۔ ایضاً، ص ۳۰۱ نیز اسی کا ص ۲۵۹ بھی ملاحظہ فرمائیں

۲۱۹۔ ایضاً، ص ۲۱۱

۲۲۰۔ نفحات الانس، ص ۳۰۰

۲۲۱۔ رسالہ قشیریہ، ص ۲، نیز طبقات الصوفیہ ص ۳۵۴

حسن المسوحیؒ اور بغداد کے بہت سے بزرگوں سے بھی فیض روحانی حاصل کیا جب آپ شام میں تھے تو آپ نے ابن الجلاؒ کی صحبت اختیار کی۔[222] ایک عالم، فقیہ اور محدث ہونے کے علاوہ آپ علم لدنی سے بھی بہرہ ور تھے۔[223] آپ کی وفات ۳۰۲ھ / ۹۱۴ - ۱۵ء میں ہوئی۔[224]

۳۴۴ - ابو عثمان سعید بن مسلم المغربیؒ[225] ممتاز صوفی اور مختلف علوم کے ماہر ہونے کی حیثیت سے مشہور تھے۔ آپ نے اپنی عمر ابو علی الکاتبؒ، حبیب مغربیؒ اور ابو عمر زُجاج کی صحبت میں بسر کی۔ علاوہ ازیں آپ نے دیگر بزرگوں سے جن میں نہر جوریؒ اور ابن الصائغ بھی شامل تھے، ملاقاتیں کیں۔[226] آپ نے مختلف نوع کی ریاضتیں کیں اور بہت سے قابل ذکر اقوال اور باطنی عیوب کے مشاہدات سے متعلق دلایل تصنیف کیے۔ آپ کا انتقال ۳۷۳ھ / ۹۸۳ - ۸۴ء میں نیشاپور میں ہوا۔[227]

۳۴۵ - حسن بن احمد جو ابو علی الکاتب کے نام سے مشہور ہیں، مصر کے صوفیہ میں اہم مقام کے حامل تھے۔ بیان کیا جاتا ہے کہ علاوہ دوسرے بزرگوں کے آپ ابوبکر المصریؒ اور ابو علی رودباریؒ کی صحبت میں بھی رہے۔[228] اگرچہ لوگوں کا خیال ہے کہ آپ ابو علی رودباریؒ سے زیادہ صاحب علم اور حامل کمال تھے لیکن آپ ہمیشہ ان کا بے حد ادب و احترام کرتے تھے۔[229] آپ کا وصال ۳۴۰ھ / ۵۲ - ۹۵۱ء میں ہوا۔[230]

۳۴۶ - ابوالقاسم جنید بن محمد جنید القواریری البغدادیؒ اسلام کے دور اول کے زہاد میں ممتاز ترین فرد تھے۔ آپ کی تعلیمات[231] نے بعد کے آنے والے صوفیہ کو بے حد متاثر کیا۔ آپ کی ولادت و پرورش بغداد میں ہوئی لیکن آپ کے آباو اجداد نہاوند کے جو صوبہ جبال کا ایک قدیم شہر تھا، رہنے والے تھے۔[232][233] آپ نے علم فقہ میں

---

۲۲۲ - طبقات الصوفیہ، ص ۳۵۳

۲۲۳ - ایضاً

۲۲۴ - ایضاً، ص ۳۵۵

۲۲۵ - کشف المحجوب، ص ۱۹۹

۲۲۶ - طبقات الصوفیہ صص ۳۸۶، ۳۳۱، ۳۷۸، ۳۱۲

۲۲۷ - ایضاً، ص ۳۷۹

۲۲۸ - طبقات الصوفیہ، ص ۳۸۶ - طبقات الکبریٰ حصہ اول ص ۱۱۲

۲۲۹ - نفحات الانس، صص ۲۰۱، ۲۰۳

۲۳۰ - رسالہ قشیریہ، ص ۵۰ - طبقات الصوفیہ، ص ۳۸۶ - طبقات الکبریٰ ص ۱۱۲

۲۳۱ - آپ کی تعلیمات سے متعلق ملاحظہ فرمائیں، علی حسن عبدالقادر کی تصنیف THE LIFE, PERSONALITY AND THE WRITTING OF AL-JUNAYD - (لندن ۱۹۶۲ء) صص ۶۵ تا ۱۱۶

۲۳۲ - طبقات الصوفیہ، ص ۱۵۵ - رسالہ قشیریہ، ص ۵۵ - وفیات الاعیان، جلد اول ص ۳۰۳ - بوگرافیکل ڈکشنری (ترجمہ وفیات الاعیان) جلد اول، ص ۳۳۸

۲۳۳ - THE LIFE, PERSONALITY AND THE WRITTINGS OF AL-JUNAYD، ص ۱

ابن ثورؒ کی شاگردی اختیار کی جو امام شافعیؒ کے اعلیٰ شاگرد تھے۔[۲۳۴] لیکن بعض حضرات کے نزدیک آپ ایسے فقیہ تھے جو سفیان ثوریؒ کی تقلید کرتے تھے۔ طریقت و تصوف کی قلمرو میں سری السقطیؒ، حارث محاسبیؒ[۲۳۵] اور محمد بن علی القصابؒ[۲۳۶] آپ کے مرشد تھے۔ آپ نہ صرف یہ کہ دینیات، فقہ اور اخلاقیات پر سند کا درجہ رکھتے تھے بلکہ حضرات صوفیہ کے بھی تسلیم شدہ رہنما تھے۔[۲۳۷] ابوعبداللہ خفیفؒ آپ کو ان پانچ عظیم اولیا میں شمار کرتے ہیں جو علم و صداقت کے حامل تھے،[۲۳۸] باقی چار بزرگ یہ ہیں، حارث محاسبیؒ، ابومحمد رویمؒ، ابوالعباس العطاؒ اور عمرو بن عثمان المکیؒ۔ شیخ ابو جعفر الحداذ اکثر فرماتے تھے کہ اگر دانش انسانی پیکر میں ہوتی تو وہ جنیدؒ کی شکل میں ہوتی۔[۲۳۹] آپ قرآن حفظ کرنے اور احادیث تحریر کرنے کو بہت زیادہ اہمیت دیتے تھے اور فرماتے تھے کہ جس شخص نے ان دو باتوں پر عمل نہ کیا اس کی ہمسری نہ کرو۔[۲۴۰] آپ کی وفات ۲۹۷ھ/ ۹۰۹ء اور بعض کے نزدیک ۲۹۸ھ/ ۹۱۰ء کے لگ بھگ ہوئی اور بغداد میں سری سقطی کی قبر کے جوار میں دفن کیے گئے۔[۲۴۱] آپ کی وفات کے بعد ابومحمد احمد بن محمد بن الحسین الجریریؒ جو آپ کے مریدوں میں سب سے زیادہ ممتاز تھے، آپ کے جانشین ہوئے۔ الجریری کا انتقال ۳۱۱ھ/ ۹۲۳ء میں ہوا۔[۲۴۲]

۲۷۔ ابوالحسن بن المغلس السقطیؒ، جنید بغدادیؒ کے ماموں اور مرشد روحانی تھے۔ بیان کیا گیا ہے کہ خود آپ معروف کرخی کے مرید تھے۔[۲۴۳] آپ عالی مرتبہ شیخ اور علم کے مختلف شعبوں میں کامل دستگاہ رکھتے تھے۔ صوفیہ میں آپ پہلے شیخ تھے جنھوں نے روحانی درجات یعنی مقامات کو ترتیب دیا اور روحانی حالتوں یعنی احوال کی تشریح کی۔[۲۴۴] عراق کے بیشتر مشایخ آپ کے مرید تھے۔[۲۴۵] آپ کی وفات ۲۵۷ھ/ ۸۷۰-۷۱ء میں ہوئی۔[۲۴۶]

۲۳۴۔ طبقات الصوفیہ مصنفہ خواجہ عبداللہ انصاری مرتبہ عبدالحئی (کابل ۱۳۴۱ ش) ص ۱۶۱۔ نفحات الانس، ص ۸۰

۲۳۵۔ وفیات الاعیان، ص ۳۷۳۔ بیوگرافیکل ڈکشنری (ترجمہ وفیات الاعیان) ص ۳۳۸

۲۳۶۔ رسالہ قشیریہ، ص ۵۱۔ طبقات الصوفیہ مصنفہ خواجہ عبداللہ انصاری، ص ۱۶۱۔ نفحات الانس ص ۸۰، ۲۳۔ کشف المحجوب، ص ۱۶۱۔ انگریزی ترجمہ از نکلسن، ص ۱۲۸، ۲۳۸۔ رسالہ قشیریہ، ص ۳۴، ۲۳۹۔ طبقات الصوفیہ مصنفہ خواجہ عبداللہ انصاری، ص ۱۶۲۔ نفحات الانس، ص ۸۰

۲۳۷۔ کشف المحجوب، ص ۱۶۱۔ انگریزی ترجمہ از نکلسن ص ۱۲۸

۲۳۸۔ رسالہ قشیریہ ص ۳۴

۲۳۹۔ طبقات الصوفیہ مصنفہ خواجہ عبداللہ انصاری ص ۱۶۱۔ نفحات الانس ص ۸۰

۲۴۰۔ رسالہ قشیریہ، ص ۵۲

۲۴۱۔ وفیات الاعیان، ص ۳۷۳۔ بیوگرافیکل ڈکشنری (ترجمہ وفیات الاعیان) ص ۳۳۹ نیز ملاحظہ فرمائیں THE LIFE, PERSONALITY AND WRITTING OF AL-JUNAYD۔ ص ۲

۲۴۲۔ رسالہ قشیریہ، ص ۴۳

۲۴۳۔ رسالہ قشیریہ، ص ۳۰۔ کشف المحجوب، ص ۱۳۷

۲۴۴۔ کشف المحجوب، ص ۱۳۷

۲۴۵۔ طبقات الصوفیہ، ص ۴۸۔ کشف المحجوب، ص ۱۳۷

۲۴۶۔ رسالہ قشیریہ، ص ۳۱

۲۴۸ ۔ ابو محفوظ معروف بن فیروز یا فیروزان الکرخیؒ[247]، مسلمانوں کے قدیم اور سربر آوردہ اولیا میں سے تھے ۔ آپ کی ولادت عیسائی والدین کے ہاں ہوئی[248] لیکن آپ نے امام موسیٰ الرضاؒ کے ہاتھ پر اسلام قبول کیا[249]۔ اس کے بعد آپ نے ایک طالب کی حیثیت سے داؤد طائیؒ کی نگرانی میں باطنی تربیت حاصل کی[250] اور ایک مشہور ولی ہونے سے قبل زاہدانہ ریاضتوں میں مصروف رہے ۔ آپ کی زندگی دنیا سے کامل بے تعلقی (تجرید) سے عبارت تھی اور آپ کے معاصرین آپ کے اقوال کو بہت زیادہ اہمیت دیتے تھے ۔ آپ کی وفات ۲۰۰ ھ / ۸۱۵ ء میں ہوئی ۔

۲۴۹ ۔ ابو سلیمان داؤد بن نصیر الطائی الکوفیؒ، ابو حنیفہ کے شاگرد اور فضیل بن عیاضؒ، ابراہیم ادھم[251] اور جعفر صادقؒ[252] کے ہمعصر تھے ۔ تصوف و طریقت میں آپ حبیب رائیؒ[253] کے مرید تھے ۔ آپ نے علم کے مختلف شعبوں میں مہارت حاصل کی ۔ بالخصوص علم فقہ میں اپنے زمانے کے تمام مستند علما سے سبقت لے گئے ۔ اس مرحلے پر ابو حنیفہؒ نے آپ کی توجہ اس ضرورت کی جانب مبذول کروائی کہ آپ اپنے علم کو عمل کے سانچے میں ڈھال دیں[254]۔ اپنی زاہدانہ ریاضتوں کی ابتدا میں آپ ایک سال ابو حنیفہؒ کی صحبت میں رہے اور ان کی مجلس میں اپنی زبان سے ایک لفظ کہے بغیر اہل علم کی گفتگو اور بحث سنتے رہے[255]۔ اس ضبط نفس کے جیسا کہ بیان کیا گیا ہے، ایسے عظیم نتائج پیدا ہوئے کہ خود آپ نے فرمایا کہ اس ایک سال کی مسلسل او کامل خاموشی نے بعد کے تیس سالہ روحانی کردار کو متشکل کیا[256]۔ آپ کی وفات ۱۶۰ ۔ ۱۶۵ ھ / ۷۷۷ ۔ ۷۸۳ ء کے درمیان ہوئی[257]۔

---

۲۴۷ ۔ طبقات الصوفیہ ، صص ۸۳ ، ۸۳

۲۴۸ ۔ رسالہ قشیریہ ، ص ۲۹

۲۴۹ ۔ رسالہ قشیریہ ، ص ۲۹ ۔ تذکرہ الاولیا (عطار) ص ۳۲۴ ۔ شیعہ امام علی ابن موسیٰ الرضاؒ کے ہاتھ پر آپ کے اسلام قبول کرنے کی روایت کو عام طور سے نامعتبر قرار دیا گیا ہے ۔ ملاحظہ فرمائیں MUSLIM SAINTS AND MYSTICS ترجمہ ، اے ۔ جے ۔ آربری (لندن ۱۹۶۶) ص ۱۶۱

۲۵۰ ۔ رسالہ قشیریہ ، ص ۵۰۸

۲۵۱ ۔ کشف المحجوب ، صص ۱۱۳ ۔ ۱۳۶ ۔ ترجمہ از نکلسن ، صص ۹۳ ، ۱۰۹ ۔ تذکرہ الاولیا ، عطار ، ص ۲۶۳ ۔ نفحات الانس ، ص ۴۱

۲۵۲ ۔ منقول ہے کہ آپ نے جعفر صادقؒ سے کہا ، اے فرزند رسول مجھے ہدایت فرمائیے کیونکہ میرا ذہن تاریک ہے ۔ جعفرؒ نے فرمایا ، اے ابو سلیمان تم اپنے زمانے کے زاہد ہو تمھیں میری ہدایت کی کیا ضرورت ہے ؟ ملاحظہ فرمائیں ترجمہ ۔ کشف المحجوب " از نکلسن ص ۹ ، نیز کشف المحجوب (فارسی) ص ۹۵

۲۵۳ ۔ ابو حلیم حبیب بن سلیم الرائی ، سلمان فارسیؒ کے اصحاب میں سے تھے ۔ ملاحظہ فرمائیں کشف المحجوب ، ص ۱۰۹ نیز انگریزی ترجمہ از نکلسن ، ص ۹۰

۲۵۴ ۔ رسالہ قشیریہ ، ص ۳۵ ۔ کشف المحجوب ، ص ۱۱۰ ۔ ترجمہ کشف المحجوب از نکلسن ص ۹۵

۲۵۵ ۔ رسالہ قشیریہ ، ص ۳۵

۲۵۶ ۔ تذکرہ الاولیا ، عطار ، ص ۲۶۳

۲۵۷ ۔ وفیات الاعیان جلد دوم ، ص ۲۶۲ نیز MUSLIM SAINTS AND MYSTICS ، ص ۱۳۸

۲۵۰ ۔ حبیب بن محمد العجمی البصریؒ ایک نہایت ممتاز روایتی درویش تھے جنھوں نے حسن البصریؒ ، ابنِ سیرینؒ اور دیگر مستند حضرات سے فیض باطنی حاصل کیا۔[۲۵۸] آپ امام احمد حنبلؒ اور امام شافعیؒ کے ہمعصر تھے اور دونوں حضرات آپ کا بے حد ادب و احترام کرتے تھے۔[۲۵۹] آپ اپنی ابتدائی زندگی میں بہت بدنام سود خور تھے لیکن بعد میں اپنے گناہوں سے توبہ کر کے حسن البصری کے اصحاب میں شامل ہو گئے۔[۲۶۰] آپ دن کے وقت ظاہری علوم کی تحصیل میں مصروف رہتے لیکن راتیں اس خانقاہ میں جو دریائے فرات کے کنارے قایم کی گئی تھی ، عبادت الٰہی میں گزارتے تھے۔[۲۶۱]

۲۵۱ ۔ شیخ عثمان سیاحؒ کے مزار کے بارے میں ملاحظہ فرمائیں LIST OF MUSLIM AND HINDU MONUMENTS جلد سوم ، نمبر ۲۱۸

۲۵۲ ۔ گلزار ابرار ، ورق ۲۴ ب

۲۵۳ ۔ اخبارالاخیار ، ص ۱۲۹

۲۵۴ ۔ گلزار ابرار ، ورق ۲۴

۲۵۵ ۔ اخبار الاخیار ، صص ۱۴۳ تا ۱۴۶

۲۵۶ ۔ اخبارالاخیار ، ص ۱۴۴

۲۵۷ ۔ اخبارالاخیار ، ص ۱۴۴

۲۵۸ ۔ احیاء العلوم ، جلد سوم ، صص ۲۰۲۵ ، ۹۰۷

۲۵۹ ۔ صوفیہ کا مقولہ ہے ۔ ملاحظہ فرمائیں ، کشف المحجوب ، ص ۳۲۰

۲۶۰ ۔ کنز العمال مصنفہ علی متقی ، جلد سوم ، ص ۲۸۶ ۔ نیز ملاحظہ فرمائیں ، کشف المحجوب صص ۴۲ اور ۳۱۳ ۔ عوارف المعارف جلد سوم ، ص ۲۴۷

۲۶۱ ۔ اخبارالاخیار ، ص ۱۴۴

۲۶۲ ۔ سورہ نساء ، آیت ۱۰۰ (انگریزی متن میں آیت ۱۰۱ درج کی گئی ہے ۔ مترجم)

۲۶۳ ۔ سورہ ہود ، آیت ۶ (انگریزی متن میں آیت ، درج کی گئی ہے ۔ مترجم)

---

۲۵۸ ۔ MUSLIM SAINTS AND MYSTICS ، ص ۳۲

۲۵۹ ۔ تذکرہ الاولیا ، عطار ، ص ۹۳

۲۶۰ ۔ کشف المحجوب ، ص ۱۰۷ ۔ انگریزی ترجمہ از نکلسن ، ص ۸۸ ۔ تذکرہ الاولیا ، عطار ، صص ۵۹ ، ۶۰

۲۶۱ ۔ تذکرہ الاولیا ، عطار ، ص ۶۰

۳۶۴ ۔ اخبار الاخیار، ص ۱۴۵

۳۶۵ ۔ سورہ منافقون، آیت ۸ (انگریزی متن میں آیت ۹ کی نشان دہی کی گئی ہے ۔ مترجم)

۳۶۶ ۔ سورہ طلاق، آیت ۳ (انگریزی متن میں آیت ۴ درج کی گئی ہے ۔ مترجم)

۳۶۷ ۔ سورہ زمر، آیت ۳۶ (انگریزی متن میں آیت ۳۷ درج کی گئی ہے ۔ مترجم)

۳۶۸ ۔ اخبار الاخیار، ص ۱۴۵

۳۶۹ ۔ سورہ احزاب، آیت ۲۸ (انگریزی متن میں آیت ۲۹ درج کی گئی ہے ۔ مترجم)

۳۷۰ ۔ اخبار الاخیار، ص ۱۴۵

۳۷۱ ۔ سورہ فرقان، آیت ۳ (انگریزی متن میں آیت ۴ درج کی گئی ہے ۔ مترجم)

۳۷۲ ۔ اخبار الاخیار، ص ۱۴۶

۳۷۳ ۔ گلزار ابرار، ورق ۳۱

۳۷۴ ۔ سورہ ص، آیت ۲۳ (سورہ ص میں کل ۸۸ آیات ہیں ۔ انگریزی متن میں اس آیت کا نشان ۲۴۵ تحریر کیا گیا ہے ۔ مترجم)

۳۷۵ ۔ اخبار الاخیار، ص ۱۴۷

۳۷۶ ۔ "شمسیہ" منطق پر نجم الدین علی بن عمر کتبی قزوینی (م ۔ ۶۷۵ ھ / ۱۲۷۶ ۔ ۷۷ء) کا مشہور رسالہ ہے ۔ اس کا نام وزیر شمس الدین محمد الجوینی (م ۔ ۶۸۱ ھ / ۱۲۸۲ ۔ ۸۳ء) کے نام پر رکھا گیا۔[۲۶۲]

۳۷۷ ۔ "مطالع الانوار" جسے عام طور پر "مطالع" کہتے ہیں، منطق کے موضوع پر سراج الدین ابو الثناء محمود بن ابی بکر بن احمد الارموی[۲۶۳] (م ۔ ۶۸۲ ھ / ۱۲۸۳ ۔ ۸۴ء) کی مشہور کتاب ہے ۔ علامہ قطب الدین بویہی الرازی کی تصنیف "لوامع الاسرار فی شرح مطالع الانوار"[۲۶۴] بھی "مطالع" کی چند شرحوں میں سے ہے ۔

۳۷۸ ۔ "منار الانوار فی اصول الفقہ" ابو البرکات عبداللہ بن احمد بن مسعود النسفی (م ۔ ۷۱۰ ھ / ۱۳۱۰ء یا ۷۱۱ ھ / ۱۳۱۱ء) کی فقہ سے متعلق مشہور تصنیف ہے ۔ یہ ۱۸۷۰ء میں دہلی سے شایع ہو چکی ہے۔[۲۶۵]

۳۷۹ ۔ "توجیہ الافکار شرح المنار" کا ایک خطی نسخہ (نمبر ۱۷۳۱) انڈیا آفس لائبریری میں ہے ۔ اس کے کسی

---

۲۶۲ ۔ فہرست مخطوطات عربی، انڈیا آفس لائبریری، جلد اول، ص ۱۳۰

۲۶۳ ۔ تاریخ ادبیات در ایران (صفا) جلد سوم، ص ۲۲۳

۲۶۴ ۔ ایضا، ص ۲۲۵

۲۶۵ ۔ فہرست مخطوطات عربی، انڈیا آفس لائبریری جلد دوم، ص ۲۰۸

دوسرے نسخے کا ذکر نہیں ملتا۔[۲۶۶]

۳۸۰ ۔ اخبار الاخیار، صص ۱۴۵ تا ۱۴۸

۳۸۱ ۔ " لامیات عجم " عربی زبان میں، فارسی کے ایک شاعر اور دانشور فخرالکتاب ابو اسمعیل حسین بن علی بن محمد طغرائی اصفہانی مقتول مابین ۵۱۳ و ۵۱۸ ھ / ۱۱۱۹ ۔ ۲۰ و ۱۱۲۴ ۔ ۱۱۲۵ء) کی نظم ہے ۔ یہ نظم ہو بہ ہو ایک آتش مزاج اور چڑچڑے بدوی شاعر شنفری الازدی کے قصیدے " لامیات عرب " کا چربہ ہے[۲۶۷]۔ اس چند در چند مماثلت کے باوصف طغرائی کی نظم اپنے پیشرو جیسی ادبی خوبیوں سے عاری ہے، تاہم ایک ممتاز فن پارے کی حیثیت سے اس کی شہرت باقی ہے۔[۲۶۸]

۳۸۲ ۔ شیخ زین الدین علیؒ، شیخ نصیر الدین محمودؒ کے بھانجے اور خادم تھے ۔ آپ کو شیخ نصیر الدینؒ کا اسی طرح اعتماد حاصل تھا جس طرح اقبال خادمؒ کو شیخ نظام الدین اولیاؒ کا اعتماد حاصل تھا ۔ روزانہ کے معاملات کی دیکھ بھال اور طعام گاہ کی نگرانی آپ ہی کے سپرد تھی۔[۲۶۹] شیخ رحمتہ اللہ علیہ کو بستر مرگ پر دیکھتے ہوئے آپ نے ان سے اپنا جانشین نامزد کرنے کی درخواست کی ۔ شیخؒ نے آپ کے اخلاص اور احترام کے پیش نظر آپ سے چند مناسب امیدواروں کے نام تجویز کرنے کے لیے فرمایا ۔ آپ نے تین علحدہ علحدہ فہرستیں تیار کر کے شیخؒ کے ملاحظے کے لیے پیش کیں ۔ شیخ نصیر الدینؒ ان پر سرسری نگاہ ڈالنے کے بعد فرمایا، زین الدین! ان سے کہو کہ دوسروں کا بار اٹھانے کے بجائے اپنے ایمان کی حفاظت کریں ۔ اس کے بعد شیخ رحمتہ اللہ علیہ نے وصیت فرمائی کہ میرے پیر کے تمام تبرکات میرے ساتھ قبر میں رکھ دیے جائیں، چنانچہ اس وصیت کی تعمیل میں خرقہ خلافت، عصا، تسبیح، پیالہ اور لکڑی کی کھڑاؤں جو انھیں شیخ نظام الدینؒ سے ورثے میں ملے تھے ان کے ساتھ دفن کر دیے گئے۔[۲۷۰]

---

۲۶۶ ۔ فہرست مخطوطات عربی، انڈیا آفس لائبریری جلد دوم، ص ۲۸۳

۲۶۷ ۔ عہد حاضر کے بعض محققین نے " لامیات العرب " کو شنفرا سے منسوب کرنے کے سلسلے میں شکوک و شبہات کا اظہار کیا ہے ۔ ملاحظہ فرمائیں، کلیمنٹ ہوارٹ کی تصنیف A HISTORY OF ARABIC LITERATURE بیروت ۱۹۶۶ء) ص ۲۰

۲۶۸ ۔ طغرائی اصفہانی پر جدید تنقید کے لیے ملاحظہ فرمائیں، آر ۔ اے ۔ نکلسن کی تصنیف A LITERARY HISTORY OF ARABS کیمبرج ۱۹۶۶ء، اشاعت ثانی) ص ۳۲۶ ۔ اگنیس گولڈ زیہر A SHORT HISTORY OF CLASSICAL ARABIC LITERATURE مترجمہ و مرتبہ جوزف ڈیسموگی (ہلڈیشیم جرمنی ۱۹۶۶ء) ص ۸۰ ۔ نیز ایچ ۔ آر ۔ اے ۔ گب کی تصنیف ARABIC LITERATURE: AN INTRODUCTION آکسفورڈ ۱۹۶۳ء) پیپر بیک، ص ۱۲۶

۲۶۹ ۔ خیر المجالس، ص ۱۵۹

۲۷۰ ۔ خیر المجالس، ص ۲۸۶، جب شیخ نظام الدین کا وصال ہوا تو آپ کے تبرکات مثلاً خرقہ اور مصلیٰ جو آپ کو شیخ فرید الدین سے حاصل ہوئے تھے، آپ کے ساتھ دفن کر دیے گئے، ملاحظہ فرمائیں سیر الاولیا، ص ۳۳۳

۳۸۳ ۔ خیر المجالس ، صص ۱۵۹۰۹، ۲۸۶، ۲۸۹

۳۸۴ ۔ آپ کی قبر سے متعلق ملاحظہ فرمائیں LIST OF MUSLIM AND HINDU MONUMENTS جلد سوم ، ص ۱۳۵ ، نمبر ۲۲۹

۳۸۵ ۔ اخبار الاخیار ، صص ۱۶۳ تا ۱۶۷

۳۸۶ ۔ "تمہیدات"[۲۶۱] مصنفہ عین القضاہ المیانجی لہمدانی[۲۶۲] (م ۔ ۵۲۵ ھ / ۱۱۳۱ ء) ابن عربی سے قبل صوفیہ کی تعلیم سے متعلق تحریر کردہ تصانیف میں سے سے اہم تصنیف ہے ۔ بعض مصنفین[۲۶۳] نے عین القضاہ کی اسی کے ہم پلہ دوسری اہم تصنیف "زبدہ الحقایق" سے اسے خلط ملط کر دیا ہے[۲۶۴] ۔ "تمہیدات" دس فصلوں پر منقسم ہے ۔ ہر فصل کو تمہید کیا گیا ہے ، جس میں مصنف نے سلوک و طریقت کے مختلف پہلوؤں پر اسی انداز میں گفتگو کی ہے جس انداز میں اپنے مکتوبات میں کی ہے ۔ تمہیدات کی زبان سادہ ہے لیکن فارسی اور عربی اشعار کے استعمال نے رنگا رنگی پیدا کر دی ہے ۔ جہاں صورت حال کا تقاضہ ہوتا ہے مصنف حکایت و تمثیل سے کام لینے میں ہرگز تذبذب نہیں کرتے ، جس کے باعث کتاب میں اپنے اندر جذب کرنے والے عنصر کا اضافہ ہو جاتا ہے ۔

۳۸۷ ۔ آپ کے دیوان "نورالیقین" کا خطی نسخہ برٹش میوزیم میں محفوظ ہے[۲۶۵] ۔

۳۸۸ ۔ "مراۃ العارفین" مصنفہ مسعود بک" ایک فارسی رسالہ ہے جس میں تصوف کے اصول اور تعلیمات کی بڑی وضاحت اور جامعیت کے ساتھ تشریح کی گئی ہے ۔ یہ رسالہ چودہ ابواب پر مشتمل ہے ۔ ہر باب کو کشف کا عنوان دیا گیا ہے اور ہر کشف میں ایک نکتہ رکھا گیا ہے جس میں گزشتہ کشف کے مطالب کو مکمل کیا گیا ہے ۔ کتاب کے آغاز میں ایک دیباچہ ہے اور آخر میں تقریر ہے جس کا مخاطب رسالے کا قاری ہے ۔ اس کتاب میں مصنف کا اسلوب بڑی حد تک عین القضاہ ہمدانی کی تمہیدات سے متاثر ہے ۔ اس کا ایک خوش خط نسخہ جو املا کی غلطیوں سے خالی نہیں ہے ، انڈیا فس لائبریری میں محفوظ ہے[۲۶۶] ۔

(کلمات الصادقین کے مطبوعہ متن میں کچھ التباس محسوس ہوتا ہے ۔ اصل متن اور اس کا ترجمہ پیش ہے ۔

---

۲۶۱ ۔ تمہیدات ، مرتبہ عفیف عسیران ، تہران سے ۱۳۴۰ ش میں شایع ہوئی ۔

۲۶۲ ۔ سید حسین نصر ، THREE MUSLIM SAGES (کیمبرج میسکوسٹ ۱۹۶۴ ء) ص ۱۵۰ ، حاشیہ نمبر ۱۵

۲۶۳ ۔ مثال کے طور پر تاریخ ادبیات در ایران (صفا) جلد دوم ، ص ۹۳۰ ملاحظہ فرمائیں

۲۶۴ ۔ رحیم فرنش ، احوال و آثار عین القضاہ المیانجی الہمدانی (تہران ۱۳۳۸ ش) صص ۱۰۷ تا ۱۱۰ ، ۱۱۸ تا ۱۲۵ نیز THREE MUSLIM SAGES ، ص ۱۵۰ ، حاشیہ نمبر ۱۵

۲۶۵ ۔ چارلس ریو ۔ فہرست نسخہ ہائے خطی فارسی ، برٹش میوزیم لائبریری (لندن ۱۸۱۸ ء) جلد دوم ، ص ۶۳۲

۲۶۶ ۔ ہرمن ایتھے ۔ فہرست نسخہ ہائے خطی فارسی ، انڈیا آفس لائبریری جلد اول ، ص ۱۰۲۷ ، مخطوطہ نمبر ۱۸۵۴

اورا تصانیف است ۔ برطبق تمہیدات عین القضاۃ ہمدانی تمہیداتی نوشتہ و دیوان شعر دارد و یکی از تصنیفات وی مسمی بمراۃ العارفین است ۔ بالجملہ در مشرب عشق و محبت یگانہ وقت بودہ و علمای روزگار را باوی نقاری تمام ۔ چنانچہ گویند ہم بفتوی ایشاں مثل حسین منصور بقتل آمدو قبر شریف وی در راہ خواجہ قطب الدین در لادو سرای است پہلوی پیر بزرگوار خود ۔

آپ صاحب تصنیف و تالیف بھی تھے ۔ آپ نے عین القضاۃ ہمدانی کی کتاب تمہیدات کے انداز پر تمہیدات تحریر فرمائی ۔ ایک دیوان اشعار بھی ہے ۔ اس کے علاوہ آپ کی ایک تصنیف مراۃ العارفین ہے ۔ مختصر یہ کہ آپ اپنے زمانے میں عشق و محبت کے مشرب میں یکتا تھے ۔ اس زمانے کے علما آپ سے کینہ و عناد رکھتے تھے ۔ چنانچہ کہا جاتا ہے کہ آپ ان علما کے فتووں کی بنیاد پر حسین منصور کی طرح قتل کیے گئے ۔ آپ کی قبر شریف خواجہ قطب الدین کے راستے میں واقع سرائے لادو میں اپنے شیخ محترم کے پہلو میں ہے ۔

قابل غور نکتہ یہ ہے کہ عین القضاۃ ہمدانی متوفی ۵۲۵ ھ حسین بن منصور کی طرح قتل کیے گئے تھے ۔ (ملاحظہ ہو دیباچہ از ڈاکٹر بہمن کریمی بریزدان شناخت از عین القضاہ ہمدانی تہران ۱۳۲۷ ش ۔ ص ی) مسعود بک رحمۃ اللہ علیہ پر یہ واقعہ نہیں گزرا ۔ اگر یہ واقعہ جو ہندوستان کے چشتی بزرگوں کی تاریخ کا اہم واقعہ قرار دیا جا سکتا ہے ، وقوع پذیر ہوتا تو اخبارالاخیار میں شیخ عبدالحق محدث دہلوی جنھوں نے مسعود بک کا طویل ذکر کیا ہے ، اس کی نشاندہی ضرور فرماتے ، علاوہ ازیں شیخ محمد اکرام نے ارمغان پاک میں آپ کی نسبت اس نوعیت کا کوئی ذکر نہیں کیا ہے ۔ (ملاحظہ ہو ارمغان پاک طبع چہارم ، ص ۴۹ کراچی ۱۹۵۹ ء) ۔ اس صورت حال میں یہ نتیجہ اخذ کیا جا سکتا ہے کہ یہ سہو یا تو کلمات الصادقین کے مصنف سے ہوا یا کسی کاتب سے یہ غلطی سرزد ہوئی کہ صحیح عبارت کو خلط ملط کر دیا اور بعد کے قلمی نسخوں میں اس غلطی کی تکرار جاری رہی ۔ بہرحال اس واقعہ کو عین القضاہ سے منسوب سمجھنا چاہیے ۔ مترجم نے مطبوعہ متن کے مطابق ترجمہ کر دیا ہے اور سہو و التباس کی نشاندہی کر دی ہے ۔ احقر مترجم)

۳۸۹ ۔ اخبارالاخیار ، ص ۱۶۵ ۔ مراۃ العارفین ، اوراق ۱۹۴ ، ۱۹۴ ب

۳۹۰ ۔ سورۂ بنی اسرائیل ، آیت ۸۵

۳۹۱ ۔ سورۂ بنی اسرائیل ، آیت ۸۵

۳۹۲ ۔ اخبارالاخیار ، ص ۱۶۵ ۔ مراۃ العارفین ، اوراق ۱۹۷ ، ۱۹۸

۳۹۳ ۔ سورۂ نور آیت ۳۵ (انگریزی متن میں سورۂ کہف آیت ۳۶ کا اندراج ہے لیکن **اللہ نور السموات و الارض** ، سورۂ نور میں ہے ۔ احقر مترجم)

۳۹۴ ۔ ملاحظہ فرمائیں ، مراۃ العارفین ، اوراق ۱۹۷ ، ۱۹۸

۳۹۵ ۔ سیرالاولیا، ص ۱۹۴

۳۹۶ ۔ شیخ بدرالدین سمرقندیؒ کے مزار کے بارے میں ملاحظہ فرمائیں LIST OF MUSLIM AND HINDU MONUMENTS ، جلد دوم، ص ۸۰، نمبر ۱۱۸

۳۹۷ ۔ گلزار ابرار، ورق ۵۶

۳۹۸ ۔ اخبارالاخیار، ص ۱۱۶

۳۹۹ ۔ سیرالاولیا، ص ۱۴۷

۴۰۰ ۔ ملاحظہ فرمائیں، سیرالاولیا، ص ۱۴۷

۴۰۱ ۔ شیخ رکن الدین فردوسیؒ کے مزار کے بارے میں ملاحظہ فرمائیں LIST OF MUSLIM AND HINDU MONUMENTS جلد چہارم، ص ۱۲، نمبر ۱۹

۴۰۲ ۔ گلزار ابرار، ورق ۵۶ ب

۴۰۳ ۔ شیخ نجیب الدین فردوسیؒ کے مزار سے متعلق ملاحظہ فرمائیں LIST OF MUSLIM AND HINDU MONUMENTS ، جلد سوم، ص ۱۱۱، نمبر ۱۸۵

۴۰۴ ۔ اخبارالاخیار، ص ۱۱۶

۴۰۵ ۔ گلزار ابرار، ورق ۶۸ ب

۴۰۶ ۔ گلزار ابرار، ورق ۵۶ ب

۴۰۷ ۔ اخبارالاخیار، صص ۱۹۰، ۱۹۱

۴۰۸ ۔ مولانا سراج الدین عثمانؒ جنھیں سب اخی سراج کہتے تھے، اودھ کے اولین صوفی تھے جنھوں نے شیخ نظام الدین اولیاؒ کی صحبت اختیار کی۔ آپ نے لکھنوتی کے ان چند مختصر سالانہ سفروں کے سوا جو اپنی والدہ صاحبہ کی خدمت میں حاضر ہونے کے لیے کیے، تمام زندگی اپنے شیخؒ کے جماعت خانے میں بسر کی۔ جب آپ کا نام عطائے خلافت کے لیے پیش کیا گیا تو شیخؒ اس پر راضی نہ ہوئے کیونکہ آپ میں علم کی کمی تھی، چنانچہ آپ نے خاصی بڑی عمر میں تعلیم شروع کی۔ امیر خوردؒ کا جو آپ کے ہم سبق تھے، بیان ہے کہ آپ نے "میزان"، "تصریف"[۲۷۷] اور نحو کی دوسری کتابیں مولانا فخرالدین زرادیؒ سے پڑھیں، جنھوں نے خاص آپ کے لیے ایک

---

۲۷۷ ۔ "تصریف" ہندوستان میں سب سے پہلے ایک مالکی عالم نے جو شیخ نظام الدینؒ کے زمانے میں بغداد سے تشریف لائے تھے متعارف کرائی۔ ملاحظہ فرمائیں، سیرالاولیا، ص ۲۷۷

کتاب تصنیف کی جس کا نام "تصریف عثمانی" ہے۔ آپ نے "کافیہ"، "مفصل"، "قدوری" اور "مجمع البحرین" مولانا رکن الدین اندپتی سے پڑھیں جو خود بھی مولانا فخر الدین زرادی کے قدیم شاگرد تھے۔[278] دوران تعلیم شیخ نظام الدینؒ نے آپ کو اپنی خلافت سے مشرف فرمایا لیکن آپ نے اپنی تعلیم ترک نہیں کی بلکہ براہ راست شیخؒ کی نگرانی میں اسے جاری رکھا۔ جب دہلی علما سے خالی کرائی گئی تو آپ بھی لکھنوتی چلے گئے اور وہاں سکونت اختیار کی۔[279] آپ کی وفات کے بعد آپ کے خلیفہ شیخ علاء الدین بن اسعد لاہوری بنگالیؒ نے آپ کے سلسلے کے کام کو جاری رکھا۔ شیخ علاء الدینؒ کی وفات پنڈوہ میں ۸۰۰ھ / ۱۳۹۷-۹۸ء میں ہوئی۔[280]

۴۰۹۔ "مقدمات فی النحو" جسے عام طور پر "کافیہ" کہتے ہیں، ابن حاجب جمال الدین ابو عمر عثمان بن عمر مالکیؒ (م ۶۴۲ھ / ۱۲۴۸-۴۹ء) کی عربی نحو پر ممتاز تصنیف[281] ہے۔ مصنف نے بعد میں اسی کتاب کو نظم کیا اور اس کا نام "وافیہ" رکھا۔ قاعدے کے مطابق نصابی کتابوں کی نثر کو منظوم کرنے کے لیے بحر رجز استعمال کی جاتی تھی تاکہ کتاب کے مطالب آسانی سے یاد ہو جائیں۔[282]

(جسم انسانی میں چھ لطائف ہیں جنھیں لطائف ستہ کہتے ہیں۔ ان ہی میں لطیفہ سِرّی بھی ہے۔ لطائف یہ ہیں۔ لطیفہ قلبی، لطیفہ روحی، لطیفہ نفس، لطیفہ سِرّی، لطیفہ خفی، لطیفہ اخفی۔ مزید تفصیل کے لیے ملاحظہ فرمائیں، "سر دلبران" شاہ سید محمد ذوقی طبع ثانی کراچی ۱۳۸۸ھ، صص ۲۹۸-۲۹۹۔ احقر مترجم)

۴۱۰۔ اخبار الاخیار، صص ۱۹۰، ۱۹۱

۴۱۱۔ اخبار الاخیار، ص ۱۹۱

۴۱۲۔ اخبار الاخیار، ص ۱۹۱

۴۱۳۔ سورہ کہف، آیت ۶۵

۴۱۴۔ احیاء العلوم، جلد اول، ص ۳۲۷

(پوری دعا یوں ہے۔ اللھم انی اسالک رحمۃ من عندک تھتدی بھا قلبی و تجمع بھا امری و تلم بھا شعثی و تصلح بھا دِینی و تقضی بھا دَینی تحفظ بھا غائبی و ترفع بھا شاھدی

۲۷۸۔ سیر الاولیا، ص ۲۹۸

۲۷۹۔ سیر الاولیا، ص ۲۹۸

۲۸۰۔ اخبار الاخیار، صص ۱۳۰، ۱۳۱

۲۸۱۔ تاریخ ادبیات در ایران (صفا) جلد سوم ص ۲۸۸

۲۸۲۔ اگنسیں گولڈ زیہر، A SHORT HISTORY OF CLASSICAL ARABIC LITERATURE، ص ۴۱

و تبیض بھا وجھی و تزکی بھا عملی و تلھمنی بھا رشدی و ترد بھا الفتی و تعصمنی بھا من کل سوء - یا اللہ میں مانگتا ہوں تجھ سے خاص رحمت تیری کہ جس سے تو میرے دل کو ہدایت کر دے اور اس سے میرے کاموں کو جمعیت دے اور اس سے میری ابتری کو تربیت کر دے اور اس سے میرے دین کو درست کر دے - میرے قرض کو ادا کر دے اور میری غائب چیزوں کی حفاظت رکھے اور میری حاضر چیزوں کو قوت دے اور میرے چہرے کو نورانی کر دے اور میرے عمل پاکیزہ کر دے اور میرے دل میں میری ہدایت ڈال دے اور میری الفت لوٹا دے اور مجھے ہر برائی سے بچائے رکھے۔

(مناجات مقبول مرتبہ مولانا اشرف علی تھانوی نور اللہ مرقدہ - المنزل الرابع نمبر ۴) احقر مترجم

۳۱۵ - ایک مقولہ جو ابوالقاسم نصر آبادیؒ سے منسوب ہے - ملاحظہ فرمائیں نفحات الانس صص ۳۲ اور ۳۸۶

۳۱۶ - اخبار الاخیار، ص ۱۹۱

۳۱۷ - ایک موضوع حدیث جو کثرت سے نقل کی گئی ہے - ملاحظہ فرمائیں، معارف جلد دوم، ص ۳۲۶

۳۱۸ - گلزار ابرار، ورق ۱۳۱ ب

۳۱۹ - اخبار الاخیار، ص ۲۰۵

۳۲۰ - "لمعات"[۲۸۳] فارسی ادبی نثر کے بہترین نمونوں میں ایک نمونہ، شیخ فخر الدین ابراہیم عراقیؒ (م ۶۸۸ ھ / ۱۲۸۹ ء) کی تصنیف ہے - دولت[۲۸۴] شاہ کے بیان کے مطابق، عراقی شیخ شہاب الدین سہروردیؒ کے مرید[۲۸۵] تھے، جنھوں نے بعد میں آپ کو شیخ بہاء الدین زکریا ملتانیؒ (م ۶۶۲ ھ / ۱۲۶۴ ء) کے سپرد کر دیا[۲۸۶] - موخر الذکر آپ کے اخلاص اور زاہدانہ ریاضتوں سے اس قدر متاثر ہوئے کہ نہ صرف انھوں نے آپ سے اپنی صاحبزادی کا عقد کر دیا[۲۸۷] بلکہ آپ کو اپنا خلیفہ بھی نامزد کر دیا[۲۸۸] - شیخ علیہ الرحمۃ کے اس دوسرے عمل نے آپ کے رفقا کو حسد میں

---

۲۸۳ - مرتبہ ، ایچ رز (BIBLIOTHEC ISLAMICA SERIES XVI)

۲۸۴ - تذکرۃ الشعراء، ص ۲۳۸

۲۸۵ - H. MASS نے "سہروردی" کو "شرزوری" سے مخلوط کر دیا ہے - ملاحظہ فرمائیں اس کا مقالہ مندرجہ "دایرۃ المعارف اسلامیہ" جلد سوم ص ۱۲۶۹ - سطر ۲۳

۲۸۶ - بعض تذکرہ نگاروں (مثلاً مولانا جامی، نفحات الانس ص ۶۰۵ اور شیخ جمالی، سیر العارفین ص ۱۰۸) کے نزدیک عراقی شیخ بہاء الدین زکریا کے بلاواسطہ مرید تھے - دولت شاہ کے اس نقطہ نظر (مندرجہ بالا حاشیہ ۲۸۵) کے تصفیے سے متعلق ملاحظہ فرمائیں، تاریخ ادبیات در ایران (صفا) جلد سوم، ص ۵۰۳

۲۸۷ - نفحات الانس، ص ۶۰۲ - سیر العارفین، ص ۱۰۹

۲۸۸ - نفحات الانس، ص ۶۰۲

بتلا کر دیا۔ چنانچہ اپنے مرشد کی وفات کے بعد، جیسا کہ تمام صوفیہ کی آخری تمنا ہوتی ہے، آپ حجاز کے سفر پر روانہ ہوگئے، جہاں سے آپ ایشیائے کوچک چلے گئے۔[289] ان دنوں قونیہ شیخ صدر الدین ابوالمعالی محمد بن اسحق بن محمد القونوی کا مسکن تھا جو ایک ممتاز دانشور تھے اور شیخ ابن عربی کے خیالات کے شارح کی حیثیت سے مشہور تھے۔[290] فصوص الحکم پر ان کی تقاریر آپ کے لیے بے حد وجہ کشش بنیں، جنھیں آپ باقاعدگی سے سنتے تھے۔ ان ہی ایام میں آپ اپنی کتاب "لمعات" لکھنے کی دھن میں لگے رہے جسے شیخ صدر الدین نے پسند کیا اور تحسین کی۔[291] اپنی فکر اور مطالب کے اعتبار سے "لمعات" غزالی کی "سوانح" کی نقل ہے، جسے اٹھائیس فصلوں میں تقسیم کیا گیا ہے۔[292] ہر فصل کو لمعہ (شعلہ) کہا گیا ہے جس میں محبت کے حقیقی باطنی مفہوم، محبت، محب اور محبوب کی اساسی یکتائی اور آخر میں ان کے ذات الہیہ میں فنا ہو جانے پر بحث کی گئی ہے۔[293]

۴۲۱۔ سیر العارفین، ص ۱۸۱

۴۲۲۔ عین القضاۃ المیانجی الہمدانی (م ۵۲۵ھ / ۱۱۳۲ء) کے مکتوبات[294] یا خطوط بہت ہی سادہ، شیریں اور بے ساختہ انداز میں تحریر کیے گئے ہیں۔ جا بجا برمحل اشعار نے انھیں لائق مطالعہ اور دلچسپ بنا دیا ہے۔ مصنف نے کسی حقیقی مخاطب کے بغیر جس طرح ایک کے بعد دوسرے مکتوب میں تصوف کے مختلف حقایق کو شرح و بسط سے بیان کیا ہے، اس نے مکتوبات کو رسمی خطوط کے بجائے، عشقِ الٰہی سے لبریز کسی دل کو خود کلامی بنا دیا ہے۔

مولانا اشرف علی تھانوی قدس سرہ فرماتے ہیں: کوئی ذات باوجود بقا اپنی حالت وصف کے کسی دوسری صورت میں ظہور کرے، اس کو تمثل کہتے ہیں اور اس دوسری صورت کو صورت مثالی کہتے ہیں۔ خواب و مکاشفات میں تو اکثر اشیا متمثل ہوتی ہیں اور خرق عادت کے طور پر کبھی بیداری میں بھی تمثل ہوتا

۲۸۹۔ عراقی کی معرفت باطن کی طلب کا حوالہ دیتے ہوئے این ریپکا (صص ۲۵۴ ۔ ۲۵۵) تحریر کرتا ہے۔ اسی باعث انھوں نے (عراقی نے) ہندوستان سے حجاز تک مقدس مشایخ کی تلاش جاری رکھی۔ یہ بیان حد درجہ ژولیدہ ہے اور موضوع سے متعلق حقیقی اسناد سے کسی طرح موید نہیں ہے۔

۲۹۰۔ آپ کی شرح فصوص بہ عنوان "فکوک الفصوص" کے لیے ملاحظہ فرمائیں، فہرست مخطوطات عربی و فارسی اورینٹل پبلک لائبریری بانکی پور، جلد ۱۳، ص ۹۰، مخطوطہ نمبر ۸۲۳

۲۹۱۔ نفحات الانس، ص ۶۰۳

۲۹۲۔ شیخ جمالی کا بیان ہے (سیر العارفین ص ۱۰۹) کہ عراقی نے اٹھائیس لمعات، فصوص الحکم کے اٹھائیس فصوص کی مطابقت میں تحریر کیے۔ ان کا یہ خیال درست نہیں ہے کیونکہ مذکورہ کتاب میں فصوص کی تعداد ستائیس ہے اور جیسا کہ انھوں نے فرض کر لیا ہے اٹھائیس نہیں ہے۔ ملاحظہ فرمائیں، فصوص الحکم مرتبہ ابوالاعلیٰ عفیفی، صص ۵۷، ۵۸

۲۹۳۔ "لمعات" کی شرحوں کے بارے میں ملاحظہ فرمائیں، تاریخ ادبیات در ایران (صفا) جلد سوم، صص ۱۱۹۷ ۔ ۹۸

۲۹۴۔ "نامہ ہائے عین القضاۃ ہمدانی" مرتبہ علی نقی منزوی اور عفیف عسیران (۲ جلدیں، تہران ۱۹۶۹ ۔ ۱۹۷۳ء)

ہے۔ اس سے جواز تناسخ کا دھوکا نہ ہو جاوے۔ کیونکہ تمثل میں ذات کو اپنی کسی حالت سے انتقال نہیں ہوتا اور تناسخ میں روح کا منتقل ہونا اعتبار کیا گیا ہے۔ (التکشف عن مہمات التصوف۔ لاہور ۱۹۶۰ء ص ۴۰۲) مترجم

۴۲۳۔ سیر العارفین، ص ۱۸۴

۴۲۴۔ مولانا سماء الدینؒ کے مزار کے بارے میں ملاحظہ فرمائیں LIST OF MUSLIM AND HINDU MONUMENTS جلد سوم، ص ۶۳، نمبر ۹۲

۴۲۵۔ اخبار الاخیار، صص ۲۰۹، ۲۱۰

وقت خاص یا اوقات خاص میں مبتدی پر باری تعالیٰ کی یاد کا اس درجہ غلبہ ہوتا ہے کہ دوسرے خیالات محو ہو جاتے ہیں۔ یہ منجانب اللہ ایک کشش ہوتی ہے جو مزید ترقیات کا باعث ہے۔ اس حالت کو صفای مبتدی کہتے ہیں جو پہلی قسم ہے صفای وقت کی کیونکہ یہ حالت مبتدیوں پر طاری ہوتی ہے۔ اس مرتبہ کے صوفی کو سالک مجذوب کہتے ہیں۔ (اقتباس بہ تغیر چند الفاظ از سر دلبراں، مصنفہ شاہ محمد ذوقی، کراچی ۱۳۸۸ھ ص ۱۹۹) مترجم

۴۲۶۔ اخبار الاخیار، ص ۲۱۰

۴۲۷۔ شاہ عبداللہ قریشیؒ کے مزار سے متعلق ملاحظہ فرمائیں LIST OF MUSLIM AND HINDU MONUMENTS جلد سوم، ص ۱۳۵، نمبر ۲۳۸

۴۲۸۔ سکندر لودھی کے مقبرے سے متعلق ملاحظہ فرمائیں LIST OF MUSLIM AND HINDU MONUMENTS جلد دوم، ص ۳۷، نمبر ۴۹

۴۲۹۔ اخبار الاخیار، صص ۲۰۹، ۲۱۰

۴۳۰۔ سید جلال الدین بخاریؒ، جنھیں سید جلال سرخ اور سید جلال بزرگ بھی کہا جاتا ہے، شیخ بہاء الدین زکریا ملتانیؒ کے مرید تھے۔ آپ بخارا سے بکھر آئے اور ایک مقامی مشہور و معروف شخص سید بدرالدین کی صاحبزادی سے شادی کر کے اوچ میں مستقل طور پر قیام پذیر ہوئے۔[۲۹۵] آپ کے دو فرزند تھے، ایک سید احمد بزرگ اور دوسرے سید محمود۔ مشہور بزرگ سید جلال الدین مخدوم جہانیاں جہاں گشت آپ کے پوتے تھے جو سید محمود کے فرزند تھے، جب کہ زیر حوالہ بزرگ حاجی عبدالوہاب بخاری سید احمد بزرگ کی اولاد میں سے تھے۔[۲۹۶]

۲۹۵۔ اخبار الاخیار، ص ۷۰

۲۹۶۔ اخبار الاخیار، ص ۲۰۹

۴۳۱ ۔ اخبار الاخیار، ص ۲۱۲ سے مقابلہ کریں

۴۳۲ ۔ اخبار الاخیار، (ص ۲۱۲) کی عبارت یوں ہے "لا یعلمھا الاھو او الرسول"

۴۳۳ ۔ اخبار الاخیار، (ص ۲۰۹) کی عبارت یوں ہے "عیسی الذی ھو من اتباع محمدؐ"

۴۳۴ ۔ گلزار ابرار، ورق ۱۴۵ ب

۴۳۵ ۔ ابو اسحق نیسابوری، "قصص الانبیا" مرتبہ حبیب یغمائی (تہران سال اشاعت ندارد) صص ۴،۳۰۵،۲

۴۳۶ ۔ اخبار الاخیار، ص ۲۱۳

"وقت" تصوف کی اصطلاح ہے ۔ حضرت داتا گنج بخش علی ہجویری نور اللہ مرقدہ فرماتے ہیں ۔

"وقت آں بود کہ بندہ بداں از ماضی و مستقبل فارغ شود چنانکہ واردی از حق بہ دل او پیوندد و سرِ دی را مجتمع گرداند چنانکہ از کشف آں وقت نہ از گذشتہ یاد آیدش و نہ از نا آمدہ ۔" (کشف المحجوب۔ طبع اول لاہور ۱۹۶۸، ص ۴۱۶)

وقت وہ کیفیت ہے کہ اس کیفیت میں بندے کو ماضی اور مستقبل کا کوئی احساس نہیں ہوتا (یوں سمجھو) کہ کوئی واردہ حق تعالیٰ کی طرف سے دل میں آتا ہے اور اس کی حقیقت بندے کے دل پر منکشف ہوتی ہے تو اس کشف کی کیفیت میں بندے کو نہ ماضی یاد رہتا ہے اور نہ مستقبل کا کوئی خیال پیدا ہوتا ہے ۔ (احقر مترجم)

۴۳۷ ۔ "گلشن راز"[۲۹۷] تقریباً ایک ہزار اشعار پر مشتمل ایک طویل نظم ہے، جسے شیخ سعد الدین محمود شبستری تبریزیؒ (م ۷۲۰ ھ / ۱۳۲۰ ء) نے ان پندرہ منظوم سوالات کے جواب میں تحریر کیا تھا، جو امیر سید حسینیؒ[۲۹۸] نے صوفیہ کی تعلیمات کے بارے میں پیش کیے تھے اور اسے صوفیہ کے وجدانی عرفان سے متعلق عہد حاضر میں دستیاب بہترین رسایل میں سے ایک تصور کیا جاتا ہے ۔ گلشن راز نے بہت جلد صوفیہ کے تخیل کو اپنی گرفت میں لے لیا اور اس کی متعدد شرح تحریر کی گئیں[۲۹۹] جن میں شیخ شمس الدین محمد[۳۰۰] بن علی لاہیجی کی "مفتاح الاعجاز فی شرح گلشن راز" (مکمل کردہ ۸۷۷ ھ / ۱۴۷۲ ۔ ۳ ء) بہت نمایاں اور مفصل شرح ہے[۳۰۱]

۲۹۷ ۔ مثنوی گلشن راز" متعدد بار ایران، ہندوستان اور افغانستان سے شایع ہو چکی ہے ۔ یہ لاہیجی کی مذکورہ بالا شرح کے ایک جز کے طور پر بھی شایع ہوئی ہے ۔ ملاحظہ فرمائیں ۔ مفتاح الاعجاز فی شرح گلشن راز " مرتبہ کیوان سمیعی (تہران سال اشاعت ندارد) ای ۔ ایچ وہن فیلڈ نے اس کا انگریزی ترجمہ کیا جو لندن سے ۱۸۸۰ میں شایع ہوا ۔

۲۹۸ ۔ نفحات الانس، صص ۶۰۶،۶۰۵ ۔ سیر العارفین، ص ۱۱۰

۲۹۹ ۔ ای ۔ جی ۔ براؤن ۔ لٹریری ہسٹری ف پرشیا (کیمبرج ۱۹۶۴ ء) جلد دوم، ص ۱۴۳

۳۰۰ ۔ تاریخ ادبیات در ایران (صفا) جلد سوم ص ۶۶۷

۳۰۱ ۔ گلشن راز" کی شرحوں کے لیے ملاحظہ فرمائیں، محمد علی تربیت کی تصنیف ۔ دانشمندان آذر بایجان ۔ صص ۳۳۶ تا ۳۳۸ بحوالہ تاریخ ادبیات در ایران (صفا) ص ۶۶۷، حاشیہ ۱

۴۳۸ ۔ اخبارالاخیار، ص ۲۱۴

۴۳۹ ۔ اخبارالاخیار، ص ۲۱۵

۴۴۰ ۔ شیخ فتح اللہؒ، شیخ صدرالدین حکیمؒ کے خلیفہ تھے ۔ شیخ صدر الدینؒ کے مرید ہونے سے قبل آپ کا ذریعہ معاش جامع مسجد دہلی میں درس و تدریس تھا، تاہم آپ تھوڑا سا وقت یاد الہی میں بھی صرف کرتے تھے ۔ (بہرحال) کافی مدت گزر جانے کے باوجود جب مقصد دلی حاصل نہ ہوا تو آپ شیخ صدرالدین کی خدمت میں حاضر ہوئے اور ان سے ہدایت کے طالب ہوئے ۔ شیخ نے آپ کو کتابوں سے قطعی طور پر بے تعلق ہو جانے کی ہدایت کی ۔ چنانچہ سوائے چند بہت ہی عمدہ کتابوں کے جو فی الواقع بیش قیمت تھیں آپ نے تمام کتابیں ادھر ادھر تقسیم کر دیں لیکن آپ کی بدنصیبی کہ آپ کا دل پھر بھی طمانیت سے محروم رہا ۔ آپ پھر ہدایت کے لیے مرشد کی خدمت میں حاضر ہوئے ۔ بالاخر جب کوئی دوسری صورت باقی نہ رہی تو دریا پر آئے اور ایسی حالت میں جب آپ کی آنکھوں سے آنسو نکل کر رخسار پر بہہ رہے تھے، آپ نے اپنے عزیز ترین قلمی نسخوں کو دریا کے پانی سے دھونا شروع کر دیا ۔ (قدرت الہی سے) آخری لفظ کے دھلنے کے ساتھ ہی آپ کے دل سے بے چینی کے آثار بھی معدوم ہو گئے اور ایک خاص طمانیت کی کیفیت پیدا ہو گئی ۔ شیخ قاسم اودھی اور شیخ محمد عیسیٰ جونپوری آپ کے دو خاص مرید تھے ۔ شیخ عیسیٰ جب آپ کے مرید ہوئے تو ان کی عمر مشکل سے سات آٹھ سال تھی ۔ آپ نے انھیں رواجی علوم کی تعلیم کے لیے قاضی شہاب الدین کے سپرد کر دیا ۔ شیخ عیسیٰ نے قاضی صاحب سے بزدوی کی تکمیل کی، جن کے بارے میں کہا گیا ہے کہ انھوں نے بزدوی کی شرح شیخ عیسیٰ ہی کے لیے تحریر کی تھی ۔ بعد میں شیخ عیسیٰ نے بہت شہرت حاصل کی اور جونپور کے سب سے زیادہ ممتاز صاحب ارشاد ہوئے ۔ ان کا انتقال جونپور میں ہوا اور وہیں مدفون ہوئے ۔[۳۰۲]

۴۴۱ ۔ گلزار ابرار، ورق ۱۵۴ ب ۔ آپ کی وفات ۱۴ محرم ۹۴۴ ھ / ۲۳ جون ۱۵۳۳ء) کو ہوئی ۔ اخبارالاخیار، ص ۲۱۵

۴۴۲ ۔ اخبارالاخیار، ص ۲۱۵

۴۴۳ ۔ شیخ سلیمان مندوی کی قبر سے متعلق ملاحظہ فرمائیں LIST OF MUSLIM AND HINDU MONUMENTS جلد سوم، ص ۵۲، نمبر ۶۶

۴۴۴ ۔ گلزار ابرار، ورق ۱۵۵ ب

۴۴۵ ۔ گلزار ابرار، اوراق ۱۵۴ ب اور ۱۵۵

---

۳۰۲ ۔ اخبارالاخیار، ص ۱۶۳

۴۴۶ ۔ اخبارالاخیار، ص ۲۱۸

۴۴۷ ۔ اخبارالاخیار، ص ۲۱۹

۴۴۸ ۔ شیخ یوسف قتال کے مزار کے متعلق ملاحظہ فرمائیں LIST OF MULSIM AND HINDU MONUMENTS جلد سوم، ص ۱۲۸، نمبر ۲۱۰

۴۴۹ ۔ سورہ نجم آیت ۱۷ (انگریزی متن میں سورہ ق کی آیت ۱۸ کا حوالہ ہے) اور سورہ فرقان آیت ۴۵

(ما زاغ البصر وما طغٰی سورۂ نجم میں ہے جس کا ترجمہ ہے نگاہ نہ تو ہٹی اور نہ بڑھی ۔ الم تر الی ربک سورۂ فرقان کی آیت پینتالیس کا جز ہے ۔ مکمل طور پر اس طرح ہے۔ الم تر الیٰ ربک کیف مد الظل. ترجمہ یہ ہے (اے مخاطب) کیا تو نے اپنے پروردگار کی (اس قدرت) پر نظر نہیں کی کہ اس نے سایہ کو کیونکر (دور تک) پھیلایا ہے ۔ مترجم)

۴۵۰ ۔ اخبارالاخیار، ص ۲۱۹

۴۵۱ ۔ مولانا شعیب کے مزار کے متعلق ملاحظہ فرمائیں LIST OF MUSLIM AND HINDU MONUMENTS ، جلد سوم، ص ۷۰، نمبر ۱۱۲

۴۵۲ ۔ سیرالعارفین، ص ۳

۴۵۳ ۔ علامہ اقبال نے اپنے نظریہ خودی کی وضاحت کرتے ہوئے ۲۰ فروری ۱۹۲۴ء کے ایک خط میں تحریر کیا ہے۔

" انسانی شخصیت سے متعلق میرے نصب العین یعنی منتہائی شخصیت کو کسی جگہ اتنے بہتر انداز میں پیش نہیں کیا گیا جتنا ایک فارسی شعر میں پیش کیا گیا ہے جسے ایک قدیم فارسی شاعر نے رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی مدح میں تحریر کیا ہے ۔

موسیٰ ز ہوش رفت بیک پرتوِ صفات
توعینِ ذات۔ می نگری در تبسمی

میرا نصب العین یہی انفرادی شخصیت کی غیر متزلزیت ہے ، جو لامحدود کے مقابل بھی برقرار رہتی ہے ۔ اسلامی ادب کے تمام دایرے میں اس شعر کی مثال نہیں ملتی ۔ یہ دو سطریں تصورات کی تمام منتہاؤں پر محیط ہیں ۔ مجھے معلوم نہیں

کہ آیا شاعر جس وقت یہ کہہ رہا تھا تو خود اس کی حقیقت سے باخبر تھا؟ لیکن ہمارے مقصد کے لیے یہ معلوم کرنے کی خاص ضرورت نہیں ہے"۔

LETTERS AND WRITINGS OF IQBAL تدوین و تسویہ از بشیر احمد ڈار (کراچی ۱۹۶۷ء) صص ۲ اور ۳

۴۵۴۔ اخبارالاخیار، ص ۲۲۱

۴۵۵۔ ملاحظہ فرمائیں، خواجہ نعمت اللہ کی تصنیف "تاریخ خان جہانی" (ڈھاکہ ۱۹۶۰ء) جلد اول، ص ۲۲۵

۴۵۶۔ شیخ جمالیؒ کے مزار سے متعلق ملاحظہ فرمائیں LIST OF MUSLIM AND HINDU MONUMENTS جلد سوم، ص ۹۱، نمبر ۱۳۵

۴۵۷۔ اخبارالاخیار، ص ۲۲۳

۴۵۸۔ سید حسین پای مناری کی وفات ۹۴۲ھ / ۱۵۳۵۔۳۶ء میں ہوئی۔ اخبارالاخیار، ص ۲۲۳

۴۵۹۔ ملاحظہ فرمائیں، رسالہ قشیریہ، ص ۳۰۲ نیز صوفی نامہ، ص ۸۵

۴۶۰۔ گلزار ابرار، ورق ۱۵۷ب

۴۶۱۔ اخبارالاخیار، ص ۲۲۸ نیز گلزار ابرار ورق ۱۰۷

۴۶۲۔ ہمایوں کے مقبرے کے بارے میں ملاحظہ فرمائیں LIST OF MUSLIM AND HINDU MONUMENTS جلد دوم، ص ۱۱۷، نمبر ۱۶۰

۴۶۳۔ اخبارالاخیار، ص ۲۲۸

۴۶۴۔ سورۃ الملک آیت ۱۶

۴۶۵۔ اخبارالاخیار، ص ۲۲۸

۴۶۶۔ اخبارالاخیار، (ص ۲۲۸) میں "فیفرق بین الحق والباطل" تحریر ہوا ہے۔

۴۶۷۔ سورۃ انعام آیت ۱۶

۴۶۸۔ اخبارالاخیار، ص ۲۲۸

۴۶۹۔ اخبارالاخیار میں (ص ۲۲۸ پر) و انا الیم لاشد شوقا تحریر ہوا ہے۔ صوفی نامہ، ص ۱۴۱ سے مقابلہ کریں۔

۴۷۰۔ اخبارالاخیار، ص ۲۲۸

۲۷۱ ۔ اخبار الاخیار، ص ۲۲۹

۲۷۲ ۔ اخبار الاخیار، ص ۲۲۹

۲۷۳ ۔ اخبار الاخیار، ص ۲۲۹، ۲۳۰

۲۷۴ ۔ سورۃ نساء آیت ۵۸

۲۷۵ ۔ اخبار الاخیار، صص ۲۰۳ تا ۲۰۵

۲۷۶ ۔ اخبار الاخیار میں (ص ۲۰۴ پر) "بخاندان پیمبر" تحریر ہوا ہے۔

۲۷۷ ۔ اخبار الاخیار (ص ۲۰۴) "این چہ فراتست این چہ وقت" درج ہے۔

۲۷۸ ۔ قدم گاہ کی تفصیل سے متعلق ملاحظہ فرمائیں LIST OF MUSLIM AND HINDU MONUMENTS دوم، ص ۲۱۲، نمبر ۳۴۹

۲۷۹ ۔ اخبار الاخیار (ص ۲۴۳ پر) "سید حسنی است" تحریر ہوا ہے۔

۲۸۰ ۔ اخبار الاخیار، ص ۲۴۳

۲۸۱ ۔ اخبار الاخیار، ص ۲۴۳

۲۸۲ ۔ ملاحظہ فرمائیں، زبدۃ المقامات، صص ۱۰۱، ۱۰۲

۲۸۳ ۔ اخبار الاخیار (ص ۲۴۵) "حسنی است سید" تحریر ہوا ہے۔

۲۸۴ ۔ محی الدین ابو عبداللہ محمد بن علی بن محمد بن العربی الحاتمی الطائی اسلام کے عظیم ترین صوفیہ میں سے ہیں۔[۳۰۳] آپ اہل قلم صوفیہ میں سب سے زیادہ لکھنے[۳۰۴] والے اور بعض کے نزدیک صوفی شعرا میں عمر ابن فرید[۳۰۵] (۵۷۶ ھ تا ۶۳۲ ھ / ۱۱۸۱ء تا ۱۲۳۴ء) کے بعد عربی کے بہترین شاعر تھے۔[۳۰۶]

آپ کی ولادت ۵۶۰ ھ / ۱۱۶۵ء میں جنوبی اسپین میں بمقام مرسیہ ہوئی۔ رسمی تعلیم کی تکمیل کے بعد آپ طویل سفر پر روانہ ہوگئے۔ جس کے دوران آپ نے بہت سے بزرگوں اور عالموں سے بشمول مشہور

---

۳۰۳ ۔ دایرہ المعارف اسلامیہ، زیر عنوان "ابن عربی"

۳۰۴ ۔ ایضاً ۔ آپ کی تصانیف کے متعلق ملاحظہ فرمائیں HISTORIE ET CLASSIFICATION DELOEUVRE DE ABN ARABI دو جلدیں دماس ۱۹۶۴ء)

۳۰۵ ۔ THREE MUSLIM SAGES، ص ۱۰۰

۳۰۶ ۔ آپ کے دیوان "ترجمان الاشواق" کے علاوہ (مطبوعہ بولاق ۱۲۷۱ھ / ۱۸۸۵ء، مترجمہ اے۔ آر۔ نکلسن اورینٹل ٹرانسلیشن فنڈ، سلسلہ جدید، جلد بستم لندن ۱۹۱۱ء) آپ کی دوسری شعری تخلیقات ہیں، جن میں آپ کے صوفیانہ قصاید بھی شامل ہیں۔

فلسفی ابن رشد (۵۲۰ ھ تا ۵۹۵ ھ / ۱۱۲۶ء تا ۱۱۹۸ء) ملاقات کی۔[۳۰۷] آپ نے اپنا آبائی شہر مرسیہ ہمیشہ کے لیے چھوڑ دیا اور ۶۲۱ ھ / ۱۲۲۳ء میں دمشق میں مستقل قیام سے قبل مشرق کے بلاد اسلامی کے طول و طویل سفر کیے۔ اس وقت تک آپ کی شہرت تمام اسلامی دنیا میں پھیل چکی تھی اور تقریباً ہر خانقاہ اور درس گاہ میں، آپ نے اپنی تالیفات و رسایل میں جن وسیع اور پیچیدہ عقاید کا نظام پیش کیا تھا، اس کی آواز بازگشت سنائی دے رہی تھی۔ صدیوں سے آپ کے نظریات زیر بحث رہے ہیں اور ابھی تک اہل دانش میں یہ سلسلہ بحث جاری ہے۔ آپ کی وفات ۶۳۸ ھ / ۱۲۴۸ء میں دمشق میں ہوئی اور وہیں مدفون ہوئے۔[۳۰۸]

۴۸۵۔ محی الدین ابن عربیؒ (م ۶۳۸ ھ / ۱۲۴۸ء) کی تصنیف "فتوحات المکیہ"[۳۰۹] ان کی تصانیف میں سب سے زیادہ ضخیم اور قاموس العلم نوعیت کی کتاب ہے۔ جس کے پانچ سو ساٹھ ابواب ہیں اور ہر باب کے متعدد حصے ہیں۔ مصنف رحمۃ اللہ علیہ نے اس کتاب کو ایک کشف کے نتیجے میں جو ان پر کعبہ شریف کے طواف کے دوران ہوا تحریر کرنا شروع کیا۔ فتوحات مکیہ مابعد الطبیعیات کے اصول، مختلف مقدس علوم اور خود مصنف رحمۃ اللہ علیہ کے باطنی مشاہدات کی توضیح میں ممتاز حیثیت کی حامل ہے اور فی الحقیقت اسلامی علوم کے دقیق مسایل کا لب لباب ہے۔ اس سے پہلے یا اب اس نوعیت کی جو تالیفات مرتب کی گئی ہیں، ان میں فتوحات مکیہ گہرائی اور گیرائی دونوں اوعتبار سے برتر ہے۔[۳۱۰]

۴۸۶۔ "مطول" (اسی مصنف کی دوسری تصنیف "مختصر" کی بہ نسبت) زیادہ مفصل کتاب ہے۔ دراصل یہ دونوں کتابیں جو سعد الدین مسعود بن فخرالدین عمر تفتازانی (م ۷۹۲ ھ / ۱۳۸۹ - ۹۰ء) نے تحریر کی ہیں، خطیب قزوینی (م ۷۳۹ ھ / ۱۳۳۸ - ۳۹ء) کی تصنیف "تلخیص[۳۱۱] مفتاح" کی شرح ہیں جو فی نفسہ سکاکی خوارزمی[۳۱۲] (م ۶۲۶ ھ / ۱۲۲۹ء) کی "مفتاح العلوم" کا خلاصہ ہے۔ مطول کا موضوع علم بیان اور ادبی اسلوب ہے اور یہ "تلخیص مفتاح" کی شرحوں میں بہت ہی ممتاز حیثیت کی حامل ہے۔[۳۱۳]

۳۰۷۔ ابن رشد کے سوانحی حالات کے لیے ملاحظہ فرمائیں L. GAUTHIAR کی تصنیف IBN ROCHD) (AVERROES) (پیرس ۱۹۴۸ء) مجید فخری کی تصنیف "ابن رشد" (بیروت سال اشاعت ندارد) دایرہ المعارف اسلامیہ زیر عنوان ابن رشد

۳۰۸۔ آپ کی حیات و تعلیمات سے متعلق تفصیلی بحث کے لیے ملاحظہ فرمائیں THREE MUSLIM SAGES، صص ۸۳ تا ۱۲۱۔ ہنری کوربن CREATIVE IMAGINATION IN THE SUFISM OF IBN ARABI مترجمہ رالف مینم (پرنسٹن ۱۹۶۹ء)۔ اے۔ ای عفیفی MYSTICAL PHILOSOPHY OFMOHE HYID DIN ABNUL ARABI، کیمبرج ۱۹۳۹ء۔

۳۰۹۔ مطبوعہ قاہرہ ۱۳۲۹ ھ / ۱۹۱۱ء۔

۳۱۰۔ THREE MUSLIM SAGES، ص ۹۸

۳۱۱۔ تاریخ ادبیات در ایران جلد سوم ص ۲۹۵

۳۱۲۔ تاریخ ادبیات در ایران۔ جلد سوم ص ۲۹۵

۳۱۳۔ تاریخ ادبیات در ایران جلد سوم صص ۲۹۳ اور ۲۹۴

۴۸۷ ۔ اخبارالاخیار، ص ۲۳۶ ۔ گلزار ابرار (ورق ۱۰۶ ب) کی روایت کے مطابق آپ کا مزار دولت آباد، دکن میں ہے۔

۴۸۸ ۔ اخبارالاخیار، ص ۲۳۶

۴۸۹ ۔ اخبارالاخیار، ص ۲۳۷

۴۹۰ ۔ اخبارالاخیار، ص ۲۳۷

۴۹۱ ۔ اخبارالاخیار، ص ۲۳۸

۴۹۲ ۔ اخبارالاخیار، ص ۲۳۹

۴۹۳ ۔ میاں قاضی خاں بن یوسف ناصحی ظفر آبادیؒ، شیخ حسن طاہرؒ کے اعلی مرید تھے ۔ شہنشاہ ہمایوں آپ کا اس درجے معتقد تھا کہ ایک مرتبہ اس نے اپنی مہر کے ساتھ ایک سادہ کاغذ، شاہی فرمان تحریر کرنے کے لیے آپ کی خدمت میں ارسال کیا اور اپنی اس خواہش کا اظہار کیا کہ آپ جس قدر زمین اور دولت لینا پسند فرمائیں اپنے ہاتھ سے اس میں تحریر فرما دیں ۔ شیخ نے (بادشاہ کی خواہش کو قبول کرنے سے) صاف انکار کر دیا ۔ شہنشاہ نے وہ کاغذ آپ کے سب سے بڑے فرزند عبداللہؒ کے پاس بھیجا اور مذکورہ درخواست کا اعادہ کیا ۔ انھوں نے بھی اس پیش کش کو مسترد کر دیا اور ارشاد فرمایا، ایک بیٹے کے لیے یہ بات ہرگز مناسب نہیں ہے کہ وہ اپنے والد کے فیصلے کے خلاف عمل کرے ۔ میاں قاضی خاںؒ کا انتقال ۱۵ صفر ۹۷۰ ھ \ ۱۴ اکتوبر ۱۵۶۲ء کو جونپور کے نزدیک ظفر آباد میں ہوا اور وہیں دفن کیے گئے۔[۳۱۴]

۴۹۴ ۔ شیخ عبدالعزیزؒ کے مزار سے متعلق ملاحظہ فرمائیں LIST OF MUSLIM AND HINDU MONUMENTS، جلد دوم، ص ۶۳، نمبر ۱۰۷

۴۹۵ ۔ سورۂ یٰسین آیت ۸۳ (صحیح آیت یوں ہے، **فسبحٰن الذی بیدہ ملکوت کل شیء و الیہ ترجعون** ۔ فارسی متن میں **سبحان اللہ بیدہ ملکوت** ۔۔۔۔۔ نقل کیا گیا ہے ۔ احقر مترجم)

۴۹۶ ۔ "ذرہ ناچیز" کے اعداد کا میزان ۹۷۶ آتا ہے ۔ بعض کے نزدیک شیخ عبدالعزیزؒ کا انتقال ۹۷۶ ھ / ۱۵۶۸ ۔ ۶۹ء میں ہوا ۔ ملاحظہ فرمائیں، گلزار ابرار، ورق ۱۹۹ ب

۴۹۷ ۔ ابوبکر دولف، بن جحدر الشبلیؒ کے خاندان کا تعلق اگرچہ ماوراء النہر کے قصبے اسروشنہ سے تھا لیکن آپ کی ولادت و پرورش بغداد میں ہوئی ۔ آپ نے رسمی توبہ خیرالنساج کی مجلس میں کی لیکن باطنی تربیت جنید بغدادیؒ سے حاصل کی ۔ آپ اپنے زمانے کے مشہور صوفی اور ممتاز عالم تھے اور فقہ میں مالکی مسلک کے پیرو تھے ۔ آپ

---

۳۱۴ ۔ اخبارالاخیار، صص ۲۲۶، ۲۲۷

کی وفات ستاسی سال کی عمر میں ۳۳۴ھ / ۹۴۳ء میں ہوئی اور نواح بغداد میں خیزران کے مقام پر مدفون ہوئے۔[315]

۲۹۸۔ سورۂ ق ۵۰ آیت ۳۰

(صفحہ ۱۵۹ (حصہ انگریزی) پر ڈاکٹر محمد سلیم اختر صاحب نے جو حاشیہ تحریر فرمایا ہے، اس میں اصل متن کے صفحہ ۱۳۶ کا حوالہ تو درست ہے لیکن سطر ۱۲ کا حوالہ صحیح نہیں ہے۔ اس حوالے کی سطر ۲۱ ہے۔ غالباً یہ غلطی پریس والوں سے ہوئی ہے۔ دوسری بات یہ عرض کرنی ہے کہ محترم ڈاکٹر صاحب نے سورہ ق آیت ۳۱ کا حوالہ دیا ہے جو آیت ۳۰ ہے۔ آیت پاک یہ ہے:

(یوم نقول لجھنم ھل امتلات و تقول ھل من مزید)

جس دن کہ ہم دوزخ سے کہیں گے کہ تو بھر بھی گئی اور وہ کہے گی کہ کچھ اور بھی ہے۔

آیت کی حد تک تو حوالہ یقیناً صحیح ہے لیکن چونکہ شعر میں بایزید بسطامی رحمۃ اللہ علیہ کے بارے میں "بہردم قایل ہل من مزیدی" کہا گیا ہے، اس اعتبار سے آیت کا حوالہ غیر متعلق معلوم ہوتا ہے۔ دراصل "ھل من مزیدی" بایزید بسطامی رحمۃ اللہ علیہ کے مقام طلب کا اظہار مقصود ہے، جسے شیخ فرید الدین عطار رحمۃ اللہ علیہ نے تذکرہ الاولیا میں نقل کیا ہے۔

یحیٰی معاذ رازی نامہ نوشت بہ بایزید کہ چگوئی در حق کسی کہ قدحی خورد و مست ازل و ابد گشت۔ بایزید جواب نوشت کہ این جامردی ہست کہ درشبا روز دریای ازل و ابدی کشد و نعرہ ہل من مزید زند۔

یحیٰی معاذ رازی نے بایزید کو خط لکھا کہ آپ کی ایسے شخص کے بارے میں کیا رائے ہے جس نے ایک جام پیا اور ابد تک سرشار ہو گیا۔ بایزید نے جواب میں لکھا کہ یہاں ایک شخص ایسا بھی ہے جو ازل و ابد کے بحر بے کراں کو پی کر اور کچھ ہے کا نعرہ لگاتا ہے۔

(ملاحظہ فرمائیں تذکرہ الاولیا، فرید الدین عطار مطبع مجتبائی دہلی، ۱۳۱۷ھ، ص ۹۰) (احقر مترجم)

۲۹۹۔ شیخ فرید الدین عطار نیشاپوری" (م ۶۲۷ھ / ۱۲۲۹۔۳۰ء) فارسی ادب کے تین عظیم ترین پرشوکت شاعروں میں سے ایک ہیں۔ دوسرے دو شاعر، سنائی" (۵۴۵ھ / ۱۱۵۰۔۵۱ء) اور رومی" (۶۷۲ھ / ۱۲۷۳ء) ہیں۔ آپ سے ایک سو چودہ تصانیف منسوب کی گئی ہیں جن میں اکثر جعلی ہیں اور اب معدوم ہو چکی ہیں۔ آپ کی حقیقی تصانیف میں "منطق الطیر" سب سے زیادہ مشہور ہے۔[316] آپ کا دیوان[317] بھی شایع ہو چکا ہے۔

۳۱۵۔ طبقات الصوفیہ، صص ۳۳۰، ۳۳۸۔ رسالہ قشیریہ، ص ۱۷۔ کشف المحجوب، صص ۱۹۵ تا ۱۹۷، انگریزی ترجمہ از نکلسن، صص ۱۵۵۔ ۱۵۶۔ تذکرہ الاولیا عطار، صص ۶۱۳ تا ۶۳۸

۳۱۶۔ "منطق الطیر" مرتبہ سید صادق گوہرین (تہران ۱۳۴۲ ش)

۳۱۷۔ "دیوان غزلیات و قصاید عطار" مرتبہ تقی تفضلی (تہران سال اشاعت ندارد)

۵۰۰ ۔ "فصوص الحکم[318] " ابن عربیؒ (م ۶۳۸ھ / ۱۲۴۸ء) کی وسیع دائرے میں سب سے زیادہ پڑھی جانے والی کتاب ہے۔ اس میں ستائیس باب ہیں۔ ہر باب کسی نبی کے نام سے منسوب ہے جو اس باب میں اسلام کے علم باطن کے بنیادی عقیدے کی ترجمانی کرتے ہیں۔ ابن عربیؒ نے ۶۲۰ھ / ۱۲۲۰ء میں جب آپ دمشق میں قیام پذیر تھے، خواب میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت کے بعد اسے لکھنا شروع کیا لیکن قطعی طور پر اس کی تکمیل "فتوحات الکیہ (محررہ ۶۲۹ھ / ۱۲۲۹ء) کے بعد ہوئی۔ جس کے شواہد اس تصنیف میں موجود ہیں۔ مختلف یوروپی زبانوں میں اس کا ترجمہ ہو چکا ہے۔[319]

۵۰۱ ۔ اخبارالاخیار، ص ۲۷۸

۵۰۲ ۔ اخبارالاخیار، صص ۲۸۱، ۲۸۲

(اس سلسلہ کے بانی سیدی احمد البدوی متوفی ۶۷۵ھ تھے۔ آپ کے سلسلے کا نام بدویہ ہے لیکن احمدیہ بھی کہتے ہیں، مصر میں اس کی اشاعت ہوئی۔ ملاحظہ فرمائیں ارزش میراث صوفیہ مصنفہ ڈاکٹر عبدالحسین زرین کوب تہران ۱۳۴۴، ص ۹۹۔ مترجم)

۵۰۳ ۔ گلزار ابرار، ورق ۱۶۶

۵۰۴ ۔ اخبارالاخیار، ص ۲۲۴

۵۰۵ ۔ شیخ زکریا دہلویؒ کے شیخ امان پانی پتیؒ سے گہرے مراسم تھے۔ ملاحظہ فرمائیں، اخبارالاخیار، ص ۲۳۵

۵۰۶ ۔ شیخ حسین نقشیؒ کے ہاتھ کا لکھا ہوا ایک کتبہ قلعہ دہلی کے عجایب خانے میں محفوظ ہے۔ ملاحظہ فرمائیں LIST OF MUSLIM AND HINDU MONUMENTS، جلد دوم، ص ۸۲، نمبر ۱۲

۵۰۷ ۔ ملاحظہ فرمائیں، کتاب ہذا کا مقدمہ بزبان انگریزی، ص ۸، حاشیہ ۲۶

۵۰۸ ۔ اخبارالاخیار، صص ۲۳۵ تا ۲۴۱ اور ۲۹۱ تا ۳۰۱

۵۰۹ ۔ شیخ عبدالحق محدث دہلویؒ مراد ہیں۔

۵۱۰ ۔ اخبارالاخیار، ص ۲۹۸۔ مولانا جامیؒ کے بیان کے مطابق یہ رباعی خواجہ حسن دہلویؒ کی ہے۔ نفحات الانس، ص ۶۱۱

۵۱۱ ۔ اخبارالاخیار، ص ۲۹۲

---

۳۱۸ ۔ محی الدین ابن عربیؒ، "فصوص الحکم" مرتبہ ابوالاعلیٰ عفیفی (قاہرہ ۱۳۶۵ھ / ۱۹۴۶ء)

۳۱۹ ۔ ایضاً، ص

۵۱۲ ۔ اخبار الاخیار ، ص ۲۹۰

۵۱۳ ۔ اخبار الاخیار ، ص ۲۹۲

۵۱۴ ۔ اخبار الاخیار ، ص ۲۹۲

۵۱۵ ۔ اخبار الاخیار ، ص ۲۹۳

۵۱۶ ۔ اخبار الاخیار ، ص ۲۹۴

۵۱۷ ۔ اخبار الاخیار ، ص ۲۹۴

۵۱۸ ۔ اخبار الاخیار ، ص ۲۹۵

"ایں مثَل در عہدِ او نوشد کہ شہری و گلی"

اس مصرعے کے ترجمے کے سلسلے میں عرض ہے کہ یہ مصرع واضح نہیں ہے ۔ ابہام "شہری و گلی" میں ہے ۔ اگر شہر کے شین پر زبر تصور کیا جائے تو اس کا ترجمہ شہرت ہو گا ۔ (غیاث) جو پورے مصرع کے ترجمہ میں درست نہیں بیٹھتا ۔ اگر اسے شہری پڑھا جائے تو یہ ایک ایرانی راگ کا نام ہے (غیاث) اس طرح بھی ترجمے میں الجھاؤ پیدا ہوتا ہے ۔ کتاب خانہ خدا بخش پٹنہ (بھارت) کے مخطوطے کے مطابق اگر شہری کے بجائے شہدی پڑھا جائے تو ایک درجہ میں مصرع کا ترجمہ قابل فہم ہو جاتا ہے اور ابہام بھی باقی نہیں رہتا ۔ ترجمہ یوں ہو گا ۔

اس کے عہد میں یہ کہاوت تازہ ہو گئی "تو حلاوت ہے اور خوشبو ہے"

اپنی سمجھ کے مطابق وضاحت پیش خدمت ہے ۔ باقی اللہ تعالی بہتر جانتا ہے ۔ مترجم)

۵۱۹ ۔ "سفر السعادت" جسے "صراط المستقیم" بھی کہتے ہیں ، ان احادیث کا مجموعہ ہے جن کا تعلق زندگی ، کردار اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی تعلیمات سے ہے[۳۲۰] ۔ اسے مجد الدین الفیروز آبادی اللغوی القرشی التیمی البکری الشافعی (م ۸۱۷ ھ / ۱۴۱۴ ء) نے جو شیخ ابو اسحٰق کازرونیؒ کے اخلاف میں[۳۲۱] تھے اور القاموس کے مصنف ہیں، تحریر کی ۔ شیخ عبدالحقؒ (۱۰۵۲ ھ / ۱۶۴۲ ء) نے اس کی ایک جامع شرح تحریر کی جو ۱۰۱۶ ھ / ۱۶۰۷ ء میں مکمل ہوئی تھی ۔ اس کا ایک نسخہ جسے شارح نے خود نقل کیا پھر اس کی تصحیح کی ، خدا بخش لائبریری پٹنہ میں محفوظ ہے[۳۲۲] ۔

---

۳۲۰ ۔ فہرست مخطوطات فارسی و عربی اورینٹل پبلک لائبریری بانکی پور ، جلد ۱۴ ، ص ۳۵

۳۲۱ ۔ ایضاً

۳۲۲ ۔ ایضاً ، ص ۳۷

یہ کتاب متعدد بار شائع ہو چکی ہے۔[323]

۵۲۰ ۔ "مشکواۃ المصابیح"[324] مصنفہ ولی الدین بن محمد بن عبداللہ الخطیب التبریزی، دراصل ابو محمد بن حسین بن مسعود بن محمد الفرا البغوی کی تصنیف "مصابیح السنہ" سے ماخوذ ہے۔ خطیب کی کتاب میں اگرچہ زندگی کے تقریباً ہر پہلو سے متعلق احادیث جمع کی گئی ہیں تاہم اس میں انسان کے اصلاحِ اخلاق کی اہمیت پر زیادہ زور دیا گیا ہے۔[325] اس تصنیف میں حدیث کے طویل سلسلہ اسناد کے راویوں کے نام درج کرنے سے گریز کیا گیا ہے۔ شیخ عبدالحق محدث دہلوی نے اس کی دو شرحیں "لمعات التنقیح فی شرح المصابیح"[326] کے نام سے عربی میں اور "اشعۃ اللمعات فی شرح المشکوٰۃ"[327] کے نام سے فارسی میں تحریر کیں۔ یہ دونوں شرحیں، اصل تصنیف میں تحریر کردہ دقیق اور پیچیدہ نکات کی عالمانہ صراحت کے باعث بے حد مقبول ہوئیں۔

۵۲۱ ۔ اس رسالے میں جس کا نام "توصیل المرید الی المراد ببیان الاحزاب والاوراد"[328] ہے مصنف نے دعائیں پڑھنے کے قاعدے بیان کرنے کے علاوہ اس موضوع پر صوفیہ اور محدثین کے درمیان تطبیق پیدا کرنے کی کوشش کی ہے۔

۵۲۲ ۔ علی ہجویری کے بیان کے مطابق یہ حدیث ہے۔ ملاحظہ فرمائیں "کشف المحجوب" ص ۲۰، نیز انگریزی ترجمہ از نکلسن، ص ۵۵۔

۵۲۳ ۔ "تسلیۃ المصاب لنیل الاجر و الثواب"۔ اس تصنف میں شیخ نے بدنصیبیوں اور ناگہانی مصیبتوں کے مقابلے میں صبر کی اہمیت پر زور دیا ہے اور اپنے قارئین کو رضائے الٰہی حاصل کرنے کے لیے کامل تسلیم و رضا کی راہ اختیار کرنے کی ترغیب دی ہے۔ اس کتاب کا خود مصنف کے ہاتھ کا لکھا ہوا ایک نسخہ خدا بخش پبلک لائبریری پٹنہ میں محفوظ ہے۔

---

۳۲۳ ۔ اس کی مختلف اشاعتوں کے بارے میں ملاحظہ فرمائیں۔ خلیق احمد نظامی "حیات شیخ عبدالحق محدث دہلوی" (دلی ۱۹۵۳ء) ص ۱۶۳

۳۲۴ ۔ بمبئی سے ۱۹۸۲ء میں شائع ہوئی۔ اس کا انگریزی میں دو مرتبہ ترجمہ ہو چکا ہے۔ انگریزی ترجمہ از اے۔ این میتھیو (دو جلدیں، کلکتہ ۱۸۰۹۔۱۰) اور انگریزی ترجمہ از جیمسو رابسن (چار جلدیں، لاہور ۱۹۵۳۔ ۱۹۶۵ء)

۳۲۵ ۔ اگنیس گولڈ زیہر (MUHAMMEDISCHE STUDIEN) MUSLIM STUDIES ترجمہ از سی۔ آر۔ برگر اور ایس۔ ایم سٹرن۔ مرتبہ ایس۔ ایم سٹرن (لندن ۱۹۷۱ء) جلد اول ص ۲۳۸

۳۲۶ ۔ اس کا متن ابھی تک شائع نہیں ہوا۔ البتہ تعارفی حصہ مشکوٰۃ کے متن کے ساتھ شائع ہوا ہے۔ ملاحظہ فرمائیں، خلیق احمد نظامی، ص ۱۶۷

۳۲۷ ۔ نول کشور نے چار جلدوں میں شائع کی۔ اس کتاب کے متعدد قلمی نسخوں اور اس نسخے کے بارے میں جو خود مصنف کے ہاتھ کا تحریر کردہ ہے اور ذخیرہ حبیب گنج یونیورسٹی علی گڑھ میں ہے۔ ملاحظہ فرمائیں، خلیق احمد نظامی ص ۱۶۷

۳۲۸ ۔ آگرے میں ۱۲۹۹ھ میں طبع ہوئی۔

۵۲۴ ۔ سورۃ قصص آیت ۶۸

(کلمہ ۶ کے فارسی متن میں یہ آیت اسی طرح دی گئی ہے " ربک یختار و یخلق ما یشاء " جو ظاہر ہے صحیح نہیں ہے ۔ احقر مترجم نے اس سہو کو ترجمے میں درست کر دیا ہے ۔ (سورۃ قصص ، آیت ۶۸) مترجم)

۵۲۵ ۔ " کتاب التعرف لمذہب اہل التصوف " مصنفہ ابوبکر محمد بن اسحٰق الکلا باذی البخاری (م ۳۸۰ ھ / ۹۹۰ ء) تصوف کے موضوع پر عربی زبان میں تحریر کردہ تصانیف میں اہم ترین تصنیف ہے۔[۳۲۹] اس کے قلمی نسخے کثرت سے موجود ہیں لیکن ایک خطی نسخہ (۱۲۱۸) جو انڈیا آفس کے کتب خانے میں محفوظ ہے ، شیخ عبدالحق محدث دہلوی (م ۱۰۵۲ ھ / ۱۶۴۲ ء) کے ہاتھ سے لکھے ہوئے نسخے سے نقل کیا گیا ہے۔[۳۳۰] ۱۹۳۴ ء میں اس کا متن قاہرہ میں طبع ہوا ۔ اس کے بعد اے ۔ جے آربری نے اس کا ترجمہ کر کے ۱۹۳۵ ء میں شایع کیا ۔

امام کلا باذی کی وفات کے ایک صدی کے اندر اندر ہی ابو اسمٰعیل بن عبداللہ مستملی بخاری (م ۴۳۴ ھ / ۴۳ ۔ ۱۰۴۲ ء) نے اس کا ایک بہت جامع خلاصہ " شرح تعرف در علم تصوف " کے نام سے تحریر کیا ۔ یہ شرح ۱۹۱۲ ء میں سنگی چھاپے میں لکھنو سے شایع ہوئی ۔ ۱۰ ھ / ۱۳۱۳ ء میں کسی نامعلوم مصنف نے مستملی کی شرح کی تلخیص کی ۔ یہ تلخیص حال ہی میں تہران سے شایع ہوئی ہے ۔[۳۳۱]

۵۲۶ ۔ شیخ عبدالحق محدث کے مزار کے بارے میں ملاحظہ فرمائیں LIST OF MUSLIM AND HINDU MONUMENTS ، جلد سوم ، ص ۰۰ ، نمبر ۱۰۸

۵۲۷ ۔ اخبار الاخیار ، ص ۲۹۱

۵۲۸ ۔ سورہ بقرہ آیت ۱۸۶

۵۲۹ ۔ واقعات مشتاقی ، برٹش میوزیم ، خطی نسخہ ۱۱۶۳۳ اضافہ کردہ ، ورق ۲۰

۵۳۰ ۔ اخبار الاخیار ، ص ۲۲۸

(نظر برقدم : چلتے پھرتے وقت نگاہ کو اپنی پشت پا پر رکھنا تاکہ نظر پراگندہ نہ ہو اور جمعیت خاطر رہے ۔ (سر دلبراں ، ص ۲۰۲) ۔ ہوش دردم : جو سانس نکلے یاد الٰہی میں نکلے (سر دلبراں ص ۲۰۱)

---

۳۲۹ ۔ آر ۔ اے ۔ نکلسن A LITERARY HISTORY OF THE ARABS ، ص ۳۳۸

۳۳۰ ۔ فہرست مخطوطات عربی ، انڈیا آفس لائبریری جلد دوم ، ص ۹۹

۳۳۱ ۔ خلاصہ شرح تعرف ، مرتبہ احمد علی رجائی (تہران ۱۳۴۹ ش)

اس عبارت میں سورۃ مومنون کی آیت ۶۰ کا مفہوم ادا کیا گیا ہے ۔
والذین یوتون ما اتوو قلوبھم وجلہ ۔ اور جو لوگ (اللہ کی راہ میں) دیتے ہیں جو کچھ وہ دیتے ہیں اور (باوجود دینے کے) ان کے دل اس سے خوف زدہ ہوتے ہیں ۔ مترجم)

۵۳۱ ۔ سورہ انعام ، آیت ۵۹

(اویسی نسبت یہ ہے کہ کسی بزرگ کو کسی بزرگ کی روحانیت سے ، جن سے ان کی ملاقات نہ ہوئی ہو ، باطنی فیض حاصل ہو ۔ جیسے حضرت اویس قرنی رضی اللہ عنہ ، جنھوں نے سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی اگرچہ زیارت نہیں کی لیکن سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم سے بے پناہ محبت کے وسیلے سے ، آپ کے فیض عالی سے مستفیض ہوئے ۔ اسی لیے اہل طریقت اس نسبت اور تعلق کو اویسی کہتے ہیں یعنی بالمشافہ ملاقات کے بغیر فیض روحانی سے مستفیض ہونا ۔
(ارزش میراث صوفیہ ص ۹۶) مترجم

حضرت خواجہ یعقوب چرخی رحمتہ اللہ علیہ نے " رسالہ ابدالیہ " میں صراحت فرمائی ہے :

" شیخ المشایخ علاء الدولہ سمنانی قدس سرہ یکی از کبراء طریقت گفتہ اند کہ مشاہد کردم در غیب جماعتی پاکاں را ۔ سلام کردم بر ایشاں و ایشاں مرا جواب گفتند ۔ از ایشاں پرسیدم کہ شمارا چہ نسبت است ۔ گفتند ما صوفیانیم و طبقات ما ہفت است ۔ الطالبین ، المریدین ، السالکین ، السائرین ، الطاہرین ، الواصلین و مرتبہ ہفتم ازاں قطب است و وی یکی است در ہر وقتی ۔

شیخ المشایخ علاء الدولہ قدس سرہ جو اہل طریقت کے اکابرین میں سے ہیں ، فرماتے ہیں کہ میں نے غیب میں پاک لوگوں کی ایک جماعت کو دیکھا ۔ میں نے سلام کیا انھوں نے بہت اچھا جواب دیا ۔ پھر میں نے پوچھا کہ آپ حضرات کی نسبت کیا ہے ۔ انھوں نے کہا ہم صوفی ہیں اور ہمارے سات طبقے (درجات) ہیں ۔ طالبین ۔ مریدین ۔ سالکین ۔ سائرین ۔ طاہرین ۔ واصلین ۔ ساتواں مرتبہ قطب ہے اور وہ ہر زمانے میں ایک ہوتا ہے ۔
(رسالہ ابدالیہ ۔ یعقوب چرخی ، اسلام آباد ، ۱۳۹۸ ھ صص ۱۷ ۔ ۱۸) مترجم

حضرت مجدد الف ثانی قدس سرہ مکتوب ۴۲ ، دفتر دوم میں فرماتے ہیں : (ترجمہ پیش خدمت ہے)
" جب سالک نیت کو درست اور خالص کر کے اللہ تعالی کے ذکر میں مشغول

ہوتا ہے اور سخت ریاضتیں اور مجاہدے اختیار کرتا ہے اور تزکیہ پا کر اس کے اوصاف رذیلہ اخلاق حسنہ سے بدل جاتے ہیں اور توبہ و انابت اس کو یسر ہو جاتی ہے اور دنیا کی محبت اس کے دل سے نکل جاتی ہے اور صبر و توکل و رضا حاصل ہو جاتے ہیں اور اپنے حاصل شدہ معانی کو درجہ بدرجہ ترتیب وار عالم مثال میں مشاہدہ کرتا ہے اور اپنے آپ کو بشریت کی کدورتوں اور کمینہ صفتوں سے پاک و صاف دیکھتا ہے تو اس کا سیر آفاقی تمام ہو جاتا ہے"۔

"اس کے بعد جو سیر واقع ہوتا ہے، اس کو سیر انفسی کہتے ہیں اور سیر فی اللہ بھی بولتے ہیں اور بقا باللہ اس مقام میں ثابت کرتے ہیں اور اس مقام میں سلوک کے بعد جذبہ کا حاصل ہونا جانتے ہیں۔ چونکہ سالک کے لطائف سیر اول میں تزکیہ پا چکتے ہیں اور بشریت کی کدورتوں سے صاف ہو جاتے ہیں، اس لیے یہ قابلیت پیدا کر لیتے ہیں کہ اسم جامع (جو اس کا رب ہے) کے ظلال و عکوس ان لطائف کے آئینوں میں ظاہر ہوں اور یہ لطائف اس اسم جامع کی جزئیات کے تجلیات و ظہورات کے مظہر و مورد ہوں"۔

(مکتوبات امام ربانی مجدد الف ثانیؒ مترجمہ قاضی عالم الدین طبع چہارم، لاہور ۱۹۵۷، صص ۱۱۵ - ۱۱۷) مزید تفصیل کے لیے حضرت شاہ محمد ذوقی رحمۃ اللہ کی تصنیف "سر دلبراں" ملاحظہ فرمائیں مطبوعہ محفل ذوقیہ کراچی طبع ثانی ۱۳۸۸ ھ، صص ۶۵ - ۶۶، مترجم)

۵۳۲ - آپ کے مزار مبارک سے متعلق ملاحظہ فرمائیں، LIST OF MUSLIM AND HINDU MONUMENTS، جلد دوم، ص ۲۳۷، نمبر ۳۴۳

۵۳۳ - زبدۃ المقامات، صص ۳۴ - ۳۵

۵۳۴ - زبدۃ المقامات، ص ۳۹

۵۳۵ - زبدۃ المقامات، صص ۳۴ - ۳۵

۵۳۶ - سورۃ نحل، آیت ۹۸

۵۳۷ - سورۃ ق، آیت ۵۰

۵۳۸ - کنز العمال (علی متقی) جلد سوم، ص ۶۵ - نیز ملاحظہ فرمائیں، نفحات الانس، ص ۳۴

۵۳۹ - سورہ ق، آیت ۱۶۔

{آیت یہ ہے "اقرب الیه من حبل الورید" لیکن کلمات الصادقین کے
فارسی متن میں الیه کو حذف کر کے اقرب من حبل الورید تحریر کیا ہے۔
غالباً یہاں صرف مفہوم مراد ہے اس لیے ترجمہ "وہ رگ گردن سے زیادہ قریب
ہے" ہو گا۔

وہ جو چاہے سب کچھ کر سکتا ہے۔ (سورہ بروج، آیت ۱۶)

صور کونیہ، موجودات خارجیہ جو کہ عالم واقع میں موجود ہیں۔ (سر دلبراں، ص
۳۳۱) مترجم}

۵۴۰۔ زبدۃ المقامات، ص ۴۲

"لون الماء لون انائه" پانی کا رنگ اس کے برتن کا رنگ ہوتا ہے۔

ایام بیض: ہر مہینے کے چاند کی تیرھویں، چودھویں اور پندرھویں تاریخیں

"ہم چنیں قمر کہ دراسم نوریت باحق سبحانہ شریکست در خلق ظاہر است" ملاحظہ
فرمائیں، فارسی متن کلمات الصادقین، ص ۱۶۵۔

قال النبی صلی اللہ علیه وسلم مخبراً لنا ان صیام ایام البیض
صیام الدهر

۵۴۱۔ سورۂ نوح، آیت ۱۶

۵۴۲۔ سورۂ نور آیت ۳۵

۵۴۳۔ ملاحظہ فرمائیں، کنزالعمال (علی متقی) جلد سوم، ص ۳۵۲

۵۴۴۔ زبدۃ المقامات، ص ۴۴

۵۴۵۔ زبدۃ المقامات، ص ۴۳۔ ۴۴

۵۴۶۔ سورۂ اعراف، آیت ۱۰۹

۵۴۷۔ سورۂ یوسف، آیت ۸۷

۵۴۸۔ زبدۃ المقامات، ص ۴۴

۵۴۹۔ ایک قول جو جنید بغدادی سے منسوب ہے، ملاحظہ فرمائیں، کشف المحجوب، ص ۳۶۰

۵۵۰۔ سورۂ بقرہ، آیت ۲۰

۵۵۱۔ زبدۃ المقامات، ص ۴۶ ۵۵۲۔ زبدۃ المقامات، صص ۴۶۔ ۴۷

۵۵۲ ۔ زبدۃ المقامات ۔ صص ۳۶ ۔ ۳۷

۵۵۳ ۔ زبدۃ المقامات ، ص ۴۷

۵۵۴ ۔ سورۃ طہٰ ، آیت ۴۷

۵۵۵ ۔ زبدۃ المقامات ، ص ۴۸

۵۵۶ ۔ سورۃ شوریٰ ، آیت ۱۱

۵۵۷ ۔ سورۃ انعام ، آیت ۱۰۳

۵۵۸ ۔ زبدۃ المقامات ، ص ۵۴

۵۵۹ ۔ زبدۃ المقامات ، صص ۵۹ ۔ ۶۰

۵۶۰ ۔ زبدۃ المقامات (صص ۶۰ ۔ ۶۱ پر) یہ عبارت ہے " خاصیت محبت سوختن غیر محبوب خود است "

۵۶۱ ۔ زبدۃ المقامات ، ص ۶۱

۵۶۲ ۔ ابوالفیض ثوبان بن ابراہیم جو ذوالنون مصری" کے نام سے مشہور ہیں ، اسلام کے ممتاز ترین صوفیہ میں سے تھے ۔ آپ نے مختلف اساتذہ سے بشمول امام مالک بن انس" تعلیم حاصل کی۔[۳۳۲] بظاہر ایسا معلوم ہوتا ہے کہ آپ نے عرب اور شام کا تفصیلی سفر کیا تھا ۔ تصوف کی قلمرو میں آپ نے اسرافیل مغربی سے بیعت کی[۳۳۳] اور ملامت و الم کا طریقہ اختیار کیا۔[۳۳۴] آپ نے باطنی حقایق کے اظہار کے لیے روایتی اشاریت کو ترک کر دیا ۔ اس کے بجائے سادہ اور قابل فہم زبان استعمال کی[۳۳۵] ، اسی باعث قدیم روش پر چلنے والوں میں مقبول نہ ہو سکے ۔ ایک مرحلے پر آپ کو الحاد کے الزام میں گرفتار کر کے خلیفہ المتوکل کے دربار میں پیش کیا گیا ، جو آپ کے پند و نصایح سے حد درجہ متاثر ہوا اور آپ کو باعزت طور پر بری کر دیا۔[۳۳۶] آپ کا وصال ۲۴۵ھ / ۸۶۰ء میں ہوا۔[۳۳۷]

۵۶۳ ۔ زبدۃ المقامات ، صص ۵۱ ۔ ۵۲ ۔ نیز شرح رباعیات ، ص ۱۰

۵۶۴ ۔ شرح رباعیات ، ص ۱۰

---

۳۳۲ ۔ وفیات الاعیان ، جلد اول ، ص ۳۱۵ نیز نفحات الانس ، ص ۳۲

۳۳۳ ۔ نفحات الانس ، ص ۳۲

۳۳۴ ۔ کشف المحجوب ، صص ۱۲۳ ۔ ۱۲۵ ۔ انگریزی ترجمہ از نکلسن ، ص ۱۰۰

۳۳۵ ۔ نفحات الانس ، ص ۳۳

۳۳۶ ۔ وفیات الاعیان ، جلد اول ، ص ۳۱۶

۳۳۷ ۔ طبقات الصوفیہ ، ص ۱۶ ۔ رسالہ قشیریہ ، ص ۲۶ ۔ طبقات الکبریٰ ، ص ۷۰

(تدانی و تدلی تدانی معراج مقربین کو کہتے ہیں اور تدلی نزول مقربین کو (سر دلبراں، ص ۱۱۶) مترجم)

۵۶۵ ۔ شرح رباعیات (ص ۱۰) کی عبارت یہ ہے ۔ " **قال العجز عن ادراک الادراک ادراک** " ایں اعلیٰ عالم باللہ است ...... لیکن تمامی ایں بچند مقدمہ دیگر است ...... دیگر ایضاع ظاہر .....

۵۶۶ ۔ شرح رباعیات (ص ۱۰) یہ شعر اس طرح درج ہے ۔

در حیرتم کہ ایں ہمہ نقش غریب چیست
برلوح صورت آمد مشہود خاص و عام

۵۶۷ ۔ شرح رباعیات، ص ۳۰

(برزخ وہ چیز جو دو مختلف چیزوں کے درمیان حایل ہو، اس طور پر کہ دونوں میں واصل و فاصل ہو ۔ ایک جہت سے ایک چیز اور دوسری جہت سے دوسری چیز سے متصل ہو ۔
عالم مثال کو بھی برزخ کہتے ہیں کیونکہ وہ اجسام کثیفہ اور ارواح مجردہ کے درمیان ایک عالم وسطی ہے ۔
شیخ کی صورت محسوسہ کو بھی برزخ کہتے ہیں کیونکہ وہ فیضان قدس اور طالب کے درمیان واسطہ ہے ۔
(سرِ دلبراں، صص ۸۹ ۔ ۹۰) مترجم

۵۶۸ ۔ احیاء العلوم، جلد اول، ص ۲۲۴ نیز صوفی نامہ، ص ۸۰

۵۶۹ ۔ مکتوبات خواجہ باقی باللہ"، قلمی ورق ۹

۵۷۰ ۔ مکتوبات خواجہ باقی باللہ"، قلمی ورق ۱۱

۵۷۱ ۔ مکتوبات خواجہ باقی باللہ"، قلمی اوراق ۱۱، ۱۱ ب

۵۷۲ ۔ مکتوبات خواجہ باقی باللہ"، قلمی ورق ۱۲ ب

۵۷۳ ۔ مکتوبات خواجہ باقی باللہ"، قلمی ورق ۱۳

۵۷۴ ۔ مکتوبات خواجہ باقی باللہ"، قلمی ورق ۱۴ ب

۵۷۵ ۔ مکتوبات خواجہ باقی باللہ"، قلمی ورق ۱۴

۵۷۶ ۔ مکتوبات خواجہ باقی باللہ"، قلمی ورق ۱۴ ب

۵۷۷ ۔ سورۃ آل عمران، آیت ۳۱

۵۷۸ ۔ مکتوبات خواجہ باقی باللہؒ، قلمی ورق ۱۷

۵۷۹ ۔ سورۃ ہود، آیت ۱۱۴

۵۸۰ ۔ مکتوبات خواجہ باقی باللہؒ، قلمی ورق ۱۸

۵۸۱ ۔ احیاء العلوم، جلد اول، ص ۳۲۵ ۔ نیز ملاحظہ فرمائیں کشف المحجوب، ص ۱۱

۵۸۲ ۔ مکتوبات خواجہ باقی باللہ، قلمی اوراق ۱۸ ۔ ۱۸ ب

۵۸۳ ۔ سورۃ مومن، آیت ۱۶

۵۸۴ ۔ مکتوبات خواجہ باقی باللہؒ، قلمی ورق ۱۹ ب

۵۸۵ ۔ مکتوبات خواجہ باقی باللہؒ، قلمی اوراق ۲۳ ب ۔ ۲۴

۵۸۶ ۔ ایسا ہی ایک قول ابراہیم دہستانی سے منسوب ہے ۔ نفحات الانس، ص ۲۱۸

۵۸۷ ۔ احیاء العلوم، جلد سوم، ص ۴، ۔ نیز ملاحظہ فرمائیں بدیع الزماں فروزانفر "احادیث مثنوی" (تہران، ۱۳۴۷ ش اشاعت ثانی) صص ۲۰ اور ۲۱

۵۸۸ ۔ مثنوی باقی باللہؒ، قلمی ورق ۱۷۸

۵۸۹ ۔ مثنوی باقی باللہؒ، قلمی ورق ۱۸۰ ب

۵۹۰ ۔ مثنوی باقی باللہؒ، قلمی ورق ۱۸۱ ب

(ان اشعار میں احوال و مقامات بیان کیے گئے ہیں ۔ ترجمہ نگار ایک بے حال بلکہ بد حال شخص ہے ۔ جیسا کچھ بن سکا لفظی ترجمہ کر دیا ہے ۔ اس لیے ترجمے کے نقص و ابہام کے سلسلے میں معذرت خواہ ہے ۔ مترجم)

۵۹۱ ۔ سورۃ فیل، آیت ۱

ہمت :۔ ہمت اپنے لیے یا کسی اور کے لیے حصول کمالات کی غرض سے اپنی پوری قوتوں اور جمیع قوائے روحانیہ کے ساتھ حق تعالیٰ کی طرف متوجہ ہونا (سر دلبراں، ص ۳۳۷)

تلویح :۔ تلویح اصول فقہ کے موضوع پر ایک کتاب (غیاث اللغات) مترجم

۵۹۲ ۔ مثنوی باقی باللہؒ، قلمی ورق ۱۸۳

۵۹۳ ۔ سورۃ بنی اسرائیل، آیت ۱۰۱

۵۹۴ ۔ شرح رباعیات، صص ۳۰ ۔ ۳۱

۵۹۵ ۔ ملاحظہ فرمائیں، "دیوان خواجہ شمس الدین محمد حافظ شیرازی" مرتبہ محمد قزوینی اور قاسم غنی (تہران سال اشاعت ندارد) ص ۱۳۶

اس پیرے کا فارسی متن یہ ہے :

"اگرچہ قریب بایام رحلت حضرت خواجہ ما قدس سرہ مشرب شیخ مایل بموافقت مشرب شیخ علاء الدولہ سمنانی شد و از معارف شیخ اکبر محی الدین ابن العربی قدس سرہ تبری می نمودند، اما بمقتضای آنکہ حضرت ایشاں بزبان الہام بیان گزراندہ کہ آخر ایشاں را مرتبہ ایں مقام معلوم خواہد شد، دریں ایام خدمت شیخ میلانی تمام بایں روش دارند" (ص ۱۸۷)

مصنف رحمۃ اللہ علیہ کے بیان سے، جو یقینا عصری شہادت ہے، یہ ظاہر ہوتا ہے کہ ابتدا میں حضرت مجدد الف ثانی قدس سرہ ابن عربی قدس سرہ کے مشرب کی تائید میں تھے ۔ بعد میں آپ ایسے مقام پر متمکن ہوئے کہ ابن عربی قدس سرہ سے بری ہونے کا اظہار فرمایا اور ان کے معارف کو غلط قرار دیا ۔ آخر میں آپ پھر ابن عربی سے متفق ہو گئے ۔ واللہ اعلم ۔ بہرحال اہل علم و تحقیق کے لیے محمد صادق دہلوی رحمۃ اللہ علیہ نے ایک نئی اطلاع فراہم کی ہے ۔
(مترجم)

۵۹۶ ۔ مکتوبات امام ربانی، جلد اول مکتوب ۱۰۶

۵۹۷ ۔ سورۂ ضحیٰ، آیت ۱۱

۵۹۸ ۔ احیاء العلوم، جلد سوم، ص ۵۵

۵۹۹ ۔ سورۂ انبیا، آیت ۸ ۔ (انگریزی متن میں سورہ ۲۰ یعنی سورہ طہٰ آیت ۹ کی نشاندہی کی گئی ہے ۔ مترجم)

۶۰۰ ۔ سورۂ فرقان، آیت ۷

(کشف کونی یعنی کشف صوری کی وہ انواع جن سے مغیبات دنیوی پر اطلاع یابی ہوتی ہے، خلاف شرع لوگوں کے لیے استدراج بن جاتی ہے ۔ مجاہدات و ریاضات کے سبب سے جوگیوں اور راہبوں وغیرہ کو اس نوع کا کشف ہونے لگتا ہے ۔ اہل سلوک ایسی باتوں کی طرف التفات نہیں کرتے ۔ (سر دلبراں ،

ص ۲۸۰) استدراج کے بارے میں مذکورہ تشریح ضروری تھی ورنہ سیدھے سادے لفظوں میں استدراج کا مطلب ہے، خرق عادت جو فاسق یا کافر سے ظاہر ہو۔

(مترجم)

اسمائے الہی کلی سے مراد وہ معنی اور استعدادات خاص ہیں جو حق تعالی کے ساتھ قایم ہیں۔
اسمائے کونی سے مراد وہ معنی اور استعدادات خاص ہیں جن کا قیام خلق کے ساتھ ہے۔

(سر دلبراں مصنفہ شاہ محمد ذوقی۔ کراچی ۱۳۱۰ھ ص ۳۵۰)

فارسی متن کی عبارت یہ ہے "و ملایکہ مطلقاً برتبہ محبت ذاتی نتوانند رسید، وصول بایں مرتبہ عالیہ جز ایشاں را میسر نہ گردد" ایشاں غالباً کتابت کی غلطی ہے۔ یہاں انسان ہونا چاہیے۔ چنانچہ ترجمے میں "ایشاں" کے بجائے "انسان" رکھا گیا ہے۔ مطلب یہ ہے کہ محبت ذات کے رتبے تک فرشتے تو پہنچ نہیں سکتے انسان البتہ پہنچ سکتا ہے بلکہ پہنچا ہے۔ صلی اللہ علیہ وسلم

(احقر مترجم)

اشاریہ کلمات الصادقین

فہرست اشخاص

فہرست کتب

مرتبہ

لطیف اللہ

فہرست اشخاص

(سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کے اسم پاک کا اشاریہ پہلے مرتب کیا گیا ہے اس کے بعد تمام نام حروف تہجی کے مطابق ہیں)

ب

پ

ت

ج

چ

ح

خ

ش

ص

ض

ظ

ع

غ

ف

ق

ک

گ

م

ہ

ی

فہرست کتب

(اللہ تعالیٰ کی کتاب قرآن حکیم کا اشاریہ پہلے مرتب کیا گیا ہے اس کے بعد دوسری کتابوں کے نام حروف تہجی کے مطابق تحریر کیے گئے ہیں)

RAMPUR RAZA LIBRARY